روزانہ درس قرآن پاک

تفسیر

سورۃ الانعام

(مکمّل)

جلد ۷

افادات

حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی دام مجدہم

خطیب جامع مسجد نور، گوجرانوالہ

طبع باراں

نام کتاب .... معالم العرفان فی دروس القرآن (سورۃ الانعام مکمل) جلد ۷

افادات .... حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی خطیب جامع مسجد نور گوجرانوالہ

مرتب .... الحاج لعل دین۔ ایم اے (علوم اسلامیہ) شالا مار ٹاؤن لاہور

تعداد طباعت .... پانچ سو (۵۰۰)

سرورق .... سید الخطاطین حضرت شاہ نفیس الحسینی مدظلہ

کتابت .... محمد امان اللہ قادری گوجرانوالہ

ناشر .... مکتبہ دروس القرآن فاروق گنج گوجرانوالہ

قیمت .... ۱۶۵/- ایک سو پینسٹھ روپے

تاریخ گیارھواں ایڈیشن .... **نومبر ۲۰۰۷، بمطابق شوال ۱۴۲۸ھ**

ملنے کے پتے

(۱) مکتبہ دروس القرآن، محلہ فاروق گنج گوجرانوالہ

(۲) مکتبہ رحمانیہ اقراء سنٹر اردو بازار لاہور

(۳) مکتبہ قاسمیہ، الفضل مارکیٹ لاہور

(۴) مکتبہ سید احمد شہیدؒ، اردو بازار، لاہور

(۵) کتب خانہ رشیدیہ، راجہ بازار راولپنڈی

(۶) کتب خانہ مجیدیہ، بیرون بوہڑ گیٹ ملتان

(۷) مکتبہ حلیمیہ نزد جامعہ بنوریہ سائٹ نمبر ۶ کراچی

(۸) اسلامیہ کتب خانہ اڈا گامی، ایبٹ آباد

(۹) مکتبہ رشیدیہ، سرکی روڈ کوئٹہ

(۱۰) مکتبہ العلم ۱۸ اردو بازار لاہور

فہرست مضامین

معالم العرفان فی دروس القرآن، سورۃ الانعام (مکمل) جلد ۷

پیش لفظ

اَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
وَجَعَلُوا لِلّٰہِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِیبًا

(۶ : ۱۳۶)

الحمد للہ مکمل سورۃ الانعام پر مشتمل دروس القرآن کی یہ ساتویں جلد پیش خدمت ہے اس سورۃ کا نام سورۃ الانعام اس کے سولھویں اور سترھویں رکوع میں آمدہ لفظ انعام کی مناسبت سے ہے۔ اس لفظ کا اطلاق ان پالتو مویشیوں پر ہوتا ہے جو عام طور پر انسانوں سے مانوس ہوتے ہیں۔ یہ آٹھ قسم کے جانور ہیں جن کی حلت کا ذکر اس سورۃ مبارکہ میں کیا گیا ہے۔

ترتیبِ تلاوت کے لحاظ سے قرآنِ پاک کی یہ چھٹی سورۃ مکی زندگی میں سورۃ حجر کے بعد نازل ہوئی۔ سورۃ الانعام سے پہلے پانچوں سورتیں مدنی ہیں اور یہ سورۃ پہلی مکی سورۃ ہے۔ اس کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ چند آیات کے علاوہ باقی پوری سورۃ بیک وقت نازل ہوئی جسے جبرائیل علیہ السلام ستر ہزار فرشتوں کی معیت میں لے کر نازل ہوئے۔ سورۃ کے مضامین سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکی زندگی کے آخری حصہ میں نازل ہوئی۔

اس سورۃ مبارکہ میں انعام یعنی مویشیوں کا ذکر دو وجوہ کی بنا پر ہوا ہے۔ پہلی وجہ تو بیان ہو چکی ہے کہ اس سورۃ میں آٹھ قسم کے مویشیوں کی حلت کا حکم ہوا ہے اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مشرکین عرب نے ان جانوروں کے ساتھ بہت سی شرکیہ رسوم وابستہ کر رکھی تھیں انہوں نے از خود بعض جانوروں کو

بعض لوگوں کے لیے حلال اور بعض کے لیے حرام قرار دے رکھا تھا۔ بعض جانور مردوں کے لیے حلال تھے اور عورتوں کے لیے حرام تھے، بعض جانوروں کو سواری اور دوسری خدمات کے لیے حرام کر رکھا تھا اللہ تعالیٰ نے اس سورۃ میں اس خود ساختہ شریعت کی تردید فرمائی ہے اور ان جانوروں کو غیر مشروط طور پر سب کے لیے حلال قرار دیا ہے۔

حسبِ معمول اس سورۃ میں بھی توحید باری تعالیٰ کو خصوصی اہمیت دی گئی ہے اور اسے مختلف طریقوں سے بیان کیا گیا ہے۔ خاص طور پر نماز، قربانی زندگی اور موت کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کر کے توحید کو ایک نئے انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ شرک کی تردید اس سورۃ کا طرۂ امتیاز ہے شرک کی تمام اقسام مبنی بر عقیدہ اور فعل کا رد کیا گیا ہے، خاص طور پر نذر بغیر اللہ کا خوب تعاقب کیا گیا ہے۔ شرک کی تردید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف سے ستارے، چاند اور سورج کو بطور دلیل پیش کرنے کا واقعہ بھی اسی سورۃ مبارکہ میں بیان ہوا ہے۔

اہلِ کتاب کی طرف سے انکارِ نبوت کے جواب میں ایک ہی مقام پر اٹھارہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر کر کے سب کو اللہ کے برگزیدہ بندے اور ہدایت یافتہ فرمایا گیا ہے۔ اہلِ کتاب کی سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے وقتی طور پر ناخن والے جانور اور گائے بھیڑ کی چربی حرام کر دی تھی، اس کا ذکر بھی آگیا ہے۔ کفار حضور علیہ السلام سے اپنی پسند کی نشانیاں بار بار طلب کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے جواباً فرمایا ہے کہ اگر ان کا مطالبہ پورا بھی کر دیا جائے تو سابقہ امم کی طرح یہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ نیز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان سے بھی کہلوا دیا کہ اگر مجھے از خود نشانیاں پیش کرنے کا اختیار ہوتا تو میں ایسا کر دیتا مگر پھر بھی ایمان نہ لانے کی پاداش میں اب تک تمہارا کام ہو چکا ہوتا۔

ملتِ ابراہیمی کے اصول اس سورۃ میں بھی بیان کیے ہیں۔ دینِ اسلام، دینِ حنیف اور ملتِ ابراہیمی کو ایک ہی چیز قرار دیا گیا ہے۔ متفرق مضامین

شرح صدر جیسے عظیم انعام کا ذکر کیا گیا ہے۔ اموالِ یتمیٰ کی حفاظت کا حکم دیا گیا ہے۔ فرقہ بندی کی ممانعت کی گئی ہے۔ ہر شخص کو اپنے اعمال کی ذمہ داری قبول کرنے کا اصول بیان کیا گیا ہے اور پھر آخر میں نیکی اور بدی کی جزا اور سزا کا کلیہ بیان کیا گیا ہے۔ عقیدہ آخرت کی یاد دہانی اِس سورۃ میں بھی کرائی گئی ہے۔ کیونکہ تمام اعمال کا دار و مدار اسی عقیدہ پر ہے اس دنیا فانی کو ہی اوّل و آخر سمجھ لینے کے باطل نظریہ کی نفی کی گئی ہے منکرین کو اُن کے اعمال پہ وعید کے ساتھ ساتھ لطیف انداز میں تبلیغ کا سلسلہ بھی جاری رکھا گیا ہے۔ اہلِ ایمان کو تسلی بھی دی گئی ہے کہ وہ وقتی نامساعد حالات سے دل برداشتہ نہ ہوں آخری کامیابی انہی کی ہے۔

جس جوش و جذبہ اور لگن کے ساتھ سلسلہ دروس القرآن کی اشاعت پر کام جاری ہے یہ مالک الملک کی توفیق اور استعانت ہی کا مرہون منت ہے۔ اس سلسلہ کی تکمیل[۱] کے لیے قارئین سے خصوصی دُعا کی درخواست ہے ہمیں اُمید ہے کہ ہر آمد جلد کے لیے انتظار کی زیادہ زحمت نہیں اٹھانا پڑے گی پروگرام کے مطابق اگلی جلد مکمل سورۃ الاعراف پر مشتمل ہو گی۔ انشاء اللہ۔

احقر العباد

(الحاج) لعل دین، ایم اے (علوم اسلامیہ)

خداداد سٹریٹ شالامار ٹاؤن لاہور

[۱] الحمد للہ رمضان ۱۴۱۶ھ میں یہ تفسیر بیس ۲۰ جلدوں میں مکمل ہو گئی ہے۔

(فیاض)

سخنہائے گفتنی

از:- محمد اشرف فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم و وفاق المدارس العربیہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی رسولہ الکریم خاتم الانبیاء والمرسلین وعلی آلہ واصحابہ اجمعین - اما بعد

سیاسی تقسیم کے اعتبار سے دنیا اس وقت عام طور پر دو حصوں میں منقسم ہے ایک طرف سرمایہ دارانہ نظام حکومت ہے جسمیں ایک مخصوص طبقہ یعنی مالدار لوگوں کے مفادات کو مکمل تحفظ حاصل ہے۔ اسی طبقہ کے مفادات کے تحفظ کے لیے کبھی جمہوریت کا سبز باغ دکھایا جاتا ہے اور کبھی امن عامہ کو آگ و خون کی بھٹیوں میں جھونک کر عوام الناس کے مفاد کو تباہ کر کے ڈکٹیٹر شپ اور مارشل لاء کا سہارا لیا جاتا ہے۔ اس نظام میں روٹی کپڑا، مکان سے لے کر اعلیٰ تعلیم، قانون، انصاف، جان، مال عزت کا تحفظ، عزت علاج اور ٹرانسپورٹ کی سہولت غرضیکہ تمام ضروریات زندگی مالدار کے لیے وقف ہوتے ہیں تمام قدرتی پیداوار اور وسائل میں مزدور کا صرف اتنا حصہ ہے کہ وہ اسے اپنی محنت و ذہانت سے سرمایہ دار کے استفادہ کے قابل بنائے، اس نظام کی تباہ کاریاں اس وقت سے اور بھی زیادہ بھیانک شکل اختیار کر گئی ہیں جب سے مشینوں نے انسانوں کو بیکار کر دیا ہے کاشتکار جاگیردار اور مزدور صنعتکار کے ہاتھ اپنی زیادہ سے زیادہ محنت کم سے کم معاوضہ کے بدلہ فروخت کرنے پر مجبور ہے۔

اسی نظام کے خلاف کاشتکار اور مزدور کی نفرت، بغاوت اور انتقام نے کیمونزم، یا سوشلزم کی شکل اختیار کی، اس میں سرمایہ دار کی جگہ پارٹی نے لے لی اور انسان کو خدا، رسول، مذہب، محنت، عزت اور وقار کے بدلے اگر نان جویں میسر آبھی گئی تو

کیا حاصل؟ عملی تجربہ نے دونوں نظاموں کے غلط اور انسانوں کے لیے مضر ہونے پر مہر تصدیق ثبت کر دی ہے۔ ان دونوں نظاموں کی ٹکر نے پوری دنیا کا امن وسکون مکمل طور پر تباہ کر دیا ہے، بحر و بر میں کوئی جگہ جائے امن نہیں۔ گلی محلے سے لے کر عالمی سطح تک غنڈہ گردی کا راج ہے ہر جگہ پر غنڈے اپنی اپنی حیثیت کے مطابق دندناتے پھر رہے ہیں۔ ہر ملک کے عوام بے چین سے بے چین تر، غیر یقینی صورت حال سے دوچار اور ہر انسان کا دل انجانے خوف سے ہر وقت دھڑکتا معلوم ہوتا ہے۔ بیروزگاری روزافزوں ہے، مفکرین غور کرتے ہیں تو کوئی جہالت کو اس کا سبب قرار دیتا ہے اور کوئی کثرت آبادی کو۔

زیر نظر جلد تفسیر سورۃ انعام میں حضرت صوفی صاحب مدظلہ نے اس بے پناہ پیچیدہ مسئلہ کو نہایت عمدہ طریقہ پر آیات قرآنیہ سے استنباط کر کے عام فہم انداز میں سمجھایا ہے وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ پر بحث کرتے ہوئے حضرت نے اس انتہائی نازک اور اہم مسئلہ کی الجھی ہوئی گتھیوں کو بڑے اچھے اور اچھوتے طریقہ سے کھولا ہے کہ مسئلہ نہ کثرت آبادی کا ہے نہ کوئی اور بات ہے، دراصل حقوق معیشت میں رواداری اور تقسیم دولت کا غیر منصفانہ نظام ہی ان تمام خرابیوں کی جڑ ہے اور اسلام کا فطری نظام ہی اس کا بہترین حل ہے جس میں معیشت کی بجائے حقوق معیشت میں مساوات ہے۔ حضرت مدظلہ فرماتے ہیں۔

"ادھر ایک طرف تو برتھ کنٹرول کی ترغیب دی جاتی ہے اور دوسری طرف دن میں چھ چھ مرتبہ جانوروں کی طرح بے تحاشا کھایا جاتا ہے۔ تم اللہ کی گدی پر بیٹھ کر رزاقیت کے مالک بنتے ہو، اور سمجھتے ہو کہ ہماری جاری کردہ سکیموں کے ذریعہ رزق حاصل ہو گا۔ یہ تو حماقت ہے، تمہارے پاس جو کچھ ہے اسے منصفانہ طریقہ سے تقسیم تو کرو اور پھر دیکھو کہ وسائل رزق کس طرح مہیا ہوتے ہیں، اچھی تعلیم اور اچھی ملازمتیں بڑے لوگوں کے لیے مخصوص کر دی جائیں، سائنس اور ٹیکنالوجی سے غریب طلباء کو محروم کر دیا جائے، باصلاحیت بچوں کے داخلے پر قدغن لگا دی جائے

تو روزگار کا بہاؤ نیچے کی طرف کیسے آسکتا ہے ؟ یہ اس امتیازانہ سلوک کا نتیجہ ہے کہ امیروں کے بدکردار بچے ڈگریاں حاصل کر کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہوجاتے ہیں اور غریب آدمی کو مزدوری تک نہیں ملتی یہ سب غیر منصفانہ تقسیم کا نتیجہ ہے۔"

علاوہ ازیں زیرِ نظر جلد میں کفر و شرک کی تمام اقسام کی انتہائی اچھے انداز میں تردید، رسوماتِ باطلہ کے مفاسد اور ان کا عمدہ طریقہ پر ردّ، توحیدِ خداوندی اور امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کے بیان کے ساتھ ساتھ تفسیری نکات، فقہی مسائل، جانوروں کی حلت و حرمت اور ذبح کے متعلق کافی مسائل آگئے ہیں، ربطِ آیات تو ان دروس کا خاص امتیاز ہے ہی۔

عام انسانوں کے لیے بالعموم اور مسلمانوں کے لیے بالخصوص سچی ہمدردی، مقاصد کی رفعت، فکر کی بلندیوں، ماضی میں قوموں کے عروج و زوال اور عصرِ حاضر میں قوموں کو پیش آنے والے حوادثات و مسائل پر حضرت کی عمیق نظر کے ساتھ فکرِ ولی اللّٰہی کی گہری چھاپ نے ان دروس کو وقت کے تقاضے کے عین مطابق بنا دیا ہے، اندازِ بیان کی سادگی نے ان کو اور بھی جلا بخش کر خطباء، طلباء علماء اور دیگر صاحبِ علم حضرات کے علاوہ عدیم الفرصت اور معمولی تعلیم یافتہ حضرات کے لیے بھی گنج گرانمایہ بنا دیا ہے۔

آخر میں دلی دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان دروس کو صاحبِ درس حضرت صوفی صاحب مدظلہ انجمن محبانِ اشاعتِ قرآن کے جملہ اراکین فاضل مرتب جناب حاجی لعل دین سرگرم ارکان بلال احمد ناگی، الحاج بابو غلام حیدر مستری محمد منیر، شیخ محمد یعقوب، منشی مشتاق احمد اور اس کی اشاعت میں حصہ لینے والے تمام حضرات کی فوز و فلاح کا ذریعہ بنائے اور ان کی سعیِ جمیل قبول فرمائے اور قیامت تک زیادہ سے زیادہ لوگوں کو اس سے مستفید ہونے کی توفیق عطا فرمائے۔

ایں دعا از من و از جملہ جہاں آمین آباد

فقط محمد اشرف فاضل مدرسہ نصرۃ العلوم، وفاق المدارس العربیہ

۴ جمادی الاخریٰ ۱۴۱۰ھ ۲ جنوری ۱۹۹۰ء

سورۃ الانعام

(مکمل)

المجلد الخامس
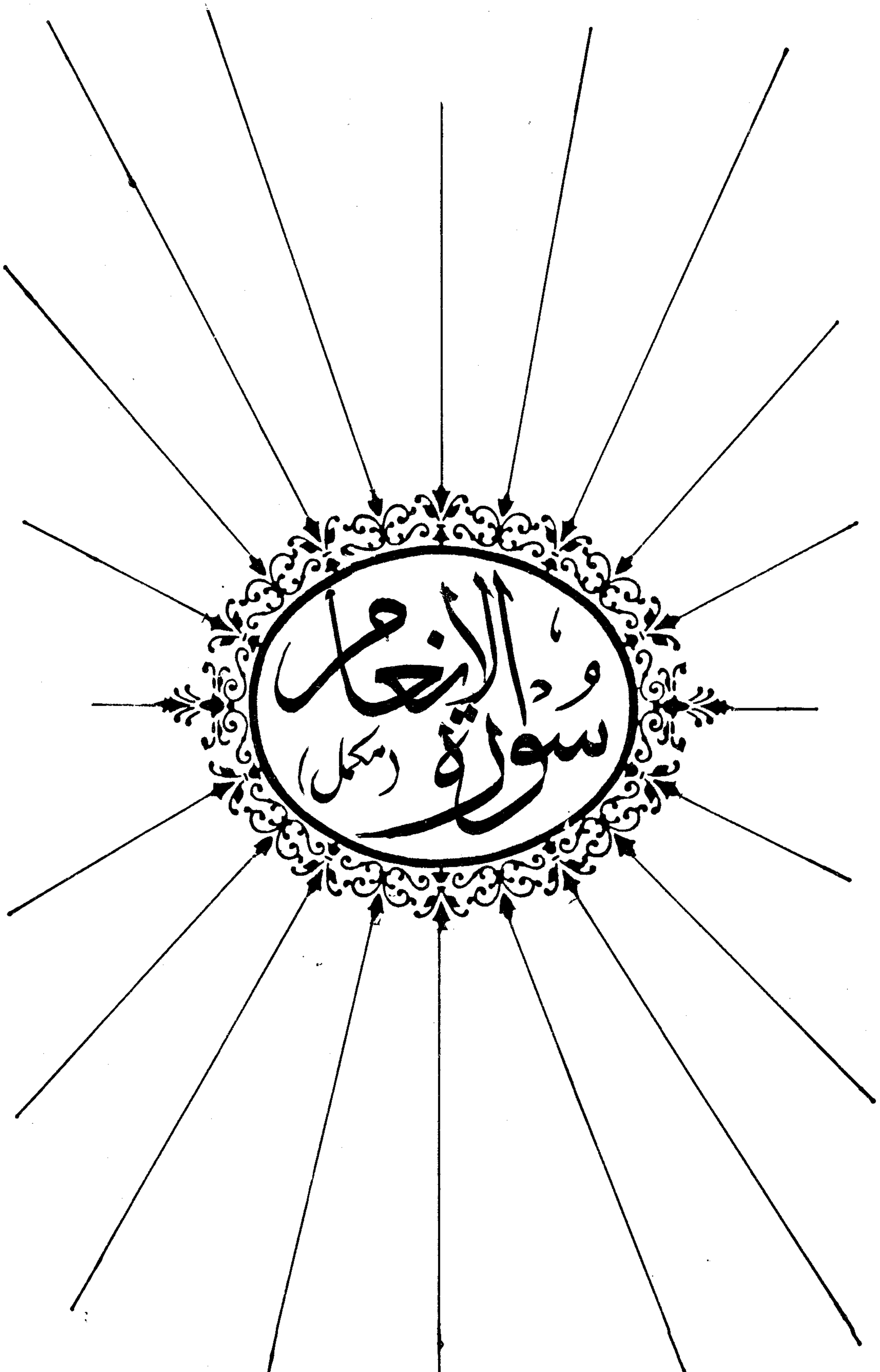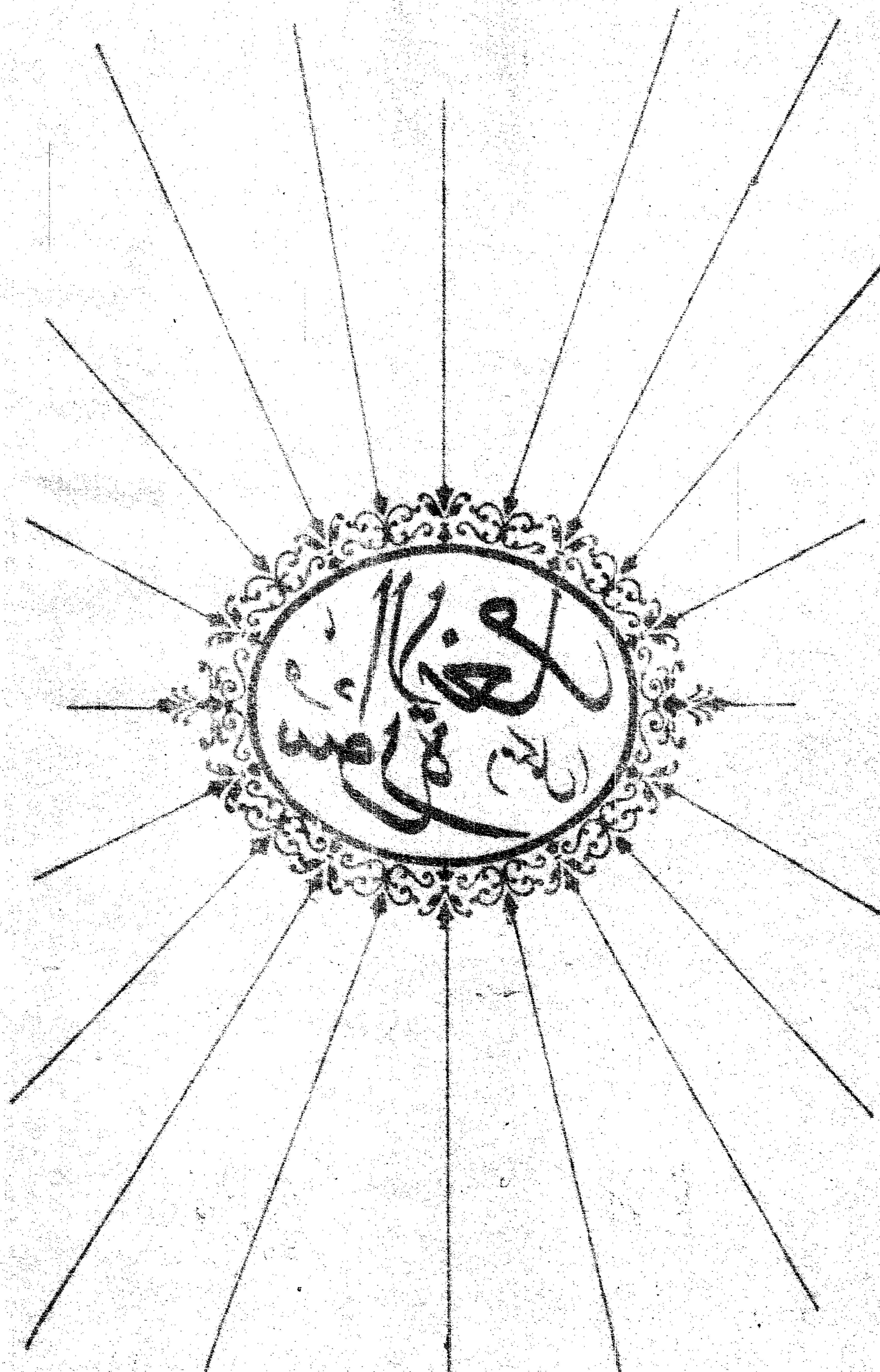
سُوْرَةُ الْاَنْعَامِ مَكِّيَّةٌ وَّهِيَ مِائَةٌ وَّخَمْسٌ وَّسِتُّوْنَ اٰيَةً وَّفِيْهَا عِشْرُوْنَ رُكُوْعًا

سورة انعام مکیّ ہے اور یہ ایک سو پینسٹھ ۱۶۵ آیات اور اس میں بیس ۲۰ رکوع ہیں

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بیحد مہربان نہایت رحم کرنے والا ہے

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۙ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ①

ترجمہ :- سب تعریفیں اللہ کے لیے ہیں جس نے پیدا کیے ہیں آسمان اور زمین اور جس نے بنائے ہیں اندھیرے اور اجالا، پھر وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ہے، اپنے رب کے ساتھ، دوسروں کو برابر کرتے ہیں ①

نام اور کوائف

اس سورۃ کا نام سورۃ الانعام ہے۔ انعام، نعم کی جمع ہے، اور اس کا جمع الجمع اناعیم آتا ہے۔ انعام کا اطلاق عام طور پر اونٹ پہ کیا جاتا ہے اور گائے اور بھیڑ بکری پہ کیا جاتا ہے اور عام فہم میں اس کا معنیٰ وہ مویشی ہوتے ہیں جنہیں عام طور پہ لوگ پالتے ہیں اور وہ انسان سے مانوس ہوتے ہیں۔ سورۃ نحل میں موجود ہے "وَالْاَنْعَامَ خَلَقَهَا ۚ لَكُمْ فِيْهَا دِفْءٌ وَّمَنَافِعُ وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ" اللہ تعالیٰ نے مویشیوں کو پیدا کیا، ان میں تمہارے لیے بہت سے فائدے رکھے ہیں اللہ نے انہیں تمہاری خدمت کے لیے پیدا فرمایا ہے۔ اور تمہارے تابع بھی کر دیا ہے، یہ بڑی عاجزی کے ساتھ تمہاری خدمت انجام دیتے ہیں۔ ان میں تمہارے لیے موسم سرما میں گرمی کا سامان بھی پیدا کیا ہے بہر حال اس سورۃ کا نام انعام اس لیے ہے کہ اس میں مویشیوں کا تذکرہ ہے اور ان کی حلت و

حرمت کا مسئلہ بیان فرمایا ہے۔ اس سورۃ میں اُس شرک کی بھی تردید کی گئی ہے جو عرب لوگ مویشیوں کے ذریعے کرتے تھے۔

یہ سورۃ مکی زندگی میں نازل ہوئی، اس کی ایک سو پینسٹھ ۱۶۵ آئتیں اور اور بیس رکوع ہیں۔ اس سورۃ میں کل ۳۰۵۰ کلمات اور ۱۲۴۲۲ حروف ہیں۔ سورۃ انعام سورۃ حجر کے بعد نازل ہوئی ہے۔ یہ لمبی سورتوں میں شمار ہوتی ہے۔ اس سے پہلے ساری سورتیں مدنی ہیں۔ دراصل اس سورۃ میں توحید کے تمام دلائل ذکر کیے گئے ہیں اور شرک کی جملہ اقسام کی تردید کی گئی ہے۔ ترتیب تلاوت کے لحاظ سے یہ پہلی مکی سورت ہے تاہم ترتیب نزول کے حساب سے اس کا نمبر بہت بعد میں آتا ہے۔

اِس سورۃ کی فضیلت کے متعلق امام رازیؒ اور دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اِس کی چند آیتوں کو چھوڑ کر باقی ساری سورۃ بیک وقت نازل ہوئی۔ اس سورۃ کے ساتھ ستر ہزار فرشتوں کی جماعت زمین پر نازل ہوئی جس سے پوری وادی پُر ہو گئی۔

ملت حنیفیہ کی تکمیل

قرآنِ پاک میں سب سے پہلے سورۃ فاتحہ کو رکھا گیا ہے۔ اس میں مِلت ابراہیمیہ کے تمام اصولوں کا خلاصہ اور لب لباب دیدیا گیا ہے، اسی لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، چاروں آسمانی کتابوں یعنی تورات، انجیل، زبور، اور قرآن پاک میں سورۃ فاتحہ جیسی کوئی دوسری سورۃ نہیں۔ تمام کتابوں میں سورۃ فاتحہ کو سب سے زیادہ فضیلت حاصل ہے، یہ وہی سورۃ ہے جسے ہم نماز میں پڑھتے ہیں اور اس لحاظ سے یہ سورۃ الصلوٰۃ بھی کہلاتی ہے۔

سورۃ فاتحہ کے بعد دو سورتوں بقرہ اور آل عمران میں ملت ابراہیمی کی ظاہری تفصیل ہے۔ اِن سورتوں میں ادنیٰ مسائل سے لے کر خلافتِ کبریٰ تک کے نظام کے مسائل بیان کیے گئے ہیں اور

انفرادی احکام سے لے کر اجتماعی احکام تک سب چیزیں آگئی ہیں اسی طرح عبادات کو بھی وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا گیا ہے۔ تاہم اس ملت کی شکل و صورت کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب ان کے ساتھ سورۃ نساء اور سورۃ مائدہ کے مضامین کو بھی ملا لیا جائے چنانچہ ان چار سورتوں کو باہم ملانے سے ملتِ ابراہیمیہ کی ظاہری اور باطنی دونوں صورتیں کھل کر سامنے آجاتی ہیں۔ سورۃ نساء (WOMEN) اور سورۃ مائدہ (TABLE) (FOOD) میں انسانی زندگی سے متعلق اہم باتیں بیان کی گئی ہیں۔ انسانی زندگی کے ساتھ عورت اور کھانے کا گہرا تعلق ہے۔ جب تک ان دونوں چیزوں کا توازن موجود نہ ہو انسان کو سکون حاصل نہیں ہوتا۔

ایک لحاظ سے سورۃ بقرہ اور سورۃ آل عمران میں ان لوگوں کا تذکرہ ہے جنہوں نے ملتِ ابراہیمیہ کو بگاڑ دیا تھا۔ سورۃ بقرہ میں زیادہ تر یہودیوں کے باطل عقائد کا ذکر ہے اور سورۃ آل عمران میں نصاریٰ کو موضوعِ سخن بنایا گیا ہے۔ یہ دونوں قومیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد اور پیروکار ہونے کی دعویدار ہیں مگر ملتِ ابراہیمیہ کو بگاڑنے کی ذمہ داری بھی انہی پر آتی ہے۔ لہٰذا ان دو سورتوں میں ان دونوں گروہوں کو خطاب کیا گیا ہے۔

ملتِ ابراہیمیہ میں بگاڑ پیدا کرنے والا تیسرا گروہ مشرکین عرب کا تھا، جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد اور ان کے بیشمار خاندانوں پر مشتمل تھا۔ چنانچہ اگلی دو سورتوں نساء اور مائدہ میں روئے سخن مشرکین عرب کی طرف ہے۔ جب قرآن پاک نازل ہوا تو اس نے یہ تعلیم دی کہ اگر یہ سب لوگ اپنے پیدا کردہ بگاڑ کو ترک کر دیں تو یہ لوگ بھی ملتِ ابراہیمیہ کا حصہ بن جائیں گے اور اسی راستے پر گامزن ہو جائیں گے جس راستے پر حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ

کے بعد آنے والے تمام انبیاء علیہم السلام چلتے رہے یہ تمام انبیاء ملت ابراہیمیہ کے ہی امام تھے۔ غرضیکہ سورۃ مائدہ تک ملتِ ابراہیمیہ کو بگاڑنے والے تینوں فرقوں یہود، نصاریٰ اور مشرکین عرب کو خطاب ہو گیا ہے۔

سورۃ بقرہ میں "یٰبَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ" سے شروع کر کے یہودیوں کی چالیس خرابیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اور سورۃ آل عمران میں معاملہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت سے شروع ہوتا ہے اور ۸۳ آیتوں تک روئے سخن نصاریٰ کی طرف ہوتا ہے جن میں اُن کے غلط عقائد کی نشاندھی کی گئی ہے۔ ان آیات میں عیسائیوں پر واضح کیا گیا ہے "مَا مِنْ اِلٰہٍ اِلَّا اللّٰہُ" اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں مگر تم مسیح علیہ السلام کی الوہیت کے قائل ہو چکے ہو۔ اگر تم اپنے دعوے میں سچے ہو تو آؤ آپس میں فیصلہ کر لیں۔ بحث و تمحیص کے ذریعے معاملے کو صاف کر لیں یا پھر مباہلے کے ذریعے کذب و صداقت کی پہچان ہو جائے، مگر یہ لوگ آج تک اپنی ضد اور ہٹ دھرمی پر اڑے ہوئے ہیں غرضیکہ ان چاروں طویل سورتوں میں ملتِ ابراہیمیہ کا ظاہر و باطن بیان کر دیا گیا ہے۔ اب تک قرآن حکیم کی پانچ سورتوں کا بیان ہو چکا ہے اس کے بعد چھٹی سورۃ انعام اور ساتویں سورۃ اعراف ہے یہ ساتوں سورتیں مل کر قرآن پاک کا ایک باب بنتا ہے۔ اس باب کا پہلا حصہ سورۃ مائدہ پر ختم ہوا جس کے ساتھ ہی ملتِ ابراہیمیہ کا بیان ختم ہوا ہے اور اب سورۃ انعام سے روئے سخن صابی ملت کی طرف ہوتا ہے۔

صابی ملتوں سے خطاب

حضرت نوح علیہ السلام کے زمانے سے لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے تک صابی ملت کا دور تھا۔ بلکہ اس سے پہلے حضرت ادریس علیہ السلام کا زمانہ بھی اسی دور میں شمار ہوتا ہے۔ ملتِ ابراہیمی کے ماننے والوں کی طرح ملتِ صابی کے پیروکاروں نے بھی اس کے اصول بگاڑ

ڈبے تھے۔ اصل دین کو کفر و شرک میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس ملّت میں بھی توحید، طہارت، صلوٰۃ اور صوم کے چاروں اصول موجود تھے، جیسا کہ امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی کتاب "حسن المحاضرۃ فی احوال المصر والقاهرة" میں لکھا ہے، اس ملت کے پیروکاروں نے خود ان اصولوں کو بگاڑ دیا۔ اور دین میں خرابیاں پیدا کر دیں قرآن پاک کا فرمان ہے کہ اگر تم ان خرابیوں کو چھوڑ دو تو تمہاری ملت بھی ٹھیک ہے قرآن پاک آج بھی دعوت دے رہا ہے کہ غلط عقائد کو چھوڑ کر راہ راست پر آجاؤ تو تم آج بھی نجات پانے والے بن سکتے ہو۔

صابی ملتوں میں مشرق میں چینی قوم ہے۔ ہندوستان میں آریہ اور اس سے پہلے اور بعد والی قدیم قومیں ہیں۔ وسط ایران کے مجوسی اور مغرب میں رومی اور یونانی ہیں۔ یہ پانچوں قومیں صابی ملّت کی پیروکار ہیں مگر یہ ملّت کے اصل اصولوں کو چھوڑ کر شرک میں مبتلا ہو گئے، جس طرح یہود و نصاریٰ اور بنی اسماعیل نے کفر و شرک کو اپنا کر اسی کو ملتِ ابراہیمی کا نام دے دیا، اسی طرح ان اقوام نے بھی باطل عقائد پر صابی ملّت کا لیبل چسپاں کر دیا صابی قوموں میں سے وسطی علاقوں کے مجوسی چونکہ ارض القرآن سے زیادہ قریب تھے لہٰذا سب سے پہلے روئے سخن ان کی طرف ہے اس کے بعد تمام صابی اقوام کا اختیار کردہ شرک کی جملہ اقسام کا ردّ کیا گیا ہے ملتِ ابراہیمی کے ماننے والوں سے خطاب کی ابتدا بھی الحمد للہ سے ہوتی تھی اور اب صابی ملّت سے خطاب الحمد للہ سے ہی ہو رہا ہے۔

آئندہ سورتوں کا تجزیہ

الغرض اس سورۃ میں صابی امتوں سے خطاب کر کے ان میں رائج شرک کی تمام اقسام کا ذکر ہو رہا ہے اور ان کا ردّ بھی کیا گیا ہے اس کے بعد سورۃ اعراف میں مجموعی طور پر تمام اقوام عالم سے خطاب ہوگا اور ان کے سامنے قرآن پاک کی دعوت پیش کی جائے گی یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ

جَمِیْعًا" اے لوگو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔ اور میری دعوت یہ ہے "لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ" اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ "یُحْیٖ وَیُمِیْتُ" وہی زندہ کرتا ہے اور وہی مارتا ہے۔ جب کوئی چیز عقلی اور نقلی دلائل کے ساتھ پیش کی جاتی ہے تو اس کی مخالفت باطل پرست ہی کر سکتے ہیں۔ لہٰذا ان کے ساتھ بات چیت، بحث مباحثہ ہو سکتا ہے، کوئی اعتراض ہو تو اس کا جواب دے کر بات کو سمجھا اور سمجھایا جا سکتا ہے۔ اور اگر انکار بلاوجہ اور بے دلیل ہو تو پھر ایسے مفسد عنصر کے خلاف طاقت استعمال کرنے کا حکم بھی ہے۔ غرض! سورۃ اعراف کے بعد سورۃ انفال اور توبہ جہاد بالسیف والسنان کے متعلق ہیں۔ ان سورتوں میں جنگی احکام مذکور ہیں۔ سورۃ توبہ میں آتا ہے "وَجَاھِدُوْا بِاَمْوَالِکُمْ وَاَنْفُسِکُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ" اللہ کے راستے میں اپنے مالوں اور جانوں کے ساتھ جہاد کرو۔ "وَاَعِدُّوْا لَھُمْ مَّا اسْتَطَعْتُمْ مِّنْ قُوَّۃٍ وَّمِنْ رِّبَاطِ الْخَیْلِ" (انفال) اور جہاں تک ہو سکے طاقت سے اور گھوڑوں کی تیاری کے ساتھ مستعد رہو۔ غرضیکہ جہاد کے تمام بنیادی اصول ان دو سورتوں میں بیان کر دیے گئے ہیں۔ اس کے بعد اگلی سورتوں یونس اور ہود میں قرآن حکیم کی حقانیت اور تمام انبیاء کے دین کا بیان ہوگا پھر سورۃ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے واقعہ کے مماثلت میں حضور علیہ السلام کی کامیابی کا تذکرہ ہوگا۔ پھر وحدتِ ملتِ انبیاء اور ملتِ ابراہیمی کا دوبارہ تذکرہ سورۃ ابراہیم میں ہوگا۔ گویا اس طریقے سے یہ سورتیں آپس میں مربوط ہیں۔

نشانات معرفت الٰہی

قرآن پاک کے باب اوّل کا یہ دوسرا حصہ صابی اقوام کے خطاب سے شروع ہو رہا ہے۔ سورۃ فاتحہ کی طرح سورۃ الانعام بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف سے شروع ہوتی ہے "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ" سب تعریفیں اس اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا

کیا۔ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ اور جس نے اندھیروں اور روشنی کو بنایا۔ یہاں پر اللہ تعالیٰ کی دو صفات بیان کی گئی ہیں یعنی وہ ارض و سما کا خالق اور اندھیروں اور اجالے کا بنانے والا ہے۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی حکمت میں اِس کا مطلب یہ ہے کہ انسان اللہ کی اِن صفات کے ذریعے اُس کی پہچان تک پہنچتا ہے۔ اُس نے اپنی صفت فطور اور ابداع کے ذریعے اس جہان کو پیدا کیا "فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" وہ آسمانوں اور زمین کا خالق ہے وہ "بَدِيْعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ" آسمانوں اور زمین کا موجد ہے جب انسان ان چیزوں پر غور و فکر کرتا ہے تو وہ اِسی نتیجے پر پہنچتا ہے۔ کہ واقعی وہی موجد، خالق اور مالک ہے، لہٰذا وہی معبودِ برحق ہے۔

جواہر اُن اشیاء کو کہتے ہیں جو مستقل وجود رکھتی ہیں اور ان کے لیے مکان کی ضرورت ہوتی ہے جیسے ارض و سما اور اس میں موجود ہر چیز ہے یہ تمام چیزیں وجود رکھتی ہیں۔ اور دوسری چیزیں اعراض ہیں جو دوسری چیزوں کے ذریعے قائم ہوتی ہیں، اُن کا اپنا کوئی وجود نہیں ہوتا، جیسے اندھیرا اور اجالا یا سیاہی اور سفیدی۔ اِن چیزوں کا تعلق سورج کے ساتھ ہے اور اسی کی وجہ سے یہ چیزیں پیدا ہوتی ہیں اور ختم ہوتی ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ مستقل وجود رکھنے والے جواہر ہوں یا دوسروں کے ذریعے سے ظاہر ہونے والے اعراض ہوں سب کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے۔ اور پھر اُس کی صفت ربوبیت ہے کہ ہر چیز کو آہستہ آہستہ حدِ کمال تک پہنچانے والا بھی وہی ہے۔ عقلِ سلیم رکھنے والے شخص کے لیے یہ راستہ ہے جس پر چل کر وہ اپنے رب کی معرفت حاصل کر سکتا ہے۔

اندھیرا اور اجالا

فرمایا سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جس نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ اور بنائے ہیں اندھیرے

اور اجالا - یہاں پر اندھیرے کو جمع کے ساتھ تعبیر کیا ہے جب کہ روشنی کو مفرد کے ساتھ، کیونکہ روشنی سے مراد حق ہے اور وہ ایک ہی ہے جب کہ اندھیرے باطل پر محمول ہیں اور اُن کی کئی شاخیں ہیں۔ ظلمات میں کفر، شرک، نفاق، بدعات اور ہر قسم کی معصیت شامل ہے، جب کہ توحید، ایمان، یقین اور نبوت سے انسان کو روشنی میسر آتی ہے جو شخص اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے گا، اس کا فہم درست ہوگا اور اُس کو بصیرت حاصل ہوگی۔ غرضیکہ ایمان روشنی اور نور ہے جب کہ اس کے خلاف ہر چیز اندھیرا ہے

مِلل صابیہ میں مجوسیوں کا عقیدہ ہے کہ نور وظلمت کے خالق مختلف ہیں۔ اُن کے نزدیک نور کو پیدا کرنے والا یزدان ہے جب کہ ظلمت کا خالق اہرمن ہے۔ اس طرح یہ لوگ ثنوی عقیدہ رکھتے ہیں۔ اللہ تعالےٰ نے یہاں پر اسی باطل عقیدہ کی تردید فرمائی ہے کہ خالق دو نہیں ہیں بلکہ وہ ایک ہی ہے جس نے ظلمت اور نور دونوں کو پیدا کیا۔ نور اور ظلمت سے خیر اور شر بھی مراد لیا جاتا ہے۔ بہرحال خیر وشر کے پیدا کرنے والے دو خدا ہوں یا نور وظلمت کے دو خالق ہوں، یہ بالکل شرکیہ عقیدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وحدہٗ لاشریک ہے۔

مجوسیوں نے تو صرف دو خالقوں پر اکتفا کیا ہے ہندوؤں کے نزدیک بتیس کروڑ دیوتا ہیں، العیاذ باللہ۔ ہندوؤں میں آریہ سماج فرقہ تو تین خداؤں پہ آ کر رُک گئے۔ عیسائیوں کی طرح وہ تثلیث کے عقیدہ میں پھنس گئے۔ انہوں نے روح، مادہ اور ایشور تینوں کو قدیم مان لیا، حالانکہ قدیم صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے، باقی سب کچھ اس کی مخلوق ہے غرضیکہ تین خداؤں کا عقیدہ رکھنے والے بھی مشرک ٹھہرے وہ بھی توحید کا مقام نہیں پا سکے۔

فرمایا کہ جب علویات سے لے کر سفلیات تک، عالم بالا سے

عالم زیریں تک، ارض وسما اور جواہر و اعراض کا پیدا کرنے والا صرف خدا تعالے ہے، تو پھر بڑے افسوس کا مقام ہے ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ کہ کافر لوگ اپنے رب کے ساتھ دوسروں کو برابر ٹھہراتے ہیں کوئی مادے کو شریک مانتا ہے، کوئی نور اور ظلمت کو برابر ٹھہراتا ہے، کوئی شجر و حجر کو معبود مانتا ہے، کوئی قبر پر سجدہ ریز ہوتا ہے۔ کوئی زندہ کو پوج رہا ہے اور کوئی مردہ کی پرستش میں محو ہے۔ یہ کتنا بڑا ظلم ہے کہ اللہ کی صفات میں دوسروں کو شریک کرتے ہیں۔ بہر حال یہاں سے صابی اقوام کے باطل عقائد کا پردہ چاک کیا جا رہا ہے۔

واذا سمعوا ۷ — الانعام ۶

درس دوئم ۲ — آیت ۲ تا ۵

هُوَ الَّذِىۡ خَلَقَكُمۡ مِّنۡ طِيۡنٍ ثُمَّ قَضٰۤى اَجَلًا ؕ وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنۡدَهٗ ثُمَّ اَنۡتُمۡ تَمۡتَرُوۡنَ ۝۲ وَهُوَ اللّٰهُ فِى السَّمٰوٰتِ وَفِى الۡاَرۡضِ ؕ يَعۡلَمُ سِرَّكُمۡ وَجَهۡرَكُمۡ وَيَعۡلَمُ مَا تَكۡسِبُوۡنَ ۝۳ وَمَا تَاۡتِيۡهِمۡ مِّنۡ اٰيَةٍ مِّنۡ اٰيٰتِ رَبِّهِمۡ اِلَّا كَانُوۡا عَنۡهَا مُعۡرِضِيۡنَ ۝۴ فَقَدۡ كَذَّبُوۡا بِالۡحَـقِّ لَـمَّا جَآءَهُمۡ ؕ فَسَوۡفَ يَاۡتِيۡهِمۡ اَنۡۢبٰٓؤُا مَا كَانُوۡا بِهٖ يَسۡتَهۡزِءُوۡنَ ۝۵

ترجمہ :- اللہ کی ذات وہی ہے جس نے تم کو مٹی سے پیدا کیا ہے، پھر مقرر کی اُس نے ایک مدت۔ اور ایک مدت اور مقرر ہے اس کے پاس، پھر تم شک کرتے ہو (۲) اور وہی اللہ ہے آسمانوں میں اور زمین میں، وہ جانتا ہے تمہاری چھپی ہوئی باتوں کو اور ظاہر باتوں کو، اور جانتا ہے جو کچھ تم کماتے ہو (۳) اور نہیں آتی اُن کے پاس کوئی نشانی اپنے رب کی نشانیوں میں سے، مگر وہ اس سے اعراض کرنے والے ہوتے ہیں (۴) پس تحقیق جھٹلایا انہوں نے حق کو جب اُن کے پاس آیا پس عنقریب آجائے گی اُن کے پاس خبر (حقیقت) اُس چیز کی کہ جس کے ساتھ یہ ٹھٹا کیا کرتے تھے (۵)

شرک کی تردید

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا اور اس کی بعض صفات کا ذکر ہوا۔ عالمِ کبیر یعنی تمام کائنات کو پیدا کرنے والا بھی وہی ہے اور نور وظلمت کا خالق بھی وہی ہے، اس کے باوجود لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کے برابر تسلیم کر کے شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ چنانچہ مجوسی فرقہ والے دو خداؤں کے قائل ہیں۔ ان کے نزدیک نیکی کا خدا یزدان ہے اور بدی کا اہرمن ہے۔ یہ لوگ ثنویہ فرقہ والے کہلاتے ہیں۔ ہندوستان کے قدیم مشرک بتیس کروڑ دیوتاؤں کو مانتے تھے، ان میں آریہ سماج والوں نے تین خداؤں پر اکتفا کیا، وہ مادہ، روح اور خدا تعالیٰ تینوں کو قدیم مان کر مشرک کے مشرک ہی رہے یہ بھی عیسائیوں کے عقیدہ اقانیم ثلاثہ میں شامل ہو گئے۔ پھر یہودیوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف ایسی ایسی لغو صفات منسوب کیں جو ایک عام انسان کی طرف منسوب کرتے ہوئے بھی شرم محسوس ہوتی ہے مشرکین عرب نے بھی خدائی اختیارات مختلف ہستیوں میں تقسیم کر رکھے تھے۔ وہ پتھر کے خود ساختہ بتوں کے آگے سجدہ ریز ہوتے تھے۔ جب انسان شرک کرنے پر آجاتا ہے تو پھر وہ مٹی اور خاک کو بھی اپنا معبود تسلیم کر لیتا ہے، سورج، چاند، سیاروں اور ستاروں کی پوجا شروع ہو جاتی ہے۔ انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود درختوں اور حیوانات تک کے سامنے جھک جاتا ہے۔ قدیم مصری لوگ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ کہیں اللہ کی عبادت میں غیروں کو شریک کیا جاتا تھا۔ کہیں غیر اللہ سے مافوق الاسباب استعانت طلب کی جاتی تھی۔ یہ تمام قسم کے شرک پوری دنیا میں بالعموم اور سرزمین عرب میں بالخصوص پائے جاتے تھے، یونان اور روم کے مشرکین عقول عشرہ کے باطل عقیدہ میں مبتلا تھے۔ کہتے تھے، اللہ تعالیٰ نے پہلے ایک عقل کو بنایا پھر اس عقل نے ایک آسمان کو اور دوسری عقل کو بنایا تو اس نے

دوسری عقل اور دوسرا آسمان بنا ڈالا، علیٰ ہذا القیاس اُن کے دس عقول بھی معبودوں کا درجہ رکھتے تھے، انسانوں کی پرستش ہی کے ضمن میں قبروں اور درختوں کی پوجا ہوتی تھی، غیر اللہ کو مشکل کشا اور حاجت روا سمجھا جاتا تھا۔ نہایت دکھ کی بات ہے اور بڑا افسوس ہے کہ ہر ذرے ذرے کا خالق تو اللہ تعالےٰ ہے مگر مشرکین دوسروں کو اُس کے برابر لا کھڑا کرتے ہیں۔

گذشتہ درس میں یہ ذکر بھی آچکا ہے کہ ملّتِ حنیفیہ کو بگاڑنے والے یہود و نصاریٰ ہوں یا صابی ملّت والے چینی مشرک، قدیم ہندوستانی مشرک ہوں یا جدید آریہ سماجی، اِن سب کا اللہ تعالیٰ نے ردّ فرمایا کہ یہ کس قدر بدبخت لوگ ہیں۔ کوئی اللہ کے لیے اولاد تجویز کر رہا ہے، کوئی انسانوں میں خدائی اختیارات تسلیم کر رہا ہے۔ کوئی مسیح کو مختار مطلق اور شفیع مختار سمجھتا ہے۔ کوئی خدا کی صفتِ خاصہ کو کسی انسان کی طرف منسوب کرتا ہے۔ کوئی مخلوق کی عبادت کرتا ہے، اس کے لیے نذر و نیاز مانتا ہے، رکوع و سجود کرتا ہے، یہ سب چیزیں شرک کی مختلف قسمیں ہیں جن کے متعلق فرمایا "ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُونَ" یعنی کفر کرنے والے اغیار کو اس کے برابر لا کھڑا کرتے ہیں۔ بہرحال یہاں تک اللہ نے عالم کبیر یعنی کائنات کی تخلیق کا ذکر فرمایا کہ ارض و سما اور پوری کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہی ہے، وہ بدیع ہے یعنی ہر چیز اُسی کی ایجاد کردہ ہے۔ اُس نے کائنات کی ہر چیز کو بغیر نمونہ کے بنایا۔ لہٰذا وہی معبود برحق ہے۔ اُسکے علاوہ باقی سب کفر اور شرک ہے۔

تخلیق انسانی

کائنات کی تخلیق کا ذکر کرنے کے بعد آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق یعنی عالمِ صغیر کا ذکر فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کے ساتھ انسانی جسم میں بیرونی دنیا کے تمام خواص جمع فرما دیے ارشاد ہوتا ہے هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ مِّنْ طِينٍ

اللہ تعالیٰ کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا۔ انسان اوّل کی تخلیق مٹی سے ہوئی صحیح حدیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کا وجود پوری سطح ارض کی مٹی سے بنایا۔ تفسیر مظہری والے قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ حکیم ترمذیؒ اور ابن عدیؒ کے حوالے سے درجہ دوئم کی حدیث بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کا جسم جابیہ کی مٹی سے بنایا اور اُسے جنت کے پانی سے گوندھا اور پھر اس سے آدم کا پتلا بنایا۔ جس طرح جولان کی پہاڑیاں شام کا حصہ ہیں مگر اب اسرائیل کے قبضے میں ہیں۔ اسی طرح جابیہ شام میں ایک مقام ہے۔ ویسے لغوی لحاظ سے جبا ایسی پست جگہ کو کہتے ہیں جہاں پانی اور مٹی مل کر گارا بن جاتا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ تمام سطح ارضی کی بلند و پست جگہوں سے مٹی حاصل کی گئی۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جس طرح مختلف مقامات کی مٹی مختلف الانواع یعنی سفید، سیاہ سُرخ، پیلی وغیرہ ہے کہیں کی مٹی چکنی ہے اور کہیں کی ریتلی، اسی طرح کے اثرات تمام نسل انسانی میں بھی پائے جاتے ہیں۔ کوئی اچھے اخلاق کا آدمی ہے اور کوئی کھردرے اخلاق والا، کوئی خبیث ہے اور کوئی طیب کسی کا رنگ سفید ہے اور کسی کا سیاہ، اسی طرح کوئی سُرخ رنگ والا ہے اور کوئی پیلا، یہ سب مٹی کے ابتدائی اثرات ہیں۔

حقیر مٹی اعلیٰ مقام

اللہ تعالیٰ نے مٹی کو بالکل ایک حقیر چیز بنایا ہے۔ ہر شخص اسے اپنے پاؤں تلے روندتا ہے اور جس طرح چاہے اس سے کام لیتا ہے باقی اشیاء کے مقابلے میں خاک کو کم ترین حیثیت دی جاتی ہے۔ جو چیز کسی کام کی نہ ہو اُسے خاک سے تشبیہ دی جاتی ہے مگر مٹی کے اسی عجز و انکسار نے اس کے مقام کو بہت بلند کر دیا ہے۔ حضرت مجدد الف ثانیؒ اپنے مکتوبات میں لکھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذاتی تجلیات مقرب فرشتوں جبرائیل اور میکائیل کو بھی حاصل نہیں بلکہ یہ اس انسان کے لیے مخصوص ہیں

جس کی تخلیق مٹی جیسی حقیر چیز سے ہوئی۔ میر تقی میرؔ اُردو کا سب سے بڑا شاعر ہے، جو ناخدائے سخن مانا جاتا ہے۔ شاہ ولیؒ اور شاہ عبدالعزیزؒ کا ہم عصر ہے وہ اپنے دیوان میں کہتا ہے ؎

میرے مالک نے میرے حق میں یہ احسان کیا
خاکِ ناچیز تھا میں، سو مجھے انسان کیا

یعنی میرے مالک کا مجھ پر کتنا احسان ہے کہ میں ایک حقیر اور ناچیز خاک تھا، اُس نے مجھے انسان بنا دیا، اسی لیے بزرگانِ دین فرماتے ہیں کہ انسان کی تخلیق چونکہ مٹی جیسی حقیر چیز سے ہوئی ہے لہٰذا اُسے ہمیشہ عاجزی اور انکساری اختیار کرنی چاہیئے کہ یہی اس کی بلندی و رفعت کی دلیل ہے۔ جو لوگ بزرگوں اور اولیاء اللہ کے پاس بیٹھتے ہیں، مرشدانِ حق کے سامنے زانوئے ادب طے کرتے ہیں، وہ اُن سے عجز و انکساری کا درس لیتے ہیں تو اُن میں توحید کا مقام روشن ہوتا ہے اور انہیں معرفت کا جلوہ نظر آتا ہے جس شخص میں تکبر و غرور جیسے بُرے اخلاق پائے جائیں اُسے کچھ حاصل نہیں ہوتا، اسی لیے محاورے میں کہا جاتا ہے ؎

"ساقی مجھے خاکِ بے جان کر دے"

یعنی میرے اندر عجز و انکساری پیدا ہو کہ بلند مقام حاصل کرنے کا ذریعہ بن جائے شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں۔

رسیدم بہ بیل خان بہ عابدے
گفتم مرا بہ تربیت از جہل پاک کن
برو چوں خاک تحمل کنی فقیہہ
یا ہر چہ خواندئی ہمہ در زیرِ خاک کن

میں بیل خان کی سرزمین میں ایک عابد کے پاس پہنچا اور اس سے کہا کہ میری تربیت کر کے مجھے جہالت سے پاک کر دیں تو اس بزرگ نے کہا اے عالم فقیہہ! جاؤ مٹی کی طرح تحمل اور عاجزی اختیار کرو، ورنہ جو کچھ پڑھا ہے اُسے مٹی کے نیچے دفن کر دو کیونکہ اس کا کچھ فائدہ نہیں۔

غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے مٹی جیسی حقیر چیز سے انسان کو بنایا جو ملائکہ پر بھی فوقیت رکھتا ہے۔

مدتِ مقررہ

امام شاہ ولی اللہؒ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں لکھتے ہیں[1] کہ انسان کی پیدائش سے لاکھوں کروڑوں سال پہلے اللہ تعالیٰ نے ملائکہ مقربین کو انسان کی مصلحت کے لیے پیدا فرمایا، گویا انسان کی مصلحت ملاءِ اعلیٰ کی جماعت پر موقوف ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ خدا کی ذات تو وہ ہے جس نے تمہیں مٹی سے پیدا کیا ثُمَّ قَضٰىٓ اَجَلًا پھر ایک مدت مقرر کی یعنی پیدائش کے ساتھ ہی ہر انسان کی عمر بھی مقرر فرمائی۔ چنانچہ انسان کے پیدا ہونے سے پہلے رحمِ مادر میں جب اس کے اندر عالمِ بالا کی روح پھونکی جاتی ہے، تو فرشتے عرض کرتے ہیں۔ پروردگار! اس کی عمر کتنی ہے روزی کس قدر ہے۔ یہ نیک ہے یا بدبخت، تو یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ انہیں تبلا دیتا ہے جسے وہ اپنے رجسٹروں میں نوٹ کر لیتے ہیں مقصد یہ کہ ہر انسان کی عمر اور اسکی موت کے وقت کو کارکنانِ قضاء و قدر اللہ تعالیٰ کے بتانے سے جانتے ہیں۔ اسی کے متعلق فرمایا ہے کہ ہم نے انسان کو مٹی سے پیدا کر کے اس کی ایک مدت مقرر کر دی ہے۔

آگے فرمایا وَاَجَلٌ مُّسَمًّى عِنْدَهٗ یعنی ایک مدت مقررہ اللہ تعالیٰ کے پاس بھی ہے جس کا علم اس نے نہ کسی مقرب فرشتے کو دیا ہے اور نہ کسی نبی مرسل کو اور وہ ہے مجموعہ عالم کی موت یعنی قیامت کا وقوع۔ اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کے پاس ہے کہ کب واقع ہوگی۔ سورۃ لقمان میں موجود ہے "اِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ" قیامت کا علم اللہ ہی کے پاس ہے "لَا يُجَلِّيْهَا لِوَقْتِهَآ اِلَّا هُوَ" اس کے واقع ہونے کا علم اسی کے پاس ہے "ثَقُلَتْ فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ لَا تَاْتِيْكُمْ اِلَّا بَغْتَةً" (اعراف) یہ زمین و آسمان میں ایک

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص۲۳ ۱۱۷ (فیاض)

بڑی بوجھل چیز ہوگی اور اچانک آجائیگی ۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی علامات تو انبیاء کو بتائی ہیں مگر اس کے آنے کا وقت کسی کو نہیں بتایا۔ غرض! اس اَجَلٌ مُّسَمًّى سے قیامت کی مدت مراد ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قیامت صغریٰ یعنی ہر انسان کی موت کا وقت تو فرشتوں کو بتا دیا ہے مگر قیامت کبریٰ کا علم اللہ نے اپنے پاس رکھا ہے جسے کسی پر ظاہر نہیں کیا اللہ تعالیٰ نے قیامتِ صغریٰ کو قیامت کبریٰ کے لیے دلیل بنایا ہے جس طرح ہر انسان کے لیے موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ اسی طرح مجموعہ عالم کی فنا کے لیے بھی ایک مدت مقرر ہے۔ ثُمَّ اَنْتُمْ تَمْتَرُوْنَ مگر افسوس کہ تم شک میں پڑے ہوئے ہو۔ کہ اللہ کا وہ وعدہ پورا ہوگا یا نہیں۔ پھر کیا اللہ تعالیٰ کی صفاتِ کمال کے متعلق تمہیں شک ہے؟ یا اس کی وحدانیت کے متعلق تم متردد ہو؟

ارض وسما کا معبود

فرمایا وَهُوَ اللّٰهُ فِي السَّمٰوٰتِ وَفِي الْاَرْضِ وہی خدا ہے آسمانوں اور زمین میں۔ یہ ارض وسما اسی کے پیدا کردہ ہیں۔ اسی کو ان میں تصرف حاصل ہے اور وہی معبود برحق ہے۔ آسمانوں میں بھی اسی کی عبادت ہوتی ہے اور زمین پر بھی حدیث شریف میں آتا ہے، آسمانوں میں ایک بالشت بھر بھی ایسی جگہ خالی نہیں جہاں کوئی فرشتہ عبادت یعنی رکوع و سجود میں مشغول نہ ہو۔ البتہ زمین پر ایک گروہ ایسا ہے جو اللہ تعالیٰ کا نافرمان اور ناہنجار ہے ورنہ روئے زمین کے تمام جانور، شجر و حجر سب خدا کی عبادت بجا لاتے ہیں سورۃ نحل میں موجود ہے، اللہ نے فرمایا لوگوں میں سے بہت سے ایسے ہیں جو اس کی عبادت کرنے کی بجائے شیطان کا اتباع کرتے ہیں، توحید کی بجائے شرک میں مبتلا ہیں اور ایمان کے بجائے کفر کا راستہ اختیار کر رکھا ہے۔ اسی لیے فرمایا آسمانوں اور زمین میں وہی اللہ معبود اور متصرف ہے۔

يَعْلَمُ سِرَّكُمْ وَجَهْرَكُمْ وہ تمہاری پوشیدہ اور ظاہر سب باتوں کو جانتا ہے وَيَعْلَمُ مَا تَكْسِبُونَ اور وہ تمہاری کمائی کو بھی جانتا ہے جو نیکی یا بدی کرتے ہو، جس اخلاق یا نفاق میں مبتلا ہو، جو حلال یا حرام کھاتے ہو، جس شکر گزاری یا ناشکری کے مرتکب ہوتے ہو، وہ سب کچھ جانتا ہے، اُس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ لہٰذا ایک دن آنے والا ہے جب وہ تم سے ایک ایک چیز کا حساب طلب کرے گا۔ اپنے کلی علم کی صراحت میں اللہ نے سورۃ ملک میں فرمایا اَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ط کیا وہ نہیں جانے گا جس نے تمہیں پیدا کیا ہے؟ جس ہستی نے تمہارا جوڑ جوڑ پیدا کیا، جس نے لطیف ترین طاقتیں پھیلائی ہیں، کیا وہ تمہاری حرکات سے واقف نہیں؟ کیوں نہیں، وہی لطیف بھی ہے اور خبیر بھی ہے وہ ہر چیز کا حساب لے گا۔

انسانی عناصر

انسان کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ نے مٹی کا ذکر کیا کہ انسان کا بنیادی ڈھانچہ اسی سے تیار کیا گیا۔ پھر مٹی کے گوندھنے کے ضمن میں پانی کا ذکر بھی آ گیا تاہم یہ بات مشہور ہے کہ انسان اربعہ عناصر یعنی مٹی، پانی، آگ اور ہوا کا مجموعہ ہے۔ ہندوؤں کے فلسفے میں پانچ انسانی عناصر ہیں اور وہ پانچواں عنصر آکاش کو مانتے ہیں۔ قدیم یونان میں چھ اور سات عنصر ماننے والے لوگ بھی موجود تھے، تاہم سائنس کی جدید تحقیق کے مطابق انسانی عناصر ایک سو بیس تک دریافت ہو چکے ہیں اور یہ بات مسلم ہے کہ خارجی دنیا کے تمام عناصر انسانی وجود کا حصہ ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے یہاں پر انسانی موت یعنی قیامت صغریٰ اور مجموعہ عالم کی موت یعنی قیامت کبریٰ کے متعلق اشارات کر دیے ہیں جو صاحبِ عقل سلیم کو اللہ تعالیٰ کی معرفت تک راہنمائی کرتے ہیں۔

نشاناتِ قدرت

اللہ تعالیٰ نے انسان کی تخلیق، اپنی قدرت کاملہ اور کلی علم کا تذکرہ کرنے

کے بعد انسان کی ناشکرگزاری کا تذکرہ اِن الفاظ میں فرمایا ہے وَمَا تَاْتِيْهِمْ مِّنْ اٰيَةٍ مِّنْ اٰيٰتِ رَبِّهِمْ ان کے پاس اپنے رب کی نشانیوں میں سے کوئی نشانی نہیں آتی اِلَّا كَانُوْا عَنْهَا مُعْرِضِيْنَ مگر یہ کہ اُس سے اعراض کر جاتے ہیں۔ اِن نشانیوں میں تنزیلی نشانیاں بھی ہوسکتی ہیں اور تکوینی بھی۔ تنزیلی آیات کے طور پہ اللہ نے اپنے نبی بھیجے، کتابیں نازل فرمائیں اور معجزات کا اظہار فرمایا، مگر اِن لوگوں نے اعراض ہی کیا۔ پھر تکوینی یا تخلیقی طور پہ انسان کے ارد گرد اس قدر نشانیاں پھیلا دیں اور خود وجودِ انسانی میں ایسے ایسے نشانات موجود ہیں کہ اگر انسان تھوڑا سا غور بھی کرے تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور اُس کی صفات کو پہچان سکتا ہے۔ اور اگر یہ اِن نشانیوں کی طرف توجہ ہی نہ دے بلکہ غفلت میں پڑا رہے تو پھر اُس پر معرفتِ الٰہی کے دروازے کیسے کھل سکتے ہیں؟ پھر تو وہ اعراض ہی کرے گا۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں افسوس کے ساتھ بیان فرمایا ہے "وَكَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ" (سورۃ یوسف) لوگوں کے پاس زمین میں کس قدر نشانیاں ہیں جن کے پاس سے گزر جاتے ہیں مگر اُن کی طرف توجہ ہی نہیں دیتے، اللہ نے یہ بھی فرمایا "وَفِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَفَلَا تُبْصِرُوْنَ" خود تمہاری جانوں میں بے شمار نشانیاں موجود ہیں مگر تم انہیں دیکھتے ہی نہیں اور اُن میں غور ہی نہیں کرتے۔ بہر حال اللہ نے فرمایا۔ کہ ہم نے اپنی معرفت کی بہت سی نشانیاں

پھیلا دی ہیں مگر لوگ اُن کی طرف متوجہ ہی نہیں ہوتے اس لیے انہیں اللہ کی پہچان بھی نصیب نہیں ہوتی۔

تکذیبِ حق

فرمایا اگر یہ لوگ اعراض کرتے ہیں فَقَدْ كَذَّبُوْا بِالْحَقِّ لَمَّا جَآءَ

ھو جب بھی اُن کے پاس حق آیا انھوں نے اُس کی تکذیب ہی کی۔ اور اب اللہ تعالیٰ نے اپنے آخری نبی اور آخری کتاب کے ذریعہ اپنا آخری پروگرام پیش کر دیا ہے۔ اگر ان لوگوں نے اس پروگرام کو بھی جھٹلا دیا

فَسَوْفَ يَأْتِيهِمْ أَنْبَاءُ مَا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِءُونَ

پس عنقریب ان کے پاس وہ خبر یعنی حقیقت آجائے گی جس کے ساتھ یہ ٹھٹھا کرتے تھے۔ اس چیز سے مراد قیامت، پلصراط، جزائے عمل، میزان عالم برزخ اور عالمِ آخرت سے تعلق رکھنے والی تمام چیزیں ہیں جنکی کافر لوگ تکذیب کرتے ہیں اور اُن کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا ان اشیاء کی حقیقت عنقریب ان کے سامنے آجائیگی۔ پھر اس وقت کہیں گے کہ افسوس! ہم اس حقیقت کو جھٹلاتے رہے، ہم اس سے ٹھٹھا کرتے رہے۔ ہم نے جنت اور دوزخ کو برحق نہ جانا اور آج یہ ہمارے سامنے ہے۔ مگر اُس وقت اُن کا افسوس کرنا کچھ کام نہ آئے گا اور انہیں اپنے بُرے اعمال کا مزہ چکھنا ہوگا۔

أَلَمْ يَرَوْا كَمْ أَهْلَكْنَا مِن قَبْلِهِم مِّن قَرْنٍ مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّن لَّكُمْ وَأَرْسَلْنَا السَّمَاءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ وَأَنشَأْنَا مِن بَعْدِهِمْ قَرْنًا آخَرِينَ ﴿٦﴾ وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتَابًا فِي قِرْطَاسٍ فَلَمَسُوهُ بِأَيْدِيهِمْ لَقَالَ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا سِحْرٌ مُّبِينٌ ﴿٧﴾ وَقَالُوا لَوْلَا أُنزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ ۖ وَلَوْ أَنزَلْنَا مَلَكًا لَّقُضِيَ الْأَمْرُ ثُمَّ لَا يُنظَرُونَ ﴿٨﴾ وَلَوْ جَعَلْنَاهُ مَلَكًا لَّجَعَلْنَاهُ رَجُلًا وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِم مَّا يَلْبِسُونَ ﴿٩﴾ وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّن قَبْلِكَ فَحَاقَ بِالَّذِينَ سَخِرُوا مِنْهُم مَّا كَانُوا بِهِ يَسْتَهْزِئُونَ ﴿١٠﴾ قُلْ سِيرُوا فِي الْأَرْضِ ثُمَّ انظُرُوا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِينَ ﴿١١﴾

ع ۱
۷

ترجمہ :- کیا نہیں دیکھا اُن لوگوں نے کہ اُن سے پہلے ہم نے کتنی ہی قومیں ہلاک کیں کہ ہم نے اُن کو ٹھکانا دیا تھا زمین میں کہ

نہیں ٹھکانا دیا تھا اتنا تم کو اور چھوڑا ہم نے اُن پر آسمان بارش برسانے والا، اور بنائی ہم نے نہریں جو اُن کے سامنے بہتی تھیں۔ پس ہم نے اُن کو ہلاک کیا اُنکے گناہوں کی بدولت اور ہم نے پیدا کر دیا انکے بعد دوسری قوموں کو (۶) اگر ہم نازل کریں آپ پر کتاب کاغذ پر لکھی ہوئی، پس یہ اس کو اپنے ہاتھوں سے چھوئیں تو کہیں گے وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا کہ نہیں ہے یہ مگر کُھلا جادو (۷) اور کہتے ہیں یہ لوگ کہ کیوں نہ اُتارا جاتا اُس پر فرشتہ اور اگر ہم اتاریں فرشتے کو، البتہ فیصلہ کر دیا جائے معاملے کا، پھر ان کو مہلت نہ دی جائے (۸) اور اگر ہم اُس کو بناتے فرشتہ، البتہ ہم بناتے اسکو انسان کی صورت میں اور ہم اِن پر ملتبس کر دیں گے اس چیز کو کہ جس کے التباس میں یہ پڑے ہوئے ہیں (۹) البتہ تحقیق ٹھٹا کیا گیا رسولوں کے ساتھ آپ سے پہلے، پس گھیر لیا گیا اُن لوگوں کو جنہوں نے ٹھٹا کیا تھا اُن میں سے اُس چیز نے جس کے ساتھ وہ ٹھٹا کرتے تھے (۱۰) اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے چلو زمین میں پھر دیکھو، کیسا ہوا انجام جھٹلانے والوں کا (۱۱)

ربط آیات

ابتدائی آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے اعراض کا ذکر کر کے اُنکی تردید فرمائی۔ کہ جب بھی اُن کے پاس کوئی نشانی آتی ہے، وہ حق کو جھٹلا دیتے ہیں۔ فرمایا اسکی حقیقت عنقریب اُن کے سامنے آجائیگی جب وہ سزا میں مبتلا ہوں گے اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے اعراض کرنے والوں کو تنبیہ فرمائی ہے، اور اُنہیں وعید سنائی ہے۔ مثال کے طور پر سابقہ قوموں کا حال بھی بیان کیا ہے کہ انہوں نے کس طرح اللہ کے احکام کی نافرمانی کی تو سزا میں مبتلا ہوئے، اگر یہ لوگ بھی احکام الٰہی

سے اور اللہ تعالیٰ کی نشانیوں سے اعراض کریں گے تو پہلی قوموں کی طرح سزا میں مبتلا ہوں گے۔ آج کے درس میں نزولِ قرآن کے متعلق مشرکین کے اعتراضات اور اُن کے جوابات کا بیان بھی ہے اور ساتھ ساتھ حضور علیہ السلام کو تسلی بھی دی گئی ہے۔

طاقتور قوموں کی ہلاکت

خدا تعالیٰ نے مشرکین عرب کو خطاب کر کے پہلی قوموں کی ہلاکت کی طرف توجہ دلائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ اَلَمْ يَرَوْا كَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ کیا نہیں دیکھا یعنی کیا ان کو معلوم نہیں کہ ہم نے ان سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا۔ ایسی قومیں مَكَّنّٰهُمْ فِي الْاَرْضِ مَا لَمْ نُمَكِّنْ لَّكُمْ کہ ہم نے انہیں زمین میں ایسا جمایا تھا، ایسا ٹھکانا دیا تھا کہ اُس جیسا تمہیں نہیں دیا۔ یعنی تمہاری نسبت سابقہ قوموں کے پاس جسمانی اور مادی طاقت بھی زیادہ تھی اور اُن کو وسائل بھی زیادہ مہیا تھے، مگر اس کے باوجود ہم نے اُن کی نافرمانی کی وجہ سے انہیں ہلاک کر ڈالا۔

لفظ قرن کے مختلف معانی

اس آیت کریمہ میں لفظ قرن خاص طور پر توجہ طلب ہے۔ عربی زبان میں قرن کے بہت سے معانی وارد ہوئے ہیں۔ اس کا ایک معنی کنارا ہے اسی لیے قرن الشمس سورج کے کنارے کو کہتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ جب سورج کا کنارہ نظر آنے لگے تو اس وقت نماز درست نہیں ہوتی۔ قرن سینگ کو بھی کہتے ہیں اور اسی لحاظ سے اس کا اطلاق بگل پر بھی ہوتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے اسرافیل علیہ السلام کو صاحب القرن (سینگ یا بگل والا) کہا ہے کیونکہ وہ صور پکڑے اللہ کے حکم کا منتظر ہے کہ جب حکم ہو تو وہ اسے پھونک کر کائنات کو تباہ کر دے۔ حضور نے یہی فرمایا ہے کَیْفَ اَنْعَمُ وَصَاحِبُ الْقَرْنِ میں قرن والے فرشتے سے کیسے بے فکر ہو سکتا ہوں جو پوری کائنات کو درہم برہم کرنے کے لیے

مستعد کھڑا ہے۔

قرن کا لفظ زمانے کی ایک خاص مدت پر بھی بولا جاتا ہے۔ قرن کی مدت کے متعلق چالیس سال سے بلکہ ایک سو بیس ۱۲۰ سال کے عرصہ کے اقوال ملتے ہیں تاہم عام طور پر سو سال کے زمانے کو قرن کہتے ہیں ایک صحابی کے لیے حضور علیہ السلام نے برکت کی دعا فرمائی تھی اور اسکے سر پہ ہاتھ بھی پھیرا تھا۔ تو اس شخص نے سو سال کی عمر پائی تھی، اس لحاظ سے ایک قرن کو سو سال کے برابر تسلیم کیا جاتا ہے۔

اور قرن کا معنیٰ قوم اور جماعت بھی ہوتا ہے، جیسے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے خَیْرُ الْقُرُوْنِ قَرْنِیْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ یعنی انسانوں کی جماعت کے اعتبار سے سب سے بہتر میرا زمانہ ہے۔ پھر ان سے ملنے والے لوگوں کا اور پھر ان سے ملنے والے لوگوں کا تو اس آیت کریمہ میں قرن سے مراد جماعت ہے کہ دیکھو ان سے پہلے ہم نے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا۔

قدیم تہذیبوں کے آثار

اللہ تعالیٰ نے ہلاک ہونے والی قوموں میں سے بعض کا ذکر قرآن پاک میں کیا ہے جیسے قوم عاد، قوم ثمود، قوم فرعون اور قوم تُبّع وغیرہ۔ اور بعض قوموں کا ذکر نہیں کیا جیسے قدیم مصری اقوام، آشوری اور کلدانی لوگ اور اجنتا اور ایلورا تہذیبوں کے حاملین۔ اس برصغیر میں بھی بعض پرانی تہذیبوں کے آثار ملتے ہیں۔ ہڑپہ اور موہنجوڈھارو کے کھنڈرات سے ساڑھے چھ ہزار سال پرانی تہذیب کا پتہ چلتا ہے۔ کھدائی کے دوران برآمد ہونے والے برتن اور دیگر اشیا، دیکھ کر انسان حیران رہ جاتا ہے۔ ٹیکسلا کے کھنڈرات سے بھی ایک عظیم تہذیب کے نشانات ملے ہیں، کسی زمانے میں یہ کسی بڑی سلطنت کا دارالخلافہ تھا۔ ان کے پاس مال و دولت اور دیگر وسائل بہت زیادہ تھے اور وہ جسمانی طاقت میں بہت بڑھے ہوئے تھے۔ دوسرے مقام پہ آتا ہے۔ کہ ہم نے ان کو جو طاقت اور سلطنت دی تھی، تمہیں اس کا عشر عشیر بھی نہیں دیا۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے ایسی بہت

سی قوموں کو تم سے پہلے ہلاک کر دیا۔ آج اُن کے نشانات صرف کھنڈرات کی صورت میں ہی ملتے ہیں۔

فرمایا اِن قدیم قوموں پر ہم نے اور بھی بہت سے احسان کیے تھے۔ منجملہ اُن کے یہ بھی ہے وَأَرْسَلْنَا السَّمَآءَ عَلَيْهِم مِّدْرَارًا ہم نے اُن پر بارش برسانے والا آسمان چھوڑ دیا۔ اُن کی ضرورت کے مطابق آسمان سے بارش نازل ہوتی تھی جس سے اُن کی فصلیں خوب پیداوار دیتی تھیں اور انہیں خوشحالی نصیب ہوتی تھی۔ فرمایا اس کے علاوہ وَجَعَلْنَا الْأَنْهَارَ تَجْرِي مِن تَحْتِهِمْ اُن کے سامنے نہریں جاری تھیں فرعون کے زمانے میں مصر میں بڑے بڑے ڈیم بنے ہوئے تھے اور آبپاشی کے وسیع ذرائع موجود تھے زمین زرخیز تھی اور لوگ معاشی لحاظ سے مضبوط تھے۔ لیکن ہوا یہ کہ فَأَهْلَكْنَاهُم بِذُنُوبِهِمْ اُن کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے انہیں ہلاک کر دیا۔ جب انہوں نے سرکشی اختیار کی، توحید کو چھوڑ کر شرک کا راستہ اختیار کیا، اطاعت کی بجائے معاصی میں مبتلا ہو گئے تو ہم نے انہیں صفحۂ ہستی سے نابود کر دیا۔ فرمایا كَذَٰلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ ہم ظالموں کو اسی طرح سزا دیا کرتے ہیں۔ دوسری جگہ آتا ہے کہ ہمارا قانون یہ ہے کہ "نَجْزِي كُلَّ كَفُورٍ" ہم ہر کفر کرنے والے کو ایسا ہی بدلہ دیتے ہیں۔ اور یہ قانون آج بھی جاری ہے، فرق صرف یہ ہے کہ اب سزا کے طریقے بدل چکے ہیں، پہلی قوموں پر براہ راست عذاب نازل ہوا اور وہ ہلاک ہو گئے۔ قوم عاد اور ثمود کو بالکل ختم کر دیا گیا، البتہ اُن کے نشانات ہزاروں سال بعد بھی دیکھے جا رہے ہیں وادی تبوک میں اُن کے بنائے ہوئے مکانات کے نمونے آج بھی موجود ہیں۔ وہ لوگ پتھروں کو تراش تراش کر پہاڑوں میں بڑے خوبصورت اور نقش و نگار والے گھر تعمیر کرتے تھے۔

فرمایا ہم نے ان کے گناہوں کی پاداش میں انہیں ہلاک کیا وَاَنْشَاْنَا مِنْۢ بَعْدِهِمْ قَرْنًا اٰخَرِيْنَ پھر ان کے بعد ہم نے دوسری قوموں کو پیدا کیا۔ یہ تنبیہ کی جارہی ہے کہ اگر یہ لوگ بھی کفر و شرک پر اصرار کریں گے، تو ویسے ہی سزا میں مبتلا ہوں گے جیسے پہلی قومیں ہوئیں۔ اور اب سزا کا طریقہ یہ ہے کہ کبھی سماوی اور ارضی آفات کے ذریعے ملتی ہے اور کبھی خود انسانوں کے ہاتھوں سے مجرمین کی سرزنش کردی جاتی ہے۔ چنانچہ مشرکین مکہ کو میدان بدر میں مسلمانوں کے ہاتھوں سخت ذلت اٹھانا پڑی۔

لکھی لکھائی کتاب کی فرمائش

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ مشرکین مکہ حضور علیہ السلام کے اس دعوے کو تسلیم نہیں کرتے تھے کہ آپ اللہ کے رسول ہیں یا آپ پر وحی نازل ہوتی ہے اور فرشتہ اللہ کا پیغام آپ کے پاس لاتا ہے وہ کہتے تھے کہ ہم آپ پر اس شرط پر ایمان لائیں گے کہ اللہ کا فرشتہ لکھی لکھائی کتاب ہمارے سامنے لائے، بعض کہتے تھے کہ مکمل کتاب بیک وقت آنی چاہیئے جسے چار فرشتے اٹھا کر لائیں، وہ ہمارے سامنے رکھیں جسے ہم چھو کر محسوس کرسکیں۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا وَلَوْ نَزَّلْنَا عَلَيْكَ كِتٰبًا فِيْ قِرْطَاسٍ اگر ہم آپ پر کاغذ پر لکھی ہوئی کتاب نازل کریں فَلَمَسُوْهُ بِاَيْدِيْهِمْ پھر یہ لوگ اسے اپنے ہاتھوں سے چھوئیں لَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ تو پھر بھی کفر کرنے والے یہی کہیں گے کہ یہ تو کھلا جادو ہے۔ مقصد یہ کہ اگر ان کی فرمائش پوری بھی کردی جائے تو پھر بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے بلکہ حیلے بہانے سے انکار ہی کریں گے۔ اس طرح حضور علیہ السلام کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ ان کے اعتراضات سے رنجیدہ خاطر نہ ہوں، اگر ان کی فرمائش پوری بھی کردی جائے تب بھی یہ ایمان سے محروم ہی رہیں گے

نزول فرشتہ کی فرمائش

آگے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے ایک اور اعتراض کا ذکر کیا ہے۔

وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَیْہِ مَلَکٌ وہ کہتے ہیں کہ اگر آپ اللہ کے سچے رسول ہیں تو اصلی شکل وصورت میں فرشتہ کیوں نہیں اتارا جاتا۔ آپ کے پاس فرشتہ آئے، ہم اُسے دیکھیں، وہ آپ کی تصدیق کرے تو ہم ایمان لے آئیں گے۔ مگر اللہ نے فرمایا، ان کی یہ فرمائش بالکل بیہودہ اور ان کے لیے ناقابلِ برداشت ہے۔ وَلَوْ اَنْزَلْنَا مَلَکًا اگر ہم فرشتے کو اپنی اصل شکل میں اتاریں لَقُضِیَ الْاَمْرُ تو معاملے کا فیصلہ ہی کر دیا جائے۔ یعنی اگر فرشتہ ان کے سامنے آجائے تو اُسے دیکھنے کی طاقت نہ پاکر فوراً ہلاک ہو جائیں گے، یعنی ان کا معاملہ ہی صاف ہو جائے گا۔ ثُمَّ لَا یُنْظَرُوْنَ پھر ان کو مہلت ہی نہیں ملے گی، یعنی فوراً ہی ان کی موت واقع ہو جائے گی۔ اور انہیں آپ کی تصدیق کرنے اور ایمان لانے کی مہلت ہی نہیں ملے گی۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دو مرتبہ جبریل علیہ السلام کو اپنی اصلی شکل میں دیکھا۔ پہلی دفعہ غارِ حرا پر دیکھا تو دہشت طاری ہوگئی، غشی آنے لگی، آپ پر کپکپی طاری ہوگئی۔ اسی حالت میں آپ گھر تشریف لائے اور فرمایا کہ مجھے کمبل اوڑھا دو اور دوسری مرتبہ آپ نے جبریل کو سدرۃ المنتہیٰ کے قریب اصلی حالت میں دیکھا جیسا کہ سورۃ نجم میں مذکور ہے "وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَھٰی"

بہرحال تمام انبیاء میں سے صرف حضور علیہ السلام نے ہی جبریل علیہ السلام کو اپنی اصلی شکل میں دیکھا ہے عام طور پر جبریل علیہ السلام انسانی شکل میں آپ کے پاس آتے تھے یا پھر انسلاح کے طریقے پر قلب کے ساتھ تعلق جوڑ کر بات کرتے تھے۔ اگرچہ پیغمبر کے قوائے روحانیہ بہت زیادہ طاقتور ہوتے ہیں، اس کے باوجود فرشتوں کو اصلی حالت میں دیکھنا عام طور ممکن نہیں ہوتا۔ امام شاہ ولی اللہؒ الطاف القدس میں فرماتے ہیں کہ عام انسانو

پتھروں کو تراش تراش کر پہاڑوں میں بڑے خوبصورت اور نقش و نگار سے گھر تعمیر کرتے تھے۔

کے حواس باطنہ پانچ ہوتے ہیں جب کہ پیغمبر میں چھٹی حِس بھی ہوتی ہے جس کے ذریعے وہ فرشتے سے رابطہ قائم کرتے ہیں۔ یہ وہی حِس ہے جو فرشتے کو برداشت کر سکتی ہے۔ اس لیے یہاں پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگر ان مشرکین کی فرمائش پر ہم فرشتے کو نازل کر دیں تو یہ اُسے برداشت نہیں کر سکیں گے اور فوراً ان کا کام تمام ہو جائے گا۔

فرمایا، اگر ہم اِن لوگوں کی فرمائش کی تکمیل کرنا ہی چاہیں وَلَوْ جَعَلْنٰهُ مَلَكًا یعنی اگر ہم فرشتے کو بھیجنا ہی چاہیں لَجَعَلْنٰهُ رَجُلًا تو ہم اُسے انسان کی شکل میں متشکل کر کے بھیجیں گے۔ ملائکہ اور جنات کو اللہ تعالیٰ نے اجازت دی ہے کہ وہ انسان یا حیوان جس شکل میں چاہیں تشکل ہو سکتے ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ ہم فرشتے کو انسانی شکل میں بھیجیں گے تاکہ یہ لوگ اُسے برداشت کر سکیں۔ اللہ نے فرمایا کہ یہ لوگ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے وَلَلَبَسْنَا عَلَيْهِمْ مَّا يَلْبِسُوْنَ تو ہم اِن پر اُسی چیز کو ملتبس کر دیں گے جس التباس میں یہ پڑے ہوئے ہیں یعنی وہ جس ضد پر اب قائم ہیں، اُسی پر قائم رہیں گے اور فرشتے کو دیکھ کر ایمان نہیں لائیں گے۔ اِس وقت اِن کی حالت یہ ہے۔ کہ ایک انسان کو نبی ماننے کے لیے تیار نہیں۔ اور پھر جب انسانی صورت میں فرشتہ آئے گا تو کہیں گے کہ یہ فرشتہ نہیں بلکہ انسان ہے جیسا کہ سورۃ شعراء میں موجود ہے، لوگوں نے کہا "مَآ اَنْتَ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا" کہ آپ تو ہمارے جیسے انسان ہیں۔ سورۃ مومنوں میں ہے کہ کفار کے سرداروں نے کہا "مَا هٰذَآ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ" یعنی یہ بھی تو تمہاری طرح انسان ہی ہے۔ یہ بھی ہماری طرح کھاتے پیتے ہیں شادیاں کرتے ہیں، بال بچے والے ہیں "يَمْشُوْنَ فِى الْاَسْوَاقِ" (الفرقان) بازاروں میں جاتے ہیں، سودا سلف لاتے ہیں، یہ کیسے نبی ہو سکتے

ہیں ؟ بہر حال فرمایا کہ انسانی شکل میں فرشتے کو دیکھ کر بھی انکار ہی کر دیں گے گویا اُسی شبہ میں پڑے رہیں گے جس میں اس وقت مبتلا ہیں اور ایمان نہیں لائیں گے۔ اس طرح حضور علیہ السلام کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ ان کے انکار کی وجہ سے گھبرائیں نہیں یہ لوگ تو اسی طرح کرتے رہتے ہیں۔ آپ اپنا کام جاری رکھیں۔

رسولوں کے ساتھ ٹھٹھا

اللہ تعالیٰ نے آپ کی تسلی کے لیے مزید فرمایا وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ البتہ تحقیق اللہ کے رسولوں کے ساتھ آپ سے پہلے بھی ٹھٹھا کیا گیا۔ اُن کے متعلق اعتراض کرتے تھے کہ ان کے پاس مال و دولت نہیں ہے، فوج اور پہریدار نہیں، ان کی کیا پوزیشن ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے ساتھ ٹھٹھا کیا گیا، حضرت صالح اور ہود کا مذاق اڑایا گیا، کہتے تھے یہ چوہدری بننا چاہتے ہیں مگر ہم آپ کی سیادت کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں اُن کا اعتراض تھا کہ آپ کے ماننے والے کم تر لوگ ہیں، کوئی بڑا آدمی آپ کا حامی نہیں، لہٰذا ہم آپ کو رسول کیسے مان لیں ؟ فرمایا کہ آپ سے پہلے بھی رسولوں کے ساتھ ٹھٹھا کیا گیا اور پھر اس کا نتیجہ کیا ہوا ؟ فَحَاقَ بِالَّذِيْنَ سَخِرُوْا مِنْهُمْ مَّا كَانُوْا بِهٖ يَسْتَهْزِءُوْنَ پھر ٹھٹھا کرنے والوں کو اُسی چیز نے گھیر لیا جس کے ذریعے وہ ہنسی مذاق کیا کرتے تھے۔ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کی گرفت کا مذاق اڑاتے تھے، کہتے تھے "فَأْتِنَا بِمَا تَعِدُنَا إِنْ كُنْتَ مِنَ الصّٰدِقِيْنَ ۝" (اعراف) اگر تو اپنی بات میں سچا ہے تو جو قیامت ہم پر ڈھانا چاہتا ہے لے آ۔ "أَوْ تُسْقِطَ السَّمَاءَ كَمَا زَعَمْتَ عَلَيْنَا كِسَفًا" (بنی اسرائیل) یا ہم پر آسمان کا ٹکڑا گرا دے۔ ہم تو نہیں مانیں گے۔ تو فرمایا کہ جس چیز کے ساتھ ٹھٹھا کرتے تھے، اُسی نے اُن کو گھیر لیا۔ اللہ کی طرف سے گرفت آئی اور یہ لوگ سزا میں مبتلا ہو گئے۔

مقامات عبرت

فرمایا قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ زمین میں چلو پھرو۔ ملازمت کاروبار یا سیر و تفریح کے لیے تو سفر کرتے رہتے ہو، کبھی عبرت حاصل کرنے کے لیے بھی نکلو ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ پھر دیکھو کہ جھٹلانے والوں کا کیسا بُرا انجام ہُوا پرانی قوموں کے حالات معلوم کرو۔ اُن کے آثار قدیمہ پر نظر دوڑاؤ اور پھر دیکھو کہ وہ کس شان و شوکت کے مالک تھے مگر ان کا حشر کتنا عبرتناک ہُوا۔ آشوری اور کلدانی قوموں کا حال دیکھو، اجنٹا اور الورا والوں کا کیا بنا عاد اور ثمود کے کھنڈرات دیکھو کہ کتنی بڑی بڑی اور نقش و نگار سے مزین عمارات تعمیر کرتے تھے مگر آج اُن کی تہذیبیں صفحہ ہستی سے مٹ چکی ہیں۔ یہ جائے عبرت ہے کہ جن لوگوں نے خدا تعالیٰ کی توحید کو جھٹلایا، کتب الٰہیہ اور قیامت سے انکار کیا، دنیا میں بڑا عروج حاصل کیا مگر آخر کار اللہ تعالیٰ کے عذاب میں مبتلا ہو کر تباہ و برباد ہوئے، اُن کی کوئی چیز باقی نہ رہی۔ یہ تو اس دُنیا میں عبرتناک انجام ہے جب قیامت قائم ہو گی تو انہیں اللہ رب العزت کے حضور پیش ہو کر ایک ایک چیز کا حساب دینا ہو گا، اُس وقت انہیں معلوم ہو گا کہ وہ اللہ کے نبیوں، اس کی کتابوں اور جزائے عمل کو جھٹلاتے رہے اور پھر وہ دائمی عذاب میں مبتلا ہو جائیں گے۔

درسِ چہارم ۴ | آیت ۱۲ تا ۱۸

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلْ لِّلّٰهِ ؕ
كَتَبَ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ لَيَجْمَعَنَّكُمْ
اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ ؕ اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا
اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲﴾ وَلَهٗ مَا سَكَنَ فِی
الَّيْلِ وَالنَّهَارِ ؕ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۳﴾ قُلْ
اَغَيْرَ اللّٰهِ اَتَّخِذُ وَلِيًّا فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَهُوَ يُطْعِمُ وَلَا يُطْعَمُ ؕ قُلْ اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ
اَكُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ وَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۱۴﴾
قُلْ اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَيْتُ رَبِّیْ عَذَابَ يَوْمٍ
عَظِيْمٍ ﴿۱۵﴾ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ
رَحِمَهٗ ؕ وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ ﴿۱۶﴾ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ
بِضُرٍّ فَلَا كَاشِفَ لَهٗٓ اِلَّا هُوَ ؕ وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ فَهُوَ
عَلٰی كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۷﴾ وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ ؕ
وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۸﴾

ترجمہ :۔ اے پیغمبر! آپ ان سے دریافت کریں کہ کس
کے لیے ہے جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، آپ کہہ دیجئے

اللہ ہی کے لیے ہے اس نے لکھا ہے اپنے اُوپر رحمت کو
البتہ وہ ضرور جمع کر دیگا، قیامت کے دِن جس کے آنے میں
شک نہیں ہے۔ وہ لوگ جنہوں نے نقصان میں ڈالا اپنی
جانوں کو پس وہ ایمان نہیں لاتے (۱۲) اور اُسی کے لیے ہے جو
ٹھہرا ہوا ہے رات میں اور دِن میں، اور وہی سُننے والا ہے
اور سب کچھ جاننے والا ہے (۱۳) اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے
کیا اللہ کے سوا میں کسی اور کو مددگار بناؤں جو کہ پیدا کرنے
والا ہے آسمانوں کا اور زمین کا، اور وہ کھلاتا ہے اور اُس کو
نہیں کھلایا جاتا، آپ کہہ دیجئے، بیشک مجھے حکم دیا گیا ہے کہ
میں ہو جاؤں سب سے پہلے اُن لوگوں میں جو فرمانبرداری کرنے
والے ہیں اور نہ ہوں آپ شرک کرنے والوں سے (۱۴) آپ کہہ
دیجئے، بیشک میں خوف کھاتا ہوں، اگر میں نے نافرمانی کی
اپنے پروردگار کی، بڑے دِن کے عذاب سے (۱۵) جس
شخص سے پھیر دیا گیا اس عذاب کو اُس دِن، پس بیشک
اُس نے اُس پر رحم فرمایا، اور یہ کھلی کامیابی ہے (۱۶)
اور اگر پہنچائے اللہ تعالیٰ آپ کو کوئی تکلیف پس نہیں
ہے اُس کو دُور کرنے والا سوائے اُس کے، اور اگر
وہ پہنچائے تجھ کو کوئی بھلائی، پس وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے
والا ہے (۱۷) اور وہی غالب ہے اپنے بندوں پر اور
وہ حکمت والا اور (سب کی) خبر رکھنے والا ہے (۱۸)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اُن مشرکین کا رد فرمایا گیا تھا جو اللہ کی کتاب کا انکار کرتے
تھے اور طعن کرتے تھے کہ کاغذ پر لکھی لکھائی کتاب کیوں نہیں آتی اور فرشتے اُس کو

لے کر کیوں نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے بیہودہ سوالات کی تردید کی۔
پھر اللہ نے فرشتے کی اپنی اصل شکل میں عدم نزول کی حکمت بیان فرمائی
کہ انسانی قویٰ فرشتوں کو اُن کی اصل شکل میں دیکھنے کی تاب نہیں لا سکتے
اور اگر دیکھ لیں تو فوراً ہلاک ہو جائیں اور اُن سے کوئی فائدہ نہ اٹھا سکیں
اور ہم فرشتے کو انسانی شکل میں نازل کریں تو پھر یہ لوگ اُسی التباس میں
پڑے رہیں گے اور جس طرح انسان کو نبی ماننے کے لیے تیار نہیں، اُسی
طرح انسانی شکل والے فرشتے کا بھی انکار کر دیں۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ
نے حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسّلام کو تسلی بھی دی کہ آپ اِن لوگوں کے ٹھٹھا اور
تمسخر سے گھبرائیں نہیں، آپ سے پہلے انبیاء سے بھی لوگ یہی سلوک کرتے
رہے ہیں اور پھر آخر میں اُن لوگوں کو اُسی چیز نے گھیر لیا جس چیز کے متعلق وہ
ٹھٹھا کیا کرتے تھے۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ زمین میں چل پھر کر دیکھ لو کہ جھٹلانے
والوں کا کیسا عبرتناک انجام ہوا۔

توحید باری تعالیٰ

آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے توحید کے دلائل اور قیامت کے دن
سب کو اکٹھا کیے جانے کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ لِّمَنْ
مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اے پیغمبر! آپ اِن سے ذرا پوچھیں
کہ بتلاؤ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے، یہ کس کا ہے؟ ارض و سما کی تمام
چیزوں کا موجد، مالک اور متصرف کون ہے؟ کس نے اِن کو ظاہر کیا اور
کون ان کو تمام کر رہا ہے؟ پھر اس سوال کا جواب بھی خود ہی مرحمت فرمایا
قُلْ لِّلّٰهِ آپ کہہ دیجیے کہ مذکورہ ہر چیز اللہ ہی کی ہے۔ اِن کا موجد،
مالک اور متصرف بھی وہی ہے، اور پھر اُس کی مہربانی کا حال یہ ہے کہ
كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ؕ اُس نے اپنے ذمے
رحمت کو لکھ لیا ہے۔ اُس نے اعلان فرما دیا ہے کہ اُس کی رحمت بڑی
وسیع ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کائنات کی پیدائش سے پہلے ہی

اللہ تعالیٰ نے عرش عظیم پر لکھ دیا کہ اِنَّ رَحْمَتِیْ سَبَقَتْ عَلٰی غَضَبِیْ یعنی میری رحمت میرے غضب پر سبقت رکھتی ہے۔ میں تو چاہتا ہوں کہ میری تمام مخلوق میری رحمت سے حصہ پائے مگر پھر بھی ایسے لوگ موجود ہیں جو میرے غضب کا نشانہ بنتے ہیں اور یہ وہی لوگ ہیں جن کی سرکشی حد سے بڑھ جاتی ہے۔

معاد کا اقرار و انکار

اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور معاد کا تصور دو بنیادی چیزیں ہیں۔ اللہ کی وحدانیت کا انکار کرنا بہت بڑا جرم ہے، اسی طرح معاد کا انکار بھی کفر ہے یہ دونوں چیزیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی وحدانیت کا تصور پیش کرنے کے بعد معاد کا ذکر فرمایا ہے لَيَجْمَعَنَّكُمْ اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ لَا رَيْبَ فِيْهِ وہ تمہیں ضرور قیامت کے دن اکٹھا کرے گا کہ جس کے آنے میں کوئی شک نہیں۔ اگر معاد پر یقین آجائے اور انسان جان لے کہ حساب کتاب کی منزل آنے والی ہے تو پھر وہ بغاوت اور سرکشی پر نہیں اتر سکتا فرمایا اَلَّذِيْنَ خَسِرُوْٓا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ جن لوگوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈالا، وہ ایمان نہیں لاتے۔ اپنی جانوں کو نقصان میں ڈالنے کا مطلب یہ ہے کہ اپنی فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم کو بگاڑ دیا کیونکہ جس شخص میں یہ دو چیزیں ہوں گی وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور معاد سے کبھی انکار نہیں کر سکتا۔ كُلُّ مَوْلُوْدٍ يُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ ہر بچہ فطرتِ سلیمہ پر پیدا ہوتا ہے "فِطْرَةَ اللّٰهِ الَّتِيْ فَطَرَ النَّاسَ عَلَيْهَا" اللہ تعالیٰ نے تو پیدائش ہی اس فطرت پر کی ہے کہ انسان اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو پہچانے مگر لوگوں نے اس فطرت کو بگاڑ کر شرک کا راستہ اختیار کر لیا جو کہ بالکل غیر فطری اور بے عقلی کی بات ہے لہٰذا اس سے بڑھ کر خسارا کیا ہو سکتا ہے کہ انسان اپنی فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم کو ہی تباہ کر دے ایسے ہی لوگوں کے متعلق فرمایا کہ وہ نہ تو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرتے ہیں

اور نہ ہی جزائے عمل پر یقین رکھتے ہیں۔ انہوں نے اپنی جانوں کو خسارے میں ڈال دیا ہے۔

ساکن اور متحرک اشیاء

آگے پھر اللہ تعالیٰ کی توحید کا بیان اور شرک کا رد ہے ارشاد ہوتا ہے وَلَہٗ مَا سَکَنَ فِی الَّیْلِ وَالنَّھَارِ اور رات اور دن میں جو چیز سکون پکڑ رہی ہے، اُسی کی ہے۔ مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر ساکن اشیاء کا ذکر کیا ہے مگر متحرک چیزوں کو نظر انداز کر دیا گیا ہے حالانکہ ساکن چیزوں کی طرح کائنات کی تمام متحرک اشیاء بھی اللہ تعالیٰ ہی کی ہیں۔ اس کے جواب میں امام محمد ابن ابی بکرہ فرماتے ہیں کہ اس آیت سے ساکن اور متحرک دونوں قسم کی چیزیں مراد ہیں مگر متحرک کا لفظ محض اختصار پیدا کرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا ہے گویا اس جملہ میں وَالنَّھَارِ کے بعد وَمَا تَحَرَّکَ کے الفاظ محذوف ہیں اور مطلب یہی ہے کہ ہر ساکن اور متحرک ہر چیز کا مالک اللہ وحدہٗ لاشریک ہی ہے امام صاحب فرماتے ہیں کہ اس قسم کی مثال سورۃ نحل میں بھی ملتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر بہت سے انعامات کا ذکر کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا "وَجَعَلَ لَکُمْ سَرَابِیْلَ تَقِیْکُمُ الْحَرَّ" اللہ نے تمہارے لیے ایسی قمیصیں بنائیں جو تمہیں گرمی سے بچاتی ہیں قمیص تو گرمی اور سردی دونوں سے بچاتی ہے مگر یہاں پر "سردی" کا ذکر UNDERSTOOD ہے یعنی خود بخود سمجھا جا سکتا ہے۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے آیت زیر درس میں ساکن اشیاء کا ذکر کر کے متحرک چیزوں کو چھوڑ دیا ہے کہ سمجھنے والے خود سمجھ جائیں کہ اللہ تعالیٰ ہر چیز کا مالک ہے۔

مفسرین کرام صرف ساکن کے تذکرے کی یہ توجیہہ بیان کرتے ہیں کہ کائنات میں حرکت کی نسبت سکون کی مقدار زیادہ ہے ساکن چیز تو بہر حال ساکن ہے مگر متحرک چیز بھی بالآخر کسی نہ کسی مدت کے بعد ساکن ہو

جاتی ہے۔ ہر جاندار چیز جو دنیا میں حرکت کر رہی ہے وہ آخر کار موت سے ہمکنار ہو کر ساکن ہو جائیگی، جو گاڑی مشین، دریا، ہوائی جہاز، کشتی حرکت میں آتی ہے، وہ رُک بھی جاتی ہے حتیٰ کہ سیاروں اور ستاروں جیسی بڑی بڑی متحرک چیزیں بھی ایک مقررہ مدت کے بعد ساکن ہو جائیں گی، تو فرماتے ہیں کہ یہاں پر سکون کا ذکر اس لیے کیا گیا ہے کہ آخر کار ہر چیز کو ایک نہ ایک دن ساکن ہی بن جانا ہے۔ تاہم ہر چیز خواہ ساکن ہے یا متحرک، اُس کا خالق و مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے، ہر چیز اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ نیز وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وہ ہر چیز کو سُننے والا اور ہر چیز کو جاننے والا ہے وہ لطیف سے لطیف چیز کی حرکت اور آواز کو سُنتا ہے اور کوئی چیز اس کے احاطۂ علم سے باہر نہیں۔

شرک کی تردید

آگے شرک کی تردید میں فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں أَغَيْرَ اللَّهِ أَتَّخِذُ وَلِيًّا کیا میں اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو اپنا ولی اور مددگار اور کارساز بنالوں؟ حالانکہ کائنات کے ذرے ذرے کا خالق اور مالک تو اللہ رب العزت ہے فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ زمین و آسمان کا پیدا کرنے والا بھی وہی ہے۔ کہیں بدیع کا لفظ آیا کہ ہر چیز کو بغیر نمونے کے ایجاد کرنے والا وہی ہے۔ اُس نے اپنی صفات کے ذریعے تجلیات میں تغیر پیدا کر کے تمام چیزوں کو قائم کیا ہے۔ تاہم اس عمل کی کیفیت اُس عالم الغیب کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ وہی فاطر اور بدیع ہے، اُس کو چھوڑ کر میں کسی دوسرے کو کیسے اپنا کارساز اور مددگار بنالوں، یہ تو بڑی ناانصافی اور بغاوت کی بات ہے۔

فرمایا اُس مالک الملک کی یہ صفت بھی ہے وَهُوَ يُطْعِمُ کہ وہ ہر جاندار کو کھلاتا ہے، روزی پہنچاتا ہے۔ اُس کی مخلوق میں سے کوئی چیز اُسکی نظروں سے اوجھل نہیں وَلَا يُطْعَمُ اور اُس کو نہیں

کھلایا جاتا۔ وہ کھانے پینے سے بے نیاز ہے۔ مگر بعض مشرک اپنے معبودان باطلہ کے متعلق اعتقاد رکھتے ہیں کہ وہ اُن کی پیش کردہ نذر و نیاز کھاتے ہیں اور اُس پر خوش ہوتے ہیں۔ وہ دوسروں کو کھلاتا ہے، اُسے خود کھانے کی حاجت نہیں۔ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَالرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ (الذریت) وہی رازق ہے، زور آور اور مضبوط ہے۔ روزی کے تمام ذرائع اُسی کے قبضۂ قدرت میں ہیں، لہٰذا روزی بھی ہمیشہ اُسی سے طلب کرنی چاہیئے تو فرمایا کیا میں اللہ کو چھوڑ کر اُن کو اپنا کارسانہ بنالوں جو کھانے پینے اور بول و براز کے محتاج ہیں، ایسا نہیں ہو سکتا۔ کارساز، مددگار اور ولی وہی ہے جو ہر چیز کا مالک ہے، ہر جاندار کے لیے روزی کے ذرائع پیدا کرتا ہے اور وہ خود نہ کھانے پینے کا محتاج ہے اور نہ کسی دیگر چیز کا۔

اولین اطاعت گزار

فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ یہ بھی کہ دیں اِنِّیْٓ اُمِرْتُ اَنْ اَکُوْنَ اَوَّلَ مَنْ اَسْلَمَ کہ مجھے تو میرے اللہ نے حکم دیا ہے کہ میں اُن لوگوں میں سے ہو جاؤں جو اللہ تعالیٰ کے اولین اطاعت گزار ہیں وَلَا تَکُوْنَنَّ مِنَ الْمُشْرِکِیْنَ اور مجھے یہ بھی حکم دیا گیا ہے کہ تم مشرکوں میں سے نہ ہو جانا۔ شرک روحانی بیماریوں میں سے مہلک بیماری ہے۔ لہٰذا اس سے بچتے رہنا۔ اللہ کے سوا کوئی مددگار نہیں، کارساز نہیں، تمام چیزوں کا مالک اور متصرف وہی ہے۔

فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ یہ بھی کہ دیں اِنِّیْٓ اَخَافُ اِنْ عَصَیْتُ رَبِّیْ عَذَابَ یَوْمٍ عَظِیْمٍ کہ میں اپنے رب کی نافرمانی کی صورت میں بڑے دن کے عذاب سے خوفزدہ ہوں۔ سارے نبی یہی کہتے رہے اور اپنے رب کی نافرمانی سے ڈرتے رہے اسی لیے ہم احتیاط کرتے ہیں کہ کہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے مرتکب ہو کر اُس کی گرفت میں نہ آجائیں اور پھر یہ ہے کہ سب سے بڑی

نافرمانی کفر اور شرک ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے "وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ" کافر ہی ظالم ہیں جو اپنے رب کی نافرمانی کرتے تھے۔ نیز شرک کے متعلق فرمایا "اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" سب سے بڑی نافرمانی اللہ کے ساتھ شرک ہے۔ فرمایا کفر و شرک کی غلاظتوں سے بچ جاؤ اور اللہ کی رحمت کے امید وار بن جاؤ کیونکہ مَنْ يُّصْرَفْ عَنْهُ يَوْمَئِذٍ فَقَدْ رَحِمَهٗ قیامت کے دن جس شخص سے عذاب ہٹا لیا گیا، اس پر اللہ نے رحم فرما دیا وَذٰلِكَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ اور یہ بہت بڑی کامیابی ہے۔ دوسری جگہ موجود ہے فَمَنْ زُحْزِحَ عَنِ النَّارِ وَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ فَقَدْ فَازَ (آل عمران) جو دوزخ سے بچا لیا گیا اور جنت میں داخل کر دیا گیا وہ کامیاب ہو گیا۔ تو فرمایا اس سے بڑھ کر کیا کامیابی ہے کہ انسان ذلت سے بچ جائے اور عزت کا مقام پالے۔

مشکل کشا صرف اللہ ہے

فرمایا وَاِنْ يَّمْسَسْكَ اللّٰهُ بِضُرٍّ اگر اللہ تعالیٰ تمہیں کوئی تکلیف پہنچائے فَلَا كَاشِفَ لَهٗۤ اِلَّا هُوَ تو اس کے سوا کوئی اسے ہٹانے والا نہیں۔ یعنی مافوق الاسباب نافع اور ضار اللہ تعالیٰ کی ذات ہی ہے۔ ہر چیز اسی کے قبضۂ قدرت اور اختیار میں ہے۔ یاد رہے کہ یہاں مافوق الاسباب نفع نقصان کی بات ہو رہی ہے ورنہ اسباب کے دائرے میں رہتے ہوئے تو ہر شخص ایک دوسرے کے ساتھ لین دین کرتا ہے اور کسی کو فائدہ پہنچتا ہے اور کسی کو کسی کے ہاتھوں نقصان ہو جاتا ہے مگر جس مقام پر تمام اسباب و علل ختم ہو جاتے ہیں اس مقام پر کسی کی تکلیف کو دور کرنے والا صرف اللہ تعالیٰ ہی ہے وَاِنْ يَّمْسَسْكَ بِخَيْرٍ اور اگر اللہ تعالیٰ تمہیں بھلائی پہنچائے فَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ تو وہ ہر چیز پر قدرت رکھنے

والا ہے۔ کوئی دوسرا شخص اللہ تعالیٰ کی مشیت اور ارادے میں دخل نہیں دے سکتا، وہ اپنی منشاء کے مطابق جسے چاہے نفع پہنچانے پر قادر ہے۔ مگر افسوس کا مقام ہے کہ غلط کار لوگ اللہ کی مخلوق کو نفع نقصان کا مالک سمجھنے لگتے ہیں۔ اسی لیے اُن کے نام کی دہائی دیتے ہیں، اُن کو نذرانہ پیش کرتے ہیں اور مصیبت کے وقت اُن کو پکارتے ہیں جو کہ صریح شرک ہے۔ اللہ کے سوا نہ کوئی قبر والا کسی کی مدد کر سکتا ہے اور نہ کوئی جن یا فرشتہ کسی کی مشکل کشائی کر سکتا ہے۔

وسیلے کا تصور

بعض مشرکین وسیلے کا غلط تصور رکھتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ ہم انبیاء اور اولیاء اللہ کا وسیلہ پکڑتے ہیں۔ جس طرح اس دُنیا کے بادشاہ یا امیر وزیر تک رسائی کے لیے کسی وسیلہ کی ضرورت ہوتی ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ تک پہنچنے کے لیے بھی انبیاء، اولیاء کے وسیلہ کی ضرورت ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یاد رکھنا، مشرکوں نے اللہ تعالیٰ کو ہمیشہ دُنیا کے بادشاہوں اور امراء پر قیاس کیا ہے، جو کہ سراسر غلط ہے۔ اللہ تعالیٰ جو تمام مخلوق کا خالق اور مالک ہے، اس کا ہر مخلوق کے ساتھ تعلق بھی قائم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے چوتھی صفت کا نام تدلّی ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا عکس ہر انسان کی روح پر پڑتا ہے جس سے خدا تعالیٰ کا تعلق ہر شخص سے براہِ راست قائم ہوتا ہے لہٰذا مشرکین کے بادشاہوں کے مماثل وسیلے کی یہاں قطعی گنجائش نہیں۔ ہاں ایک وسیلہ ضرور ہے اور وہ ہے اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا وسیلہ۔ اطاعت بجا لاؤ تو بلا روک ٹوک اللہ کی بارگاہ تک رسائی حاصل کر لو، درمیان میں کسی مزید وسیلے کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ مدد صرف اُسی سے مانگو، کیونکہ وہی مدد دینے والا، مشکل کشا اور حاجت روا ہے۔

شیخ عبد القادر جیلانیؒ اپنی کتاب فتوح الغیب میں حضرت عبد اللہ بن عباسؓ کی روایت نقل کرتے ہیں، جو کہ مسند احمد میں موجود ہے۔ ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے سواری پر سوار تھا کہ آپ نے مجھ سے ارشاد فرمایا، یا غلام یعنی اے لڑکے! اِحْفَظِ اللّٰہَ یَحْفَظْکَ اللّٰہُ تم اللہ کے حقوق کی حفاظت کرو یعنی اُن کا دھیان رکھو، اللہ تمہاری حفاظت فرمائیگا، پھر فرمایا تو اللہ کو حاضر ناظر جان، تو اُسے اپنے سامنے موجود پائے گا۔ وَاِذَا سَأَلْتَ فَاسْئَلِ اللّٰہَ جب تو سوال کرے تو اللہ سے سوال کر وَاِذَا اسْتَعَنْتَ فَاسْتَعِنْ بِاللّٰہِ اور جب تو مدد طلب کرے تو اللہ سے طلب کر۔ اللہ نے اپنے بندوں کی قسمت میں جو کچھ لکھا ہے وہ ازل سے مقدر ہو چکا ہے اور اُسے کوئی بدل نہیں سکتا۔ ہر شخص کو جو فائدہ پہنچتا ہے وہ پہنچ کر رہے گا اور جو نقصان پہنچتا ہے وہ بھی پہنچ کر رہے گا۔ پھر اگر تو اللہ پر توکل رکھے اور یقین محکم کے ساتھ معاملہ کر سکے تو وہ تجھے بہت بڑی جزا عطا فرمائے گا۔ حدیث نقل کرنے کے بعد شیخ عبد القادر جیلانیؒ لکھتے ہیں کہ ہر مومن کی اعتقادی اور عملی صحت و عافیت اسی میں ہے کہ اس حدیث پہ ہمیشہ عمل کرے۔ تاکہ وہ دنیا و عقبیٰ میں تمام آفات و مصائب سے محفوظ رہ سکے آپ کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ ہر انسان کو چاہیئے کہ وہ اس حدیث شریف کو اپنی زندگی کا اوڑھنا بچھونا بنالے اور ہمیشہ اس پر عمل پیرا رہے مگر آج اُن کے نام لیوا کیا کر رہے ہیں۔ کوئی حضرت علی ہجویریؒ کا بکرا لے جارہا ہے تو کوئی شیخ عبد الحقؒ کا توشہ، کہیں شاہ مدارؒ کا ملیدہ مشہور ہے اور کہیں بو علی قلندرؒ کا کھچڑا، کہیں امام جعفرؒ کے کونڈے اور کہیں بی بی کی صحنک اور پھر شیخ عبد القادر جیلانیؒ کی گیارہویں تو بڑی مشہور ہے۔ یہ سب کیا ہے غیر اللہ کو نذریں پیش کی جارہی ہیں ان سے مدد طلب کی جارہی

ہے۔ مرادیں مانگی جا رہی ہیں شیخ عبدالقادرؒ تو اس حدیث کو اوڑھنا بچھونا بنانے کی تلقین کر رہے ہیں اور تم انہیں سے مشکل کشائی کی امید لگائے بیٹھے ہو۔ یہ سب باطل باتیں ہیں مگر یار لوگ خوش ہیں کہ یہ بزرگ ہماری حاجت روائی کر رہے ہیں۔

ایصال ثواب

جب کہا جائے کہ بھئی! غیراللہ کی نذر و نیاز جائز نہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو ایصال ثواب کرتے ہیں۔ بھائی! یہ ایصال ثواب نہیں بلکہ شرکیہ امور ہیں، اگر ایصال ثواب مطلوب ہے تو غرباء اور محتاجوں کو ان کی ضروریات کی اشیاء بہم پہنچاؤ، کھانا کھلاؤ، کپڑا پہناؤ، کسی کو قرض سے نجات دلاؤ، کسی کو اپنے پاؤں پہ کھڑا ہونے میں مدد دو اور نیت یہ رکھو کہ اس کا ثواب فلاں بزرگ کو پہنچے، انشاءاللہ پہنچے گا۔ اموات کیلئے، استغفار، ایصال ثواب ملت ابراہیمی کا مسلمہ اصول ہے ان کے لیے دعائیں کرو، ایصال ثواب کرو مگر یہ کیسے نعرے ہیں "یا علی مدد" اور "یا غوث اعظم المدد" وغیرہ وغیرہ۔ یہ سب شرکیہ باتیں ہیں اللہ کے سوا کوئی غائبانہ مدد نہیں کر سکتا کوئی حاجت روائی اور مشکل کشائی پہ قادر نہیں کوئی مددگار اور کارساز نہیں۔ اللہ تعالیٰ سمجھ کی توفیق عطا فرمائے۔

فرمایا وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پہ غالب ہے کنٹرول اُس کے ہاتھ میں ہے۔ وہ جس طرح چاہے اپنے بندوں سے کام لے سکتا ہے، اگر اکڑ جائیں تو انہیں دبا سکتا ہے۔ لہٰذا اُسی سے دعا کرنی چاہیئے کہ وہ اپنے دستِ قدرت سے اپنے بندوں کی اصلاح فرمائے کیونکہ قاہر تو وہی ہے، سارا انتظام اُسی کے ہاتھ میں ہے وَهُوَ الْحَكِيمُ الْخَبِيرُ وہ حکیم ہے کہ اُس کی کوئی چیز حکمت سے خالی نہیں اور وہ خبیر ہے کہ اُسے ذرے ذرے کا علم ہے۔ اُس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں لہٰذا دستِ سوال بھی ہمیشہ اُسی کے سامنے دراز کرنا چاہیئے۔

درس پنجم ۵ | آیت ۱۹ تا ۲۱

قُلْ اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَهَادَةً ؕ قُلِ اللّٰهُ ۟ شَهِیْدٌۢ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ۟ وَاُوْحِیَ اِلَیَّ هٰذَا الْقُرْاٰنُ لِاُنْذِرَكُمْ بِهٖ وَمَنْۢ بَلَغَ ؕ اَىِٕنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰی ؕ قُلْ لَّاۤ اَشْهَدُ ۚ قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ وَّاِنَّنِیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۱۹﴾ اَلَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ یَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ۘ اَلَّذِیْنَ خَسِرُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَهُمْ لَا یُؤْمِنُوْنَ ﴿۲۰﴾ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰیٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

وقف لازم باختلاف

ع ۲ ۸

ترجمہ :۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے ، کونسی چیز بڑی ہے گواہی کے اعتبار سے پھر آپ کہہ دیں کہ اللہ ہی ہے ۔ گواہ ہے میرے اور تمہارے درمیان ۔ اور وحی کیا گیا ہے میری طرف یہ قرآن ، تاکہ میں ڈراؤں تم کو اس کے ساتھ ، اور جس تک یہ پہنچے (اس کو بھی ڈراؤں) کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ اللہ کے ساتھ دوسرے بھی معبود ہیں ۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے میں اس بات کی گواہی نہیں دیتا ۔ آپ کہہ دیجئے بیشک وہ ایک ہی معبود ہے اور میں بیزار ہوں اُن چیزوں سے جن کو اس کے

ساتھ تم شریک بناتے ہو (۱۹) اور وہ لوگ جن کو ہم نے
کتاب دی ہے پہچانتے ہیں اِس کو جس طرح کہ پہچانتے
ہیں اپنے بیٹوں کو ۔ وہ لوگ جنہوں نے اپنے نفسوں کو خسارے
میں ڈالا ، پس وہ ایمان نہیں لاتے (۲۰) اور اُس سے بڑھ
کر کون ظالم ہو سکتا جو اللہ پر افترار باندھے یا جھٹلا دے
اُس کی آیتوں کو ، بیشک نہیں فلاح پاتے ظلم کرنے والے (۲۱)

گواہی بحقِ رسالت

گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ مشرکین حضور علیہ السلام کی نبوت و رسالت میں متردد تھے اور فرشتہ اُترنے اور لکھی لکھائی کتاب نازل ہونے کا مطالبہ کرتے تھے۔ مگر اللہ نے اُن کے مطالبہ کو باطل قرار دیا اور فرمایا کہ اگر اُن کی فرمائش پوری بھی کر دی جائے تب بھی یہ اُسی شک میں پڑے رہیں گے اور ایمان نہیں لائیں گے۔ منجملہ دیگر اعتراضات کے مشرکین مکہ یہ بھی سوال کرتے تھے کہ حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی گواہی کون دیتا ہے ، اِس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے اَیُّ شَیْءٍ اَکْبَرُ شَھَادَۃً سب سے بڑی گواہی کس کی ہو سکتی ہے ؟ پھر خود ہی اس کا جواب دیا قُلِ اللّٰہُ آپ کہہ دیں کہ سب سے بڑی گواہی تو اللہ ہی کی ہے شَہِیْدٌ م بَیْنِیْ وَبَیْنَکُمْ وہی اللہ میرے اور تمہارے درمیان گواہ ہے ۔ مطلب یہ کہ جب یہ چیز واضح ہو چکی ہے کہ نفع نقصان کا مالک اور تمام بندوں پر غلبہ رکھنے والا وہی ہے ، علم و حکمت والا ، خالق ، متصرف اور معبود برحق وہی ذات ہے ، تو پھر میری نبوت و رسالت کا گواہ بھی وہی ہو سکتا ہے۔ اس سے بڑھ کر کون سی شہادت ہو سکتی ہے یہ گویا مشرکین کے اعتراض کا جواب ہے۔

انذار و تبشیر

پھر فرمایا وَاُوْحِیَ اِلَیَّ ھٰذَا الْقُرْاٰنُ اللہ تعالیٰ نے اِس قرآن کو بذریعہ وحی میری طرف نازل کیا ہے ، لہٰذا میری نبوت اور رسالت کا سب سے بڑا گواہ وہی ہے اور اس قرآنِ پاک کے نزول کی غرض و غایت یہ ہے لِاُنْذِرَکُمْ بِہٖ تاکہ میں

اس کے ذریعے تمہیں ڈراؤں، خبردار کر دوں۔ قرآن پاک سرزمین عرب میں شہر مکہ میں نازل ہونا شروع ہوا، لہذا اس کے اولین مخاطبین بھی مشرکین مکہ ہی ہیں۔ اور ہر نبی کا یہی مشن رہا ہے۔ کہ سب سے پہلے اپنے اردگرد کے لوگوں کو ہی اللہ کا پیغام سناتے رہے ہیں۔ سورۃ یوسف میں ہے "اِنَّا اَنزَلنٰہُ قُرآنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُم تَعقِلُونَ" ہم نے قرآن پاک کو عربی زبان میں نازل کیا تاکہ تم عرب لوگ اس کو سمجھ سکو۔ پھر حضور علیہ السلام کو یہ بھی حکم ہوا، "وَاَنذِر عَشِیرَتَکَ الاَقرَبِینَ" (الشعراء) آپ اپنے بھائی بندوں کو خبردار کر دیں غرضیکہ حضور علیہ السلام سے یہ بھی کہلوایا کہ یہ قرآن پاک میری طرف اس لیے وحی کیا گیا ہے تاکہ میں تم کو برے انجام سے خبردار کر دوں۔ اگر خدا کی وحی پہ ایمان نہیں لاؤ گے تو پھر اس کی گرفت میں آجاؤ گے۔

انذار و تبشیر تمام انبیا کی بعثت کا مقصد رہا ہے۔ کہیں ترہیب اور ترغیب کے الفاظ بھی استعمال ہوئے ہیں یعنی برائیوں سے ڈرانا اور نیکیوں کی ترغیب دینا۔ ادھر تبشیر کا معنی بشارت سنانا ہے۔ جیسے فرمایا "رُسُلًا مُّبَشِّرِینَ وَمُنذِرِینَ" (النسا) ہم نے بشارت سنانے والے اور ڈرانے والے رسول مبعوث کئے۔ جو شخص ایمان قبول کرتا ہے اور نیکی کا راستہ پکڑتا ہے اس کو بشارت دیتے ہیں "اَنَّ لَھُم قَدَمَ صِدقٍ عِندَ رَبِّھِم" (یونس) کہ ان کے لیے اپنے رب کے ہاں سچا پایا ہے۔ فلاح اور کامیابی ہے۔ یہی تبشیر ہے اسی طرح انذار کے متعلق سورۃ مدثر میں فرمایا "یَآ اَیُّھَا المُدَّثِّرُ ہ قُم فَاَنذِر" اے چادر اوڑھنے والے! اٹھ کھڑے ہوں اور ان کو ڈرائیں۔ یہ آپ کے فرائض منصبی میں داخل ہے کہ لوگوں کو ان کے برے انجام سے خبردار کر دیں۔ انہیں بتا دیں کہ کفر اور شرک کرنے والوں کا انجام ہمیشہ برا ہوتا ہے

اسی سورۃ میں گزر چکا ہے کہ ان کو توجہ دلائیں "کَمْ اَهْلَكْنَا مِنْ قَبْلِهِمْ مِّنْ قَرْنٍ" کہ ہم نے اس سے پہلے کتنی قوموں کو ہلاک کر دیا، وہ بھی کفر اور شرک جیسی مہلک بیماریوں میں مبتلا تھے بہر حال یہاں پر فرمایا کہ اے پیغمبر! آپ ان کو بتا دیں کہ میری طرف یہ قرآن اس لیے نازل کیا گیا ہے کہ میں تمہیں خبردار کر دوں۔

یہاں پر یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ قرآن پاک کے اولین مخاطبین عرب کے لوگ تھے جن کی زبان میں قرآن نازل ہوا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا بِلِسَانِ قَوْمِهٖ"۔

(سورۃ ابراہیم) ہم نے ہر رسول کو اس کی قوم کی زبان میں بھیجا۔ تاکہ اپنے اولین مخاطبین کو خبردار کرے۔ وَمَنْ بَلَغَ اور ان لوگوں کو بھی خبردار کرے جن تک یہ قرآن پہنچے، گویا حضور کی نبوت کے فرائض میں داخل ہے کہ قرآن پاک کا پیغام دنیا میں جہاں کہیں پہنچے، ان سب کو خبردار کر دیں۔ اس لحاظ سے حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کی نبوت و رسالت قومی نہیں بلکہ بین الاقوامی ہے۔ آپ تمام اقوامِ عالم کے انسانوں بلکہ جنات کے لیے بھی اللہ کے رسول بن کر آئے ہیں۔

فریضہ تبلیغ

تبلیغِ دین کا کام حضور نبی کریم علیہ السلام نے اپنی قوم سے کیا، پھر آپ کے بعد یہ کام صحابہؓ نے کیا، پھر تابعین اور تبع تابعین یہ فریضہ انجام دیتے رہے اور جوں جوں فرزندانِ توحید کا حلقہ وسیع ہوتا چلا گیا قرآنی تعلیمات کو آگے پہنچانے کا کام طبقہ در طبقہ ہوتا رہا۔ چنانچہ اب اس آخری امت کے ہر فرد پر یہ ذمہ داری عاید ہوتی ہے کہ وہ دین کے احکام دوسروں تک پہنچائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا" ہم نے تمہیں امت وسطیٰ (افضل امت) بنایا "لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ" تاکہ تم لوگوں پر گواہ بن جاؤ کہ ہم نے اللہ

کے احکام اُن تک پہنچا دیئے۔ مفسر قرآن محمد بن کعب قرظیؒ فرماتے ہیں۔
مَنْ بَلَغَهُ الْقُرْاٰنُ فَقَدْ رَاٰى مُحَمَّدًا یعنی
جس کے پاس قرآن پاک پہنچ گیا، اُس نے گویا خود حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام
کو دیکھ لیا کیونکہ آپ کا معجزہ اور آپ کا مشن اور آپ کی غرض و غایت
یہی قرآن حکیم ہے۔ ہشام بن عامر نے ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ
سے حضور علیہ السلام کے اخلاق کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے جواب
دیا، کیا تو نے قرآن نہیں پڑھا؟ عرض کیا، قرآن تو میں پڑھتا ہوں، فرمایا، تو
پھر یہی قرآن محمد صلی اللہ علیہ وسلّم کا اخلاق ہے۔ مقصد یہ ہے کہ قرآن پاک
کی تعلیمات کا عملی نمونہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ ہے۔
جیسا کہ پہلے عرض کیا قرآن پاک کا پیغام جس شخص تک پہنچ جائے اُس
کا فرض ہو جاتا ہے کہ وہ اسے آگے دوسروں تک پہنچائے، اس کے
متعلق اللہ تعالیٰ نے پہلے خود حضور علیہ السلام کو تاکید فرمائی "بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ
اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ" (المائدہ) جو کچھ آپ کے رب کی طرف
سے نازل کیا گیا، اُسے آگے پہنچا دیں۔ اور پھر حضور نبی کریم علیہ السّلام نے
فرمایا بَلِّغُوْا عَنِّیْ وَلَوْ كَانَ اٰيَةً" مجھ سے لے کر دوسروں
تک پہنچاؤ، خواہ وہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو، اس سے بھی خاطر خواہ فائدہ
ہو گا اور پھر حجۃ الوداع کے موقع پر تقریباً سوا لاکھ صحابہؓ کو خطاب کرتے
ہوئے آپ علیہ السلام نے ارشاد[2] فرمایا تھا اَلَا فَلْيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ
الْغَائِبَ فَرُبَّ مُبَلَّغٍ اَوْعٰى مِنْ سَامِعٍ سنو! جو
لوگ یہاں موجود ہیں انہیں چاہیئے کہ یہ باتیں غیر حاضروں تک پہنچا دیں کیونکہ
ہو سکتا ہے کہ کوئی غیر موجود شخص تم سے زیادہ سمجھنے اور محفوظ رکھنے والا
ہو۔ بہر حال فرمایا کہ یہ امانت تم تک پہنچا دی ہے، اُس کو آگے پہنچانا اب
تمہاری ذمہ داری ہے۔

[1] سنن دارمی صـ ۱/۱۱۱ و ترمذی صـ ۳۸۲ [2] بخاری صـ ۱۶/۱۷ (فیاض)

تین اہم نصائح

حدیث شریف میں آتا ہے، اللہ کے رسول نے فرمایا، تین باتیں ایسی ہیں کہ مومن کا دِل کبھی اُن سے حسد اور کینہ نہیں کرسکتا۔ فرمایا پہلی بات اخلاص العمل للہ اللہ کی خاطر عمل میں اخلاص ہو۔ اگر اخلاص میں خرابی آگئی تو عمل برباد ہوجائیگا، لہٰذا ایک مومن کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی ہے کہ اُس کے عمل کا اخلاص ضائع نہ ہو، مومن اس بارے میں اپنے دِل میں کبھی کھوٹ نہیں رکھے گا۔ فرمایا دوسری بات والنصیحۃ للمسلمین ہے ہر مومن کو دوسرے مومن کی خیر خواہی مطلوب ہوتی ہے۔ اگر اس ضمن میں بھی اُس کے دِل میں کوئی میل آگئی تو اس کے ایمان میں خرابی آجائے گی، گویا ہر مسلمان کے حق میں خیر خواہی ضروری ہے۔ اس کے متعلق حضرت جریر بن عبداللہ بجلیؓ کی روایت بھی صحیحین میں موجود ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضور علیہ السلام نے مجھ سے اس بات کی بھی بیعت لی والنصح لکل مسلمٍ کہ میں ہر مسلمان کی خیر خواہی کروں بہر حال حضور علیہ السلام نے فرمایا تیسری اہم بات لزوم جماعۃ ہے مسلمانوں کی جماعت کو مضبوط رکھنا یعنی اتفاق و اتحاد کی فضا کو برقرار رکھنا بھی مسلمان کے لیے ضروری ہے کیونکہ من شذّ شُذّ جو جماعت سے الگ ہوگیا، وہ علیحدہ فرقہ بن گیا، پھر گمراہی آئی۔ اور جماعت المسلمین میں کمزوری آئی۔ اس تفریق کے نتائج بھی بہت بُرے نکلیں گے۔ الغرض! تبلیغ دین بنی نوع انسان کے ساتھ خیر خواہی کی ایک صورت ہے جس کے متعلق سخت تاکید آئی ہے۔

دو اہم اصلاحات

اصل میں دو چیزیں بڑی ضروری ہیں۔ سورۃ بلد میں ہے "وَهَدَيْنَاهُ النَّجْدَيْنِ" ہم نے انسان کی دو اُونچی گھاٹیوں کی طرف راہنمائی کردی ہے عام تفسیر میں اِسے خیر اور شر کی گھاٹیوں سے تعبیر کیا گیا ہے یعنی انسان کو اچھائی اور برائی کی تمیز سکھادی گئی ہے تاہم علمی اصطلاح میں اسے یوں کہا جاسکتا ہے کہ ہر انسان کے لیے دو باتیں بڑی ضروری ہیں، ایک

انفرادی روحانی ترقی اور دوسری اصلاحِ عالم انسان خود اپنی اصلاح کرے
تاکہ اُسے روحانی ترقی ہو اور اس کا تعلق اللہ تعالےٰ کے ساتھ درست
رہے۔ جب اپنی اصلاح مکمل ہو جائے تو پھر اصلاح عالم کی ذمہ داری بھی
اُس پر عائد ہوتی ہے کہ پوری نسل انسانی سے خیر خواہی کا سلوک کرتے ہوئے
اللہ کا پیغام اُن تک پہنچائے اور اُن کی اصلاح کی کوشش کرے۔ مگر
افسوس کا مقام ہے کہ آج کا مسلمان قرآنی پروگرام کو بھول چکا ہے، قرآنی
تعلیم کو پس پشت ڈال دیا گیا ہے۔ آج اس کے اپنے افکار بدل چکے
ہیں، اس کی حالت بھی یہود، نصاریٰ، ہنود، مجوس اور دہریوں سے
سے مختلف نہیں رہی۔ مسلمان آج اپنی اصلاح سے غافل ہے۔ یہ اقوام
عالم کی اصلاح کیسے کرے گا۔ یہ خود گمراہ ہو چکا ہے، دوسروں کو راستہ
کیسے دکھائے گا۔ اصلاح عالم کا فریضہ اسلام کے ابتدائی دور میں بطریق احسن
انجام دیا جاتا رہا ہے۔ مگر آج پورا عالم اسلام اس سے غافل ہو چکا ہے۔

تبلیغ دین میں مشکلات

اس وقت صرف تبلیغی جماعت ہے جو تبلیغ دین کے سلسلہ میں اپنی
اصلاح کی کوشش کر رہی ہے۔ چونکہ خود اپنے بگڑ چکے ہیں۔ لہذا اولاً
اُن کی اصلاح کی ضرورت ہے۔ مگر اس محاذ پر بھی جماعت کو بڑی مشکلات
کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور بڑے بڑے مصائب برداشت کرنا پڑتے ہیں۔ مگر
گذشتہ سال کی بات ہے کہ تبلیغ کے لیے جماعت اِدھر پہاڑی علاقے میں
گئی کسی بستی میں رات کو قیام کرنا چاہا تو اہلِ بستی نے ٹھہرانے سے انکار کر
دیا، بلکہ اُسی وقت وہاں سے چلے جانے کے لیے کہا انہوں نے رات
کے وقت تین چار میل دُور دوسری بستی میں جا کر قیام کیا۔ کتنے افسوس کی
بات ہے کہ جو جماعت تبلیغ دین کا اہم فریضہ انجام دے رہی ہے اس
کے خلاف اہل بدعت، مشرک اور رسومی لوگ زہریلا پراپیگنڈا کرتے ہیں کہ
یہ وہابی ہیں بے دین ہیں جو تمہیں بھی بے دین بنا دیں گے۔ ایسے مراحل تو

درمیان میں آتے رہتے ہیں، ان سے گھبرانا نہیں چاہیئے بلکہ اپنا پروگرام جاری رکھنا چاہیئے، جو لوگ نیکی کی طرف دعوت دینے والوں کے ساتھ زیادتی کرتے ہیں، انہیں بھی اس ظلم کا بدلہ چکانا ہوگا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ خود کلمہ پڑھنے والوں کا حال یہ ہے کہ جو کام خود اُن کے ذمہ تھا، اُس کو انجام دینے میں بھی رکاوٹ ڈالتے ہیں۔ جب یہ اپنی اصلاح کرنے کے لیے تیار نہیں تو دوسروں کی اصلاح کا بیڑا کون اٹھائے گا؟ ذرائع مواصلات نے اب پوری دُنیا کو سمیٹ کر رکھ دیا ہے، لوگ ایک دوسرے کے ہاں کثرت سے آتے جاتے ہیں، تبادلہ خیال ہوتا ہے، تجربات ہوتے ہیں۔ تو ان سے پتہ چلتا ہے کہ دنیا میں کتنی قومیں ایسی ہیں جنہیں سچے دین کی تلاش ہے مگر اُن تک دین پہنچانے والا کوئی نہیں، اُن میں نیکی کرنے کی تڑپ موجود ہے مگر اُن کی راہنمائی کرنے والا کوئی نہیں۔ اور پھر یہ بھی ہے کہ اثر بھی اُسی بات کا ہوتا ہے جو کسی باعمل اور دین دار شخص کے منہ سے نکلی ہو۔ خالی خولی لیکچر دینے سے بات نہیں بنتی، اللہ تعالیٰ نے اس ضمن میں خاص تنبیہ فرمائی۔

"یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ" (الصف)

جو کہتے ہو وہ خود کیوں نہیں کرتے، جو چیز دوسروں تک پہنچانا چاہتے ہو اُس پر پہلے خود عمل پیرا ہو جاؤ، پھر بات بنے گی۔

مشن سے وابستگی

آج مسلمان اپنے اسلامی مشن کو فراموش کر چکا ہے اور اغیار کے رسم و رواج میں اپنی عزت سمجھتا ہے۔ چاہیئے تو یہ تھا کہ اسلام کے زریں اصول دوسروں تک پہنچائے جاتے مگر آج ہم دوسروں کے لادینی نظریات اپنانے پر مجبور ہیں۔ ہمارے صدر صاحب نے ایک غیر ملکی شخصیت کو تحفہ ایک مجسمہ کی شکل میں دیا۔ بت تراشی اور بت فروشی تو اسلام میں ویسے ہی حرام ہے مگر ہمیں اس کے علاوہ اور کوئی تحفہ بھی نہ مل سکا۔

اسی طرح مسلمانوں اور کافروں کی قبروں پر پھول چڑھانا ایک بین الاقوامی رواج بن

چکا ہے، سربراہان ملک ایک دوسرے کے ملک میں جاتے ہیں تو خیرسگالی کے طور پر وہاں کی مشہور ہستی کی قبر پر چادر چڑھاتے ہیں۔ غیر مسلموں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں نے یہ بھی کام شروع کر دیا ہے ہمارے ملک میں مسٹر جناح اور علامہ اقبال کی قبریں اس چیز کی آماجگاہ بن چکی ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ جب ہم اپنے مشن کو بھول گئے ہیں تو دوسروں کے نظریات اپنانے پر مجبور ہیں آج مملکت سعودیہ ایک واحد مثال ہے جو اپنے نظریات پر کسی حد تک قائم ہے پچھلی دفعہ ابن سعود ہندوستان آیا تو حسب دستور گاندھی کی سمادھی پر پھولوں کی چادر چڑھانے کی اُسے بھی پیش کش کی گئی مگر اس نے صاف انکار کر دیا کہ وہ ایسی چیزوں کو روا نہیں سمجھتا۔ ظاہر ہے کہ اُس نے اپنے نظریات پہ قائم رہ کر اپنے ملک اور اسلام کی عزت افزائی کی۔ اس طرح مصر کا کرنل ناصرؒ روس گیا تو خورد و شیف کے ساتھ شراب پیش کی گئی مگر اس نے کہا کہ میں مسلمان ہوں شراب نہیں پیتا، آخر انہیں وہ مے و ساغر اٹھانا ہی پڑا۔ ناصر کے ساتھ خورد شیف نے بھی شراب نہیں پی۔ مسلمان کا کام تو یہ تھا کہ اپنے سچے اصول دوسروں کے سامنے پیش کرتا نہ کہ خود اُن کی بدرو میں بہ جاتا۔ بہرحال تبلیغ دین کے سلسلے کی پہلی منزل یہ ہے کہ خود مسلمانوں کی اصلاح کی جائے اور پھر نہایت خلوص کے ساتھ اسلام کی دعوت کو دوسروں تک پہنچایا جائے ایک سچے مسلمان کی اپنے مشن سے وابستگی کی یہی دلیل ہے۔

درس توحید

تبلیغ دین کی طرف توجہ دلانے کے بعد اسلام کے بنیادی اصول توحید کو ایک نئے انداز میں پیش کیا جا رہا ہے اَئِنَّكُمْ لَتَشْهَدُوْنَ اَنَّ مَعَ اللّٰهِ اٰلِهَةً اُخْرٰى کیا تم اس بات کی گواہی دیتے ہو کہ خدا تعالے کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟ فرمایا اگر یہ لوگ کسی غیر اللہ کو معبود مانتے ہوں تو قُلْ لَّآ اَشْهَدُ آپ ان پر واضح کر دیں کہ میں ایسی گواہی نہیں دیتا اس کے برخلاف میں تو یہی کہوں گا قُلْ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ معبود برحق تو ایک ہی ہے۔ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں وَاِنَّنِیْ

بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تُشۡرِکُوۡنَ اور میں بیزار ہوں اُن چیزوں سے جن کو تم شریک بناتے ہو۔ میں غیر اللہ کو معبود تسلیم کرنے کے معاملے میں تم سے ہرگز اتفاق نہیں کر سکتا۔ اس معاملہ میں میرا اور تمہارا راستہ بالکل مختلف ہے۔

پیغمبر اور قرآن کی تصدیق

آگے اللہ تعالیٰ نے اہل کتاب کا بھی تذکرہ فرمایا جو اسلام کی حقانیت کو پہچاننے کے باوجود خسارے کا سودا کر رہے ہیں۔ ارشاد ہے اَلَّذِیۡنَ اٰتَیۡنٰھُمُ الۡکِتٰبَ یہ یہود و نصاریٰ جن کو آسمانی کتب دی گئیں یَعۡرِفُوۡنَہٗ کَمَا یَعۡرِفُوۡنَ اَبۡنَآءَھُمۡ یہ اس پیغمبر آخر الزمان کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ یَعۡرِفُوۡنَہٗ کی ضمیر قرآن پاک کی طرف بھی جاتی ہے اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اہل کتاب جانتے ہیں کہ قرآن پاک وہی کلام ہے جس کے متعلق حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی گئی کتاب تورات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں تمہارے بھائی بندوں میں سے ایک شخص کو برپا کروں گا اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا۔ قرآن پاک وہی کلام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اسرائیلیوں کے بھائی بند بنو اسماعیل میں سے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیا اور پیغمبر اسلام کو تو یہ اچھی طرح پہچانتے ہیں کیونکہ پہلی کتابوں میں موجود تمام علامات آپ پر صادق آتی ہیں۔ مگر اب جان بوجھ کر انکار کر رہے ہیں یہ لوگ مشرکین سے بھی بدتر ہیں۔ مشرک تو جہالت کی وجہ سے نبی آخر الزمان کا انکار کر رہے ہیں مگر یہ اپنی ضد، ہٹ دھرمی اور تعصب کی بناء پر آپ پر ایمان لانے کو تیار نہیں ہیں اور ظاہر ہے تعصب جہالت سے زیادہ مہلک بیماری ہے۔ فرمایا اَلَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَھُمۡ جن لوگوں نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال رکھا ہے فَھُمۡ لَا یُؤۡمِنُوۡنَ وہ ایمان نہیں لاتے، وہ لوگ محرومی کا شکار ہیں۔ انہوں نے فطرت سلیمہ

کو بگاڑ دیا ہے اور تعصب کو اختیار کر رکھا ہے یہ ایمان سے محروم ہی رہیں گے۔

سب سے بڑا ظالم

فرمایا دیکھو! یہ لوگ آپ سے کہتے ہیں کہ آپ کی نبوت کا گواہ کون ہے تو اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرما دیا ہے کہ وہی سب سے بڑا گواہ ہے۔ اور اگر پھر بھی تمہیں میری رسالت اور نبوت میں شک ہے تو سُن لو

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰہِ کَذِبًا

اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو خدا تعالیٰ پر جھوٹ باندھے دوسری آیت میں فرمایا کہ اُس سے بڑا ظالم کون ہے جو یوں کہے کہ میری طرف وحی نازل ہوتی ہے حالانکہ وحی نازل نہ ہوتی ہو۔ مرزا قادیانی اور دیگر مدعیانِ نبوت یہی دعویٰ کرتے رہے ہیں کہ اُن پر وحی آتی ہے۔ یہ سب سے بڑا جھوٹ ہے اور ایسا دعویٰ کرنے والے سب سے بڑے ظالم ہیں اور فرمایا۔ وہ شخص بھی [illegible] بڑا ظالم ہے اَوْ کَذَّبَ بِاٰیٰتِہٖ جو اس کی آیتوں کو جھٹلائے وہ [illegible]ل وحی الٰہی کی تکذیب کرتا ہے۔ ایسا کرنا بھی بہت بڑا ظلم ہے۔ یہ حضور علیہ السلام نے دوسرے پہلو کی وضاحت بھی فرما دی کہ میں تو اللہ کا سچا نبی ہوں اور نزولِ وحی کا میرا دعویٰ بھی سچا ہے مگر جو اس صداقت کو جھٹلاتا ہے اُس سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے۔

فرمایا، یاد رکھو! اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ظلم کرنے والے فلاح نہیں پاتے۔ ظلم کا انجام بہت برا ہوتا ہے۔ اس چند روزہ زندگی میں تو بچ جائیں گے مگر آخرت کی کامیابی کے دروازے اِن کے لیے بند ہیں حقیقی کامیابی اسی کو نصیب ہو سکتی ہے جو ظلم کو چھوڑ کر عدل کا راستہ پکڑے شرک کی بجائے توحید کو اختیار کرے اور نفاق کی بجائے اپنے اندر اخلاص پیدا کرے، تب وہ فلاح کا منہ دیکھ سکتا ہے، ورنہ ظالم تو اس سے محروم ہی رہیں گے۔

وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ أَشْرَكُوا أَيْنَ شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنتُمْ تَزْعُمُونَ ﴿۲۲﴾ ثُمَّ لَمْ تَكُن فِتْنَتُهُمْ إِلَّا أَن قَالُوا وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ ﴿۲۳﴾ انظُرْ كَيْفَ كَذَبُوا عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَضَلَّ عَنْهُم مَّا كَانُوا يَفْتَرُونَ ﴿۲۴﴾ وَمِنْهُم مَّن يَسْتَمِعُ إِلَيْكَ ۖ وَجَعَلْنَا عَلَىٰ قُلُوبِهِمْ أَكِنَّةً أَن يَفْقَهُوهُ وَفِي آذَانِهِمْ وَقْرًا ۚ وَإِن يَرَوْا كُلَّ آيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوا بِهَا ۚ حَتَّىٰ إِذَا جَاءُوكَ يُجَادِلُونَكَ يَقُولُ الَّذِينَ كَفَرُوا إِنْ هَٰذَا إِلَّا أَسَاطِيرُ الْأَوَّلِينَ ﴿۲۵﴾ وَهُمْ يَنْهَوْنَ عَنْهُ وَيَنْأَوْنَ عَنْهُ ۖ وَإِن يُهْلِكُونَ إِلَّا أَنفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُونَ ﴿۲۶﴾

ترجمہ:۔ اور جس دن ہم اکٹھا کریں گے اُن سب کو، پھر کہیں گے ہم اُن لوگوں سے جنہوں نے شرک کیا، کہاں ہیں تمہارے وہ شریک جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے ﴿۲۲﴾ پھر نہیں ہو گی اُن کی آزمائش سوائے اس کے کہ وہ کہیں گے، قسم ہے اللہ کی جو ہمارا پروردگار ہے، نہیں تھے ہم شرک کرنے والوں میں ﴿۲۳﴾ دیکھو، کیسا جھوٹ بولا ہے انہوں نے اپنی

جانوں پر اور گم ہو گئی اُن سے وہ بات جس کو وہ افتراء کرتے
تھے (۲۴) اور بعض اُن میں سے وہ ہیں جو کان رکھتے ہیں
آپ کی طرف ، اور ہم نے اُن کے دلوں پر پردے ڈال
دیے ہیں اس بات سے کہ وہ اس کو سمجھیں ، اور اُن کے
کانوں میں بوجھ ہے ۔ اور اگر دیکھیں وہ ہر قسم کی نشانیوں
کو تو نہیں ایمان لاتے اُن کے ساتھ یہاں تک کہ جب یہ
آپ کے پاس آتے ہیں تو جھگڑا کرتے ہیں اور کہتے ہیں
وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا ، نہیں ہے یہ مگر کہانیاں پہلے لوگوں
کی (۲۵) اور یہ روکتے ہیں اُس سے اور خود بھی دور ہوتے ہیں
اس سے ، اور نہیں ہلاک کرتے یہ مگر اپنی جانوں کو اور نہیں
سمجھتے یہ (۲۶)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں مشرکین کا ذکر ہوا ، جنہوں نے اپنی فطری اور عقلی قوتوں کو ضائع کر دیا ۔ وہ شرک کے مرتکب ہو کر ابد الآباد تک نقصان ہی اٹھاتے رہیں گے ۔ پھر اللہ نے اپنے پیغمبر کی زبان سے شرک سے بیزاری کا اعلان کروایا ۔ جو لوگ آپ کی نبوّت اور رسالت پر اعتراض کرتے تھے اور اُس کا انکار کرتے تھے اُن کو اُن کے برے انجام سے خبردار کیا گیا ۔ اللہ نے فرمایا کہ اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ پر افتراء باندھتا ہے ، وحی الٰہی کا انکار کرتا ہے یا نبوت کا جھوٹا دعویٰ کرتا ہے ۔ جو شخص اللہ کے بارے میں بیٹے کا اعتقاد رکھتا ہے ۔ یا کسی کو اُس کی ذات ، صفات یا عبادت میں شریک کرتا ہے ، وہ بھی سب سے بڑا ظالم ہے ۔ اِسی طرح اللہ کی آیات کا انکار کرنے والے کو بھی اپنا انجام سوچ لینا چاہیئے یہ وہ لوگ ہیں اَلَّذِیۡنَ خَسِرُوۡۤا اَنۡفُسَهُمۡ کہ انہوں نے اپنے نفسوں کو خسارے میں ڈال لیا ۔

مشرکین کو ڈانٹ

اَب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے قیامت کے دِن مشرکین کے ساتھ پیش

آیتوں اسلوک کا ذکر کیا ہے انکی تھوڑی سی کیفیت بیان کی ہے اور پھر ارتکاب شرک پر انکو ڈانٹ پلائی ہے
ارشاد ہوتا ہے وَيَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِيعًا اس دن کو اپنے دھیان
میں لاؤ جب ہم اُن سب کو اکٹھا کریں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ دن قیامت
کا ہوگا جب تمام انسانوں کو بارگاہِ رب العزت میں حاضر ہونا ہوگا۔ اللہ تعالیٰ
تمام اولین اور آخرین کو جمع فرمائیں گے۔ ثُمَّ نَقُولُ لِلَّذِينَ
أَشْرَكُوا پھر ہم اُن لوگوں کو فرمائیں گے جنہوں نے شرک کیا أَيْنَ
شُرَكَاؤُكُمُ الَّذِينَ كُنْتُمْ تَزْعُمُونَ تمہارے وہ شریک
کہاں ہیں جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے کہ وہ تمہاری سفارش کریں گے
اور تمہیں بچالیں گے۔ یہ سوال ہر قسم کے شرک کرنے والوں سے ہوگا۔
انسانی سوسائٹی میں شرک کی جتنی بھی قسمیں پائی جاتی ہیں سب کے مرتکبین کو
ڈانٹ پلائی جائے گی کہ لاؤ وہ تمہارے شریک آج کدھر گئے جن کے
سہارے پر تم اللہ وحدہٗ لاشریک کو بھول کر ان کے پیچھے لگے رہے۔

قرآن پاک میں دوسرے مقام پر آتا ہے کہ قیامت والے دن تمام عابد
اور معبود اکٹھے ہوں گے مگر یہاں فرمایا جا رہا ہے کہ اللہ لوگوں سے پوچھے
گا کہ تمہارے شرکاء کہاں ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ وہاں موجود نہیں
ہوں گے۔ اس اشکال کے جواب میں مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس
آیت کریمہ میں شریکوں کی موجودگی کی نفی نہیں بلکہ دراصل اُن کی سفارش کی نفی
ہے کہ وہ موجود ہونے کے باوجود سفارش نہیں کر سکیں گے۔ اور اللہ تعالیٰ
فرمائیں گے کہ دنیا میں تو تم کہتے تھے "هَٰؤُلَاءِ شُفَعَاؤُنَا عِنْدَ اللَّهِ"
(یونس) اللہ کے ہاں ہمارے سفارشی ہیں۔ اب اُنہیں کہو کہ وہ تمہاری سفارش کریں
اور تمہیں چھڑالیں، مگر وہاں کوئی دم نہیں مار سکے گا۔ "مَنْ ذَا الَّذِي
يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ" (بقرہ) کون ہے جو اللہ کی اجازت
کے بغیر اس کے پاس سفارش کر سکے۔ اور اللہ تعالیٰ سفارش کی اجازت اُس

شرک سے انکار

کو دیں گے جو سفارش کی شرائط پوری کرے گا۔ یہ محض اُن کو ذلیل کرنے کے لیے کہا جائیگا کہ لاؤ، کہاں ہیں تمہارے شرکاء جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے فرمایا جب اللہ تعالیٰ مشرکین سے یہ سوال کریں گے۔ ثُمَّ لَمْ تَكُنْ فِتْنَتُهُمْ پھر نہیں ہوگی اُن کی آزمائش۔ فتنہ کا معنیٰ عام طور پر آزمائش ہوتا ہے اور بعض لوگ اس کا معنیٰ شرارت بھی کرتے ہیں۔ بعض مفسرین نے اس کا معنیٰ جواب کیا ہے۔ یعنی جب اللہ تعالیٰ پوچھیں گے، اُن سے سوال کریں گے، تو اُن کا کوئی جواب نہیں ہوگا اِلَّآ اَنْ قَالُوْا سوائے اس کے کہ وہ کہیں گے وَاللّٰهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِيْنَ اللہ کی قسم جو ہمارا رب ہے، ہم شرک کرنے والے نہیں تھے اس وقت اللہ کے سامنے اپنے شرک کا انکار کر دیں گے۔ معبودانِ باطلہ کی سفارش کے معتقد مشرک اپنے شرک سے مکر جائیں گے کہ ہم تو شرک نہیں کرتے تھے۔

اس مقام پر بھی اشکال واقع ہوتا ہے۔ یہاں پر تو فرمایا ہے کہ مشرکین اپنے شرک کا انکار کر دیں گے مگر دوسری جگہ آتا ہے کہ وہ اقرار کریں گے "شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ" وہ خود اپنے آپ کے خلاف گواہی دیں گے کہ واقعی ہم نے غلطی کی اور کفر و شرک میں مبتلا ہوئے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ میدان حشر میں ہر شخص کے حساب وکتاب کے لیے بڑا لمبا عرصہ درکار ہوگا اور اس دوران لوگ مختلف کیفیتوں سے گزریں گے۔ جس موقع پر یہاں انکارِ شرک کی بات ہو رہی ہے۔ وہ بڑا مشکل وقت ہوگا، لوگوں پر دہشت طاری ہوگی اور وہ کسی چیز کا خیال کیے بغیر شرک سے انکار کر دیں گے مگر اُن کا یہ انکار بے سود ہوگا کیونکہ جو حقیقت واقع ہو چکی ہوگی، وہ چھپائی نہیں جاسکیگی اور انہیں حقیقت کا سامنا کرنا ہی ہوگا۔ پھر دوسرے موقع پر جب اُن کی حالت سنبھلے گی، ہوش و حواس قائم ہوں گے تو اپنے جرائم کا خود اقرار کریں گے۔ اور اگر زبان سے اقرار نہیں کریں گے تو اُن کے اعضا بول کر گواہی دیں گے،

اُن کے اعمالنامے اُن کے سامنے ہوں گے، فرشتے گواہی دیں گے بلکہ وہ خطۂ ارضی گواہی دیگا جس پر جرم کا ارتکاب کیا گیا، لہذا انکارِ جرم کے ذریعے بچ نکلنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہوگی۔

اللہ نے فرمایا اُنظُرۡ كَيۡفَ كَذَبُوا عَلٰٓى اَنۡفُسِهِمۡ دیکھو! انہوں نے اپنے نفسوں پر کیا جھوٹ بولا۔ انہوں نے شرک کا انکار کر کے خود اپنے آپ پر افترا کیا وَضَلَّ عَنۡهُمۡ مَّا كَانُوۡا يَفۡتَرُوۡنَ اور اُن سے وہ باتیں کھو گئیں، جن کا وہ افترا کیا کرتے تھے انہوں نے جو غلط عقیدے بنا رکھے تھے وہ سب ضائع ہو جائیں گے، کوئی زعمِ باطل کام نہیں آئے گا۔ اور انہیں اس کے سوا کچھ نہیں سوجھے گا کہ وقتی طور پر شرک کا انکار ہی کر دیں۔

کان، آنکھ اور دل

مشرکین کا حال بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے منافقین کا ذکر بھی کیا ہے۔ وَمِنۡهُمۡ مَّنۡ يَّسۡتَمِعُ اِلَيۡكَ اور اُن میں سے بعض ایسے ہیں جو آپ کی طرف کان لگاتے ہیں یعنی آپ کی بات کو بڑے غور سے سُنتے ہیں مگر اُن کا ارادہ اور نیت آپ کی اتباع کا نہیں ہے اس لیے وَجَعَلۡنَا عَلٰى قُلُوۡبِهِمۡ اَكِنَّةً اَنۡ يَّفۡقَهُوۡهُ ہم نے اُن کے دِلوں پر پردے ڈال دیے ہیں اس بات سے کہ وہ اس کو سمجھیں۔ مطلب یہ کہ آپ کی بات سُننے کے باوجود وہ اِس کو سمجھنے سے قاصر ہیں کیونکہ اُن کے دلوں پر پردے پڑ چکے ہیں انہوں نے اپنی صلاحیتوں کو اس حد تک بگاڑ دیا ہے کہ کوئی بات ان کے دلوں پر اثر ہی نہیں کرتی۔ جب کوئی انسان ضد، عناد اور ہٹ دھرمی پر پختہ ہو جاتا ہے تو پھر اس کا دِل اچھائی کو اخذ کرنے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھتا ہے حضور علیہ السلام کا ارشادِ مبارک[1] ہے تُعۡرَضُ الۡفِتَنُ عَلَى القلوب كالحصير عُوۡدًا عُوۡدًا فتنے دلوں پر اس طرح وارد ہوتے ہیں جس طرح ایک

[1] مسلم صہ ۸۲ ج ۱ (فیاض)

ایک تنکا مِل کر چٹائی بن جاتا ہے۔ اور پھر وہ دِل ہر قسم کی بھلائی کے لیے بند ہو جاتا ہے۔ جب کوئی شخص کسی بُرائی کا ارتکاب کرتا ہے تو اُس کے دِل پر ایک سیاہ نقطہ پڑ جاتا ہے۔ پھر جوں جوں گناہ میں آگے بڑھتا جاتا ہے، دِل کی سیاہی میں اضافہ ہوتا جاتا ہے حتیٰ کہ پورا دِل بالکل سیاہ ہو جاتا ہے، اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے فرمایا "طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ" اُن کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان کے دِلوں پر ٹھپے لگا دیے ہیں۔ اور یہاں فرمایا اِن کے دلوں پر ہم نے پردے ڈال دیے ہیں۔ وَفِيْ اٰذَانِهِمْ وَقْرًا اور اُن کے کانوں میں بوجھ ہے جس کی وجہ سے کسی بات کو ٹھیک طور سے سُن ہی نہیں سکتے۔ کان بھاری ہونا محاورے کے طور پر بھی بولا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ وہ کانوں سے کوئی فائدہ ہی نہیں اٹھا سکتا۔ فرمایا۔ وَاِنْ يَّرَوْا كُلَّ اٰيَةٍ لَّا يُؤْمِنُوْا بِهَا اور وہ ہر قسم کی نشانیوں کو دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے، گویا وہ لوگ اپنی آنکھوں سے بھی کوئی فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ اُن کے سامنے بیشمار تکوینی اور تشریعی نشانیاں اور مستقل معجزات ہیں۔ اللہ کا کلام اپنی آنکھوں سے پڑھتے ہیں، مگر اس کے باوجود وہ ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔

اب یہاں پر تینوں چیزوں کا ذکر آ گیا یعنی، کان، دِل اور آنکھیں، یہ تینوں چیزیں اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہیں "اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْـُٔوْلًا" (بنی اسرائیل) بیشک کان، آنکھ اور دِل کے متعلق اللہ کے ہاں باز پرس ہوگی۔ اور اللہ تعالیٰ نے یہ بھی حکم دیا "وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ قَالُوْا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ" (انفال) اُن لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جو کہتے ہیں کہ ہم نے سُن لیا مگر فی الحقیقت انہوں نے نہیں سُنا۔ سُننے کا فائدہ تو جب ہے کہ انسان سُن کر اُسے دِل میں جگہ دے، اُس پر اعتقاد

رکھے اور پھر اُس پہ عمل پیرا ہو جائے، جو ایسا نہیں کرتا، اس کا سننا اور نہ سُننا برابر ہے۔ امام احمدؒ کی کتاب الصلوٰۃ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد ہے کہ بہت سے لوگ ہیں یُصَلُّوْنَ وَلَا یُصَلُّوْنَ جو نماز تو پڑھتے ہیں لیکن حقیقت میں نہیں پڑھتے۔ یعنی نماز پڑھنے کا جو مسنون طریقہ ہے اس کو مدنظر نہیں رکھتے۔ نماز کے فرائض، واجبات وغیرہ کا خیال نہیں رکھتے تو ان کا نماز پڑھنا یا نہ پڑھنا ایک برابر ہے۔ امام احمد صاحبؒ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک سو مسجدوں میں نماز پڑھی اور دیکھا کہ اکثر لوگ نماز صحیح طور پہ ادا نہیں کرتے، چنانچہ انہوں نے کتاب الصلوٰۃ کے نام سے ایک رسالہ بھی لکھا ہے تاکہ لوگ اپنی نمازیں درست کرلیں۔ غرضیکہ اللہ نے فرمایا کہ ان کے کان دِل اور آنکھیں تینوں چیزیں برباد ہو چکی ہیں لہٰذا اِن پہ کوئی اثر نہیں کرتی۔

سبق آموز اور عبرتناک واقعات

فرمایا اللہ کے عطا کردہ حواس سے کام ہی نہیں لیتے حَتّٰٓی اِذَا جَآءُوْكَ يُجَادِلُوْنَكَ یہاں تک کہ جب آپ کے پاس آتے ہیں تو آپ سے جھگڑا کرتے ہیں۔ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اور کفر کرنے والے یوں کہتے ہیں اِنْ هٰذَآ اِلَّآ اَسَاطِيْرُ الْاَوَّلِيْنَ یہ تو پہلے لوگوں کے قصے کہانیاں ہیں۔ یہ مکے کے مشرکین کی بات ہو رہی ہے کہ جب انہیں اللہ کا قرآن پیش کیا جاتا تو وہ اُسے قصے کہانیوں کا نام دے کر منہ موڑ لیتے۔ ولید ابن مغیرہ جیسا متعصب اور عنادی مشرک کہتا کہ محمد تمہیں عاد اور ثمود کی قوموں کے قصے سناتا ہے، آؤ میں تمہیں بہمن اور اسفندیار کے قصے سناتا ہوں، اور اس طرح دوسرے لوگوں کی گمراہی کا سبب بھی بنتا۔

اساطیر یونانی زبان کا لفظ ہے جس کا مفرد اسطورہ ہے اور اُسے انگریزی زبان میں بطور سٹوری (STORY) اپنا لیا گیا ہے۔ تو وہ لوگ کہتے کہ محمد ہمیں سٹوریاں سُناتا ہے۔ حالانکہ قرآنِ پاک نے پُرانی قوموں کے جو واقعات

بیان کیے ہیں، وہ ایام اللہ یعنی تاریخی اعتبار سے نہایت سبق آموز اور عبرتناک ہیں
جہاں کہیں ایسا واقعہ بیان کیا ہے، وہاں فرمایا ہے "فَاعْتَبِرُوْا یٰۤاُولِی
الْاَبْصَارِ" اے عقلمندو! اس سے عبرت حاصل کرو اور نصیحت پکڑو
قرآن پاک نے محض افسانے کے طور پر کوئی واقعہ بیان نہیں کیا بلکہ یہ اللہ کا
برحق کلام ہے ان واقعات کے بیان سے لوگوں کی اصلاح مقصود ہے۔

اسلام دشمنی

فرمایا خدا اور رسول کے یہ دشمن لوگوں کو وَھُمْ یَنْھَوْنَ عَنْہُ اس سے
روکتے ہیں۔ ہٗ کی ضمیر قرآن پاک کی طرف بھی جاتی ہے اور پیغمبر اسلام
کی طرف بھی۔ یعنی مشرکین لوگوں کو قرآن پاک سننے سے بھی روکتے تھے اور
نبی علیہ السلام کی مجلس میں جانے سے بھی منع کرتے تھے اور اس کے لیے
غلط پراپیگنڈہ کرتے تھے۔ چنانچہ مسلم شریف میں ضماد نامی کاہن اور حکیم کا
ذکر آتا ہے، جب وہ مکہ آیا تو مشرکین نے اس سے کہا کہ یہاں ایک پاگل
آدمی ہے (العیاذ باللہ) اس کے پاس نہ جانا اور نہ اس کی بات سننا
وہ خود بیان کرتا ہے کہ میرے دل میں خیال آیا میں طبیب ہوں اگر اس آدمی
سے ملاقات ہو جائے تو اس کا علاج ہی کر دوں گا۔ چنانچہ وہ بڑی مشکل سے حضور علیہ السلام
کی خدمت میں حاضر ہوا اور کہا یا محمد انی ارقی من ھذا الریح
میں کئی قسم کی بیماریوں، آسیب اور جنات وجنون وغیرہ کا علاج کرتا ہوں،
اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ پر بہت سے لوگوں کو شفا دے دیتا ہے، اگر آپ چاہیں
تو میں آپ کا بھی علاج کر دوں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو پاس بٹھایا اور
الحمد للہ سے شروع کر کے ایک خطبہ ارشاد فرمایا۔ آپ نے خطبے کی ابتداء
میں اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا بیان کی اور پھر جب آپ نے اما بعد کہہ کر اس کی
توجہ آگے آنے والی بات کی طرف دلائی تو وہ خطبہ کے ابتدائی حصہ سے
ہی گھائل ہو چکا تھا اس نے وہی خطبہ تین دفعہ سنا اور پھر کہنے لگا۔ میں نے
بڑے بڑے کاہنوں، شاعروں اور خطیبوں کا کلام سنا ہے، مگر مجھے یہ

بات کہیں نہیں ملی جو آپ کے خطبہ میں پائی گئی ہے۔ عرض کیا۔ آپ ہاتھ بڑھائیں، میں ایمان لاتا ہوں۔

مشرکین مکہ لوگوں کو حضور علیہ السلام کی مجلس میں جانے سے روکنے کے لیے رشوت تک دینے سے بھی گریز نہیں کرتے تھے۔ اعشیٰ[1] اُس دور کا بہت بڑا شاعر تھا مکے آرہا تھا تو ابوجہل اور اس کی پارٹی کو خطرہ لاحق ہوا کہ اگر یہ مسلمان ہوگیا۔ تو اسلام کو بڑی تقویت حاصل ہوجائےگی، کیونکہ اگر اُس نے دین اسلام کی تعریف میں کچھ اشعار کہہ دیئے تو لوگوں کی کثیر تعداد متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکے گی چنانچہ انہوں نے اُس شاعر کو اناج کے بھرے بھرائے ایک سو اونٹ اس شرط پر دیے کہ وہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر نہیں ہوگا۔ شعب ابی طالب میں تین سالہ محاصرے کے دوران مشرکین مکہ اس قسم کے ہتھکنڈے استعمال کرتے رہے۔

کہتے ہیں کہ اعشیٰ جسے صناجۃ العرب یعنی عرب کا باجا کہا جاتا تھا، ایک دفعہ عکاظ کی منڈی میں آیا، وہاں کسی شخص کی جوان بچیاں تھیں جنہیں کوئی شخص قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اُس غریب آدمی کو کسی نے مشورہ دیا کہ اعشیٰ شاعر کی دعوت کردو، اگر اس نے خوش ہوکر تمہاری تعریف میں کچھ کہہ دیا تو تمہارا مسئلہ فوراً حل ہوجائے گا۔ چنانچہ اس شخص نے ایسا ہی کیا، اونٹ ذبح کرکے اعشیٰ کی پُرتکلف دعوت کی۔ اُس نے اُس شخص کی تعریف میں ایسا قصیدہ کہا کہ اُس کی بچیوں کے لیے بڑے بڑے امراء کی طرف سے نکاح کے پیغامات آنے لگے، اُس کے کلام میں اتنا اثر تھا، اعشیٰ کے اشعار اُس کے دیوان میں موجود ہیں۔ بہرحال مشرکین مکہ نے ایسے شخص کو حضور علیہ السلام کی مجلس سے روکنے کے لیے ایک سو اونٹ مع اناج کی رشوت دی۔ یہ شاعر یمامہ کی طرف کسی جگہ کا رہنے والا تھا، جب اپنے وطن کی طرف روانہ ہوا تو راستے میں ہی اونٹنی سے گر کر ہلاک ہوگیا۔

اپنے ہاتھوں تباہی

فرمایا مشرکین ایک کام تو یہ کرتے ہیں کہ لوگوں کو آپ سے اور قرآن پاک

[1] تاریخ ادب عربی ص ۱۸۲ (فیاض)

سے روکتے ہیں اور دوسرا یہ کہ وَيَنْـَٔوْنَ عَنْهُ اور خود بھی پیغمبر اسلام کی ذات مبارکہ اور اللہ کے سچے کلام سے دور رہتے ہیں۔ اگر خود قریب نہ جاتے، مگر دوسروں کو نہ روکتے تو پھر بھی کسی حد تک قابل برداشت تھا مگر ان بدبختوں نے دونوں محاذوں پر بیک وقت حملہ کیا اور دین اسلام اور پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر يَنْـَٔوْنَ عَنْهُ سے وہ مشرکین مراد ہیں جو ایمان کی نعمت سے محروم رہنے کے باوجود آپ کی طرف داری کرتے تھے اور دشمنوں سے آپکی حفاظت کرتے تھے۔ ان میں آپ کے چچا ابو طالب پیش پیش تھے۔ مشہور ہے کہ ابو طالب نے ہمیشہ آپ کا دفاع کیا مگر خود ایمان لانے سے قاصر رہا، آپ کا دین قبول نہ کیا تو اللہ تعالٰے نے ایسے لوگوں کی بھی مذمت بیان فرمائی ہے۔

فرمایا یہ لوگ دوسروں کو قریب آنے سے روکتے ہیں اور خود اس سے دور ہٹتے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے وَاِنْ يُّهْلِكُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ یہ لوگ نہیں ہلاک کرتے مگر اپنی ہی جانوں کو یعنی یہ بدبخت اسلام کو تو نقصان نہیں پہنچا سکتے، البتہ اپنے ہاتھوں اپنی ہی تباہی، بربادی اور ہلاکت کا سامان کر رہے ہیں وَمَا يَشْعُرُوْنَ اور اتنی سمجھ بھی نہیں رکھتے کہ وہ کس تباہی کی طرف جا رہے ہیں۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ فَقَالُوْا يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا وَنَكُوْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷﴾ بَلْ بَدَا لَهُمْ مَّا كَانُوْا يُخْفُوْنَ مِنْ قَبْلُ ؕ وَلَوْ رُدُّوْا لَعَادُوْا لِمَا نُهُوْا عَنْهُ وَاِنَّهُمْ لَكٰذِبُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَقَالُوْۤا اِنْ هِىَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِيْنَ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ تَرٰۤى اِذْ وُقِفُوْا عَلٰى رَبِّهِمْ ؕ قَالَ اَلَيْسَ هٰذَا بِالْحَقِّ ؕ قَالُوْا بَلٰى وَرَبِّنَا ؕ قَالَ فَذُوْقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْفُرُوْنَ ﴿۳۰﴾ ع ۳ ۱۰ ۹

ترجمہ :- اور اگر آپ دیکھیں اس حالت کو جب کہ ان کو کھڑا کیا جائیگا آگ پر ، تو کہیں گے اے کاش ! ہم لوٹائے جاتے دنیا کی طرف اور ہم نہ جھٹلاتے اپنے رب کی آیات کو اور ہم ایمان والوں میں ہوتے (۲۷) (اس وقت کی یہ تمنا مفید نہیں ہو گی) بلکہ ظاہر ہو جائیگی ان کے سامنے وہ چیز جس کو اس سے پہلے وہ چھپاتے تھے ۔ اور اگر ان کو لوٹا دیا جائے تو پلٹ کر کہیں گے وہی باتیں جن سے ان کو منع کیا گیا ہے اور بیشک یہ جھوٹے ہیں (۲۸) کہتے ہیں کہ نہیں ہے یہ مگر صرف ہماری دنیا کی زندگی ، اور نہیں ہیں ہم (دوبارہ زندہ کر کے) اٹھائے جانے والے (۲۹) اور اگر دیکھے تو جب ان کو کھڑا کیا

جائے گا پروردگار کے سامنے تو فرمائے گا وہ کیا یہ بات سچ
نہیں ہے ، تو کہیں گے کیوں نہیں اور ہمیں اپنے رب کی قسم
تو فرمائے گا اللہ تعالیٰ پس چکھو عذاب اس کے بدلے میں جو تم
کفر کیا کرتے تھے (۳۰)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے کفر اور شرک کرنے والوں کی تردید فرمائی اور قیامت میں پیش آنے والے حالات کا تذکرہ کیا، یعنی جس دِن ہم سب کو اکٹھا کریں گے، اور پھر مشرکین سے پوچھیں گے کہ تمہارے وہ شرکا کہاں ہیں جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے کہ وہ تمہیں چھڑالیں گے۔ فرمایا اُس موقع پر شرک کا انکار کر دیں گے اور جھوٹ بولیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی مذمت بیان فرمائی، اللہ نے اُن کی یہ خصلت بھی بیان فرمائی کہ جب خدا تعالیٰ کا کلام نازل ہوتا ہے تو یہ لوگ اُس کا انکار یہ کہہ کر دیتے ہیں کہ یہ تو پچھلے لوگوں کے قصّے کہانیاں ہیں۔ یہ لوگ خود بھی قرآن پاک اور پیغمبرِ اسلام سے دُور رہتے ہیں، اور دوسروں کو بھی قریب آنے سے روکتے ہیں۔ اب آج کی آیات میں اللہ نے آخرت کا کچھ مزید حال بیان فرمایا ہے۔

مضامین قرآن

قرآنِ پاک میں اللہ تعالیٰ کی توحید، رسالت اور معاد یعنی قیامت کو پوری تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے اور قرآن کریم کا چوتھا مضمون اس کی اپنی حقانیت اور صداقت ہے۔ یہ چاروں مضامین اللہ نے مختلف سورتوں میں احسن طریقے سے بیان فرمائے ہیں بعض سورتوں مثلاً سورۃ یونس میں قرآنِ حکیم کی حقانیت کو تفصیل کے ساتھ بیان کیا ہے۔ اسی طرح سورۃ یٰسین میں چاروں مضامین کو بیان فرمایا ہے۔ چونکہ اِن چاروں مضامین کو بنیادی حیثیت حاصل ہے اس لیے قریب المرگ شخص کے اس کا پڑھنا مستحب ہے تاکہ اُسکی فکر مستقیم ہو جائے اور وہ بہتر حالت میں اِس دنیا سے رخصت ہو۔ پھر سورۃ قصص، شعراء، صٰفٰت میں رسالت کا تفصیلی بیان ہے، اور اب اسی سورۃ انعام میں توحید اور شرک کی تمام اقسام کا تذکرہ ہے تاہم باقی باتیں بھی ضمناً آگئی ہیں۔

جزائے عمل

جس طرح اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ایمان کا اہم جزو ہے، اس کی ذات، صفات، اسمائے مبارکہ، اس کے انبیاء، کتب سماویہ، قرآن پاک کی حقانیت پر ایمان لانا ضروری ہے اسی طرح معاد یعنی قیامت کے وقوع اور جزائے عمل پر ایمان لانا ضروری ہے۔ انسان کو سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ اِس دنیا میں جو کچھ اچھا یا بُرا کر رہا ہے، اُسے اُس کا نتیجہ مل کر رہے گا۔ انسان اس دنیا میں پیدا ہوتا ہے، نشو و نما پاتا ہے، کاروبار کرتا ہے، اُس کا ایک وجود ہوتا ہے جس کے ذریعے وہ دنیا کے تمام امور انجام دیتا ہے۔ جس طرح اُسے اپنے وجود اور ہستی پر یقین ہے، اسی طرح اُسے جزائے عمل پر بھی یقین ہونا چاہیئے۔ کہ جس اللہ تعالےٰ نے اُسے اِس دُنیا میں اپنے احکام دے کر بھیجا ہے، اسی طرح وہ اللہ تعالےٰ اُسے اگلے جہان میں بھی کھڑا کرے گا اور پھر اُس سے اُس کے اعمال کی بازپرس ہوگی۔ ہر انسان کو اِس معاملہ میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہونا چاہیئے۔

دُنیا میں واپسی کی تمنا

تو یہاں پر معاد کے ضمن میں کچھ حالات بیان فرمائے ہیں اور بتایا ہے کہ اُس دِن مشرکین کس قسم کی کیفیت سے دوچار ہوں گے۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَوْ تَرٰىٓ اِذْ وُقِفُوْا عَلَى النَّارِ (اے مخاطب) جب تو دیکھے کہ اُن کو کھڑا کیا آگ پر۔ یعنی مشرکین کو دوزخ کے کنارے لا کھڑا کیا جائیگا اور وہ اپنے ٹھکانے کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیں گے۔ یہاں پر مخاطب سے مراد سب سے پہلے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات مبارکہ ہے پھر صحابہ کرامؓ اور پھر ہر شخص مخاطب ہے جس تک قرآن پاک کا پیغام پہنچے تو فرمایا جب مشرکین کو دوزخ میں ڈالنے کا وقت آئیگا اور انہیں اُس کے بالکل قریب کر دیا جائے گا۔ فَقَالُوْا تو اُس وقت وہ کہیں گے يٰلَيْتَنَا نُرَدُّ اے کاش! ہم دنیا کی طرف لوٹائے جاتے تاکہ اس عذاب سے بچ سکتے۔ بڑی تمنا کریں گے کہ ہم ایک دفعہ پھر دُنیا میں چلے جائیں وَلَا نُكَذِّبَ بِاٰيٰتِ رَبِّنَا تو اب ہم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کو نہیں جھٹلائیں گے، اُس وقت تو

ہم آیاتِ ربانی کو پہلے لوگوں کی کہانیاں کہتے تھے، مگر اب ہمیں یقین آگیا ہے کہ یہ اللہ کا سچا کلام ہے، لہٰذا اب ہم اس کی تکذیب نہیں کریں گے۔ وَنَكُونَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ اور ہم ایمان والے بن جائیں گے یعنی اے مولا کریم! دنیا میں واپس جا کر ہم تیری وحدانیت پر ایمان لائیں گے تیرے رسولوں اور کتابوں پر یقین کریں گے اور تیرے تمام احکام کو تسلیم کریں گے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ وَلَوْ تَرَىٰ کی خبر محذوف ہے اور وہ یہ ہے کہ اے مخاطب جب تو دیکھے اس حالت کو کہ مجرمین کو دوزخ کے کنارے پر کھڑا کیا جائے گا تو وہ بڑا خوفناک منظر ہوگا۔ لَرَأَيْتَ أَمْرًا عَظِيمًا آپ کو بڑی خوفناک چیز نظر آئیگی۔ اور پھر جو لوگ دنیا میں واپسی کی خواہش کریں گے اُن سے کہا جائیگا کہ اس وقت تمہارا تمنا کرنا کچھ مفید نہیں ہے، اب اپنے کیے کا بھگتان کرو۔ تمہاری دنیا کی زندگی عمل کی دُنیا تھی، اُس وقت کا ایمان اور عمل ہی آج کام آسکتا تھا۔ اب تمہاری خواہش پوری نہیں ہو سکتی، چنانچہ انہیں جہنم میں پھینک دیا جائیگا، اللہ فرمائے گا، کہ دنیا کی زندگی ایک ہی دفعہ ہم نے دی تھی، وہ دور ختم ہو چکا، اب دوبارہ واپسی کا کوئی قانون نہیں، لہٰذا اپنے کیے کی سزا بھگتو۔

تمام راز کھل جائیں گے

فرمایا اُس دن کفار و مشرکین کی دنیا میں دوبارہ آنے کی خواہش تو پوری نہیں ہوگی بَلْ بَدَا لَهُم مَّا كَانُوا يُخْفُونَ مِن قَبْلُ بلکہ جو چیزیں وہ اُس سے چھپاتے تھے، سب ظاہر ہو جائیں گی۔ پہلی آیات میں گزر چکا ہے کہ قیامت کے دن ایک موقع ایسا بھی آئیگا جب مجرم لوگ کہیں گے "وَاللَّهِ رَبِّنَا مَا كُنَّا مُشْرِكِينَ" قسم ہے اللہ کی جو ہمارا پروردگار ہے کہ ہم شرک نہیں کرتے تھے۔ وہ اپنے جرائم کو چھپانے کی کوشش کریں گے مگر وہ چھپ نہیں سکیں گے، بلکہ اُن کے اعمال نامے سامنے آجائیں گے، اُن کے اعضاء و جوارح اُن کے خلاف گواہی دیں گے

بلکہ جس خطۂ ارضی پہ جرم کیا گیا، وہ زمین بول اٹھے گی لہذا وہ لوگ اپنے کرتوتوں پر پردہ نہیں ڈال سکیں گے، بلکہ سب کچھ ظاہر ہو جائے گا۔ کیونکہ اُس دن کا خاصہ یہ ہوگا "یَوْمَ تُبْلَى السَّرَائِرُ" (الطارق) اُس دن تمام بھید ظاہر ہو جائیں گے۔ "یَوْمَئِذٍ تُعْرَضُونَ لَا تَخْفَىٰ مِنكُمْ خَافِيَةٌ" (الحاقۃ) اُس دن تم پیش کیے جاؤ گے اور تمہاری کوئی پوشیدہ بات چھپی نہیں رہیگی۔

امام مبردؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں بَدَا لَهُم اور مَا کے درمیان وَبَالَ کا لفظ محذوف ہے اور اس طرح پوری قرأت اس طرح بنتی ہے بَلْ بَدَا لَهُم وَبَالَ مَا كَانُوا يُخْفُونَ مِن قَبْلُ یعنی اُس دن اُن کے سامنے اُس چیز کا وبال ظاہر ہو جائے گا جس کو وہ اس سے پہلے چھپاتے تھے منافقوں کے متعلق تو یہ بات واضح ہے کہ وہ بظاہر کلمہ پڑھتے تھے مسلمانوں کے ساتھ شریک ہوتے تھے مگر دل میں نفاق چھپا رکھا تھا۔ اُس دن اُن کا نفاق یا اُس کا وبال کھل کر سامنے آجائے گا۔ یا اس جملے کا مطلب یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بڑے لوگ چھوٹے لوگوں کو گمراہ کرنے کے لیے حقیقت حال کو واضح نہیں ہونے دیتے تھے بلکہ چھپا جاتے تھے، جیسا کہ سورۃ احزاب میں ہے "وَقَالُوا رَبَّنَا إِنَّا أَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَاءَنَا فَأَضَلُّونَا السَّبِيلَا" وہ لوگ کہیں گے اے ہمارے پروردگار! ہم نے اپنے سرداروں اور بڑے لوگوں کا کہا مانا تو انہوں نے ہمیں گمراہ کر دیا مگر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے کہ اگر تمہیں اپنے مستقبل کی فکر ہوتی تو اپنے بڑوں کی اطاعت کرنے سے پہلے اچھی طرح غور کر لیتے، اب گمراہ کرنے والے اور گمراہ ہونے والے سب جہنم میں داخل کئے جائیں گے۔

کفر و شرک
پیمہ اصرار

اس مقام پہ اللہ تعالیٰ نے ایک اور بات بھی فرمائی ہے کہ ان لوگوں

نے اپنی استعداد کو خراب کر لیا تھا، لہٰذا وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ
اگر بالفرض اُن کی خواہش کے مطابق اِن کو دنیا میں واپس بھی بھیج دیا جائے تو پھر
بھی وہی باتیں کریں گے جن سے انہیں منع کیا گیا۔ اللہ تعالیٰ علیم بذات الصدور
ہے اور ہر شخص کی اندرونی باتوں کو بھی جانتا ہے کہ اُن کی ساخت کس قسم کی ہے
اور ان کے تصورات کیسے ہیں، یہ خوف اور دہشت کی وجہ سے ایسی باتیں
کر رہے ہیں مگر اِن کی فطرت نہیں بدلے گی۔ دنیا میں واپس جا کر یہ پھر کفر، شرک
ظلم، نفاق الحاد اور معصیت کا ارتکاب ہی کریں گے۔ فرمایا وَإِنَّهُمْ
لَكَاذِبُونَ۔ اللہ جانتا ہے کہ یہ جھوٹے ہیں کیونکہ دنیا میں ان کا حال یہی رہا
ہے وَقَالُوا إِنْ هِيَ إِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا کہ یہ کہتے ہیں کہ ہمارے
لیے اسی دُنیا کی زندگی ہے۔ اس کے بعد کچھ نہیں ہوگا۔ مرنے کے بعد ہمیں
کون زندہ کرے گا اور کون حساب کتاب لے گا، آج تک ہم نے کسی مردہ
کو زندہ ہوتے نہیں دیکھا۔ یہ سب ڈھکوسلے ہیں کہ قیامت برپا ہوگی، سب
مردہ زندہ ہو جائیں گے، اعمال نامے ملیں گے، پھر حساب کتاب ہوگا، اور نہ
دوزخ یا جنت میں جانا ہوگا۔ اِن چیزوں میں کچھ صداقت نہیں۔ یہ تو زمانے کا چکر
ہے، لوگ پیدا ہوتے رہتے ہیں اور مرتے رہتے ہیں اس کے بعد کچھ نہیں ہوگا
یہ لوگ دنیا کی زندگی میں اس قسم کے فاسد عقیدہ میں مبتلا ہوتے ہیں اور معاد کا انکار کرتے
ہیں۔ اور بعض بدبخت کہتے ہیں رَبَّنَا عَجِّلْ لَنَا قِطَّنَا قَبْلَ
يَوْمِ الْحِسَابِ" اے اللہ! ہمیں جو کچھ دینا ہے، اسی دنیا میں دے دے۔
ہمیں قیامت کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم نہیں جانتے کہ مرنے کے بعد بھی
کوئی باز پُرس ہوگی لَا بَعْثَ وَلَا حِسَابَ وَلَا نَارَ وَلَا جَنَّةَ شیطان نے
ایسی پٹی پڑھا رکھی ہے کہتے ہیں کوئی دوبارہ زندگی نہیں، نہ حساب کتاب ہے
اور نہ دوزخ جنت ہے بس جو کچھ ہے یہی دُنیا ہے حالانکہ اللہ تعالیٰ نے
اپنی ذات کی قسم اٹھا کر کہا ہے کہ معاد برحق ہے۔ وَعْدًا عَلَيْنَا ط

إِنَّا كُنَّا فَاعِلِينَ (سورۃ انبیاء) ہمارا وعدہ بالکل سچا ہے۔ ہم قیامت ضرور برپا کریں گے۔ پھر ہر شخص سے باز پرس ہوگی اور اس کے لیے جزا یا سزا کا فیصلہ ہوگا۔ یہ ہمارا اٹل فیصلہ ہے اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوگی۔

اللہ کے حضور پیشی

پھر فرمایا کہ یہ کہتے ہیں وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوثِينَ ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے مگر اے مخاطب! وَلَوْ تَرَىٰ إِذْ وُقِفُوا عَلَىٰ رَبِّهِمْ جب تو دیکھے اس حالت کو جب انہیں اپنے رب کے سامنے کھڑا کیا جائیگا۔ تو اس وقت ان مکذبین کی کیا حالت ہوگی۔ بخاری شریف کی روایت میں آتا ہے۔ کہ اپنے سامنے کھڑا کر کے اللہ تعالیٰ ہر شخص سے براہ راست باز پرس کریگا اور درمیان میں کوئی مترجم بھی نہیں ہوگا۔ لہٰذا ہر سوال کا جواب خود ہی دینا پڑیگا۔ سورۃ نحل میں آتا ہے تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا ہر جان کو اپنی طرف سے خود ہی جوابدہی کرنا ہوگی۔ اس دنیا کی طرح کسی وکیل یا بیرسٹر کی خدمات حاصل نہیں ہوں گی جو مجرمان کی طرف سے جواب، دعویٰ داخل کریگا۔

فرمایا جب ان کو حق تعالیٰ کے سامنے کھڑا کیا جائے گا قَالَ تو اللہ تعالےٰ پوچھیں گے أَلَيْسَ هَٰذَا بِالْحَقِّ کیا یہ حق نہیں ہے؟ کیا معاد اور بعث بعد الموت واقع نہیں ہوا؟ اب جب کہ تم اپنے پروردگار کے روبرو کھڑے ہو، اب بتاؤ کہ میرے انبیاء نے جو تمہیں بتایا تھا کیا وہ سچ نہیں تھا؟ اس وقت کہیں گے قَالُوا بَلَىٰ وَرَبِّنَا ہمارے پروردگار کی قسم یہ تو بالکل برحق ہے ہم نے غلطی کی اور ہم دھوکے میں مبتلا رہے اللہ تعالیٰ فرمائیگا قَالَ فَذُوقُوا الْعَذَابَ بِمَا كُنتُمْ تَكْفُرُونَ اب اپنے کفر و شرک کا مزہ چکھو۔ تم نے معاد کا انکار کیا۔ اللہ کی توحید اور رسالت کا انکار کیا۔ قرآن کی صداقت کو تسلیم نہ کیا، اس کا بدلہ اب پالو۔ معاد کا مزید ذکر آگے بھی آرہا ہے۔

درس ہشتم ۸ — آیت ۳۱ تا ۳۳

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً قَالُوْا يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا فِيْهَا ۙ وَهُمْ يَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَهُمْ عَلٰى ظُهُوْرِهِمْ ؕ اَلَا سَآءَ مَا يَزِرُوْنَ ﴿۳۱﴾ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ ؕ وَلَلدَّارُ الْاٰخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۳۲﴾ قَدْ نَعْلَمُ اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِيْ يَقُوْلُوْنَ فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُوْنَكَ وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ ﴿۳۳﴾

ترجمہ :- تحقیق خسارے میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا اللہ کی ملاقات کو یہاں تک کہ جب آپہنچی اُن کے پاس قیامت اچانک تو پھر کہیں گے ، اے افسوس ہمارے اُس پر جو ہم نے کوتاہی کی ہے اس بارے میں ، اور وہ اُٹھائیں گے اپنے بوجھوں کو اپنی پشتوں پر ، سُنو ! بُرا ہے وہ بوجھ جس کو وہ اٹھائیں گے (۳۱) اور نہیں ہے دنیا کی زندگی مگر کھیل اور دِل بہلاوا اور البتہ آخرت بہتر ہے اُن لوگوں کے لیے جو ڈرتے ہیں ، کیا تم سمجھتے نہیں (۳۲) تحقیق ہم جانتے ہیں کہ بیشک آپ کو غم میں ڈالتی ہے وہ بات جو کہتے ہیں یہ لوگ ، پس بیشک یہ نہیں جھٹلاتے آپکو لیکن ظالم لوگ اللہ کی آیتوں کیساتھ انکار کرتے ہیں (۳۳)

رابطِ آیات

گذشتہ دروس میں اللہ نے مشرکین کا ردّ کرنے کے بعد معاد کا مسئلہ بیان فرمایا "یَوْمَ نَحْشُرُهُمْ جَمِیْعًا" جس دن ہم سب کو اکٹھا کریں گے پھر مشرکین کے بُرے انجام کا ذکر کیا اور اُن کے اس قول کو دہرایا کہ وہ کہتے ہیں "اِنْ هِیَ اِلَّا حَیَاتُنَا الدُّنْیَا" یعنی ہمارے لیے تو یہ دُنیا کی زندگی ہے اس کے علاوہ کچھ نہیں "وَمَا نَحْنُ بِمَبْعُوْثِیْنَ" اور ہم دوبارہ نہیں اٹھائے جائیں گے۔ گویا انہوں نے معاد کا صریحاً انکار کر دیا۔ اللہ نے اُن کی مذمت بیان فرمائی کیونکہ توحید، رسالت، قرآنِ کریم کی حقانیت پر ایمان لانے کے ساتھ ساتھ معاد پر ایمان لانا بھی ضروری ہے۔ جو شخص اس عقیدے کا انکار کرتا ہے وہ کافر ہے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ قیامت کے دن جو بُرا معاملہ پیش آنے والا ہے، اُس کا کچھ تذکرہ گذشتہ درس میں ہو چکا ہے۔ اب آج کے درس میں ان کا حال مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ حضور علیہ السلام کو تسلی بھی دی گئی ہے کہ آپ دِل برداشتہ نہ ہوں۔ یہ لوگ آپ کا انکار نہیں کرتے بلکہ اللہ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں۔ چنانچہ اللہ نے اِن آیات میں بھی مکذبین کا ردّ فرمایا ہے

معاد کا انکار

ارشاد ہوتا ہے "قَدْ خَسِرَ الَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ" تحقیق خسارے میں مبتلا ہوئے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا۔ لقاء اللہ سے یہی مراد ہے کہ قیامت کے دِن دوبارہ اٹھ کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہونا ہے اور یہ چیز اجزائے ایمان میں داخل ہے۔ حدیث شریف میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے "اَنْ تُؤْمِنَ بِالْبَعْثِ وَبِلِقَآئِهٖ" یعنی دوبارہ اٹھنے اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہو کر جواب دہی کرنے پر بھی ایمان لانا ضروری ہے۔ جو اس بارے میں شک کرتا ہے اُس نے اپنے آپ کو نقصان میں ڈال لیا۔ ایمان، توحید اور معاد کا منکر اپنی فطرتِ سلیمہ کو بھی بگاڑتا ہے اور عقلِ سلیم سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتا ہے۔ اِن چیزوں پر ایمان لانا ہی

عقل و فطرت کے مطابق ہے۔ دُنیا میں تو ایسا انسان عقل و فطرت کے نقصان میں مبتلا ہوتا ہے اور آخرت میں ابدی سزا کا مستحق ہو جائیگا اور اسی چیز کو اللہ تعالےٰ نے خسران کے لفظ سے تعبیر کیا ہے۔ سورۃ عصر میں بھی فرمایا ہے "اِنَّ الْاِنْسَانَ لَفِیْ خُسْرٍ" تمام انسان خسارے میں ہیں "اِلَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا" بجز ان کے جو ایمان لائے اور دیگر امور انجام دیے۔ اسی طرح یہاں بھی اللہ نے فرمایا ہے تحقیق نقصان میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے اللہ کی ملاقات کو جھٹلایا ہے یہ چیز عقل سلیم، تعلیم انبیاء اور وحی الٰہی کے بھی خلاف ہے اور زندہ ضمیر بھی اسی بات کی شہادت دیتا ہے۔ معاد کی تکذیب انسان کے لیے بہت بڑے نقصان کا باعث ہو گی۔

انفرادی اور مجموعی موت

فرمایا، دنیا میں تو معاد کا انکار کرتے رہے حَتّٰۤی اِذَا جَآءَتْهُمُ السَّاعَةُ بَغْتَةً یہاں تک کہ جب وہ گھڑی اچانک آگئی۔ الساعۃ سے مراد کل کائنات کی مجموعی موت یعنی قیامت بھی ہے اور ہر انسان کی انفرادی موت بھی۔ یہ دونوں موتیں اچانک آجاتی ہیں اور کسی شخص کو معلوم نہیں کہ اُس کی موت کہاں اور کب واقع ہو گی۔ سورۃ لقمان میں موجود ہے "وَمَا تَدْرِیْ نَفْسٌۢ بِاَیِّ اَرْضٍ تَمُوْتُ" کوئی شخص نہیں جانتا کہ اس کی موت کہاں اور کس وقت آئیگی۔ اس سورۃ کی ابتداء میں بھی یہی بات سمجھائی گئی ہے کہ اللہ ہی زمین و آسمان کا خالق اور نور و ظلمات کا بنانے والا ہے۔ تمام علویات اور سفلیات کا خالق، مالک اور متصرف وہی ہے۔ وہی معبود برحق ہے، اس کے علاوہ کوئی الٰہ نہیں۔ مشکل کشا، حاجت روا اور بگڑی بنانے والا بھی وہی ہے۔ اس کے سوا کوئی ہمہ دان، ہمہ بین اور ہمہ توان نہیں اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور اس کے لیے دو قسم کی مہلتیں مقرر کیں۔ ایک تو اَجَلاً ہے جو ہر انسان کے لیے ایک مقررہ مدت ہے جس کے بعد اُسے موت آتی ہے۔ یہ محدود موت ہے اور اس کا وقت کسی انسان کے علم میں

نہیں۔ البتہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کو بتلا دیتا ہے۔ حمل قرار پانے کے چوتھے مہینے میں اللہ کے فرشتے پوچھتے ہیں کہ مولا کریم! پیدا ہونے والے اس انسان کی عمر کتنی ہوگی، اس کی روزی کس قدر ہے، یہ نیک بخت ہوگا یا بدبخت اللہ تعالیٰ یہ سب چیزیں فرشتوں کے رجسٹروں میں نوٹ کرا دیتا ہے اور پھر اس کے مطابق اُس انسان کی زندگی بسر ہوتی ہے اور آخر کار مقررہ وقت پر موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے، تاہم موت کی جگہ اور وقت کے متعلق خود انسان کو معلوم نہیں ہوتا اور پھر وہ اچانک آجاتی ہے۔ اسی لیے ہر انسان کو تعلیم دی گئی ہے کہ وہ ہر وقت محتاط رہے، ایمان اور نیکی کو اختیار کیے رکھے، کیونکہ کسی انسان کے علم میں نہیں ہے کہ اُس کی موت کب آجائیگی۔

اور دوسری مدت اَجَلٌ مُّسَمًّى عِندَهُ ہے۔ یہ پوری کائنات کی مجموعی موت یعنی قیامت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے واقع ہونے کا علم فرشتوں کو بھی نہیں دیا۔ صرف نشانیاں تبلائی ہیں، مگر یہ بھی اچانک آجائے گی۔ بہرحال اس آیت کریمہ میں ساعۃ سے مراد دونوں اموات ہیں یعنی انسان کی انفرادی موت بھی اور اجتماعی بھی۔ پھر جب یہ آجاتی ہے تو ایک سیکنڈ بھی آگے پیچھے نہیں ہوتی اور انسان کی مادی اور عملی زندگی ختم ہو جاتی ہے، اِس کے بعد والی زندگی جزائے عمل کی زندگی ہے۔ جو کچھ انسان اس دنیا میں کرتا ہے، اُس کا بدلہ پانے کی زندگی ہے، اُسے جزاء یا سزا ملے گی جس کی ابتداء برزخ سے ہی ہو جاتی ہے۔ یہ برزخ یا قبر کی زندگی ایسی ہی ہے جیسے کسی ملزم کو حتمی سزا کا فیصلہ ہونے تک حوالات میں رکھا جاتا ہے اور پھر فیصلہ ہونے پر اُسے اصل سزا دی جاتی ہے یا بری کر دیا جاتا ہے۔ اسی طرح انسان کے لیے برزخ کی راحت یا تکلیف عارضی نوعیت کی ہوتی ہے، پھر جب حشر کو اُن کے تمام اعمال کا فیصلہ سنا دیا جائے گا تو پھر یا تو دائمی راحت میں چلا جائے گا یا مقررہ سزا کا مستوجب ہوگا۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی ارشاد

ہے مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِیَامَتُہٗ جو شخص مر گیا اُسکی قیامتِ صغریٰ تو برپا ہو گئی۔ ہر انسان کی انفرادی ساعت تو اس کی موت کی گھڑی ہے اور تمام انسانوں کی ساعت قیامت کا دِن ہو گی۔

اپنے کیے پر افسوس

فرمایا جب وہ قیامت کی گھڑی آن پہنچے گی قَالُوْا تو منکرین کہیں گے یٰحَسْرَتَنَا عَلٰی مَا فَرَّطْنَا فِیْھَا اے افسوس ہمارے جو ہم نے اس بارے میں کوتاہی کی۔ مگر اُس وقت کی ندامت اور افسوس کچھ کام نہ آئیگا، وہاں تو ایمان ہی کام آنے والی چیز ہے۔ قیامت کی تکذیب کرنے والوں کو اس وقت ندامت کے سوا کچھ حاصل نہ ہو گا، سورۃ حشر میں ہے اے ایمان والو! اللہ سے ڈر جاؤ "وَلْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ" اور ہر نفس کو چاہئیے کہ وہ اس بات کا محاسبہ کرے کہ اُس نے کل یعنی قیامت کے لیے کیا آگے بھیجا ہے۔ قیامت کے دِن تو نیک عمل ہی کام آئیگا، اپنی بدکرداری پر افسوس کا اظہار کچھ فائدہ نہ دے گا۔

اعمال کا بوجھ

اور پھر اُن مکذبین کی حالت یہ ہو گی وَھُمْ یَحْمِلُوْنَ اَوْزَارَھُمْ عَلٰی ظُھُوْرِھِمْ کہ وہ اپنے بوجھ اپنی پشتوں پر اٹھائیں گے۔ بوجھ اٹھانے کا ایک مطلب تو یہ ہے کہ انسان ہر بُرے عمل کو اپنی پشت پر اٹھائے گا۔ حدیث شریف میں آتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اے لوگو! یاد رکھو! خیانت نہ کرنا، جو آدمی خیانت کا مرتکب ہو گا، تو پھر خیانت شدہ چیز کو اپنی گردن پر اٹھائے گا۔ اگر کسی کی بکری چوری کی ہے تو قیامت والے دِن اُسے اپنی گردن پر اٹھا کر لائے گا۔ اگر گائے بھینس خیانت کی ہے تو اُسے بھی اٹھانا پڑے گا، اونٹ چوری کیا ہے یا کوئی اور چیز غصب کی ہے تو ہر چیز اُسے اپنے سر پر اٹھانی ہو گی حتیٰ کہ اگر کسی کی ایک بالشت زمین بھی دبائی ہے تو طُوِّقَہٗ اِلٰی سَبْعِ اَرْضِیْنَ تو سات زمینوں تک کے اس ٹکڑے کو گلے کا طوق بنا کر ڈال دیا جائے گا، اور

وہ اُسے کھینچ کر لائے گا۔

قیامت کے حالات کو اس دُنیا کے حالات پر قیاس نہیں کرنا چاہیئے وہاں کے حالات بالکل مختلف ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ انسان کے جسم میں اتنی طاقت پیدا کر دیں گے کہ بڑی سے بڑی چیز بھی اٹھانے کے قابل ہو گا۔ حضور علیہ السلام نے جو کچھ بتایا ہے وہ برحق ہے۔ ہر نیکی بدی کو اپنی پشت پر اٹھانا ہو گا۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نیک لوگوں کے نیک اعمال اُن کے لیے سواری کا کام دیں گے، اس کے برخلاف بُرے لوگوں کے بُرے اعمال خود اُن لوگوں پر سواری کریں گے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ انسان کا معروف جب اُس کے قریب آئے گا تو اُس کو خوشخبری دیگا۔ اور جب منکر متعلقہ آدمی کے قریب آئے گا تو وہ شخص کہے گا کہ تو پیچھے رہ مگر وہ منکر اُس کے ساتھ آکر چمٹ جائے گا۔

یہ تو قیامت کے دِن کا حال ہے اور برزخ کے متعلق بھی حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ آدمی کے نیک اعمال خوبصورت انسانی شکل میں متشکل ہو کر اُس کے پاس قبر میں آئیں گے تو وہ متعجب ہو کر پوچھیگا، تم کون ہو؟ وہ جواب دے گا کہ میں تیرا عمل صالح ہوں جو تیرے ساتھ مانوس ہونے کے لیے آیا ہوں، تاکہ تجھے قبر میں وحشت نہ ہو۔ فرمایا انسان کے بُرے اعمال نہایت قبیح شکل میں اُس کے پاس آئیں گے جنہیں دیکھ کر وہ سخت خوفزدہ ہو گا، امام شاہ ولی اللہؒ بھی فرماتے ہیں کہ بُرے اعمال خاص شکلوں میں آکر انسان کے اُوپر سوار ہو جائیں گے اور اُن کا بڑا بوجھ ہو گا۔ یہ بوجھ لوگ اپنی گردنوں اور پشتوں پر اٹھائیں گے اللہ نے فرمایا اَلَا سَآءَ مَا یَزِرُوْنَ بہت بُرا بوجھ ہے جسے وہ اٹھائینگے۔ انہوں نے معاد کا انکار کیا مگر آج اُسکا بدلہ چکھ لیں گے انہیں معلوم ہو جائیگا کہ جس چیز کا وہ انکار کرتے رہے وہ برحق ہے اور آج وہ نقصان اٹھانے والوں میں ہو گئے۔

دنیاوی زندگی کی حقیقت

معاد کا انکار انسان اِسی دنیا میں کرتا ہے مگر اس دنیا کی حقیقت

کیا ہے۔ وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَعِبٌ وَّلَهْوٌ اور نہیں ہے
دنیا کی زندگی مگر کھیل اور دل کا بہلاوا لعب یعنی اس چیز کو کہتے ہیں جو بے مقصد
ہو، جس کی کوئی غرض صحیح نہ ہو۔ آجکل دنیا میں کھیلوں کو بڑا عروج حاصل ہے
ان کے لیے خطیر رقم صرف کر کے وسیع انتظام کیے جاتے ہیں حکومتوں
میں کھیلوں کی وزارتیں قائم ہیں کھیلوں کی ٹیمیں بیرون ملک بھیجنے پہ لاکھوں
روپے صرف کیے جاتے ہیں اور اس کی غرض و غایت محض تفریح ہے۔ اور
لھو ایسی چیز کو کہتے ہیں جو انسان کو مشغول کر دے۔ بچے کھیل کھیلتے ہیں
کوئی بادشاہ بن جاتا، کوئی وزیر اور کوئی چور، بس تھوڑی دیر شغل کیا اور ختم،
حاصل کچھ نہ ہوا۔ دنیا کی زندگی بجائے خود ایک کھیل ہے۔ بڑے لوگ اقتدار
پر قبضہ کر کے بادشاہ بنے ہوئے ہیں، بعض کو وزیر بنا رکھا ہے اور بعض ان
کے ظلم کی چکی میں پس رہے ہیں۔ اس محدود اور ناپائدار زندگی کے متعلق اللہ تعالےٰ
نے فرمایا ہے "وَمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا مَتَاعُ الْغُرُوْرِ" (الحدید)
یہ دنیا کی زندگی تو محض دھوکے کا سامان ہے۔

سرمایہ زندگی

اس کے باوجود اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی جیسا قیمتی سرمایہ عطا کیا
ہے۔ حدیث شریف[1] میں آتا ہے کل الناس یغدو فبائع
نفسہٗ فمعتقها او موبقها جب کوئی شخص رات گزار کر صبح
صحت و تندرستی کے ساتھ بیدار ہوتا ہے تو اُسے اللہ تعالیٰ کی عظیم نعمت
نصیب ہوتی ہے اس لیے انسان کے تین سو ساٹھ ۳۶۰ جوڑوں میں سے
ہر ہر عضو پر شکریہ واجب ہو جاتا ہے، لہٰذا ہر عضو کی طرف سے صدقہ دینا
ضروری ہو جاتا ہے۔ صحابہ نے عرض کیا، حضور! اس کی تو کوئی طاقت
نہیں رکھتا کہ ہر عضو کی طرف سے ہر روز صدقہ ادا کرے، فرمایا، انسان
کی ہر نیک بات اس کے لیے صدقہ بن جاتی ہے کسی کو نیکی کی بات بتلائے
یا برائی سے منع کر دے تو وہ بھی اس کے لیے صدقہ ہوتا ہے۔ راستے

[1] مسلم شریف ص ۱۱۸ ج 1 (فیاض)

ہیں سے کانٹا یا پتھر ہٹا دے کہ کسی کو تکلیف نہ ہو تو یہ بھی صدقہ بن جاتا ہے۔ فرمایا اور کچھ نہیں تو چاشت کے وقت دو رکعت نفل ہی تمام اعضاء کی طرف سے صدقہ بن جائے گا۔ کوئی شخص صحیح اعتقاد کے ساتھ "سبحان اللہ" کہہ دے تو وہ بھی اُس کے لیے صدقہ ہوگا۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی کا بڑا قیمتی سرمایہ عطا کیا ہے، اس کے ساتھ اچھا سودا خرید و کیونکہ یہ سرمایہ قیمتی ہونے کے ساتھ ساتھ عارضی بھی ہے۔ انسان کی زندگی کی ناپائیداری کی مثال ایسی ہے جیسے برف کی ڈلی جو گرمی کی وجہ سے ہر آن پگھلتی رہتی ہے ؎

عمر برف است و آفتاب تموز
اندکے ماند و خواجہ غرہ ہنوز

زندگی برف کی ڈلی ہے مگر صاحب زندگی دھوپ میں پڑے ہوئے ہیں، دھوپ تیز ہے اور برف پگھل رہی ہے، وہ کتنی دیر تک ٹھہر سکے گی۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی جیسی قیمتی متاع عطا فرمائی ہے تاکہ اس سے نفع مند تجارت کر سکے۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، اس قیمتی پونجی کو لگا کر بعض انسان واقعی اپنے نفس کو آزاد کر دیتے ہیں۔ وہ اس سے ایمان، توحید اور نیکی جیسی قیمتی چیزیں خرید کر اپنے نفس کو جہنم سے آزاد کرا لیتے ہیں۔ مگر بعض ایسے بھی ہیں جو اسی پونجی سے کفر، شرک، نفاق اور بدعات خرید کر اپنے نفس کو ہلاک کر لیتے ہیں ایسی تجارت میں انہیں نفع کی بجائے سراسر نقصان ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے زندگی کے مصرف کو تجارت کی مثال دے کر سمجھایا ہے جسے تاجر لوگ بڑی آسانی سے سمجھ سکتے ہیں کہ جس شخص کی اصل پونجی ہی ضائع ہو جائے وہ کس قدر نقصان میں ہوتا ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں فرمایا قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ جن لوگوں نے قیامت کا انکار کر دیا۔ وہ بڑے خسارے میں پڑ گئے۔ یہ دنیا کی زندگی بظاہر جلد ختم ہو

جانیوالی ہے مگر ہے بڑی قیمتی۔ اس سے انسان اچھا سودا خرید کر دائمی عیش و آرام کا مستحق بن سکتا ہے۔

فرمایا جو شخص اس سرمایہ زندگی سے آخرت کا سودا کرتا ہے وَلَلدَّارُ الْآخِرَةُ خَيْرٌ لِّلَّذِينَ يَتَّقُونَ اور آخرت کا گھر بہتر ہے ان لوگوں کے لیے جو اللہ سے ڈرنے والے ہیں۔ جو لوگ کفر، شرک اور معاصی سے بچتے ہیں، اپنی قیمتی زندگی کو غلط کام میں نہیں لگاتے بلکہ اس سرمایہ کو اچھے کاموں پر لگاتے ہیں، اُن کے لیے آخرت کا گھر بہترین ٹھکانہ ہے فرمایا اَفَلَا تَعْقِلُونَ اللہ نے تمہیں عقل جیسا قیمتی جوہر عطا کیا ہے تم اسے بروئے کار لا کر حقیقت کو سمجھتے کیوں نہیں۔ اب بھی وقت ہے، سمجھ جاؤ، اس دنیا کی چند روزہ زندگی میں آخرت کو سنوارنے کا سامان پیدا کرو اور اس عمرِ عزیز کو فضول کاموں پر نہ گنوا بیٹھو۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں معاد کے منکرین اور مشرکین کا رد فرمایا ہے۔

حضور علیہ السلام کو تسلی

اب اس کے بعد حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تسلی دی جا رہی ہے کہ مکذبین کی تکذیب سے آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔ قَدْ نَعْلَمُ تحقیق ہم جانتے ہیں اِنَّهٗ لَيَحْزُنُكَ الَّذِي يَقُولُونَ کہ وہ چیز آپ کو غم میں ڈالتی ہے، جو یہ کہتے ہیں۔ یہ لوگ، ایمان، توحید، رسالت اور معاد کا انکار کر کے، قرآن پاک کو اساطیر الاولین کہہ کر اور وحی الٰہی سے استہزاء کر کے آپ کو تکلیف پہنچاتے ہیں۔ مگر آپ یاد رکھیں فَاِنَّهُمْ لَا يُكَذِّبُونَكَ بیشک یہ لوگ آپ کی تکذیب نہیں کرتے، کیونکہ جب مشرکین مکہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذاتِ مبارکہ کے بارہ میں پوچھا جاتا تو کہتے بڑا سچا ہے۔ سورۃ یونس میں موجود ہے۔ آپ نے فرمایا فَقَدْ لَبِثْتُ فِيكُمْ عُمُرًا مِّنْ قَبْلِهٖ اَفَلَا تَعْقِلُونَ میں نے تمہارے درمیان عمر کا ایک بڑا حصہ یعنی چالیس سال کا عرصہ گزارا ہے، کبھی میں نے

جھوٹ بولا ہے؟ یا کسی کو نقصان پہنچایا ہے؟ تو سب جواب دیتے کہ آپ صادق اور امین ہیں، مگر جب آپ نے خدا تعالیٰ کا پیغام سنایا تو جھوٹا قرار دے دیا۔ وحدانیت کا پیغام دینے کے ساتھ ہی ساری برائیاں پیدا ہو گئیں۔ ابوجہل اور دیگر کفار آپ کی صداقت، امانت، شرافت اور نیک نیتی کے مداح تھے مگر اپنی سیادت کو قائم رکھنے کے لیے حضور علیہ السلام کی مخالفت کرتے تھے۔ معرکہ بدر کے دوران اخنس بن شریق نامی مشرک نے ابوجہل سے پوچھا تھا کہ خدارا یہ تو بتاؤ کیا محمد واقعی جھوٹا ہے تو ابوجہل کہنے لگا، نہیں، وہ سچا ہے۔ اس نے کہا پھر اس کی مخالفت پہ کیوں تلے بیٹھے ہو، تو کہنے لگا قصیؓ ابن کلاب کے خاندان میں پہلے سے لواء بھی موجود ہے، حجابت بھی ان کے پاس ہے اور سقایت بھی ہے اور اب اگر نبوت بھی انہی کے پاس چلی گئی تو باقی قریش کہاں جائیں گے معلوم ہوا کہ ان کی مخالفت محض چوہدراہٹ کے لیے تھی، وگرنہ دل سے وہ حضور کو بالکل سچا سمجھتے تھے قرآن پاک کے بیان کے مطابق بعض لوگ یہ بھی کہتے تھے کہ ہم آپ کو جھوٹا نہیں کہتے بلکہ جو پروگرام آپ لائے ہیں، وہ جھوٹا ہے ہم اس کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔

تو یہاں پہ اللہ تعالیٰ نے یہی بات بیان فرمائی کہ یہ لوگ آپ کو نہیں جھٹلاتے وَلٰكِنَّ الظّٰلِمِيْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ يَجْحَدُوْنَ بلکہ ظالم اللہ تعالیٰ کی آیتوں کی تکذیب کرتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جب آیات الٰہی کا انکار ہو گیا تو ایمان، توحید، رسالت، کتب سماویہ، معاد، جزائے عمل غرضیکہ ہر چیز کا انکار لازم آگیا۔ تو فرمایا انہیں آپ کی ذات سے کوئی اختلاف نہیں بلکہ اللہ کے بھیجے ہوئے پروگرام سے اختلاف ہے جس کو اپنانے سے اُنکی سیادت ختم ہو جاتی ہے اور دنیا میں جاہ و اقتدار کو بڑی اہمیت حاصل ہے جس کے چھن جانے کے خوف سے مکہ کے مشرکین ہر چیز کا انکار کر جاتے تھے۔

حبِّ مال اور حبِّ جاہ

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ دنیا میں حبِّ مال اور حبِّ جاہ ہی ساری خرابیوں کا باعث بنتی ہیں۔ حبِّ مال سے حلال حرام کی تمیز اٹھ جاتی ہے اور انسان ہر قسم کے ظلم وستم پر اتر آتا ہے۔ اسی طرح حبِّ جاہ کی خواہش دنیا میں بدامنی کا باعث بنتی ہے ہر ملک، شہر اور گھر میں حبِّ جاہ ہی کی جنگ لڑی جا رہی ہے۔ اور پھر بین الاقوامی سطح پر بھی ہر ملک دوسرے کو زیر کر کے دنیا پر تسلط جمانا چاہتا ہے۔ آج کی دنیا میں روس اور امریکہ کی سرد جنگ کس لیے ہے؟ چین اور روس ایک نظریہ ہونے کے باوجود کس چیز کے لیے برسرِ پیکار ہیں؟ برطانیہ اور امریکہ کی اندرونِ خانہ مخالفت کی کیا وجہ ہے؟ ان سب کے پیچھے حبِّ جاہ کی خواہش ہی کارفرما ہے ہر ملک دنیا میں اپنی سیادت چاہتا ہے، فرعون، نمرود، قیصر و کسریٰ بھی اسی لعنت میں گرفتار تھے اور ابوجہل بھی اسی بُرائی کی خاطر حضور علیہ السلام کی مخالفت کرتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو تسلی دی کہ آپ دل برداشتہ نہ ہوں۔ درحقیقت ان لوگوں کی مخالفت آپ کی ذات سے نہیں بلکہ وحی الٰہی کے پروگرام کے ساتھ ہے۔

وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ فَصَبَرُوْا عَلٰى مَا كُذِّبُوْا وَاُوْذُوْا حَتّٰٓى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا ۚ وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ ۚ وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَاِى الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۳۴﴾ وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ فَاِنِ اسْتَطَعْتَ اَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْاَرْضِ اَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَآءِ فَتَاْتِيَهُمْ بِاٰيَةٍ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ﴿۳۵﴾ اِنَّمَا يَسْتَجِيْبُ الَّذِيْنَ يَسْمَعُوْنَ ؕ وَالْمَوْتٰى يَبْعَثُهُمُ اللّٰهُ ثُمَّ اِلَيْهِ يُرْجَعُوْنَ ﴿۳۶﴾

وقف غفران النصف وقف منزل عند البعض علی یسمعون

ترجمہ :۔ تحقیق جھٹلائے گئے آپ سے پہلے بہت سے رسول، پس انہوں نے صبر کیا اُس بات پہ جو اُن کی تکذیب کی گئی اور انکو تکلیف پہنچائی گئی یہاں تک کہ آگئی اُن کے پاس ہماری مدد۔ اور نہیں ہے کوئی تبدیل کرنے والا اللہ کے کلمات کو اور البتہ آئے ہیں آپ کے پاس اللہ کے رسولوں کے کچھ حالات ﴿۳۴﴾ اگرچہ آپ پر شاق ہے اِن لوگوں کا اعراض کرنا پس اگر آپ طاقت رکھتے ہیں کہ تلاش کرلیں سرنگ* زمین میں یا کوئی سیڑھی لگا لیں آسمان میں، پس سے

آئیں اِن کے پاس کوئی نشانی اور اگر اللہ چاہے تو جمع کر دے
اِن سب کو ہدایت پر ، پس آپ نہ ہوں نادانوں میں
سے (۳۵) بیشک قبول کرتے ہیں وہ لوگ جو سنتے ہیں
اور مُردوں کو اٹھائیگا اللہ تعالیٰ ، پھر اُسی کی طرف وہ لوٹائے
جائیں گے (۳۶)

ربطِ آیات

گذشتہ کئی دروس سے کفر و شرک کی تردید ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے معاد کا انکار کرنے والوں کا ذکر کیا ، پھر اُن کے بیہودہ اعتراضات کا جواب دیا۔ گذشتہ آیات میں فرمایا کہ تکذیب کرنے والے خود اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں یہ لوگ اُس وقت کفِ افسوس ملیں گے جب کسی کو موت آجائیگی یا قیامت واقع ہو گی مگر اس وقت کی ندامت کچھ مفید نہ ہو گی۔ اِن لوگوں کو اپنے کفر، شرک اور معاصی کا بوجھ اپنی پشتوں پر اٹھانا پڑے گا۔ اللہ نے واضح فرمایا کہ یہ دنیا تو ناپائیدار بلکہ فانی ہے۔ یہ کھیل کود کی طرح جلد ہی ختم ہو جائیگی اور پھر ہر ایک کو دائمی زندگی سے واسطہ پڑے گا۔ فرمایا خدا خوفی رکھنے والوں اور کفر و شرک اور معاصی سے پرہیز کرنے والوں کے لیے آخرت کا گھر ہی بہتر ہے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام اور آپ کے پیروکاروں کو تسلی بھی دی اور فرمایا کہ کفار و مشرکین کی ایذا رسانیوں سے ہم واقف ہیں۔ اِن کی طرف سے انکار اور دیگر بیہودہ باتیں آپ کو غم میں ڈالتی ہیں ، مگر آپ کے لیے صبر ہی بہترین ہتھیار ہے حقیقت میں یہ لوگ آپ کی تکذیب نہیں کرتے بلکہ اللہ کی آیتوں کے ساتھ ظلم کر رہے ہیں۔ آپکو تو سچا، امین اور پاکیزہ اخلاق کا مالک تسلیم کرتے ہیں مگر جو پروگرام آپ پیش کر رہے ہیں اُس کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ اس طرح آپ کو تسلی دی گئی۔

صبر و برداشت

اب آج کے درس میں بھی مختلف انداز سے آپ کو تسلی دی گئی تاکہ آپ رنجیدہ نہ ہوں۔ ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ كُذِّبَتْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِكَ البتہ آپ سے پہلے بھی بہت سے رسولوں کو جھٹلایا گیا۔ اور اُن کے لائے ہوئے پروگرام کو تسلیم

کرنے سے انکار کر دیا گیا۔ یہ لوگ آپ سے بھی وہی سلوک کر رہے ہیں تو آپ اس سے گھبرائیں نہیں بلکہ پہلے انبیاء کا طریقہ ہی اختیار کریں۔ فَصَبَرُوْا عَلٰی مَا كُذِّبُوْا انہوں نے تکذیب شدہ چیز پر صبر کیا، برداشت کیا وَاُوْذُوْا اور انہیں ایذا پہنچائی گئی۔ اللہ کے اکثر نبیوں کو تکالیف میں مبتلا کیا گیا مگر وہ ہمیشہ صبر و تحمل سے ہر تکلیف کو برداشت کرتے رہے حَتّٰۤى اَتٰىهُمْ نَصْرُنَا حتیٰ کہ ان کے پاس ہماری مدد آن پہنچی۔ اور مکذبین اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ گئے۔ مقصد یہ ہے کہ جس طرح سابقہ انبیاء نے صبر و برداشت کا دامن تھامے رکھا، آپ بھی ویسے کریں تو اللہ کی مدد اپنے وقت پر پہنچ جائیگی، لہٰذا آپ رنجیدہ خاطر نہ ہوں۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ کسی موقع پر ایک شخص نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں بیہودہ بات کی تو آپ کو سخت صدمہ پہنچا۔ آپ نے فرمایا رَحِمَ اللّٰهُ مُوْسٰى لَقَدْ اُوْذِيَ بِاَكْثَرَ مِنْ هٰذَا فَصَبَرَ اللہ تعالیٰ موسیٰ علیہ السلام پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے کہ انہیں اس سے بھی زیادہ تکلیفیں پہنچائی گئیں مگر انہوں نے صبر ہی کیا، تو میں بھی ان کے اسوہ کے مطابق صبر کا دامن ہی پکڑوں گا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس حد تک ذہنی کوفت پہنچائی گئی کہ ایک فاحشہ عورت کو مجمع عام میں کھڑا کر کے اس سے کہلوایا گیا کہ موسیٰ علیہ السلام نے اس سے برائی کا ارتکاب کیا ہے (العیاذ باللہ) حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق بھی قرآن پاک میں اشارت موجود ہیں کہ انہیں کس کس طرح سے جسمانی، ذہنی اور مالی تکالیف پہنچائی گئیں۔

خود حضور علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کی ایذا رسانی کر کے آپ کی کوفت کا باعث بنے مگر تمام انبیاء کی طرح آپ نے بھی صبر کا دامن نہ چھوڑا۔

صبر ملتِ ابراہیمی اور دینِ اسلام کا بہت بڑا اصول ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس اصول کی طرف توجہ دلاتے ہوئے فرمایا ہے کہ اے ایمان والو! تمہیں

اہل کتاب اور مشرکین کی طرف سے بڑی تکلیفیں پہنچائی جائیں گی "وَاِنْ تَصْبِرُوْا وَتَتَّقُوْا فَاِنَّ ذٰلِكَ مِنْ عَزْمِ الْاُمُوْرِ" (آل عمران) پھر اگر تم صبر کرو گے اور تقوے کا راستہ اختیار کرو گے تو پختہ بات یہی ہے۔ کامیابی کا انحصار صبر اور تقویٰ پر ہے۔ یہ ہمارے دین کا بہت بڑا اصول ہے، اسی لیے قرآن پاک میں اس کی جگہ جگہ تاکید کی گئی ہے، جیسے "وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ" (البقرہ) صبر اور نماز کے ذریعے مدد حاصل کرو۔ نماز کے ذریعے تعلق باللہ کو قائم رکھو اور ہر تکلیف کو صبر و استقامت کے ساتھ برداشت کرو تو فلاح پا جاؤ گے۔ صبر کی بھی مختلف صورتیں ہیں۔ کبھی اطاعت پر جم جانے کے لیے صبر سے کام لینا پڑتا ہے اور کبھی نفسانی خواہش کو روک کر صبر کا مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اور ہر مصیبت کے وقت صبر اختیار کرنا تو بہر حال مقصودی کاموں میں سے ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ جس طرح پہلے انبیاء نے تکالیف پر صبر کا مظاہرہ کیا، اسی طرح آپ بھی صبر کا دامن پکڑے رہیں۔

نصرت الٰہی

فرمایا تمام انبیاء صبر کرتے رہے حتیٰ کہ ہماری مدد ان کو پہنچ گئی اور یاد رکھو "وَلَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِ اللّٰهِ" اللہ تعالیٰ کے کلمات کو کوئی ہستی تبدیل نہیں کر سکتی۔ یہاں پر کلمات سے مراد اللہ تعالیٰ کے وعدے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء سے جو وعدہ کر رکھا ہے اسے کوئی بھی بدل نہیں سکتا۔ اس کا وعدہ ہے "لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ" (المجادلۃ) میں اور میرے رسول ہی غالب ہوں گے۔ حالات چاہے کیسے بھی حوصلہ شکن ہوں مگر بالآخر میرے نبیوں کے مشن کو ہی کامیابی ہو گی۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مدد کی خوشخبری تمام انبیاء اور اہل ایمان کو بھی دی ہے "اِنَّا لَنَنْصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُوْمُ الْاَشْهَادُ" (المؤمن) بیشک ہم مدد کرتے ہیں اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی دنیا میں بھی اور قیامت کے دن بھی۔ اللہ تعالیٰ کا یہی وعدہ یا کلمہ ہے جسے

کوئی تبدیل نہیں کر سکتا، وہ پورا ہو کر رہے گا مگر اس سے پہلے ہر قسم کی تکالیف کو برداشت کرتا ہوگا۔

فرمایا وَلَقَدْ جَآءَكَ مِنْ نَّبَإِى الْمُرْسَلِيْنَ اور البتہ تحقیق اس سے پہلے آپ کے پاس رسولوں کے حالات (بذریعہ وحی) پہنچ چکے ہیں۔ آپ ان حالات کو پیش نظر رکھیں اور سابقہ انبیاء کے اسوہ حسنہ پر عمل کرتے ہوئے تکالیف برداشت کریں اور صبر پر قائم رہیں۔

قبولِ حق کے لیے شدید خواہش

فرمایا وَاِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ اِعْرَاضُهُمْ اگرچہ ان کا قبولِ حق سے اعراض آپ پر شاق گزرتا ہے۔ ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام کے قلب مبارک میں اس بات کی شدید خواہش تھی کہ آپ کی قوم کے لوگ ایمان کو قبول کر لیں اور دوزخ سے بچ جائیں۔ مگر وہ لوگ بعض اوقات سخت بیہودہ باتیں کرتے تھے۔ معجزات کے لیے فرمائشیں کرتے تھے کہ فلاں نشانی آجائے تو ہم مان جائیں گے اور حضور علیہ السلام کی دلی خواہش بھی ہوتی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی مطلوبہ نشانی ظاہر فرما دے تو شاید وہ ایمان لے آئیں، اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اگرچہ آپ کی یہ خواہش امور خیر کے متعلق ہے مگر یہ تکوینی مصلحت کے خلاف ہے۔ حکمت الٰہی میں سب لوگوں کا ایمان لانا ضروری نہیں ہے اس قسم کی خواہش ابطال حکمت کے مترادف ہے، اس لیے آپ ایسی تمنا پر اصرار نہ کیا کریں سورۃ کہف میں ہے۔ "فَلَعَلَّكَ بَاخِعٌ نَّفْسَكَ عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَسَفًا" اے پیغمبر! آپ اس بات پر اپنے آپ کو ہلاک کر لیں گے کہ یہ لوگ اس آخری پروگرام پر ایمان نہیں لاتے آپ اتنا زیادہ غم نہ کیا کریں۔ آپ ان لوگوں پر کوئی داروغہ یا جبار تو نہیں ہیں کہ ان سے زبردستی ایمان قبول کرائیں اور پھر ان کا ایمان لانا ضروری بھی تو نہیں ہے۔

قبولِ حق اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ وہ جانتا ہے کہ کسی شخص میں قبولِ حق کی صلاحیت موجود ہے اور کس میں نہیں ہے۔ لہٰذا اس نے ایمان لانے کا اختیار مکمل طور پر بندے پر چھوڑ دیا ہے کہ وہ قبولیت یا عدمِ قبولیت کا فیصلہ اپنی صلاحیت کے مطابق اپنی صوابدید پر کرے۔ اللہ نے فرمایا ہے "قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ" (البقرہ) ہدایت گمراہی سے بالکل واضح ہو چکی ہے۔ نیز یہ بھی فرمایا "لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ" (البقرہ) دین میں جبر بھی نہیں ہے کہ کسی کو زبردستی مسلمان بنا لیا جائے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی مصلحت کے خلاف ہے۔ لہٰذا آپ اس معاملہ میں زیادہ دلبرداشتہ نہ ہوں۔

امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ نے ہدایت کے تمام ممکنہ اسباب مہیا کر دیے ہیں۔ اس نے انسان کو زندگی، وجود، صحت، عقل اور حواسِ ظاہرہ و باطنہ عطا کیے ہیں۔ اس کے اردگرد بے شمار نشانیاں پھیلا دی ہیں اللہ نے پیغمبروں کو بھیجا، ان کی طرف وحی نازل فرمائی، اس کے باوجود اگر کوئی شخص ہدایت کو قبول نہیں کرتا تو پھر اسے جہنم میں جانے دیں۔ اس کے متعلق آپ سے کوئی بازپرس نہیں ہوگی "وَلَا تُسْـَٔلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِیْمِ" (۲:۱۱۹) آپ سے دوزخ میں جانے والوں کے متعلق نہیں پوچھا جائے گا۔ یہ تو خود دوزخیوں سے سوال ہوگا "مَا سَلَكَكُمْ فِیْ سَقَرَ" (۷۴:۴۲) تم جہنم میں کس وجہ سے آئے تو وہ خود اعتراف کریں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے۔ ہم مساکین کو کھانا نہیں کھلاتے تھے۔ ہم اہلِ باطل کے ساتھ شامل ہو جاتے تھے اور ہم قیامت کے دن کا انکار کرتے تھے۔ فرمایا آپ سے مجرمین کے متعلق سوال نہیں ہوگا۔ آپ کے ذمے تو خدا کا پیغام پہنچا دینا ہے آپ اپنا فرض ادا کریں اور ان لوگوں کی مطلوبہ نشانی کے لیے تمنا نہ کریں۔

معجزات کی فرمائش

فرمایا ان کا حق سے اعراض آپ پر شاق گزرتا ہے فَاِنِ اسْتَطَعْتَ پس اگر آپ استطاعت رکھتے ہیں اَنْ تَبْتَغِیَ نَفَقًا فِی الْاَرْضِ کہ زمین میں سرنگ تلاش کر لیں اَوْ سُلَّمًا فِی السَّمَاءِ یا آسمان میں سیڑھی لگا لیں، تو آپ ایسا کر گزریں فَتَاْتِیَهُمْ بِاٰیَةٍ پھر لے آئیں ان کے لیے کوئی نشانی جو وہ طلب کرتے ہیں۔ اس ضمن میں پہلی بات تو یہ ہے کہ کسی معجزہ یا نشانی کا ظاہر کرنا آپ کے اختیار میں نہیں ہے اور اگر بالفرض اللہ تعالیٰ مطلوبہ نشانی ظاہر بھی فرما دے تو اس بات کی کیا گارنٹی ہے کہ یہ ضرور ہی ایمان لے آئیں گے ان کا سابقہ ریکارڈ تو ان کے حق میں نہیں جاتا۔ مثلاً مشرکین مکہ نے چاند کو دو ٹکڑے کر دینے کا معجزہ طلب کیا۔ جب اللہ کی مشیت ہوئی تو حضور علیہ السلام نے انگلی کا اشارہ کیا اور چاند دو ٹکڑے ہو کر ایک حصہ پہاڑ کی ایک طرف اور دوسرا دوسری طرف چلا گیا۔ یہ واضح نشانی دیکھنے کے بعد کہنے لگے "سِحْرٌ مُّسْتَمِرٌّ" (۲۰۵۴) یہ تو چلتا ہوا جادو ہے۔ بعض لوگوں نے کہا کہ ہو سکتا ہے کہ ہماری نظر بندی کر دی گئی ہو اور حقیقت میں چاند نہ پھٹا ہو، لہٰذا باہر دور دراز سے آنے والے لوگوں سے دریافت کرنا چاہیئے۔ چنانچہ جب قافلے آئے تو ان سے پوچھا گیا۔ انہوں نے بھی تصدیق کی کہ فلاں دن فلاں مقام پر ہم نے چاند کو دو ٹکڑے ہوتے دیکھا مگر اس کے باوجود مشرکین مکہ ایمان نہ لائے اور اپنی بات پر اڑے رہے۔

فرمایا یہ بات تو طے ہے کہ یہ لوگ نشانیاں دیکھ کر ایمان نہیں لائیں گے، البتہ وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدٰى اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو ان سب کو ہدایت پر اکٹھا کر دے، سب کو مجبوراً ایک راستے پر لگا دے مگر یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ جیسے کہ پہلے عرض کیا کسی کو ایمان لانے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ بلکہ تمام دلائل اس کے سامنے

رکھ کر پھر اُس کو اختیار دیا گیا ہے "مَنْ شَاءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَاءَ فَلْيَكْفُرْ" (سورۃ کہف) جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کردے، کسی پر زبردستی نہیں ہے۔ البتہ اللہ نے بتا دیا "اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِيْنَ نَارًا" (کہف) ہم نے ظالموں کے لیے دوزخ تیار کر رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کفر کو ہرگز پسند نہیں کرتا، بلکہ وہ تو ایمان قبول کرنے سے خوش ہوتا ہے۔ اب ہر شخص کے اپنے اختیار میں ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کو راضی کرنا چاہتا ہے یا ناراض۔

محبت آمیز وعظ و عتاب

فرمایا اگر اللہ چاہے تو سب لوگ ایمان قبول کر لیں مگر آپ کیلئے یہی ہے فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ کہ آپ نادانوں میں سے نہ ہو جائیں۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے محبت اور وعظ کے طریقے پر فرمایا ہے کہ میری حکمت کے خلاف تمنا کر کے آپ نادان نہ بنیں۔ اس جملے میں محبت آمیز عتاب بھی ہے اور وعظ و نصیحت بھی کہ حد سے آگے نہ بڑھیں، ان لوگوں کے لیے جس قدر ضروری ہے اسی قدر اللہ سے طلب کریں اور ان کی ہر خواہش کی تکمیل کی تمنا نہ کریں۔

جہل کا لفظ علم اور حلم دونوں کے مقابل میں آتا ہے یہ لفظ علم سے بے بہرگی کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے اور بردباری کے خلاف واقع ہونے والی چیز کے لیے بھی۔ عربی شاعر کہتا ہے ؎

اَلَا لَا يَجْهَلَنْ اَحَدٌ عَلَيْنَا
فَنَجْهَلَ فَوْقَ جَهْلِ الْجَاهِلِيْنَ

خبردار! ہمارے خلاف کوئی جہالت یعنی زور آزمائی نہ کرے کیونکہ ہم زور آزماؤں سے بڑھ کر زور آزمائی کرنے والے ہیں۔ مطلب یہ کہ حوصلے اور بردباری کے خلاف جو جلد بازی اور زور آزمائی ہوتی ہے، اُس پر بھی جہل کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ تو گویا اللہ تعالیٰ نے نہایت لطیف انداز میں

حضور علیہ السلام کو نصیحت فرمائی ہے کہ آپ نامناسب فرمائش کی حمایت کرکے نادان نہ بنیں۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ آیت کے اِس حصہ میں اگرچہ خطاب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ہے مگر بات عام لوگوں کو سمجھائی جا رہی ہے کہ بیشک تمام مسلمانوں کی خواہش ہے کہ سب لوگ ایمان لے آئیں، مگر یہ چیز حکمت کے خلاف ہے۔ کسی کو ہدایت دینا آپ کے اختیار میں نہیں ہے، آپ تو اس کے لیے دعا، تمنا یا کوشش ہی کر سکتے ہیں، وہ کریں اور نتیجہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیں کیونکہ یہ اس کے علم میں ہے کہ کس شخص میں ایمان قبول کرنے کی صلاحیت موجود ہے۔ اور اگر آپ چاہیں کہ تمام کے تمام لوگ ہی ایمان قبول کر لیں۔ تو یہ نادانی کی بات ہے، اس کو اختیار نہ کریں۔

اہلِ فکر و نظر

فرمایا اِنَّمَا يَسْتَجِيبُ الَّذِينَ يَسْمَعُونَ بیشک قبول وہ لوگ کرتے ہیں جو سنتے ہیں۔ اور جو آدمی سنتا ہی نہیں یعنی توجہ ہی نہیں دیتا، اس کو سنانے سے کچھ فائدہ نہیں ہوگا۔ دوسرے مقام پر فرمایا۔ "وَلَا تَكُونُوا كَالَّذِينَ قَالُوا سَمِعْنَا وَهُمْ لَا يَسْمَعُونَ" (انفال) ان لوگوں کی طرح نہ ہو جاؤ جو کہتے ہیں کہ ہم نے سن لیا حالانکہ وہ نہیں سنتے۔ سننے کا فائدہ تو اسے حاصل ہوتا ہے جو کسی چیز پر توجہ دے اس کو سمجھے اور اسے دل میں جگہ دے۔ برخلاف اس کے جو ایک کان سے سن کر دوسرے کان سے نکال دیتا ہے، اس کا سننا اور نہ سننا برابر ہے فرمایا وَالْمَوْتَىٰ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ اور اللہ تعالیٰ مردوں کو اٹھائے گا۔ امام رازیؒ کہتے ہیں کہ یہاں مردوں سے مراد کافر ہیں اور مطلب یہ ہے کہ جس طرح مردوں کو سنانے کا کچھ فائدہ نہیں، اسی طرح کافروں کا سننا اور نہ سننا برابر ہے، کافروں سے خطاب مردوں سے

خطاب کے مترادف ہے۔ اگر قبرستان میں کوئی شخص وعظ کرنا شروع کرے تو اس کا کیا فائدہ ہوگا، یہی حال کفر کرنے والوں کا ہے۔

فرمایا قیامت والے دن اللہ تعالیٰ مُردوں کو اٹھائے گا تو پھر سنیں گے آج کا سُننا تو ان کے لیے کچھ مفید نہیں مگر وہاں کا سننا بھی مفید نہیں ہوگا کیونکہ سُن کر ایمان لانے کا وقت گزر چکا ہوگا۔ وہ تسلیم کریں گے کہ دُنیا میں ہمیں جو سنایا جاتا تھا وہ برحق تھا، مگر ہم ہی غلط راستے پہ چلتے رہے، مگر اس وقت کا پچھتانا کسی کام نہ آئیگا فرمایا ثُمَّ اِلَیْهِ یُرْجَعُوْنَ پھر ان سب کو خدا تعالیٰ کی طرف لوٹا دیا جائے گا۔ پھر محاسبہ ہوگا اور جیسا کسی کا عقیدہ یا عمل ہوگا، اس کے مطابق سزا یا جزا پائے گا۔ غرضیکہ پیغمبر علیہ السلام اور آپ کے ساتھیوں کو اللہ نے تسلی دی ہے کہ اگر کافر آپ کی بات نہیں مانتے تو آپ زیادہ اصرار نہ کریں اور اُن کی خواہش کے مطابق نشانیوں کی تمنّا نہ کریں کیونکہ یہ حکمتِ خداوندی کے خلاف ہے۔ آپ اپنا فرض ادا کرتے ہیں کسی کو ہدایت دینا یا گمراہ رکھنا اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے یہ لوگ اللہ تعالےٰ کی عطا کردہ عقل جیسی نعمت کو ٹھیک طور پہ استعمال نہیں کرتے۔ اس بات کا ادراک انہیں قیامت کے روز ہوگا، مگر اس وقت کی ندامت کسی کام نہیں آئے گی اور کافر اپنے منطقی انجام کو پہنچ جائیں گے۔

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ قَادِرٌ عَلٰٓى اَنْ يُّنَزِّلَ اٰيَةً وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۷﴾ وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِى الْاَرْضِ وَلَا طٰٓئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ ؕ مَا فَرَّطْنَا فِى الْكِتٰبِ مِنْ شَىْءٍ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ يُحْشَرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا صُمٌّ وَّبُكْمٌ فِى الظُّلُمٰتِ ؕ مَنْ يَّشَاِ اللّٰهُ يُضْلِلْهُ ؕ وَمَنْ يَّشَاْ يَجْعَلْهُ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۳۹﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ ۚ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۴۰﴾ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ﴿۴۱﴾ ع ۴ ۱۱ ۱۰

ترجمہ :- اور کہا اُن لوگوں نے کیوں نہیں اُتاری جاتی اُس پر کوئی نشانی اُس کے رب کی طرف سے اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اس بات پر کہ نازل کرے کوئی نشانی ، لیکن اُن میں سے اکثر ایسے ہیں جو علم نہیں رکھتے ﴿۳۷﴾ اور نہیں ہے کوئی چلنے پھرنے والا جانور زمین

ہیں اور نہ کوئی پرندہ جو اڑتا ہے اپنے بازوؤں (پروں) کے ساتھ
مگر یہ بھی اُمتیں ہیں تمہاری طرح ۔ ہم نے نہیں کمی کی کتاب
میں کسی چیز کی ، پھر اپنے رب کی طرف یہ سب اکٹھے کیے
جائیں گے (۳۸) اور وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں
کو وہ بہرے اور گونگے ہیں ، اندھیروں میں (بھٹک رہے
ہیں) جس کو اللہ چاہتا ہے گمراہ کر دیتا ہے اور جس کو چاہتا
ہے ڈال دیتا ہے صراطِ مستقیم پر (۳۹) اے پیغمبر! آپ کہہ
دیجیے ، (اے لوگو!) بتلاؤ اگر آجائے تمہارے پاس اللہ کا عذاب
یا آجائے تمہارے پاس وہ گھڑی ، کیا اللہ کے سوا پکارو گے
تم کسی کو ، اگر تم سچے ہو (۴۰) پس اُسی کو پکارتے ہو
تو وہ دُور کر دیتا ہے اُس چیز کو جس کی طرف تم بلاتے
ہو اگر وہ چاہے اور تم بھول جاتے ہو جن کو تم اُس کے
ساتھ شریک بناتے ہو (۴۱)

نشانی کا مطالبہ

توحید ، رسالت اور معاد کے انکار اور پیغمبر اسلام سے نشانیاں طلب کرنے
کا سلسلہ کئی دروس سے بیان ہو رہا ہے ۔ اللہ تعالےٰ نے منکرین کے مقابلے
میں صبر کی تلقین فرمائی ، جیسا کہ پہلے انبیاء کرتے رہے ہیں اور نشانیوں کے متعلق فرمایا
کہ اگر ان کو حسب خواہش نشانی مہیا بھی کر دی جائے تو پھر بھی یہ انکار ہی کریں گے ۔
آج کی آیات میں بھی مشرکین کی طرف سے نشانیاں طلب کرنے کا ہی ذکر ہے ، اور
پھر اس ضمن میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو بعض ہدایات بھی دی گئی ہیں ۔ ارشاد ہوتا ہے
وَقَالُوا لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ آيَةٌ مِّن رَّبِّهِ اُن منکرین نے کہا کیوں
نہیں اُتاری جاتی اُس شخص پہ کوئی نشانی اُس کے ربّ کی طرف سے ۔ اور نشانی سے
مراد اُن کے نزدیک ایسی نشانی ہے جس کو وہ خود طلب کرتے ہیں ۔ مشرکین کہتے تھے

کہ ہماری خواہش کے مطابق نشانی کیوں نہیں آتی۔ یا نشانی سے مراد ایسی واضح نشانی ہے جو پہلے انبیاء پر ظاہر ہوتی رہی ہیں جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور صالح علیہ السلام وغیرہ سے ظاہر ہوتی رہیں۔ تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں اِنَّ اللّٰہَ قَادِرٌ عَلٰٓی اَنْ یُّنَزِّلَ اٰیَۃً بیشک اللہ تعالیٰ نشانی اتارنے پر قادر ہے۔ یہ جس قسم کی نشانی بھی طلب کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ پیش کرنے کی طاقت رکھتا ہے۔ اس کے لیے کچھ مشکل نہیں مگر بات یہ ہے وَلٰکِنَّ اَکْثَرَھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ کہ ان میں اکثر بے علم اور بے سمجھ ہیں کیونکہ حضور علیہ السلام کے ہاتھ پر نشانیاں تو ظاہر ہوتی رہتی ہیں۔ مگر ان کو ملاحظہ کرنے کے باوجود یہ لوگ ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہوتے۔ دوسری بات یہ ہے کہ اگر ان کی مطلوبہ نشانی ظاہر کر دی جائے تو وہ ان کے لیے سخت خطرناک ثابت ہو سکتی ہے کیونکہ اگر انہوں نے نشانی پا کر بھی انکار ہی کیا، تو پھر وہ خدا کی گرفت سے بچ نہیں سکتے۔ پہلی قومیں اسی لیے عذاب میں مبتلا ہوئیں کہ انہوں نے خود معجزات طلب کیے مگر پھر بھی ایمان نہ لائے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ متعصب اور عنادی لوگوں کی فرمائش کو پورا کرنا حکمتِ الٰہی کا ابطال ہے اللہ تعالیٰ اپنی حکمت کے مطابق مناسب حال نشانیاں ظاہر کرتا ہے مگر یہ بے عقل لوگ بیہودہ مطالبات کر کے خود خدا کے غضب کا نشانہ بنتے ہیں پہلے بھی گزر چکا ہے کہ اللہ نے فرمایا کہ میں تمہاری خواہش کے مطابق نشانی نازل کر دوں گا۔ لیکن اگر تم نے پھر ناشکرگزاری کی تو ایسی سزا دوں گا جو جہان میں کسی کو نہ دی ہو۔ مگر اکثر لوگ اللہ تعالیٰ کی اس حکمت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔

جانوروں کی نشانیاں

فرمایا اگر یہ لوگ نشانیاں دیکھنے پر ہی بضد ہیں تو انہیں بتا دیں کہ تمہارے اردگرد اللہ تعالیٰ کی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ کی بے شمار نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں۔ صرف غور و فکر کرنے کی ضرورت ہے، سب کچھ سمجھ میں آجائے گا۔

مثال کے طور پر فرمایا وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِي الْأَرْضِ زمین پر چلنے پھرنے والا کوئی جانور ایسا نہیں ہے وَلَا طَائِرٍ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ اور نہ کوئی ایسا پرندہ ہے جو اپنے بازوؤں سے اڑتا ہے إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُم مگر یہ کہ وہ تمہاری طرح امتیں ہیں۔ ان تمام جانوروں، پرندوں اور کیڑے مکوڑوں کی بھی جماعتیں اور گروہ ہیں۔ فرمایا اگر مشرکین کو اللہ کی نشانیوں کی تلاش ہے تو ان جانوروں اور پرندوں کو ہی دیکھ لیں۔ یہ لاکھوں کی تعداد میں ہیں اور پھر ہر ایک کی نوع الگ الگ ہے، ان میں ایسی حیرت انگیز باتیں پائی جاتی ہیں جو اللہ تعالیٰ کی قدرت تامہ کا نمونہ ہیں۔ چھوٹے چھوٹے کیڑوں مکوڑوں سے لے کر بڑے بڑے درندوں تک ہر ایک جانور اپنے اپنے دائرہ کار میں کام کر رہا ہے۔ جانوروں کی ہر نوع کے لیے الگ الگ شریعت اور جدا جدا احکام ہیں۔ صرف زمین پر رہنے والے جانوروں کی اقسام و انواع ہی انسان کے علم سے باہر ہیں جب کہ پانی کے جانور اور ہوا میں اڑنے والی چیزیں ان کے علاوہ ہیں۔ ہر ایک کی نسل کشی، ان کا چلنا پھرنا، رہائش اور خوراک کے ذرائع اور طور طریقے جدا جدا ہیں یہ سب اللہ کی قدرت کے نشانات ہی تو ہیں۔ اگر انسان ان میں تھوڑا سا غور فکر کر لے تو اسے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہونے میں دقت پیش نہیں آئے گی۔

معرفت الٰہی

چھوٹے سے چھوٹے جاندار سے لے کر بڑی سے بڑی مخلوق تک ہر چیز کو اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہے۔ افسوس کا مقام ہے کہ اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود انسانوں کی اکثریت اس سے غافل ہے۔ حضرت ابو درداؓ کی روایت میں آتا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ کہ تمام جانور، چرند، پرند يَعْرِفُونَنِي مجھے پہچانتے ہیں۔ يُوَحِّدُونَنِي میری توحید کو مانتے ہیں، يُسَبِّحُونَنِي میری تسبیح بیان کرتے وَيُحَمِّدُونَنِي اور میری حمد و ثنا بیان کرتے ہیں۔ یہ سب قدرت کی نشانیاں ہی تو ہیں

وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا یُسَبِّحُ بِحَمْدِہٖ وَلٰکِنْ لَّا تَفْقَهُوْنَ تَسْبِیْحَهُمْ (بنی اسرائیل) تمام چیزیں اللہ تعالیٰ کی تسبیح بیان کرتی ہیں مگر تم اُن کی زبان اور تسبیح کو سمجھ نہیں سکتے۔ ابو درداءؓ کی روایت میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ یوں فرماتا ہے کہ تمام جانور مجھے پہچانتے ہیں، میری توحید کو بھی مانتے ہیں، شرک نہیں کرتے، خدا کی حمد اور تسبیح بیان کرتے ہیں۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ حضور علیہ السلام کہیں جا رہے تھے۔ دیکھا کہ دو بکریاں آپس میں گتھم گتھا ہو رہی ہیں۔ آپ کے ساتھ حضرت ابو ذر غفاریؓ بھی تھے۔ آپ نے فرمایا، ابو ذر! عرض کیا، حاضر ہوں فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ یہ بکریاں کیوں لڑ رہی ہیں۔ عرض کیا حضور میں تو نہیں جانتا۔ فرمایا۔ مگر اللہ جانتا ہے جس بات پہ لڑ رہی ہیں اور قیامت کے دن ان کے درمیان فیصلہ کرے گا۔ اسی طرح ترمذی شریف[1] کی روایت میں حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے لَتُؤَدُّنَّ الْحُقُوْقَ اِلٰی اَهْلِهَا تمام حقوق اُن کے اہل تک پہنچائے جائیں گے حَتّٰی یُقْتَصَّ لِلْجَمَّاءِ مِنَ الْقَرْنَاءِ یہاں تک اللہ تعالیٰ قیامت کے دن بے سینگ جانور کا سینگ والے جانور سے قصاص دلائیں گے۔ سینگوں والے نے اُس پہ کیوں ظلم کیا۔ تمام جانوروں کے درمیان عدل و انصاف قائم ہو گا اللہ تعالیٰ کسی کو چھوڑے گا نہیں۔ جب جانوروں کے متعلق اس قدر باز پرس ہو گی تو پھر ظالم انسان اپنے ظلم کا بدلہ پائے بغیر کیسے بچ سکتے ہیں غرضیکہ فرمایا جانور اور پرندے بھی تمہاری طرح امت ہیں۔ ہر ایک کے الگ الگ احکام ہیں جن کے مطابق وہ زندگی بسر کرتے ہیں۔

چیونٹیوں کا عالم

سائنس دانوں نے اللہ کی مخلوق پہ تحقیق کر کے حیرت انگیز انکشافات کیے ہیں۔ بعض لوگوں نے چالیس چالیس سال تک عرق ریزی کر کے چیونٹیوں جیسی ادنیٰ مخلوق پر ریسرچ کی ہے۔ اِن کا اپنا نظام معاشرت

[1] ترمذی شریف ص ۳۴۸ (فیاض)

ہے، رسم و رواج ہیں اور خوراک جمع کرنے کے طریقے ہیں حتیٰ کہ مردے کو دفن کرنے اور صلح وجنگ کے احکام بھی ان میں پائے جاتے ہیں۔ اکثر دیکھنے میں آتا ہے کہ ایک زندہ چیونٹی دوسری مردہ چیونٹی کو اٹھائے جا رہی ہے اس کا کیا مقصد ہے؟ محققین کی تحقیق کے مطابق چیونٹیوں کے قبرستان ہوتے ہیں جہاں وہ اپنے مُردوں کو دفن کرتے ہیں، مرنے والی چیونٹیوں کو ویسے ہی نہیں چھوڑ دیا جاتا۔ چیونٹیوں کے خوراک جمع کرنے کا موسم مخصوص ہوتا ہے جس میں اپنے مطلب کی خوراک ذخیرہ کرتی ہیں، اس کام کے لیے چیونٹیوں کی ڈیوٹیاں لگائی جاتی ہیں۔ طنطاویؒ نے نظام العالم والامم میں لکھا ہے کہ سائنس دانوں کی ریسرچ کے مطابق چیونٹیوں کے درمیان جنگ بھی ہوتی ہے۔ اگر کوئی چیونٹی دشمن ملک میں چلی جائے تو وہاں پاؤں پر نہیں چلتی۔ بلکہ الٹی ہو جاتی ہے، اپنی پشت زمین پر لگا دیتی ہے، پھر اس علاقے کی فوج آتی ہے جو اُسے اٹھا کر اپنے علاقے سے باہر نکال دیتی ہے اُن کے ہاں یہ صلح وجنگ کے اصول مروج ہیں تحقیق کنندگان کہتے ہیں کہ ان چیونٹیوں میں دودھ دینے والے جانور بھی انہی کی نسل سے ہوتے ہیں۔ جن سے یہ دودھ حاصل کرتی ہیں۔ فرمایا یہ سب کچھ قدرت کے حیرت انگیز شاہکار نہیں؟ غور وفکر کرنے والوں کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت تامہ کے بہت سے نشانات موجود ہیں۔

شہد کی مکھیاں

دیگر جانداروں کی طرح شہد کی مکھیوں کا بھی ایک الگ جہان ہے جہاں اُن کے قوانین نافذ ہیں، اُن کے اپنے رسم و رواج اور لائحہ عمل ہے جس کے تحت وہ زندگی بسر کرتی ہیں اور کام کاج انجام دیتی ہیں۔ ان مکھیوں میں ایک بڑی مکھی ملکہ کہلاتی ہے۔ باقی سب مکھیاں اس کے ماتحت ہوتی ہیں اور اُس کا ہر حکم بجا لاتی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان مکھیوں کے ذریعے انسان کے لیے ایک پاکیزہ مشروب شہد تیار کیا ہے۔ سورۃ نحل

میں موجود ہے "وَ اَوۡحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحۡلِ" تیرے رب نے شہد کی مکھیوں کی فطرت میں یہ بات ڈال دی ہے کہ وہ پہاڑوں اور درختوں میں اپنا گھر بنائیں اور ہر قسم کے پھل کھائیں پھر اُن کے پیٹوں سے شفا بخش مشروب نکلتا ہے فرمایا "اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّقَوۡمٍ یَّتَفَکَّرُوۡنَ" اس پورے نظام میں صاحب غور و فکر لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ ان مکھیوں کی فطرت میں داخل ہے کہ وہ نجاست پر نہیں بیٹھیں گی، بلکہ اُن کی شریعت کا قانون یہ ہے کہ وہ ہمیشہ پاکیزہ چیز پر بیٹھیں۔ چنانچہ شہد کی مکھی ہمیشہ مٹھائی، پھول اور پھل پر بیٹھے گی، کسی گندی چیز پر نہیں بیٹھے گی۔ اگر مکھیوں کو پتہ چل جائے کہ ان کی ہم نسل کوئی مکھی کسی ناپاک چیز پر بیٹھی پائی گئی ہے تو اسپر مقدمہ چلایا جاتا ہے، اُسے حاکم مکھی کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ پھر اگر الزام ثابت ہو جائے تو ایسی ملزمہ کو سزائے موت تک دیدی جاتی ہے یہ پورا نظام قدرت، عقلمندوں کے لیے نشانیاں ہیں معرفت الٰہی کے لیے اس سے بڑھ کر اور کیا نشانی مطلوب ہے؟

پرندوں کی جبلت

غرضیکہ فرمایا کہ تمہاری طرح جانوروں اور پرندوں کی بھی امتیں ہیں۔ جن کے پورے حالات کو اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔ یہ سب کے سب اللہ تعالیٰ کی معرفت رکھتے ہیں اور اُس کی وحدانیت کو تسلیم کرتے ہیں۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ تمام جاندار اپنے معبود کو بھی پہچانتے اور اپنی روزی کے ذرائع کو بھی جانتے ہیں، نر اور مادہ ایک دوسرے کو خوب پہچانتے ہیں اور آپس کے تعلقات کے لیے آمادہ رہتے ہیں چڑیوں اور کبوتروں کی مثال ہے لیں تنکا تنکا اکٹھا کر کے خود ہی اپنا گھونسلہ بناتے ہیں پھر چڑیا اور کبوتری اسمیں انڈے دیتی ہے۔ جنہیں نر اور مادہ باری باری سیتے ہیں۔ جب بچے نکلتے ہیں تو دونوں اُن کی پرورش کی ذمہ داری قبول کرتے ہیں۔ نر اور مادہ اپنے منہ میں خوراک لاتے ہیں اور بچوں کے

منہ میں ڈالتے ہیں۔ کیا یہ سب کچھ قدرت کے حیرت انگیز کرشمات نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل کرنے کے لیے یہ بہت بڑی نشانیاں ہیں۔

فرمایا مَا فَرَّطْنَا فِی الْکِتٰبِ مِنْ شَیْءٍ ہم نے کتاب میں کسی کمی کو نہیں رہنے دیا۔ اس میں ہر چیز درج ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ کتاب سے مراد لوحِ محفوظ بھی ہو سکتی ہے، قرآن پاک بھی اور نامہ اعمال بھی۔ ظاہر ہے کہ ہر چیز لوحِ محفوظ میں درج ہے۔ اور قرآن پاک کے متعلق خود اُس کا اپنا دعویٰ ہے۔ "وَلَا رَطْبٍ وَّلَا یَابِسٍ اِلَّا فِیْ کِتٰبٍ مُّبِیْنٍ" (انعام) یعنی ہر خشک و تر چیز کا بیان اصولی طور پر قرآن میں موجود ہے۔ ہر شخص کا نامہ اعمال بھی تیار ہو رہا ہے جو محاسبہ کے وقت اُس کے سامنے کر دیا جائے گا۔ اس میں بھی انسان کا ہر عمل شامل ہوگا۔ تو فرمایا کہ ہم نے کتاب میں کسی چیز کی کمی نہیں چھوڑی ثُمَّ اِلٰی رَبِّهِمْ یُحْشَرُوْنَ پھر ان سب کو اپنے رب کی طرف اکٹھا کیا جائے گا۔ پھر اس کا حساب کتاب ہوگا۔

مکذبین کی حالت

فرمایا وَالَّذِیْنَ کَذَّبُوْا بِاٰیٰتِنَا جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو جھٹلایا اُن کی حالت یہ ہے صُمٌّ وَّبُکْمٌ وہ بہرے اور گونگے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جس نے آیات الٰہی سے فائدہ نہ اٹھایا، جس نے حق کی بات سُنی ہی نہیں وہ بہرہ ہے اور جس نے ایمان کا کلمہ زبان سے ادا ہی نہیں کیا وہ گونگا ہے۔ ایسے بہرے اور گونگے لوگ فِی الظُّلُمٰتِ اندھیروں میں بھٹک رہے ہیں۔ کفر، شرک، نفاق، بدعات سب اندھیرے ہیں جن میں منکرین و مکذبین سرگرداں ہیں اور انہیں روشنی کی کوئی رمق نظر نہیں آتی نزولِ قرآن کا ایک مقصد یہ بھی ہے "لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ" (ابراهیم) تاکہ آپ اس کے ذریعے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ مگر بدقسمت ہیں وہ لوگ جو محروم رہتے ہیں۔

پھر فرمایا مَنْ یَّشَاِ اللّٰہُ یُضْلِلْہُ جسے اللہ چاہتا ہے ۔گمراہ کر دیتا ہے ۔ اور اس کا اصول یہی ہے ۔ کہ جو شخص ضد اور عناد کو اختیار کرتا ہٹ دھرمی کرتا ہے ، اللہ تعالیٰ اُس کو ہدایت نہیں دیتا ۔ قرآن پاک کا فیصلہ ہے "وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ" (۲: ۲۵۸) اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو ہدایت سے نہیں نوازتا ۔ جب ظلم کو ترک کر کے نیکی کو اختیار کریگا ، کفر اور شرک کی بجائے ایمان اور توحید کو اپنا لے گا ، نیکی کی تڑپ اُس میں پیدا ہو جائے گی تو پھر اللہ تعالیٰ اُس کے لیے ہدایت کا راستہ بھی واضح کر دے گا ۔ وہ ہر شخص کی استعداد ، صلاحیت ، اور طلب کو جانتا ہے ، اس لیے وَمَنْ یَّشَاْ یَجْعَلْہُ عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ جس کو چاہتا ہے صراط مستقیم پر ڈال دیتا ہے اور کہتا ہے کہ اس راستے پر چلو "ھٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ" (الحجر) یہی سیدھا راستہ ہے ۔

موحد اور مشرک

فرمایا تم نشانیاں طلب کرتے ہو ۔ حالانکہ تمہارے ارد گرد لاکھوں نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں اگر ذرا بھی غور کرتے تو خدا تعالیٰ کی وحدانیت سمجھ میں آجاتی ۔ قُلْ اے پیغمبر ! آپ کہ دیجئے اَرَءَیْتَکُمْ یہ تبلاؤ اِنْ اَتٰىکُمْ عَذَابُ اللّٰہِ اگر اللہ کا عذاب تمہارے پاس آجائے اَوْ اَتَتْکُمُ السَّاعَۃُ یا وہ گھڑی تمہارے پاس آپہنچے یعنی کسی کو انفرادی طور پر موت آجائے یا مجموعی طور پر قیامت واقع ہو جائے اَغَیْرَ اللّٰہِ تَدْعُوْنَ توکیا پھر اللہ کے سوا کسی غیر کو پکارو گے اِنْ کُنْتُمْ صٰدِقِیْنَ اگر تم سچے ہو تو تبلاؤ کہ کون ہے جو اس آمدہ گھڑی کو ٹال سکے ۔ فرمایا حقیقت یہ ہے کہ ایسے کٹھن وقت پر بَلْ اِیَّاہُ تَدْعُوْنَ تم صرف اُسی کو پکارتے ہو جب تمام ظاہری اسباب ختم ہو جاتے ہیں تو پھر اُسی خدائے وحدہٗ لاشریک کے سامنے گڑگڑاتے ہو فَیَکْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَیْہِ اِنْ شَآءَ اگر وہ چاہتا ہے تو جس تکلیف کی طرف اُسے بلاتے ہو اُسے دور

کر دیتا ہے ۔ یہ اُس کی مشیت پر موقوف ہے۔ اگر پسند کرے تو تمہاری
مشکل کو حل فرما دیتا ہے ۔ تمہاری تاریکی کو کھول دیتا ہے اور پھر تمہیں راحت
حاصل ہو جاتی ہے ۔

فرمایا جب اللہ تعالیٰ تمہاری مدد فرما دیتا ہے وَتَنسَوْنَ مَا
تُشْرِكُونَ تو اس وقت تم بھول جاتے ہو جو خدا کا شریک بناتے ہو۔
اُس وقت تمہاری سمجھ میں آتا ہے کہ مشکل میں اللہ کے سوا کوئی کام نہیں آسکتا
سارا اختیار اسی کے پاس ہے ، اُسے کوئی مجبور نہیں کر سکتا۔ اسی لیے حضور
علیہ السلام نے فرمایا کہ دُعا ہمیشہ لجاجت اور پختہ طریقے سے مانگا کرو ، کیونکہ
خدا کسی کا مجبور و محکوم تو نہیں ، اُس کی مرضی ہے تو دُعا قبول کر لے گا ۔
اور تمہاری تکلیف کو رفع فرما دے گا اور اگر نہ چاہے تو کچھ بھی نہیں ہو سکتا
جن کو تم اللہ کا شریک ٹھہراتے ہو ، اس کا ساتھی بناتے ہو ، اُس کی صفات
میں شریک کرتے ہو ، کسی کے قبضے میں کچھ نہیں ۔

درس یازدہم ۱۱ — آیت ۴۲ تا ۴۵

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾ فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَهُمْ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا وَلٰكِنْ قَسَتْ قُلُوْبُهُمْ وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۴۳﴾ فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ ﴿۴۴﴾ فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ؕ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۵﴾

ترجمہ :- البتہ تحقیق ہم نے بھیجے آپ سے پہلے بہت سی امتوں کی طرف رسول، پس پکڑا ہم نے اُن لوگوں کو سختی کے ساتھ اور تکلیف کے ساتھ تاکہ وہ گڑگڑائیں اور عاجزی کریں ﴿۴۲﴾ پس کیوں نہیں ہوا اس طرح کہ جب آئی اُن کے پاس ہماری گرفت تو وہ عاجزی کرتے، لیکن اُن کے دل سخت ہو گئے اور مزین کر دکھلائیں اُن کو شیطان نے وہ باتیں جو وہ کرتے تھے ﴿۴۳﴾ پس جب بھول گئے وہ اُس بات کو جس کے ساتھ اُن کو نصیحت اور یاد دہانی کرائی گئی تھی تو ہم نے کھول دیے اُن پر ہر قسم کی خوشحالی کے دروازے یہاں تک کہ جب وہ خوش ہو گئے اُس چیز کے ساتھ جو

اُن کو دی گئی تھی تو ہم نے اُن کو اچانک پکڑ لیا، پس وہ آس توڑ کر ناامید ہو گئے (۴۴) پس کاٹ ڈالی گئی جڑ اُن لوگوں کی جنہوں نے ظلم کیا اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے (۴۵)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے احتمال کے طور پر مکذبین کو ڈرایا تھا کہ آپ اِن لوگوں سے پوچھیں کہ اگر موت یا قیامت کی گھڑی آپہنچے تو خدا کے سوا تمہاری مصیبت کو کون دور کر سکتا ہے، یقیناً کوئی نہیں۔ وہ صرف خدا کی ذات ہے جس کے قبضے میں اقتدار اور تصرف ہے۔ لہٰذا یہ اُس کی مشیت پر موقوف ہے کہ تمہاری پکار یا دُعا کو قبول کر کے عذاب کو تم سے ٹال دے۔ اب اللہ تعالیٰ نے بعض سابقہ امتوں کے واقعات کی طرف اشارہ کر کے فرمایا ہے کہ دیکھو! اُن پر خدا کا عذاب فی الواقع آگیا اور وہ اسمیں ہلاک ہو گئے۔ لہٰذا تمہیں بھی سمجھ لینا چاہیئے کہ کہیں تم پر بھی ایسا عذاب نہ آجائے کیونکہ تمہارے افعال و کردار بھی ویسے ہی ہیں جیسے پہلی قوموں کے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے لوگوں کی سرکشی اور عناد کا فلسفہ بھی بیان فرمایا ہے کہ عام طور پر لوگ کس طرح کفر، شرک اور معاصی میں مبتلا ہوتے ہیں پھر اللہ کی طرف سے مہلت دی جاتی ہے۔ اور جب لوگ قبیح حرکتوں سے باز نہیں آتے تو پھر اللہ تعالیٰ کی گرفت اچانک آجاتی ہے اور اُن کا کام تمام کر دیتی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ تحقیق آپ سے پہلے ہم نے بہت سی امتوں کی طرف اپنے رسول بھیجے اُمم امت کی جمع ہے اور مطلب یہ ہے کہ کسی ایک دو امت کی طرف نہیں بلکہ بہت سی امتوں کی طرف رسول مبعوث فرمائے۔ یہ خطاب حضور علیہ السلام کی ذاتِ مبارکہ سے ہو رہا ہے کیونکہ آپ نبیوں اور رسولوں کے سلسلہ کی آخری کڑی ہیں "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" (احزاب) آپ اللہ کے رسول اور سلسلہ نبوت کو ختم کرنے والے

ہیں۔ دوسری جگہ موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ کے بعض رسولوں کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے اور بعض کا حال وحی کے علاوہ بھی تبلا دیا ہے اور بعض ایسے رسول بھی ہیں۔ جن کا ذکر اللہ نے نہیں کیا۔ تاریخ سے بھی اُن کے حالات کا پتہ نہیں چلتا غرضیکہ بہت سے رسول ایسے ہیں جن کے حالات اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ "لَا یَعْلَمُهُمْ اِلَّا اللّٰهُ"

تنگیٔ حالات

فرمایا آپ سے پہلے ہم نے بہت سی اُمتوں کی طرف رسول بھیجے فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ پس پکڑا ہم نے اُن کو سختی اور تکلیف کی صورت میں۔ بأس سے مراد معاشی تنگدستی ہے اور ضرا سے مراد جسمانی تکلیف یا بیماری ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ دستور ہے کہ جب لوگ سرکشی پر اُتر آتے ہیں تو اولاً انہیں کسی سختی میں ڈال کر تنبیہ کی جاتی ہے تاکہ وہ سمجھ جائیں اور سرکشی کو چھوڑ کر اللہ کی طرف رجوع کریں۔ یہاں پر بھی اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ہم نے بہت سی امتوں کی طرف رسول بھیجے، پھر انہوں نے اُن کی تکذیب کی اور احکامِ الٰہی سے اعراض کیا تو ہم نے انہیں جسمانی اور معاشی تکالیف میں ڈال دیا اور ان پر یہ سختی اس لیے کی لَعَلَّهُمْ یَتَضَرَّعُوْنَ تاکہ وہ گڑگڑائیں اور عاجزی کا اظہار کریں۔ مقصد یہ کہ ہم نے تکلیف میں مبتلا کر کے متنبہ کر دیا کہ ابھی وقت ہے بغاوت کو چھوڑ کر اللہ کی طرف آجائیں۔ اگر اُن میں انسانیت کی کچھ رمق باقی ہوگی تو وہ گناہوں سے توبہ کر لیں گے، کفر اور شرک کو ترک کر دیں گے اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لے آئیں گے۔ یہاں پر بأس یعنی معاشی تنگی سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص محتاج ہو جائے مالی لحاظ سے کمزور ہو جائے اور اُس کی گزربسر اچھے طریقے سے نہ ہو سکے اور ضرا یعنی جسمانی تکلیف کا مطلب یہ ہے کہ انسان کسی بیماری میں مبتلا ہو جائے۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ معاشی یا جسمانی تکلیف دے کر وارننگ دیتا ہے تاکہ لوگ معصیت سے باز آجائیں۔

فرمایا فَلَوْلَآ اِذْ جَآءَ بَاْسُنَا تَضَرَّعُوْا پھر جب ہماری طرف سے تکلیف آپہنچی تو اِن لوگوں نے کیوں نہ گریہ وزاری کی۔ مناسب تو یہ تھا کہ جب ہماری چھوٹی سی گرفت آئی تو فوراً سنبھل جاتے اور اللہ تعالےٰ سے گڑگڑا کر معافی طلب کرتے۔ مگر انہوں نے ایسا نہ کیا وَلٰکِنْ قَسَتْ قُلُوْبُھُمْ بلکہ اُن کے دِل سخت ہو گئے۔ انہوں نے اس تنبیہ سے فائدہ نہ اٹھایا اور معاصی سے باز نہ آئے، اس کے برخلاف ہُوا یہ کہ وَزَیَّنَ لَھُمُ الشَّیْطٰنُ مَا کَانُوْا یَعْمَلُوْنَ جو کچھ وہ کر رہے تھے شیطان نے اُس کو مزین کر کے دکھا دیا کہ تم جو کچھ کر رہے ہو، ٹھیک کر رہے ہو اور اسپر قائم رہو۔ یہ تکلیفیں اور مصیبتیں تو آتی رہتی ہیں، اِن کی کچھ پروا نہ کرو۔

اچانک گرفت

اِس کا نتیجہ یہ ہُوا کہ توبہ استغفار کرنے کی بجائے وہ برائیوں میں پہلے سے زیادہ منہمک ہو گئے۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُکِّرُوْا بِهٖ پھر جب وہ ہماری تنبیہ اور نصیحت کو بھول گئے اس کا مثبت اثر قبول نہ کیا۔ بلکہ انہوں نے اس بات پر غور ہی نہ کیا کہ ہمیں یہ تکلیف کیوں پہنچی ہے تو فرمایا فَتَحْنَا عَلَیْھِمْ اَبْوَابَ کُلِّ شَیْءٍ ہم نے اُن پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے۔ اُن کی معیشت کو وسیع کر دیا اور دنیاوی عیش و آرام کے سامان مہیا کر دیے۔ حَتّٰٓی اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا پھر جب وہ خوش ہو گئے اُس چیز سے جو اُن کو دی گئی۔ یعنی جب انہیں کھانے پینے، اچھی رہائش، اچھی سواری، زن و فرزند اور دیگر ہر قسم کی سہولتیں میسّر آگئیں اور وہ خیال کرنے لگے کہ جو کچھ کر رہے ہیں ٹھیک کر رہے ہیں۔ اَخَذْنٰھُمْ بَغْتَةً ہم نے انہیں اچانک پکڑ لیا۔ ہماری گرفت آئی اور وہ فوراً عذاب میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ لبا اوقات ایسا

ہُوا ہے کہ جب کوئی قوم حد سے تجاوز کرگئی تو کوئی آسمانی یا زمینی آفت آئی اور قوم تباہ و برباد ہو کر رہ گئی۔ جب لوگ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ آنے پر معافی نہیں مانگتے بلکہ معاصی میں اور زیادہ بڑھ جاتے ہیں تو پھر تباہی اُن کا مقدر بن جاتی ہے۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ گنہگاروں کو اللہ تعالیٰ پہلی دفعہ تھوڑی سی تکلیف دے کر رجوع کرنے کا موقع دیتا ہے۔ پھر اگر وہ اس موقع سے فائدہ اٹھا کر توبہ کر لیتے ہیں اور اللہ کے سامنے عاجزی کا اظہار کرتے ہیں تو بچ جاتے ہیں۔ بصورت دیگر اللہ تعالیٰ اُن پر خوشحالی کے دروازے کھول دیتا ہے۔ پھر جب اِن نعمتوں کا شکر ادا کرنے کی بجائے گناہوں میں مزید ملوث ہو جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے دفعتاً پکڑ آجاتی ہے۔ اسی لیے فرماتے ہیں کہ جب کسی شخص کو تھوڑی سی تکلیف پہنچے تو فوراً توبہ کر لینی چاہیئے۔ اُسے کسی نشانی کے اظہار یا زیادہ مصیبت کا انتظار نہیں کرنا چاہیئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے پہلی تنبیہ پر ہی سمجھ جانا چاہیئے اور گڑگڑا کر اُس سے معافی طلب کر لینی چاہیئے، اِسی میں اس کا فائدہ ہے۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ بڑے اونچے درجے کے صحابی رسول ہیں۔ اُن سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب تم دیکھو کہ کوئی شخص گناہ میں مبتلا ہے اور اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے مسلسل انعام و اکرام بھی ہو رہے ہیں، اُس کو ہر طرح سے وسعت حاصل ہو رہی ہے تو اُس سے دُھوکا نہ کھانا، اللہ تعالیٰ اُس پر راضی نہیں ہے بلکہ یہ تو استدراج اور مہلت ہے، اللہ تعالیٰ کسی وقت بھی گرفت کرنے پر قادر ہے، حضرت عقبہؓ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر حضور علیہ السلام نے یہی آیت تلاوت فرمائی فَلَمَّا نَسُوْا مَا ذُكِّرُوْا بِهٖ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ اَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فَرِحُوْا بِمَآ اُوْتُوْٓا اَخَذْنٰهُمْ بَغْتَةً

فرمایا جب ہماری گرفت آجاتی ہے فَاِذَا هُمْ مُّبْلِسُوْنَ

پھر وہ مایوس ہو جاتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حقیقی گرفت میں مبتلا ہو کر اُن کے لیے بچاؤ کا کوئی راستہ باقی نہیں رہتا تو پھر نا اُمید ہو جاتے ہیں۔

میانہ روی اور پاکدامنی

حضرت عبادہ بن صامتؓ انصارِ مدینہ میں سے تھے۔ دس فٹ قد کے کہ ڈیل جوان، دراز قامت، سانولی رنگت، حضور کے مخلص جانثاروں میں سے تھے۔ فتح مصر والے لشکر میں شامل تھے۔ وہ روایت کرتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے کہ جب اللہ کسی قوم کو باقی رکھنا اور ترقی دینا چاہتا ہے تو اس قوم کو اقتصاد یعنی میانہ روی اور عفت یعنی پاکدامنی عطا فرماتا ہے۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ لوگ رسم و رواج میں پڑ کر یا معیار زندگی کو حد سے زیادہ بلند کر کے میانہ روی کو ترک کر بیٹھتے ہیں۔ کھیل کود، رسومات، لباس اور رہائش اور دیگر مکروہ امور پر بے دریغ روپیہ خرچ کرتے ہیں۔ اس طرح عفت کا تقاضا یہ ہے کہ انسان حرام اور مشکوک چیزوں سے بچ جائے خوراک، لباس، شہوات اور دیگر معاملات میں عفت کو ملحوظ خاطر رکھے۔ اگر کوئی شخص اقتصاد اور عفت کی پروا نہیں کرتا تو اُسے سمجھ لینا چاہیئے کہ وہ تباہی کے راستے پر گامزن ہے جو بالآخر اُس کی بربادی کا باعث ہو گا۔

خیانت کی لعنت

فرمایا جب کسی قوم کو اللہ تعالیٰ ہلاک کرنا چاہتا ہے تو اُس پر خیانت کے دروازے کھول دیتا ہے۔ پھر وہ نماز اور روزے میں خیانت کرنے لگتے ہیں، وضو اور طہارت میں خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں، دکانداری اور ملازمت میں خیانت کرتے ہیں اپنے کاروباری ساتھی (PARTNER) کو دھوکا دیتے ہیں، غرضیکہ اُن پر ہر طرف سے خیانت کے دروازے کھل جاتے ہیں، جس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسی قوم کو تباہ و برباد کرنا چاہتا ہے۔ اور پھر ایسا ہی ہوتا ہے۔ بظاہر اُس قوم میں خوشحالی نظر آتی ہے لوگ کھیل تماشے میں مشغول ہوتے ہیں، فیشن کی بہتات ہوتی ہے مگر یہ خوشحالی نہیں بلکہ استدراج ہوتا ہے۔ یہ ترقی کی بجائے تنزل کا پیش خیمہ ہوتا ہے۔

ترقی تو ایمان کی دولت اور اللہ اور اس کے رسول کے مقرر کردہ اصولوں کے ذریعے حاصل ہوتی ہے۔ آج ہر گھر میں ٹیلیویژن کے ذریعے کھیل تماشے کی فراوانی ہے۔ شادی بیاہ کی رسوم پر بے دریغ روپیہ خرچ کیا جارہا ہے۔ بڑی بڑی پر تکلف دعوتیں ہوتی ہیں، انتظامات پر دل کھول کر خرچ کیا جاتا ہے۔ اُدھر موت کی رسوم پر بھی دیگیں پکتی ہیں۔ پھر قبروں کو پختہ بنایا جاتا ہے اُن پر گنبد تعمیر ہوتے ہیں، چادریں چڑھتی ہیں اور اس طرح لوگ فضول خرچی کر کے امانت کی بجائے خیانت کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ظلم کا بدلہ

فرمایا جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے حجت تمام ہو جاتی ہے بگڑی ہوئی قوم کسی طریقے سے راہِ راست پر آنے کے لیے تیار نہیں ہوتی فَقُطِعَ دَابِرُ الْقَوْمِ الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا پھر ظلم کرنے والی قوم کی جڑ کاٹ دی جاتی ہے۔ ظلم صرف انسانی برادری سے ہی نہیں کیا جاتا بلکہ لوگ کفر اور شرک جیسے ظلم عظیم کے بھی مرتکب ہوتے ہیں اور پھر اللہ کا عذاب انہیں اچانک آپکڑتا ہے۔ پہلی امتوں میں بسا اوقات ایسا عذاب نازل ہوتا تھا کہ پوری کی پوری قوم صفحہ ہستی سے مٹ جاتی تھی، مگر اس آخری اُمت کو حضور علیہ السلام کی برکت سے ایسے سخت عذاب میں مبتلا نہیں کیا جائے گا بلکہ ان کے لیے عذاب کبھی زلزلے کی صورت میں آتا ہے اور کبھی طوفان کی شکل میں کبھی کثرتِ اموات عذاب کا ذریعہ بنتی ہیں اور کبھی اُن پر دشمن کا تسلط قائم کر کے عذاب میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ جنہوں نے ظلم کیا اُن کی جڑ کاٹ دی گئی۔ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ اور سب تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ ظالم لوگ چونکہ پوری انسانیت کے دشمن ہوتے ہیں، لہٰذا اُن کی جڑ کٹ جانے سے پوری دنیا کا بھلا ہوتا ہے اِسی لیے فرمایا کہ سب تعریفیں اُس مالک الملک کے لیے ہیں جو اپنی مخلوق کو ظالموں کے ظلم سے نجات دیتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ اسلام میں جہاد کو اسی لیے فرض قرار

دیا گیا ہے تاکہ مُفسدین کی سرکوبی ہو سکے ۔ مفسد لوگ معاشرے میں ایسے ہیں، جیسے انسانی جسم میں پھوڑا ۔ جس طرح انسان کی بھلائی اس مہلک پھوڑے کو کاٹ پھینکنے میں ہی ہے، اسی طرح پوری نسل انسانی کی بھلائی اور خیر خواہی مفسدین کے قلع قمع میں ہے ۔ معاشرہ جبھی پاک صاف ہو سکتا ہے جب ظلم کے تمام ذرائع کو کاٹ دیا جائے ۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ ان ظالموں کو ختم کرنے میں ہی انسانیت کی بھلائی ہے ۔

موطا امام مالکؒ کی حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا جب بُرا آدمی مرتا ہے تو درخت پتھر اور جانور الحمد للہ کہہ کر اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں کہ یہ موذی آدمی نابود ہوا ۔ ایسا شخص نہ صرف انسانیت کا دشمن تھا بلکہ درختوں، پتھروں اور جانوروں کے لیے بھی باعثِ وبال تھا اس کے برخلاف اگر کوئی نیک آدمی فوت ہو جاتا ہے تو اس پر ارض و سما روتے ہیں ۔ اور افسوس کا اظہار کرتے ہیں ۔ آسمان کے وہ دروازے رنجیدہ ہو جاتے ہیں جن کے راستے نیک آدمی کے اعمال اوپر جاتے تھے، مگر ظالموں پر نہ آسمان روتا ہے اور نہ زمین، بلکہ ہر چیز کہتی ہے "الحمد للہ خس کم جہاں پاک"

درس دوازدہم ١٢ — آیت ٤٦ تا ٤٩

قُلْ اَرَءَيْتُمْ اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ مَّنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ۭ اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ ﴿٤٦﴾ قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً اَوْ جَهْرَةً هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿٤٧﴾ وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۚ فَمَنْ اٰمَنَ وَاَصْلَحَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٤٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا يَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿٤٩﴾

ترجمہ :- اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے ، اے لوگو! بتلاؤ اگر اللہ لے لے تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں اور مہریں لگا دے تمہارے دلوں پر ، تو کون ہے معبود اللہ کے سوا جو لائے تمہارے پاس اس چیز کو ، دیکھو! کس طرح ہم طرح طرح سے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں باتوں کو ، پھر یہ لوگ اعراض کرتے ہیں ﴿٤٦﴾ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے اے لوگو! تلاؤ اگر آجائے تمہارے پاس اللہ کا عذاب اچانک یا کھلے طور پر تو نہیں ہلاک کیے جائیں گے مگر وہ لوگ جو ظلم کرنے والے ہیں ﴿٤٧﴾ اور نہیں بھیجتے ہم رسولوں کو مگر خوشخبری سنانے

والے اور ڈرانے والے پس جو کوئی ایمان لایا اور اُس نے اصلاح کر لی ، پس نہیں ہے خوف اُن پر اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۴۸) اور وہ لوگ جنہوں نے جھٹلایا ہماری آیتوں کو پہنچے گا اُن کو عذاب اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کیا کرتے تھے (۴۹)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے تنبیہات کا ذکر فرمایا کہ اگر کسی فرد یا قوم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے گرفت آجائے تو اُس کا فرض ہے کہ ابتدائی پکڑ پر ہی توبہ کرے اللہ تعالیٰ کے سامنے گڑگڑائے ، عاجزی کرے اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کرے نہ کہ کسی بڑی افتاد کا منتظر رہے ۔ فرمایا معمولی تنبیہ پر ہی توبہ کر لینی چاہیئے تاکہ اللہ کے بڑے عذاب سے بچ جائے ۔ پھر جب اُس کی سخت گرفت آجاتی ہے تو پھر کون ہے جو اُس کے سوا مصیبت کو دور کر سکے ، اس ضمن میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ قوموں کا حال بھی بیان فرمایا کہ ہم نے انہیں معاشی اور جسمانی تنگی میں مبتلا کیا تاکہ وہ گڑگڑا کر اللہ تعالیٰ سے معافی مانگ لیں ، مگر انہوں نے ایسا نہ کیا ۔ پھر اُن پر خوشحالی کا دور ڈال دیا ۔ اُن پر عیش وعشرت کے دروازے کھول دیے ، اُن کے لیے ہر چیز کی فراوانی ہو گئی ، پھر جب وہ سرکشی میں بڑھتے چلے گئے تو ہماری گرفت اچانک آئی اور اُس قوم کو نیست و نابود کر کے رکھ دیا ۔

کان ، آنکھ اور دل

آج کے درس میں بھی تنبیہات کا ذکر ہی چل رہا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے بعض مثالوں کے ذریعے انسانوں کو خبردار کیا ہے کہ وہ بُرے افعال سے باز آجائیں ۔ ورنہ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی کسی بڑے عذاب میں گرفتار ہو جائیں ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر ! آپ کہہ دیجئے ۔ اَرَءَيْتُمْ یہ بتلاؤ ۔ عربی زبان میں یہ لفظ اَخْبِرُنِیْ کا معنیٰ دیتا ہے ۔ یعنی اس بات سے آگاہ کرو اِنْ اَخَذَ اللّٰهُ سَمْعَكُمْ وَاَبْصَارَكُمْ اگر اللہ تعالیٰ چھین لے تمہارے کان اور تمہاری آنکھیں وَخَتَمَ عَلٰى قُلُوْبِكُمْ اور مہریں لگا دے تمہارے دلوں پر مَنْ اِلٰهٌ غَيْرُ اللّٰهِ يَاْتِيْكُمْ بِهٖ ؕ

تو اللہ کے سوا کون الٰہ ہے جو اِن چیزوں کو واپس لا سکے۔ اِن عظیم نعمتوں کا خالق اللہ تعالیٰ ہے۔ اسی نے تمہیں یہ عطا کی ہیں، پھر اگر وہی ان کو واپس لے لے، تو ایسی کون سی طاقت ہے جو تمہیں یہ چیزیں واپس دلا سکے

انسانی جسم میں حواسِ ظاہرہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے آنکھیں اور کان انسان کے ذرائع علم ہیں۔ اِن کے بغیر انسان کی کوئی زندگی نہیں۔ آنکھوں کے کے ذریعے انسان دیکھتا ہے، اور ظاہر ہے کہ جب تک کوئی چیز نظر نہیں آتی اُس سے کماحقہٗ استفادہ حاصل نہیں کیا جا سکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ آنکھ ہے تو جہاں ہے۔ زندگی کا لطف بینائی کے ساتھ ہی ہے، اگر آنکھیں نہیں ہیں تو پوری دنیا گھپ اندھیر ہے۔ اِسی طرح سے کانوں کی بھی بڑی اہمیت ہے۔ کان کے ذریعے ہی انسان معلومات حاصل کرتا ہے اور پھر انہیں قلب تک رسائی حاصل ہوتی ہے۔ کان اور آنکھ کے بعد تیسری چیز دِل ہے۔ دِل ہی انسان کا مرکزِ حیات اور مرکزِ اخلاق ہے۔ اچھے یا بُرے تمام اخلاق دِل ہی میں راسخ ہوتے ہیں کسی چیز پر عمل کرنے کا عزم دِل ہی سے پیدا ہوتا ہے، اور پھر انسان وہ کام کر گذرتا ہے۔ غرضیکہ یہ تینوں چیزیں انسان کے لیے ذرائع علم و عمل ہیں اور ان کے متعلق ہر شخص جواب دہ ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل اور دیگر مقامات پر آتا ہے "اِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ اُولٰٓئِكَ كَانَ عَنْهُ مَسْئُوْلًا" بیشک کان، آنکھ اور دل کے بارے میں قیامت کے دن سوال کیا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ ہر انسان سے پوچھیں گے ہم نے تمہیں یہ یہ گرانقدر نعمتیں عطا کی تھیں۔ تم نے اِن سے کہاں تک فائدہ اٹھایا کان سے نیکی کی باتیں، وعظ و نصیحت اور کلام الٰہی سنا یا فحش گانے اور باجے گاجے ہی سنتے رہے تم نے آنکھ سے عجائبات قدرت کا نظارہ کیا، والدین اور بزرگوں کو محبت کی نگاہ سے دیکھا، قرآن پاک

کی تلاوت کی یا گندی اور فحش فلمیں دیکھتے رہے، تصویر سازی کا نظارہ کرتے رہے یا نامحرم عورتوں کے تعاقب میں رہے۔ فرمایا دل کے متعلق بھی باز پرس ہوگی کہ اس میں نیکی کو جگہ دی یا برائی کو۔ احکام الٰہی کی تعمیل، غربا و مساکین کی اعانت اعلائے کلمۃ اللہ کے منصوبے بنتے رہے یا لوٹ مار اور غارت گری عیاشی اور فحاشی پر مائل ہوتا رہا۔ اِن سب باتوں کے متعلق سوال ہوگا۔

آنکھ کی پیچیدہ ساخت

انسانی آنکھ اللہ تعالیٰ کی بیش قیمت نعمت ہے۔ تمام رنگوں کا امتیاز آنکھ ہی کا مرہونِ منت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آنکھ کے ڈھیلے میں اپنی قدرت کے حیرت انگیز مناظر بند کر دیے ہیں۔ اِس ڈھیلے میں رطوبت بھری رہتی ہے پُتلی بالکل شفاف ہوتی ہے، جب یہ گدلی ہو جاتی ہے تو موتیا بن جاتا ہے۔ جسے آپریشن کے ذریعے نکالنا پڑتا ہے۔ انسانی جسم کے اس نازک عضو پر بقراط کے زمانہ سے تحقیق ہو رہی ہے اور اب جدید سائنس نے تو اس کے تمام پوشیدہ گوشوں کو بے نقاب کر دیا ہے۔ شیشے جیسا نازک اور شفاف ڈھیلہ ایک خول میں بند ہے اس کی حفاظت کے لیے قدرت نے چہرے پر دو گڑھے بنا دیے ہیں جن کے اندر یہ دونوں ڈھیلے رکھ دیے گیے ہیں تاکہ کسی بھی بیرونی چوٹ سے محفوظ رہ سکیں۔ سامنے جو سوراخ نظر آتا ہے اس کے پیچھے اللہ تعالےٰ نے حکمت کے عجیب و غریب کارخانے لگا رکھے ہیں۔ سامنے دیوار کے پیچھے اعصاب کا جال بچھا ہوا ہے۔ آنکھ میں پڑنے والا ہر عکس ڈھیلے کی شفاف رطوبت سے گزر کر اعصاب کے جال سے جا ٹکراتا ہے۔ وہ اُس عکس کو مجمع نور تک پہنچاتا ہے۔ یہ مجمع نور آنکھ کے اُوپر صلیب نما شکل میں دائیں آنکھ کا بائیں طرف اور بائیں کا دائیں طرف بنا ہوا ہے۔ جب کسی چیز کا عکس مجمع نور تک پہنچتا ہے تو وہ اُسے پیچھے کی طرف حِس مشترک کی سکرین پر ڈال دیتا ہے، جو اُسے قوتِ عاقلہ کے سامنے پیش کر دیتی ہے۔ چنانچہ عقل فوراً فیصلہ کرتی ہے کہ رنگ سُرخ ہے یا سبز ہے، سفید یا نیلا ہے۔ آنکھ

جیسی قیمتی متاع کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ میں جس شخص کی دو پیاری پیاری آنکھیں لے جاؤں، اُسے چاہیئے کہ صبر کرے اور مجھ سے ثواب طلب کرے۔ ایسے شخص کو میں جنت تک پہنچائے بغیر کسی چیز پر راضی نہیں ہوں گا۔ ایسے موقع پر صبر لازم ہے ورنہ کچھ حاصل نہیں ہو گا۔

کان کی عجیب ساخت

انسانی کان کی ساخت بھی خدا تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ساتھ نہایت عجیب و غریب بنائی ہے۔ کان کے بیرونی حصہ میں پیچ و خم اور چنٹیں رکھ دی ہیں تاکہ باہر کی تیز ہوا کان میں براہ راست داخل ہو کر اس کے نازک نظام سماعت کو خراب نہ کر دے۔ اس کی پیچدار ساخت کی وجہ سے ہوا کی لہریں کان کے سوراخ میں گھومتی ہوئی آہستہ آہستہ داخل ہوتی ہیں۔ کان کے اندرونی حصے میں سوراخ کے اختتام پر ایک ڈھول سا بنا ہوا ہے جس کے اوپر ایک تختہ سا ہے۔ باہر سے آنے والی آواز اس تختے کے ساتھ ٹکراتی ہے۔ تختے کے پیچھے رطوبت سے بھرا ہوا حوض ہے۔ آواز کے ٹکرانے سے رطوبت میں لہریں پیدا ہوتی ہیں۔ جہاں حوض ختم ہوتا ہے وہاں ہر کان میں اعصاب کے کم و بیش تین ہزار ٹیلیفون ہیں۔ ہر ٹیلیفون اپنی استعداد کے مطابق بولی جانے والی آواز مثلاً نرم، سخت، کرخت، آہستہ، زور دار وغیرہ کو وصول کرتا ہے اور پھر اُسے دماغ تک پہنچاتا ہے جو اُسے بتاتا ہے کہ یہ کس قسم کی آواز آئی ہے۔ اور پھر دماغ اس آواز کے جواب کے متعلق سوچتا ہے اور کسی فیصلے پر پہنچتا ہے۔

جائزہ استفادہ

غرضیکہ کان اور آنکھیں اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہیں۔ اسی لیے یہاں پھر فرمایا کہ اگر اللہ تعالیٰ تمہارے کان اور آنکھیں واپس لے لے اور تمہارے دلوں پر مہریں لگا کر انہیں بند کر دے، تو اللہ کے سوا کون معبود ہے جو ان کو واپس لا سکے۔ کان اور آنکھ کے ضائع ہونے کے کئی مشاہدات ہوتے رہتے ہیں معمولی سی چوٹ سے ان نازک اعضا میں موجود اللہ کی حکمت کے کارخانے درہم برہم ہو جاتے ہیں اور انسان سماعت یا بینائی سے محروم ہو جاتے ہیں

چشم زدن میں انسان سماعت کی رنگا رنگ چاشنی کھو بیٹھتا ہے یا اس کے لیے دنیا اندھیر ہو جاتی ہے۔ یا ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ بظاہر کان اور آنکھ میں کوئی خرابی واقع نہ ہو، اس کے باوجود اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو کوئی شخص ان اعضاء کے استفادہ سے محروم ہو سکتا ہے۔ بعض لوگ پیدائشی طور پر بہرے یا اندھے ہوتے ہیں وہ عمر بھر ان سے فائدہ نہیں اٹھا سکتے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کو اس کے حکم کے مطابق ہی بروئے کار لانا چاہیئے۔ اچھی چیزیں دیکھنی چاہئیں، اچھی باتیں سننی چاہئیں اور اچھے خیالات کو دل میں جگہ دینی چاہیئے۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ اگر ان عظیم نعمتوں سے کماحقہٗ فائدہ نہ اٹھایا تو اللہ تعالیٰ ان کو واپس لینے پر بھی قادر ہے۔

تعلیم کے طریقے

فرمایا اُنْظُرْ دیکھو! كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ ہم اپنی نشانیاں کیسے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں ثُمَّ هُمْ يَصْدِفُوْنَ پھر بھی یہ لوگ کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنی وحدانیت کے کبھی عقلی دلائل پیش کیے اور کبھی نقلی۔ کبھی نیکی کی طرف ترغیب دی ہے اور کبھی برائی سے ترہیب کے رنگ میں بات سمجھائی ہے کبھی کوئی بات مثال کے ذریعے بیان کی ہے اور کبھی گذشتہ قوموں کا حال بیان کر کے ڈرایا ہے مختلف انداز سے بات کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان کسی نہ کسی طریقے سے حقیقت کو پا لے فرمایا "تِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ" (الحشر) یہ مثالیں ہیں جو ہم لوگوں کے فہم کے لیے بیان کرتے ہیں۔ تاہم سمجھتے وہی لوگ ہیں جو عقل سے کام لیتے ہیں ورنہ اکثر لوگ اعراض ہی کرتے ہیں تو یہاں پہ اللہ تعالیٰ نے عقلی طور پہ یہ بات سمجھائی ہے کہ دیکھو اللہ تعالیٰ نے تمہیں کان، آنکھ اور دل جیسی عظیم نعمتیں عطا فرمائی ہیں، لہٰذا ان سے فائدہ اٹھاؤ اگر خدا تعالیٰ ان کو چھین لے گا تو پھر کوئی واپس لوٹانے والا نہیں ہوگا۔

ظالموں کی ہلاکت

فرمایا قُلْ اے پیغمبر علیہ السلام! آپ ان سے کہہ دیں اَرَءَيْتَكُمْ

اِنْ اَتٰىكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ بَغْتَةً" اگر اِن کے پاس اللہ کا عذاب اچانک آجائے اور اچانک کا مطلب یہ ہے کہ پہلے سے اسکی کوئی نشانی نہ ظاہر کی گئی یا کوئی تنبیہ نہ آئی ہو، فرمایا یکدم عذاب آجائے۔ اَوْ جَهْرَةً یا کُھلے طور پہ آئے یعنی عذاب کے آنے کی پہلے سے کوئی علامت ظاہر ہو چکی ہو۔ فرمایا دونوں صورتوں میں یعنی خواہ اللہ کا عذاب اچانک آجائے یا وارننگ دے کر آئے هَلْ يُهْلَكُ اِلَّا الْقَوْمُ الظّٰلِمُوْنَ تو بتاؤ ظالموں کے علاوہ کون ہلاک ہوگا۔ مقصد یہ کہ عذاب بہرصورت ظالم لوگوں کے مقدر میں ہی ہوتا ہے وہی اس میں مبتلا ہوتے ہیں۔

بسا اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مجموعی طور پہ عذاب آتا ہے تو اس میں نیک و بد سب گرفتار ہو جاتے ہیں جیسے سیلاب آجائے زلزلہ آجائے، آسمانی بجلی گرے، کوئی مہلک بیماری پھیل جائے تو اُس کا نشانہ ہر قسم کے لوگ بن جاتے ہیں۔ اور اس میں اطاعت گزاروں اور نافرمانوں کی تمیز باقی نہیں رہتی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس اشکال کو اس طرح حل فرمایا ہے ثُمَّ يُبْعَثُوْنَ عَلٰٓى اَعْمَالِهِمْ اَوْ نِيَّاتِهِمْ فرمایا برزخ اور آخرت میں سب لوگ اپنے اعمال اور نیت کے مطابق اٹھائے جائیں گے۔ اگرچہ وہ دنیا میں کسی آفت کا شکار ہو چکے ہوں مگر ان کے ساتھ آخرت کا معاملہ ان کے عمل اور نیت کی بنیاد پر طے ہوگا۔ وہاں اچھے لوگ کسی سزا میں مبتلا نہیں ہوں گے، برخلاف اس کے ابدی عذاب کے مستحق ظالم لوگ ہی ہوں گے۔

مقصدِ رسالت

باقی رہا مکذبین کا یہ مطالبہ "لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ" کہ پیغمبر خدا پہ اُن کی پسند کی نشانی کیوں نہیں نازل ہوتی۔ تو اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ یعنی ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ مگر بشارت سنانے والے اور

ڈرانے والے ہر مطلب یہ کہ ہمارے انبیاء کی بعثت کا مقصد نشانیاں ظاہر کرنا نہیں بلکہ نیکی کرنے والوں کو خوشخبری سنانا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے اجرِ عظیم تیار رکھا ہے اور نافرمانوں کو ان کی قبیح حرکات سے ڈرانا ہے "تاہم جب کبھی اللہ تعالےٰ کی مشیت ہو، وہ کوئی نشانی نبی کے ہاتھ پر ظاہر کر دیتا ہے۔ یہ اس کی مصلحت پر موقوف ہے محض معجزات پیش کرنا نبی کا کام نہیں ہوتا۔ وہ تو اچھائی اور برائی کی تمیز سکھاتا ہے اور پھر اس کے مطابق لوگوں کی تربیت کرتا ہے۔

ایمان اور اصلاحِ نفس

فرمایا نبی کی تعلیم و تربیت سے فیض یاب ہو کر فَمَنْ اٰمَنَ جو شخص ایمان لے آیا۔ اس نے اللہ تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، اس کے انبیاء، کتب اور یوم آخرت کو تسلیم کر لیا۔ اور اس کے ساتھ ساتھ وَاَصْلَحَ اپنے آپ کو سنوار لیا، اپنی اصلاح کر لی، اعمالِ خیر کو اختیار کر لیا اور اعمالِ شر سے بچ گیا، اپنی ذمہ داریوں کو محسوس کیا، دوسرے کے حقوق کو پہچان لیا۔ اگر کسی کا حق تلف ہوا ہے تو اس کو ادا کیا یا معاف کرا لیا، ایسے لوگوں کے متعلق فرمایا فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ نہ تو انہیں اللہ کی طرف سے بازپرس اور گرفت کا خوف ہو گا اور نہ وہ غمگین ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ جو شخص ایمان قبول کرنے کے بعد اپنی اصلاح بھی کرے گا۔ اُسے اطمینان حاصل ہو جائے گا اور وہ اپنے سابقہ اعمال پر نادم نہیں ہو گا۔ برخلاف اس کے جو نہ ایمان لایا اور نہ اپنی اصلاح کی اس کے متعلق تو سابقہ آیات میں گزر چکا ہے کہ وہ کہے گا۔ "يٰحَسْرَتَنَا عَلٰى مَا فَرَّطْنَا" افسوس میں نے اللہ کی دی ہوئی مہلت سے فائدہ نہ اٹھایا بلکہ اُلٹا جزائے عمل کو جھٹلاتا رہا اور اس کے ساتھ ٹھٹھا کرتا رہا۔ بہرحال فرمایا کہ جو شخص ایمان لایا اور اس نے اصلاحِ نفس بھی کر لیا اُسے نہ تو سابقہ اعمال پہ افسوس ہو گا اور نہ مستقبل کی فکر ہو گی۔

مکذبین کے لیے سزا

فرمایا وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا جنہوں نے ہماری آیتوں

کو جھٹلایا۔ آیات میں تکوینی، تنزیلی اور تشریعی تمام آیات شامل ہیں۔ نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہونے والے معجزات اور گردوپیش میں پھیلی ہوئی دیگر نشانیوں کا انکار بھی اسی تکذیب میں آتا ہے۔ تو جس نے ہماری آیتوں خاص طور پر ہماری نازل کردہ آیات کو جھٹلایا یَمَسُّهُمُ الْعَذَابُ یقیناً اُن کو عذاب چھوئے گا، وہ سزا کے مستحق ہوں گے بِمَا كَانُوا يَفْسُقُونَ اس وجہ سے کہ وہ نافرمانی کرتے تھے۔ اگر نافرمانی عقیدے میں ہو تو انسان کافر اور مشرک ہو جاتا ہے۔ اور اعمال میں خرابی ہے تو وہ بھی فاسق ہے مگر کم درجے کا۔ بہر حال چھوٹے سے چھوٹے اور بڑے سے بڑے گناہ پر فسق کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ دراصل فسق کا لغوی معنیٰ اطاعت سے باہر نکل جانا ہے۔ امام بیضاویؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ جب کسی پھل وغیرہ کی گٹھلی اُس سے باہر آجاتی ہے تو کہتے ہیں فسقت النویٰ اسی طرح جب کوئی شخص ایمان، نیکی اور اطاعت سے باہر نکل جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ یہ شخص فاسق ہو گیا ہے۔ یعنی فسق کا معنیٰ خروج عن الاطاعۃ (اطاعت سے باہر نکل جانا) ہے۔ تو فرمایا جنہوں نے ہماری آیات کی تکذیب کی وہ اپنے فسق کی وجہ سے عذاب کے مستحق ہوں گے۔

درس پنزدہم ۱۳ — آیت ۵۰ تا ۵۱

قُلْ لَّآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِىْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ وَلَآ اَعْلَمُ الْغَيْبَ وَلَآ اَقُوْلُ لَكُمْ اِنِّىْ مَلَكٌ ۚ اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا يُوْحٰٓى اِلَىَّ ۗ قُلْ هَلْ يَسْتَوِى الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۗ اَفَلَا تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِىٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾

ترجمہ :- اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے، اے لوگو! میں نہیں کہتا تم سے کہ میرے پاس اللہ کے خزانے ہیں۔ اور میں نہیں جانتا غیب، اور میں نہیں کہتا تم سے کہ میں فرشتہ ہوں۔ میں نہیں پیروی کرتا مگر اُس چیز کی جو میری طرف وحی کی جاتی ہے۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے، کیا برابر ہے اندھا اور دیکھنے والا، کیا تم غور و فکر نہیں کرتے ﴿۵۰﴾ ڈرا دیں آپ اس (قرآن) کے ذریعے ان لوگوں کو جو خوف کھاتے ہیں کہ اُن کو اکٹھا کیا جائیگا اُن کے رب کے پاس نہیں ہو گا اُن کے لیے اس کے سوا کوئی کارساز اور نہ کوئی سفارش کرنے والا، تاکہ یہ لوگ بچ جائیں ﴿۵۱﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں بیان ہو چکا ہے کہ مشرکین حضور علیہ السلام سے نشانیاں طلب کرتے تھے اور کہتے تھے "لَوْلَا نُزِّلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ"

یعنی مدعی رسالت کو ہماری مرضی کے مطابق نشانی ظاہر کرنی چاہیئے جس کو دیکھ کر ہم ایمان لائیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس سوال کا جواب بھی دیا کہ اللہ تعالےٰ ہر قسم کی نشانی ظاہر کرنے پر قادر ہے مگر یہی لوگ علم سے بے بہرہ ہیں۔ ان کو پتہ ہونا چاہیئے کہ اگر اپنی فرمائش حاصل کرنے کے بعد بھی وہ ایمان نہ لائے تو اللہ تعالیٰ فوری طور پر سزا میں مبتلا کر سکتا ہے اور پھر ایسے لوگوں کو مہلت بھی نہیں ملا کرتی۔ تاہم یہ بات اللہ تعالیٰ کی حکمت کے خلاف ہے کہ ہر مطلوبہ نشانی کو نازل فرما دے۔ البتہ وہ اپنی حکمت کے مطابق جونسی نشانی مناسب سمجھتا ہے اس کو ظاہر کر دیتا ہے۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے تمام انبیاء اور رسل کی حیثیت کو واضح فرمایا "وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ" ہم نہیں بھیجتے رسولوں کو مگر خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے۔ پھر یہ بھی واضح کیا کہ جو شخص ایمان لائیگا اور اپنی اصلاح کر لے گا نیکی کو اختیار کریگا۔ برائی سے بچ جائے گا، ایسے لوگوں پر نہ خوف مسلط ہو گا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ اس کے برخلاف جو لوگ ہماری آیات کو جھٹلائیں گے، انہیں ان کی نافرمانی کی وجہ سے عذاب پہنچے گا۔ بہرحال فرمایا کہ نشانیاں پیش کرنا رسولوں کے منصب میں داخل نہیں، البتہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے کسی رسول کے ہاتھ پر کوئی نشانی ظاہر فرما دیتا ہے۔

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت و رسالت کی مزید وضاحت فرمائی ہے کہ نبی اور رسول الوہیت کا دعویٰ نہیں کرتے اور نہ ہی فرمائش پوری کرنا ان کی ذمہ داری ہوتی ہے، بلکہ ہر نبی وہی بات کہتا ہے جو حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں کہلوائی ہے ہر نبی اعلان کرتا ہے کہ نہ تو وہ الوہیت کا دعویدار ہے اور نہ ہی کسی خدائی صفت سے متصف ہے۔

خزانوں کا مالک اللہ ہے

ارشاد ہوتا ہے۔ قُلْ (اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ اے لوگو!) لَآ اَقُوْلُ لَكُمْ عِنْدِیْ خَزَآئِنُ اللّٰهِ میں تم سے یہ نہیں کہتا کہ میرے پاس اللہ تعالیٰ کے خزانے ہیں۔ کہ جس کو چاہوں دے دوں اور جس کو چاہوں محروم کر دوں، یہ میرے اختیار میں ہرگز نہیں کہ کسی کو دولت مند بنا دوں اور کسی کو قلاش کر دوں۔ ایسا کہنا تو صریحاً کفر اور شرک ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے اس کی نفی کرا دی۔ دوسری جگہ پر موجود ہے کہ تمام قسم کے خزانے اللہ جل جلالہ کے پاس ہیں، وہ جس کو چاہے عطا کر دے اور جس سے چاہے چھین لے سورۃ حجر میں فرمایا "وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَآئِنُهٗ وَمَا نُنَزِّلُهٗٓ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ" ہر چیز کے خزانے اُس کے پاس ہیں۔ اور وہ اپنی حکمت مصلحت اور اندازے کے مطابق جتنا چاہتا ہے نازل فرماتا ہے۔ خزانہ پانی کا ہو یا ہواؤں کا، اس کی رحمت کا ہو زحمت کا، سب اسی کے تصرف میں ہیں، لہٰذا پیغمبر کو خزانوں کا مالک سمجھنا منصب نبوت کے خلاف ہے۔

غیب دان صرف اللہ ہے

اس آیت کریمہ میں جو دوسری چیز نبی علیہ السلام کی زبان سے کہلوائی گئی ہے وہ ہے وَلَآ اَعْلَمُ الْغَیْبَ اور میں غیب بھی نہیں جانتا یہ میرے علم میں نہیں ہے کہ کسی کی موت کب واقع ہوگی یا قیامت کب آئیگی۔ غیب کیا ہے؟

امام بیضاویؒ فرماتے ہیں کہ عربی زبان میں غیب پست جگہ کو کہتے ہیں اور اس سے مراد مخفی یا پوشیدہ چیز ہوتی ہے۔ قرآن پاک میں یہ اللہ تعالیٰ کی صفت مختصہ بیان کی گئی ہے کہ وہ "عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ" (الحشر) یعنی تمام پوشیدہ اور ظاہر چیزوں کو جاننے والا ہے۔ غیب اور شہادت کی یہ اصطلاح مخلوق کی نسبت سے ہے، نہ کہ خالق کی نسبت سے۔ بعض چیزیں انسانوں کی نسبت سے اور بعض جنات کی نسبت سے غائب اور حاضر ہیں وگرنہ اللہ تعالیٰ کی نسبت سے کوئی چیز بھی غائب نہیں۔ امام بیضاویؒ

فرماتے ہیں کہ غائب وہ چیز ہے جسے نہ حواس سے، نہ عقل سے اور نہ کسی واسطے سے معلوم کیا جا سکے۔ جو چیزیں حواس ظاہرہ یا باطنہ، غور و فکر یا کسی دوسرے ذریعے سے معلوم ہوں، وہ غائب نہیں کہلاتیں، بہت سی نامعلوم چیزیں غور و فکر کرنے سے سمجھ میں آجاتی ہیں۔ یہ علم غیب نہیں ہے بعض چیزوں کو انسان ٹٹول کر، چکھ کر یا سونگھ کر معلوم کر لیتا ہے بعض چیزیں دوسروں کی وساطت سے معلوم ہو جاتی ہیں تو انہیں غیب کا علم نہیں کہہ سکتے۔ علم غیب صرف وہ ہے جو بغیر کسی واسطے کے حاصل ہو اور یہ صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔

انبیاء کے ذرائع علم

باقی رہی یہ بات کہ انبیاء علیہم السلام کو جو وسیع علم حاصل ہوتا ہے، اس کی کیا نوعیت ہے۔ فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ انبیائے کرام کو جو علم حاصل ہوتا ہے وہ یا تو وحی کے ذریعے ہوتا ہے یا الہام کے ذریعے۔ اسی طرح بعض اوقات اولیاء اللہ کو بھی الہام کے ذریعے بعض چیزوں کا علم ہو جاتا ہے۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا، چونکہ یہ چیزیں کسی واسطے کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔ اس لیے غیب کی تعریف میں نہیں آتیں بلکہ یہ چیزیں اخبار غیب یعنی غیب کی خبریں بن جاتی ہیں۔ قرآن پاک میں اس کی کئی مثالیں موجود ہیں۔ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعہ میں موجود ہے جب انہوں نے بیٹے کے لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے کہا ــــــ یہ تیرے اہل میں نہیں، تو وہاں پہ فرمایا تِلْكَ مِنْ اَنْۢبَآءِ الْغَیْبِ نُوْحِیْهَآ اِلَیْكَ" (ہود) یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم اپنے نبیوں کو وحی کے ذریعے بتلاتے ہیں ورنہ" وَمَا كُنْتَ تَعْلَمُهَآ" آپ نہیں جانتے تھے آپ وہاں حاضر تو نہیں تھے۔ ہر مقام پہ موجود ہونا تو اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، لہٰذا اس نے حضور علیہ السلام کی ہر جگہ موجودگی کی بھی نفی فرمائی۔ غیب تو اللہ تعالیٰ کا خاصہ ہے "قُلْ لَّا یَعْلَمُ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ الْغَیْبَ اِلَّا اللّٰهُ" (النمل) زمین و آسمان

کی کوئی مخلوق غیب نہیں جانتی سوائے اللہ تعالیٰ کے نہ کسی انسان کو علم غیب حاصل ہے اور نہ کسی مقرب فرشتے کو، مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ بات بالکل متفق اور صحیح ہے کہ انبیاء علیہم السلام غیب نہیں جانتے اِلَّا مَآ اَعْلَمَهُمُ اللّٰهُ و سوائے اس کے کہ جتنا اللہ تعالیٰ اُن کو سکھا دے، اور اس حقیقت میں بھی کوئی شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمام مخلوق میں انبیاء علیہم السلام کو سب سے زیادہ علم دیتا ہے اور پھر انبیاء اور رسل میں حضرت خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کو سب سے زیادہ علم دیا ہے، مگر وہ بھی علم محیط نہیں بلکہ خدا کے علم کی نسبت سے محدود ہے انبیاء اتنا ہی جانتے ہیں جتنا اللہ تعالیٰ بتلا دیتا ہے۔ "عٰلِمُ الْغَيْبِ فَلَا يُظْهِرُ عَلٰى غَيْبِهٖٓ اَحَدًا ۝ اِلَّا مَنِ ارْتَضٰى مِنْ رَّسُوْلٍ" (الجن) عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ کی ذات ہے وہ اپنے غیب کو کسی پر ظاہر نہیں کرتا مگر اپنے رسولوں میں سے جسے پسند کرتا ہے اُن پر وحی کے ذریعے نازل کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنا کلام اور احکام وحی کے ذریعے نازل فرماتا ہے۔ حظیرۃ القدس اور عالم بالا کی باتیں وحی کے ذریعے اپنے انبیاء کو بتاتا ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب "تفہیمات الٰہیہ" میں لکھتے ہیں کہ جو صفات اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ مختص ہیں، مخلوق سے اُن کی نفی کرنا ضروری ہے۔ مثلاً قدرتِ تامہ، علمِ محیط اور علمِ غیب صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ مختص ہے، لہٰذا باقی تمام مخلوق میں یہ چیزیں نہیں پائی جاتیں۔ انبیاء علیہم السلام نے سینکڑوں گذشتہ اور آنے والی باتوں کی خبر دی جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتلا دیا حضور علیہ السلام نے کروڑوں جزیات بتلا دیں۔ مگر یہ سب کچھ وحی الٰہی کے ذریعے علم ہوا، اس لیے اسے غیب نہیں کہا جا سکتا کیونکہ غیب وہ ہوتا ہے جو بغیر کسی واسطے کے حاصل ہو۔

شاہ عبدالقادرؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اعتقاد رکھے کہ فلاں آدمی کو ہر چیز

کا علم ہے، اُسے ہمارے حالات کا پتہ چل جاتا ہے، تو یہ شرک ہے کیونکہ ہر چیز کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ وحی اور الہام نبیوں کو ہوتا ہے۔ کشف اور الہام اولیاء اللہ کو بھی ہوتا ہے۔ شاہ اسماعیل شہیدؒ طبقات میں لکھتے ہیں۔ کہ کشف اور الہام گیارہ اقسام سے ہے مگر بہر حال کسی نہ کسی واسطے سے ہوتا ہے، لہٰذا اُسے علمِ غیب پر محمول نہیں کیا جا سکتا۔ تو اللہ نے اپنے پیغمبر آخرالزمان کی زبان سے کہلوایا کہ آپ کہہ دیں کہ میں غیب نہیں جانتا۔ وَلَآ اَقُوْلُ لَکُمْ اِنِّیْ مَلَکٌ اور میں نہیں کہتا تم سے کہ میں فرشتہ ہوں۔

اتباعِ وحی

فرمایا آپ صاف صاف اعلان فرما دیں اِنْ اَتَّبِعُ اِلَّا مَا یُوْحٰٓی اِلَیَّ میں تو اُسی چیز کی پیروی کرتا ہوں جو میری طرف وحی کی جاتی ہے یعنی میں بھی اللہ تعالیٰ کے احکام کا پابند ہوں۔ میں نہ تو فرشتہ ہوں جو کھانے پینے اور لوازماتِ بشریہ سے پاک ہوں اور نہ میں غیب دان ہوں بلکہ میں تو عبد ہوں اور اس حیثیت سے میرا فرض ہے کہ میں وحی الٰہی کا اتباع کروں۔ تو انبیاء علیہم السلام امتثالِ امرِ الٰہی میں کمال درجہ رکھتے ہیں۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں " در امتثالِ امرِ الٰہی بہ ہیئت وجہ تقصیر نہ کردہ اند" یعنی اللہ تعالیٰ کے حکم کی تعمیل میں اس کے ـــــ نبی کوئی کوتاہی نہیں کرتے۔ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ کسی نبی نے حکم الٰہی کی تعمیل میں کوتاہی کی وہ گمراہ ہوگیا۔ البتہ بعض اوقات انبیاء سے اجتہادی خطا سرزد ہو جاتی ہے۔ جب کوئی چیز وحی الٰہی کی عدم موجودگی میں اپنی صوابدید سے کرتے ہیں تو اس میں خطا کا احتمال ہوتا ہے اور اگر ایسا ہو جائے تو اللہ تعالیٰ بذریعہ وحی فوراً اس کی اصلاح کر دیتے ہیں۔ البتہ غیر نبی اگر کوئی اجتہادی غلطی کرے تو اس کے لیے یہ قانون نہیں ہے۔

اسی طرح خواب کی تعبیر میں بھی نبی سے غلطی ہو سکتی ہے۔ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے خواب میں کچھ دیکھا اُس کی تعبیر ایسی فرمائی جو حقیقت میں نہیں تھی۔ آپ نے اس طرح کا ذکر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے بھی کیا کہ جو کچھ میں نے دیکھا ہے اگر اسی طرح ہے تو پھر فلاں چیز یقیناً ہو کر رہے گی۔

تو معلوم ہوا کہ خواب میں نظر آنے والی چیزیں بعض اوقات اصلیت کے مطابق نہیں ہوتیں اور تعبیر میں خطا ہو سکتی ہے بہر حال عصمتِ انبیاء کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جان بوجھ کر حکمِ الٰہی میں کوتاہی نہیں کرتے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں اور نہ میں غیب جانتا ہوں اور نہ ہی میں اپنے آپ کو فرشتہ کہتا ہوں، بلکہ میرا فرضِ منصبی تو یہ ہے کہ میں وحی الٰہی کا اتباع کرتا ہوں

اندھا اور بینا

اس کے بعد فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں هَلْ يَسْتَوِي الْأَعْمَىٰ وَالْبَصِيرُ کیا اندھا اور بینا برابر ہو سکتے ہیں۔ مومن بینا ہے اور کافر اندھا، بھلا یہ دونوں کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ مومن کامل درجے کی بصیرت رکھتا ہے اور پھر نبی کو پوری نوعِ انسان میں کمال حاصل ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف کفر و شرک کا مرتکب اندھا ہے جو اندھیرے میں سرگرداں پھر رہا ہے حضور علیہ السلام نے ذکرِ الٰہی کرنے والے اور نہ کرنے والے کو حی اور میت سے تعبیر کیا ہے۔ "مَثَلُ الَّذِي يَذْكُرُ اللهَ كَمَثَلِ الْحَيِّ" جو آدمی اللہ کا ذکر کرتا ہے۔ اس کی مثال زندہ کی ہے اور جو ذکر نہیں کرتا وہ مردہ ہے۔ جو ہدایت کے راستے پر ہے وہ بصیر ہے اور جو گمراہی کے راستے پر ہے وہ اندھا ہے۔ اور اندھا اور بینا کبھی برابر نہیں ہو سکتے"۔
أَفَلَا تَتَفَكَّرُونَ تم غور و فکر کیوں نہیں کرتے۔ یہ اتنی واضح اور غیر مبہم چیز ہے کہ ذرا سا غور کرنے پر یہی حقیقت منکشف ہو جاتی ہے۔

فرمایا اے پیغمبر! وَأَنذِرْ بِهِ الَّذِينَ يَخَافُونَ أَن يُحْشَرُوا إِلَىٰ رَبِّهِمْ آپ ڈرائیں اس قرآن پاک کے ذریعے اُن لوگوں کو جو اللہ کے سامنے اکٹھے کیے جانے سے خوف کھاتے ہیں، جن کے دل میں معاد کا خوف ہو گا وہ فوراً ایمان لے آئیں گے اور اگلے جہان کی فکر میں لگ جائیں گے انہیں معلوم ہو جائے گا کہ انہیں آخرت میں محاسبے کے عمل

سے گزرنا ہے اور وہاں لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُونِهِ وَلِيٌّ اللہ کے سوا ان کا کوئی کارساز نہ ہوگا۔ وہاں ان کا کوئی حمائتی نہیں ہوگا جو انہیں عذاب الٰہی سے بچا سکے۔ دنیا میں لوگ کئی قسم کے سہارے ڈھونڈتے ہیں تاکہ کسی طرح افتاد سے بچ جائیں۔ بعض اوقات دھوکہ اور فریب بھی وقتی طور پر چل جاتا ہے مگر قیامت کے دِن اللہ کے سوا کوئی سہارا نہیں ہوگا۔ اس کے علاوہ وہاں کوئی کارساز نہیں ہوگا۔

مسئلہ سفارش

فرمایا اللہ کے سوا نہ کوئی کارساز ہوگا وَلَا شَفِيعٌ اور نہ ہی کوئی سفارش کرنے والا ہوگا۔ امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ اِس سفارش سے وہ سفارش مراد ہے جس کے قائل مشرکین ہیں جو کہتے ہیں کہ ہمارا پیر، بزرگ یا معبود ہر حال میں ہمیں قہر الٰہی سے چھڑا لیں گے۔ یہاں پر اسی جبری اور قہری سفارش کی نفی کی گئی ہے۔ البتہ جو سفارش فرشتے، انبیا اور نیک لوگ کریں گے وہ دوسری سفارش ہے اور وہ بِاِذْنِ اللّٰہِ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے "مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِإِذْنِهِ" (البقرہ) اس کی اجازت کے بغیر اس کے سامنے کوئی بھی سفارش کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گا۔ مگر یہودیوں کا اعتقاد یہ ہے کہ ہم جو چاہیں کرتے رہیں ہمیں حضرت ابراہیم علیہ السلام بچا لیں گے۔ وہ جنت کے دروازے پر کھڑے ہونگے اور ہر ختنہ شدہ اسرائیلی کو جہنم سے بچا کر جنت میں داخل کر دیں گے۔ یہی اعتقاد بعض لوگ اپنے پیروں کے متعلق رکھتے ہیں جو کہ قطعاً باطل ہے۔ یہ شرکیہ سفارش ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ موجود ہے۔ "وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ" (الانبیا) خدا تعالیٰ جس شخص پر راضی ہوگا، جس کا عقیدہ خدا تعالیٰ کو پسند ہوگا۔ جس کا ایمان صحیح ہوگا، سفارش کی اجازت اسی کو ملیگی۔ انبیاء اولیاء اور اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ سفارش کی اجازت دیں گے جو کامل الایمان آدمی اللہ کی

راہ میں شہید ہوتا ہے اس کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ ستر آدمیوں کی سفارش کرکے اللہ تعالیٰ سے بخشوا ئیگا۔ یہی اصل سفارش ہے جس کی اللہ تعالیٰ خود اجازت مرحمت فرمائیں گے۔

فرمایا آپ ان لوگوں کو اس قرآن پاک کے ذریعے ڈرا دیں کہ محاسبے کا وقت آنے والا ہے، اس سے پہلے پہلے اپنے ایمان کو درست کرلو لَعَلَّهُمْ يَتَّقُونَ تاکہ وہ اللہ کے عذاب سے بچ جائیں۔ اگر بات ان کی سمجھ میں آگئی تو پھر یہ بُرے اعتقاد اور معاصی سے بھی بچ جائیں گے۔ بلکہ شکوک و شبہات تک میں مبتلا نہیں ہوں گے ان کا ایمان بالکل راسخ ہو جائے گا اور وہ کامل درجے کے متقی بن جائیں گے۔ بہرحال موضوع یہی ہے کہ بنی نوع انسان کو برائی سے ہٹا کر نیکی پر لگایا جائے اور حد کمال تک پہنچایا جائے ان کی قوتِ فکریہ اور قوتِ عملی درست ہو جائے تاکہ یہ جہنم کے دائمی عذاب سے بچ جائیں۔

وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيْدُوْنَ وَجْهَهٗ ؕ مَا عَلَيْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَيْهِمْ مِّنْ شَيْءٍ فَتَطْرُدَهُمْ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۵۲﴾ وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ لِّيَقُوْلُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ مَنَّ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنْۢ بَيْنِنَا ؕ اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَعْلَمَ بِالشّٰكِرِيْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ ۙ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۵۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۵۵﴾ ع

ع ۶ ۱۲

ترجمہ :۔ اور نہ دھکیلیں آپ اُن لوگوں کو جو پکارتے ہیں اپنے رب کو صبح اور شام ، وہ چاہتے ہیں اُس کی رضا ۔ آپ پر اُن کا حساب نہیں ہے اور نہیں ہے ________ آپ کے حساب میں سے اُن پر کچھ ۔ پس آپ اُن کو دھکیل دیں تو ہو جائیں گے آپ ناانصافوں میں سے ﴿۵۲﴾ اور اسی طرح ہم نے آزمایا

ان میں سے بعض کو بعض کے ساتھ۔ تاکہ یہ (آسودہ حال لوگ) کہیں کہ کیا یہ لوگ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا ہے ہمارے درمیان سے۔ کیا نہیں ہے اللہ تعالیٰ خوب جانتا شکرگزاروں کو (۵۳) اور جب آئیں آپ کے پاس وہ لوگ جو ایمان رکھتے ہیں ہماری آیتوں پر، پس آپ کہہ دیں ان سے سلامتی ہو تم پر۔ لکھ دیا ہے تمہارے رب نے اپنے اُوپر رحمت کو۔ بیشک تم میں سے جو شخص کوئی برائی کریگا نادانی کے ساتھ، پھر وہ توبہ کریگا اسی کے بعد اور اصلاح کرلے گا، پس اللہ تعالیٰ بخشنے والا اور مہربان ہے (۵۴) اور اسی طرح ہم تفصیل سے بیان کرتے ہیں آیتیں تاکہ واضح ہو جائے مجرموں کا راستہ (۵۵)

ربطِ آیات

پہلے اللہ تعالیٰ نے منصب نبوت و رسالت کو بیان فرمایا اور اپنی مرضی کی نشانیاں طلب کرنے والے لوگوں کا ردّ کیا۔ فرمایا اللہ تعالیٰ قادر ہے وہ ہر نشانی ظاہر کرسکتا ہے مگر ایسا بیہودہ مطالبہ کرنے والے ہی بے سمجھ ہیں۔ جو لوگ مطلوبہ نشانی دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں تو پھر اللہ تعالیٰ کا انتقام بھی بڑا سخت ہے وہ نافرمان قوم کو فوراً سزا میں مبتلا کردیتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ نبی تو مبشر اور منذر ہوتے ہیں، معجزات ظاہر کرنا اُن کے فرائض میں داخل نہیں ہوتا۔ پھر اللہ نے سیّد المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا کہ آپ لوگوں کے سامنے واضح کردیں کہ میرے پاس اللہ کے خزانے نہیں ہیں، نہ میں غیب دان ہوں اور نہ میں فرشتہ ہونے کا دعویٰ کرتا ہوں۔ میں تو اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں۔ مجھ پر جو وحی نازل ہوتی ہے میں اُسی کا اتباع کرتا ہوں۔ جب حضور علیہ السلام نے خود اپنے متعلق اِن امور کی نفی فرمادی تو پھر دوسرے شخص کو یہ حق کیسے پہنچتا ہے کہ وہ خزانوں کا مالک

ہو یا غیب کی باتیں جانتا ہو۔ غیب کا علم تو اللہ تعالیٰ کی صفات مخصوصہ میں سے ہے۔ اس کے علاوہ مشرکین حضور علیہ السلام کے انسانی تعلقات پر بھی اعتراض کرتے تھے کہ یہ کھاتا پیتا ہے، اس کے بیوی بچے ہیں۔ بازار سے سودا سلف لاتا ہے۔ تو حضور نے فرمایا کہ میں کوئی فرشتہ تو نہیں ہوں جو ان چیزوں سے مبرا ہوں میں تو انسان ہوں اور باقی انسانوں کی طرح تمام لوازمات بشریہ مجھ میں بھی پائے جاتے ہیں۔ اور یہ چیز منصب نبوت ورسالت کے ہرگز منافی نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں میں سے ہی انبیاء کو منتخب کرتا ہے، اُن کو اعلیٰ اخلاق عطا کرتا ہے اور پھر انہیں دوسروں کے لیے نمونہ بناتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے انبیاء معصوم ہوتے ہیں۔ انہیں اس بات کی گارنٹی حاصل ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ اُن سے کوئی برائی سرزد نہیں ہونے دیتا۔ وہ پاک ہوتے ہیں اور وحی الٰہی کا پورے طریقے سے اتباع کرتے ہیں۔

امیر و غریب کا فرق

مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ مکہ کے آسودہ حال مشرکین حضور علیہ السلام پر یہ اعتراض بھی کرتے تھے۔ کہ آپ کے اردگرد غریب اور کمتر حیثیت کے لوگ جمع رہتے ہیں، اس لیے ہم آپ کی مجلس میں شریک نہیں ہوتے۔ اُن کے مطابق ایسی مجلس میں جانا اُن کی توہین کے مترادف تھا، لہٰذا اُن کا مطالبہ یہ تھا کہ ہم آپ کی بات سننے کے لیے اُس وقت آپ کے پاس آسکتے ہیں جب آپ صہیبؓ، عمارؓ، اور عبداللہ بن مسعودؓ جیسے نادار لوگوں کو اپنی مجلس سے اٹھا دیا کریں۔

بڑے چھوٹے، امیر غریب اور آقا غلام کی تفریق صرف مشرکین عرب میں ہی نہیں بلکہ پہلے انبیاء کے زمانہ میں بھی موجود تھی۔ چنانچہ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کے لوگ بھی آپ سے یہی کہتے تھے۔ کہ آپ کا اتباع کرنے والے اَرَاذِلُنَا بَادِیَ الرَّاْیِ ہم میں سے رذیل لوگ ہیں۔ حقیر اور معمولی حیثیت کے مالک ہیں اور ان کی رائے کی بھی کوئی حیثیت نہیں، لہٰذا

ہم اُن کی ہم نشینی اختیار نہیں کر سکتے۔ ہم تو اُن لوگوں کے ساتھ مِل کر بیٹھنے کو تیار ہیں جو صاحبِ حیثیت ہوں، اپنی قوم کے سردار ہوں، جن کے پاس لوکہ چاکہ ہوں، بڑی بڑی بلڈنگوں کے مالک ہوں، تمہارے پیچھے لگنے والے تو سری ری راستے کے لوگ ہیں، ہم ان کے ساتھ کیسے اکٹھے بیٹھ سکتے ہیں۔ اسی طرح ہود علیہ السلام اور صالح علیہ السلام کی قوموں نے بھی اپنے انبیاء کو یہی جواب دیا۔ پھر موسیٰ علیہ السلام کے واقعات تو زبانِ زدِ عام ہیں۔ فرعون اس قدر مغرور تھا کہ وہ خود موسیٰ علیہ السلام کو حقیر جانتا تھا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں نمرود بھی اسی باطل زعم میں مبتلا تھا۔ بہرحال حضور علیہ السلام کے اپنے زمانہ میں اور اس سے پہلے بھی ہر دور میں امراء نے اپنے آپ کو اعلیٰ وارفع مخلوق سمجھ کر چھوٹے درجے کے لوگوں سے میل ملاپ ترک کر رکھا تھا۔

اہل اللہ کی قدردانی

بہرحال مشرکینِ مکہ کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا جب ہم آپ کے پاس آئیں تو ان چھوٹے لوگوں کو مجلس سے اٹھا دیا کریں۔

مفسرین کرام بیان کرتے ہیں کہ حضور علیہ السلام زیادہ سے زیادہ لوگوں کے ایمان لانے پر بہت حریص تھے، اس لیے کسی وقت آپ کے دِل میں یہ خیال بھی آیا کہ اپنے تو اپنے ہی ہیں اگر دوسرے لوگوں کو تبلیغ کرنے کی خاطر ان کو تھوڑی دیر کے لیے مجلس سے علیحدہ بھی کر دیا جائے تو ہو سکتا ہے کہ بڑے بڑے رؤسا ایمان لے آئیں اور ان کے پیچھے اور بھی بہت سے لوگ آ جائیں اور اس طرح دین کو تقویت حاصل ہو جائے، مگر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو ایسا کرنے کی اجازت نہ دی اور فرمایا وَلَا تَطْرُدِ الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ رَبَّهُمْ بِالْغَدٰوةِ وَالْعَشِيِّ آپ اُن لوگوں کو نہ دھکیلیں یعنی اپنے آپ سے دور نہ کریں جو صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت

پر انکا مکمل ایمان ہے اور وہ نہایت خلوص کے ساتھ اپنے رب کی عبادت کرتے ہیں۔ اور اِن کا مطمع نظر یہ ہوتا ہے یُرِیْدُوْنَ وَجْهَهٗ ط کہ وہ اپنے رب کے چہرے کے طالب ہوتے ہیں یعنی اس کی رضا چاہتے ہیں، صبح شام پکارنے سے اُن کی یہی مراد ہوتی ہے۔ بعض مفسرین نے وَجْهَهٗ کو ظاہر پر محمول کیا ہے اور اس طرح مطلب یہ بنتا ہے کہ وہ لوگ اللہ تعالیٰ کے دیدار کے طالب ہیں جو کہ سب سے اعلیٰ درجے کی بات ہے لہذا آپ ایسے لوگوں کو اپنی مجلس سے محروم نہ کریں۔

طرد کا معنیٰ ہانک دینا یا دھکیل دینا ہوتا ہے اور طراد لڑائی کو بھی کہتے ہیں کہ اس کے ذریعے مدمقابل ایک دوسرے کو دھکیلتے ہیں۔ عربی شاعر کہتا ہے

قالوا الطراد فقلنا تلك عادتنا۔ او تنزلون فانا معشر نزل

دشمنوں نے کہا ہم تو طراد یعنی جنگ کرنا چاہتے ہیں تو ہم نے کہا یہ تو ہماری عادت ہے۔ اگر نیچے اُتر کر مقابلہ کرنا چاہتے ہو۔ تو ہم بھی تلوار چلانا جانتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو فرمایا کہ آپ اپنے سچے ساتھیوں کو دُور ہٹانے کا نہ سوچیں کیونکہ مَا عَلَیْكَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ آپ پر ان کے حساب کے متعلق کوئی ذمہ داری نہیں ہے اِن کا حساب تو خود اللہ تعالیٰ لے گا کہ یہ لوگ اُس کے ہاں کس حیثیت اور مرتبے کے لوگ ہیں فرمایا وَمَا مِنْ حِسَابِكَ عَلَیْهِمْ مِّنْ شَیْءٍ اور نہ آپ کا حساب ان سے لیا جائے گا۔ ہر نفس کو اپنا حساب خود پیش کرنا ہو گا۔ یہ کسی دوسرے کی ذمہ داری نہیں ہو گی۔ یہ تو اللہ تعالیٰ خود فیصلہ کرے گا کہ کون کس قدر کامل الایمان ہے۔ لہذا آپ اِن کو علیحدہ نہ کریں فَتَطْرُدَهُمْ اور آپ نے ایسا کیا۔ ان ایمانداروں کو ہٹا دیا۔ فَتَكُوْنَ مِنَ الظّٰلِمِیْنَ تو یقیناً آپ ناانصافوں میں سے ہوں گے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے سختی سے منع فرما دیا۔ کہ بڑے لوگ ایمان لائیں

یا نہ لائیں آپ ان کم تر لوگوں کو اپنی مجلس سے محروم نہ کریں۔

مال و منصب سے محبت

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے کہ حُبّ مال اور حُبّ منصب دو ایسی بیماریاں ہیں جو ایمان قبول کرنے میں ہمیشہ مانع رہی ہیں۔ حب جاہ و منصب اس وجہ سے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے نبی پہ ایمان لاکر اپنی چودھراہٹ کو چھوڑنا پڑتا ہے۔ جو لوگ اپنی خود ساختہ بڑائی کو قربان کر کے مساوات کی سطح پر نہیں آنا چاہتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ یہ لوگ ہم سے کم تر حیثیت رکھتے ہیں لہذا ہمارے ساتھ کیسے اکٹھے بیٹھ سکتے ہیں۔ اس طرح بڑے اور چھوٹے میں فرق کیا رہ گیا۔ اسی طرح مال و دولت کی محبت بھی انسان کو خود غرضی کے راستے پر ڈال دیتی ہے۔ چنانچہ مال و دولت کی حد سے زیادہ محبت کو شریعت میں ناجائز قرار دیا گیا ہے۔ سورۃ فجر میں موجود ہے "تُحِبُّوْنَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا" تم جی بھر کر مال سے محبت کرتے ہو۔ یہ محبت تمہیں تباہ کر کے چھوڑے گی۔

مساکین سے محبت

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو غرباء و مساکین سے بڑی محبت تھی۔ آپ نے کبھی اُن کو خود سے علیحدہ نہیں کیا بلکہ ہمیشہ اِن کے درمیان رہنے کو پسند فرمایا چنانچہ آپ دعا کیا کرتے تھے اَللّٰھُمَّ اَحْیِنِیْ مِسْکِیْنًا وَّ اَمِتْنِیْ مِسْکِیْنًا وَاحْشُرْنِیْ فِیْ زُمْرَۃِ الْمَسٰکِیْنَ اے اللہ! مجھے زندہ رکھ تو مساکین کے درمیان اور جب موت دے تو بھی مسکینی کی حالت میں اور میرا حشر بھی انہی کے ساتھ کر۔ آپ نے یہ بھی دُعا کی وَارْزُقْنِیْ حُبَّ الْمَسٰکِیْنَ اے اللہ مجھے مسکینوں کی محبت عطا کر۔ غرباء و مساکین اہل اللہ کے متعلق سورۃ کہف میں بھی ایسے ہی الفاظ آتے ہیں وَاصْبِرْ نَفْسَکَ مَعَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ رَبَّھُمْ بِالْغَدٰوۃِ وَالْعَشِیِّ یُرِیْدُوْنَ وَجْھَہٗ جو لوگ صبح و شام اپنے رب کو پکارتے ہیں اور اُس کی خوشنودی چاہتے ہیں آپ

اُن کے ساتھ صبر کرتے رہیں "وَلَا تَعْدُ عَيْنَاكَ عَنْهُمْ" اور آپ اُن سے صرف نظر نہ کریں بلکہ اُن پر شفقت کی نگاہ رکھیں۔

حضور علیہ السلام[1] نے اسلام کی دعوت پر ہرقل قیصرِ روم کو بھی خط لکھا تھا۔ جب یہ خط قیصر کے پیش ہوا تو اُس نے حکم دیا کہ اگر عرب کا کوئی شخص مل جائے تو حاضر کیا جائے۔ اُن دنوں غزہ میں ابوسفیان کی قیادت میں قریش مکہ کا ایک تجارتی قافلہ مقیم تھا۔ چنانچہ ابُوسفیان کو ہرقل کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور ہرقل نے اُن سے حضور علیہ السلام کے متعلق مختلف سوال کیے۔ جن میں ایک سوال یہ بھی تھا۔ کہ جس مدعی نبوّت کا خط مجھے پہنچا ہے اُس کے اولین متبعین کمزور لوگ ہیں یا بااثر شخصیتیں۔ تو ابوسفیان نے کہا کہ نادار اور کمزور لوگ ہیں۔ اس پر ہرقل پکار اٹھا کہ ابتداء میں نبیوں کے پیروکار ہمیشہ ضعیف لوگ ہی ہوتے ہیں۔ بڑے لوگ اس وقت ایمان لاتے ہیں۔ جب اُن کے لیے کوئی دوسرا راستہ نہیں رہتا، ہرقل کا یہ مقولہ سابقہ کُتب کی تعلیم سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے یہاں پر یہ بات سمجھا دی ہے کہ مال و دولت یا جاہ و منصب پر اترانا غلط بات ہے۔ اصل میں مدارِ عزت ایمان ہے نہ کہ جاہ و حشمت، اللہ کے ہاں باعزت وہ شخص ہے جو زیادہ متقی ہے، جس کے اخلاق اچھے ہیں۔ نیکی اور پرہیزگاری جس کا شیوہ ہے۔ اور یہ صفات اِن غربا و مساکین میں پائی جاتی ہیں۔ مگر مالدار اور چودھری قسم کے لوگ ان کو حقیر سمجھ رہے ہیں۔ فرمایا اگر آپ ان کو اپنے سے دور کر دیں گے تو نا انصافوں میں شامل ہو جائیں گے۔

غربت و امارت ذریعہ آزمائش ہے

فرمایا "وَكَذٰلِكَ فَتَنَّا بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ" اور اسی طرح ہم نے آزمایا ہے بعض کو بعض سے۔ یعنی بعض آدمیوں کو ہم نے مال و دولت یا جاہ و حکومت دے کر آزمایا کہ یہ اپنے ماتحتوں یا کمتر لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرتے ہیں اُنکو حقیر سمجھ کر حقارت آمیز سلوک کرتے ہیں یا انکا احترام کرتے ہیں اور خوشدلی سے پیش آتے ہیں

[1] بخاری صہ ج ۱ (فیاض)

اسی طرح مساکین کو عسرت میں مبتلا کر کے آزمایا ہے۔ سورۃ فرقان میں موجود ہے "وَجَعَلْنَا بَعْضَكُمْ لِبَعْضٍ فِتْنَةً" "ہم نے تمہارے بعض کو بعض کے لیے آزمائش بنایا ہے، اور اس کا مقصد یہ ہے أَتَصْبِرُونَ" کیا تم صبر کرتے ہو؟ مقصد یہ کہ غرباء کو غربت میں مبتلا کر کے آزمایا ہے کہ آیا یہ امراء کی امارت دیکھنے کے باوجود صبر کرتے ہیں؟ "وَكَانَ رَبُّكَ بَصِيرًا" تیرا رب تو ہر چیز کو دیکھ رہا ہے۔ وہ امیر کو دولت دے کر آزماتا ہے کہ یہ مساکین کے ساتھ کیا سلوک کرتا ہے اور غریب کو غربت دے کر آزماتا ہے کہ یہ کس حد تک صبر کرتا ہے مگر مقامِ افسوس ہے کہ اس آزمائش میں دونوں طبقے ناکام رہے ہیں، نہ تو دولت مند غرباء کا خیال رکھتے ہیں اور نہ مساکین صبر سے کام لیتے ہیں

روس میں ۱۹۱۷ء کا انقلاب اسی امیر غریب کے سوال پر ہی آیا تھا جس کی بھینٹ تین کروڑ آدمی چڑھ گئے۔ امراء نے غرباء پر مظالم توڑے، اُن کے حقوق ادا نہیں کیے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ غریبوں نے تحریک چلائی۔ دونوں گروہ بے دین تھے، غریبوں نے امیروں کو مردار کتوں کی طرح گھسیٹا۔ یہ غریبوں کو حقیر سمجھنے کا شاخسانہ تھا، نہ امیروں نے حقوق ادا کیے، نہ غریبوں نے صبر کیا جس کا نتیجہ کشت و خون کی صورت میں نکلا۔ شیخ سعدیؒ نے گلستان میں ایک ایسا عمدہ فقرہ کہا ہے جس کے متعلق لوگوں نے کہا کہ ہماری ساری کتابوں کے بدلے یہ ایک فقرہ ہمیں دے دیں۔ کہتے ہیں۔

" خواہندۂ مغربی در صف بزازان حلب میگفت اے خداوندانِ نعمت اگر شمارا انصاف بود و مارا قناعت رسم سوال از جہاں برخاستے"

ملک کے مغرب میں ایک محتاج نے بزازوں کی صف میں کھڑے ہو کر کہا، اے دولت کے مالکو! اگر تم میں انصاف اور ہم میں قناعت ہوتی تو دنیا میں کوئی بھی سوال نہ کرتا یعنی سوال کی رسم ہی برخواست ہو جاتی

ہم دونوں مجرم ہیں۔ تم میں سخاوت نہیں ہے اور ہم قناعت سے محروم ہیں۔ دولت کے ہوتے ہوئے تم مسکینوں کا خیال نہیں رکھتے اور ہم صبر سے عاری ہو چکے ہیں، یہی وجہ ہے کہ پوری دنیا مصائب کا شکار بنی ہوئی ہے۔

اسلامی نظام معیشت

یاد رکھنا چاہیئے کہ اسلام نے اعتدال اور میانہ روی کی تعلیم دی ہے اسلام نے اس دولت کو لعنت کے برابر کہا ہے جس میں سے غریبوں کے حقوق نہ ادا کیے جائیں، ایسی دولت مندی باعث وبال ہے۔ ہاں اگر کوئی اپنے مال سے تمام فرضی، واجبی حقوق ادا کرتا ہے تو پھر یہ دولت جائز ہے اگر حلت وحرمت کا امتیاز ختم ہو چکا ہے تو پھر یہ سرمایہ داری

(CAPITALISM) ہے۔ اس کا حامی سرمایہ پرست ہے۔ اور دوسری طرف نفرت اور عداوت کا جذبہ پایا جاتا ہے۔ کہ سرمایہ داروں کے پاس سرمایہ کیوں ہے خواہ اس نے جائز ذرائع سے ہی کیوں نہ حاصل کیا ہو اور وہ تمام حقوق بھی کیوں نہ ادا کرتا ہو، مگر محض صاحب مال و دولت ہونا ہی گردن زدنی سمجھ لیا گیا ہے یہ بھی غلط ہے یہ لوگ نہ صرف سرمایہ داری کے خلاف ہوتے ہیں بلکہ آگے چل کر مذہب کے بھی خلاف ہو جاتے ہیں کہتے ہیں کہ سرمایہ داروں نے لوگوں کو اُلّو بنانے کے لیے مذہب کی آڑ لے رکھی ہے سوشلسٹ ملکوں میں یہی کچھ ہوا ہے پہلے سرمایہ داروں کے خلاف آواز اٹھائی اور پھر آہستہ آہستہ مذہب کو ہی خیرباد کر دیا۔ اُن کی بات کسی حد تک درست بھی ہے۔ اکثر وبیشتر اقتدار پسندوں سرمایہ داروں اور ملوک نے مذہب کو غلط استعمال کیا ہے۔ البتہ کچھ اللہ والے ایسے بھی ہیں جنہوں نے ایسا نہیں کیا۔ اورنگ زیب عالمگیرؒ بھی تو بادشاہ تھے، سلطان ناصر الدین التمشؒ بھی اسی سرزمین پر مسند اقتدار پہ رہا ہے، اس کے پاس کابل سے برما تک کی حکومت تھی مگر دل میں خوف خدا رکھتے تھے، حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ جیسے بلند پایہ لوگ بھی تو ہوئے ہیں جن پر اقتدار کا نشہ غالب نہیں آیا اور جنہوں نے مستحقین کے حقوق ادا کرنے میں کبھی کوتاہی نہیں کی۔ لیکن یہ مذہب کا غلط استعمال تھا جس کی وجہ سے ملحدوں کو مذہب کے خلاف پراپیگنڈا کرنے کا موقع ملا۔ غرضیکہ یہ

دونوں گروہ لعنتی ہیں۔ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو اعتدال کا راستہ دکھاتا ہے۔
اگر ملک میں صرف حلال وحرام کی پابندی پوری طرح نافذ کر دی جائے تو
لوگوں کو سکون حاصل ہو جائے۔ جو مال حرام ذرائع سے حاصل کیا جاتا ہے۔ اس
کا مصرف بھی حرام اور من مانے طریقے پر کیا جاتا ہے۔ کوئی پوچھنے والا نہیں
کہ دولت حاصل کیسے کی اور اُسے خرچ کس چیز پر کر رہے ہو۔ فضول خرچی قطعاً
حرام اور تباہی کا باعث ہے۔ اس لیے سرمایہ داری اور اشتراکی نظام معیشت
دونوں ملعون ہیں۔ صرف اسلام کا نظام ہی درست ہے جو دولتمندی کی
حوصلہ افزائی اُس وقت کرتا جب وہ جائز ذرائع سے حاصل کی گئی ہو۔ اور اس
میں سے تمام حقوق ادا کیے گیے ہوں۔ اگر جائز ناجائز کی تمیز روا نہیں رکھی
تو یہی سرمایہ داری ہے جو ملعون ہے۔

غریبوں پر طعن

فرمایا، اللہ تعالیٰ نے دولت مندوں کو دولت دے کر آزمایا ہے،
لِيَقُولُوا تاکہ وہ غرور میں آکر کہیں أَهَٰؤُلَاءِ مَنَّ اللَّهُ عَلَيْهِم
مِّن بَيْنِنَا کیا یہی وہ لوگ ہیں جن کا دعویٰ ہے کہ اللہ نے اُن
پر احسان کیا ہے۔ کیا یہی مفلوک الحال لوگ جنت کے مالک ہیں جن کے پاس
نہ رہنے کو مکان، نہ کھانے کو خوراک اور نہ پہننے کو کپڑا ہے؟ غریبوں کی
ہنسی اڑاتے تھے کہ دیکھو یہ حوروں کے خاوند جا رہے ہیں وہ مال و دولت
پر مغرور تھے لہٰذا غریبوں کے ساتھ ہتک آمیز سلوک روا رکھتے تھے۔ اُدھر
غربا و مساکین کی طرف اشارہ فرمایا أَلَيْسَ اللَّهُ بِأَعْلَمَ بِالشَّاكِرِينَ
کیا اللہ تعالیٰ شکر گزاروں کو نہیں جانتا؟ بیشک وہ جانتا ہے کہ ایک
شخص غریب اور نادار ہونے کے باوجود صبر کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتا
بلکہ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرتا ہے اور دوسری طرف بڑا سرمایہ دار اور جاگیردار ہے
مگر پھر بھی شکر ادا نہیں کرتا بلکہ اُس کی حرص بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ وہ مالک الملک
ہر ایک کے ظاہر اور باطن حال اور اُس کی نیت اور ارادے سے واقف ہے

غرباء کے لیے رحمت کی دعا

اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خطاب فرمایا کہ آپ اہل ایمان مساکین کو اپنے آپ سے علیحدہ نہ کریں بلکہ وَاِذَا جَآءَكَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِاٰيٰتِنَا جب ہماری آیتوں پر ایمان لانے والے یہ لوگ آپ کے پاس آئیں۔ فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَيْكُمْ اُن سے کہیں کہ تم پر خدا تعالیٰ کی طرف سے سلامتی ہو۔ اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی رحمت کے مقام تک پہنچائے اُن کے حق میں رحمت کی دعا کریں۔ کیونکہ كَتَبَ رَبُّكُمْ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ تمہارے پروردگار نے اپنے ذمے رحمت کو لکھ لیا ہے جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے کہ کائنات کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ نے عرش پر لکھ رکھا تھا اِنَّ رَحْمَتِيْ سَبَقَتْ غَضَبِيْ بیشک میری رحمت میرے غضب سے سبقت کرنے والی ہے۔ میرا غصہ اُسی پر وارد ہوتا ہے جو بالکل ہی سرکش ہو جائے۔ ورنہ میری رحمت عام ہے۔

پھر فرمایا میری رحمت عام اس قدر وسیع ہے کہ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْكُمْ سُوْٓءًۢا بِجَهَالَةٍ جو کوئی تم میں سے نادانی کی وجہ سے کوئی برائی کا کام کر بیٹھے۔ ظاہر ہے کہ بُرا کام ہمیشہ جہالت اور نادانی کی وجہ سے ہی ہوتا ہے۔ اگر کوئی شخص صاحب عقل و علم بھی ہے تو بُرا کام اُسی وقت کرے گا جب اُس پر جہالت کا پردہ پڑ جاتا ہے۔ فرمایا جو کوئی جہالت کی بناء پر کوئی غلط کام کرتا ہے، ثُمَّ تَابَ مِنْۢ بَعْدِهٖ پھر اُس کے بعد توبہ کر لی وَاَصْلَحَ اور اصلاح بھی کر لی، اپنے آپ کو سنوار لیا، حقوق و فرائض پر کاربند ہو گیا۔ آئندہ بُرائی سے باز رہنے کا عزم کر لیا۔ تو فرمایا فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ تو اللہ تعالیٰ بہت ہی بخشنے والا اور از حد مہربان ہے۔ وہ خطاؤں کو معاف بھی کر دیتا ہے۔ فرمایا وَكَذٰلِكَ نُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ اسی طرح ہم آیتوں کو کھول کر بیان کرتے ہیں۔ توحید کے دلائل اور منصب رسالت کی تفصیل وغیرہ سب کچھ وضاحت

کے ساتھ بیان کرتے ہیں وَلِتَسْتَبِيْنَ سَبِيْلُ الْمُجْرِمِيْنَ
تا کہ مجرموں کا راستہ بالکل واضح ہو جائے۔ جب اہلِ ایمان کے راستے کی سمجھ
آجائے گی تو اس کا مخالف ہر راستہ مجرموں کا راستہ ہو گا اور یہ راستہ کفر، شرک
اور بدعات کا راستہ ہے، حبِّ مال و جاہ کا راستہ ہے، غربا کو حقیر جاننے
اور انسانیت کے خلاف کرنے والا راستہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ ہم نے
اس راستے کو واضح کر دیا ہے، اب اس سے بچنا ہر شخص کی اپنی ذمہ داری ہے

درس پانزدہم ۱۵ — آیت ۵۶ تا ۵۸

قُلْ اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّاۤ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَاۤ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِیْنَ ﴿۵۶﴾ قُلْ اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّیْ وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ ؕ مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ ؕ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ ؕ یَقُصُّ الْحَقَّ وَهُوَ خَیْرُ الْفٰصِلِیْنَ ﴿۵۷﴾ قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ ﴿۵۸﴾

ترجمہ:۔ اے پیغمبر! کہہ دیجئے ، بیشک مجھے روکا گیا ہے اس بات سے کہ میں اُن کی عبادت کروں جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا ۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے میں نہیں پیروی کرتا تمہاری خواہشات کی ہیں تو اُس وقت بہک جاؤں گا ، اور نہیں رہوں گا میں ہدایت پانے والوں میں سے ﴿۵۶﴾ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے ، بیشک میں کھلی دلیل پر ہوں اپنے رب کی طرف سے اور تم نے اُس کو جھٹلا دیا ہے ۔ نہیں ہے میرے پاس وہ بات جس کی تم طلب کرتے ہو ۔ نہیں ہے حکم مگر اللہ تعالےٰ کے لیے وہ حق بیان کرتا ہے اور وہ بہتر فیصلہ کرنے والا ہے ﴿۵۷﴾ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے اگر ہو میرے پاس وہ

بات جس کو تم جلدی طلب کرتے ہو تو البتہ فیصلہ کر دیا جاتا معاملے کا میرے اور تمہارے درمیان اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے ظلم کرنے والوں کو ﴿۵۸﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن باتوں کا تذکرہ فرمایا تھا جن کا تعلق اہل ایمان کے ساتھ تھا، مثلاً یہ کہ آپ ضعیف اور نادار اہل ایمان کو اپنے آپ سے دُور نہ کریں بلکہ اُن پر نگاہِ شفقت رکھیں۔ اور یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض کے ساتھ آزمایا ہے تو عین ممکن ہے کہ کمزور لوگ باصلاحیت اور ایمان دار ہوں اور اعلیٰ صلاحیت کے مالک گمراہ ہوں اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے کہ غریب لوگ ہی ایمان قبول کرتے ہیں۔ جب کہ امراء اپنے غرور اور تکبّر اور مال و دولت کے گھمنڈ میں ایمان سے محروم رہتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو خطاب کر کے فرمایا کہ اِن ناداروں کو مجلس سے دُور نہ کریں بلکہ جب وہ آپ کے پاس حاضر ہوں تو انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلامتی کی بشارت سنائیں اللہ نے رحمت کو اپنے اُوپر لازم کر لیا ہے۔ اور اُس کی رحمت بے پایاں ہے اُس مالک الملک کا یہ بھی فرمان ہے کہ اگر تم میں سے کوئی شخص نادانی کی وجہ سے غلطی کا ارتکاب کر بیٹھے، پھر وہ توبہ کر کے اپنی اصلاح کر لے تو میں اُسے معاف کر دوں گا۔ یہ سب باتیں اہلِ ایمان سے متعلق تھیں۔ اور اب آج کے درس میں اُن باتوں کا ذکر ہے جن کے لیے مکذبین کو خطاب کرنا زیادہ مناسب ہے تاکہ اِن مجرمین کو تنبیہ ہو سکے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید اور مقام توحید کی تشریح بھی بیان فرمائی ہے۔

غیر اللہ کی پرستش کی ممانعت

ارشاد ہوتا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے اِنِّیْ نُهِیْتُ مجھے منع کیا گیا ہے۔ نُهِیْتُ مجہول کا صیغہ ہے یعنی مجھے روک دیا گیا ہے اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اس بات سے کہ میں اُن کی عبادت کروں جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو یعنی عبادت کرتے ہو اور یہی صریح شرک ہے اور اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرما دیا ہے کہ جو میرے ساتھ کسی کو شریک کرے گا میں ایسے شخص

کو معاف نہیں کروں گا۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہے اور اس کے علاوہ بھی اگر کسی انسان کا ضمیر بالکل مُردہ نہیں ہو گیا، تو وہ گواہی دیتا ہے کہ شرک بہت بُری بات ہے، اِس کا ارتکاب نہیں کرنا چاہیئے۔ شاعر نے خوب کہا ہے۔

فَفِی کُلِّ شَیْءٍ لَهٗ اٰیَةٌ
تُدَلُّ عَلٰی اَنَّهٗ وَاحِدٌ

یعنی انسان کے لیے ہر چیز میں نشانیاں ہیں جو اِس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایک ہے۔ اُس کا کوئی شریک نہیں۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ صاحبِ عقل آدمی درختوں کے پتے دیکھ کر بھی اللہ تعالےٰ کی توحید کا اقرار کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ امام ابو حنیفہؒ فرماتے ہیں کہ فرض کرو کوئی شخص کسی اونچے پہاڑ کی چوٹی پر اکیلا آباد ہے، کوئی دوسرا انسان اُس تک نہیں پہنچتا۔ اللہ کا پیغام پہنچانے کے لیے اُس کے پاس نہ کوئی نبی آتا ہے نہ رسول اور نہ ہی کوئی دوسرا مبلغ تو ایسے شخص کے لیے حکم یہ ہوگا کہ فرائض دین یعنی نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ کے لیے تو اس سے باز پرس نہیں ہوگی۔ کیونکہ یہ چیزیں انبیاء اور پھر ان کے مبلغین کے ذریعے معلوم ہوتی ہیں، البتہ اگر اُس نے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار نہیں کیا بلکہ شرک کا ارتکاب کیا ہے تو پکڑا جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے اُسے عقل جیسی عظیم نعمت عطا کی۔ اُس کے ارد گرد اپنی قدرت کی ہزاروں نشانیاں بکھیر دیں جنہیں دیکھ کر اُسے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہو جانی چاہیئے تھی۔ اگر پھر بھی اُس نے شرک کیا ہے تو اس کا یہ جرم ناقابل معافی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ انسان کا ضمیر اور عقل سلیم بھی شرک کے خلاف ہیں۔ خود انسان کا وجدان اور اُس کا نور وشہود بھی گواہی دیتا ہے کہ اللہ وحدہ لاشریک ہے۔ یہ تمام چیزیں انسان کو شرک کے ارتکاب سے روکتی ہیں، اسی لیے یہاں پر فرمایا اِنِّیْ نُهِیْتُ مجھے روک دیا گیا، منع کر دیا گیا کہ میں اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کی عبادت کروں۔ قرآن پاک تو وحی الٰہی ہے، یہ تو بہر صورت

شرک سے منع کرتا ہے مگر اس کے علاوہ بھی بے شمار چیزیں اور دلائل ہیں جو انسان کو شرک سے روکتے ہیں۔ تَدْعُوْنَ کا معنیٰ ہے جن کو تم پکارتے ہو۔ اور مطلب یہ ہے کہ اللہ کے سوا جن کو تم مصیبت میں پکارتے ہو، ان سے حاجتیں طلب کرتے ہو، انہیں مشکل کشا سمجھتے ہو، میں ان کی پوجا کرنے کے لیے ہرگز تیار نہیں کیونکہ ہر چیز کا عطا کرنے والا اور ہر مصیبت کو دور کرنے والا فقط اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا اس کے علاوہ میں کسی ہستی کی پرستش کرنے کے لیے تیار نہیں، مجھے منع کر دیا گیا ہے۔

یہاں پر لفظ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ بھی توجہ طلب ہے۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو سب سے بڑا خدا ماننے کے باوجود بعض چھوٹے چھوٹے خداؤں کی پرستش بھی کی جاتی ہے۔ اور مشرکین قدیم زمانے سے ایسا ہی کرتے چلے آئے ہیں۔ ان کا عقیدہ یہ ہوتا ہے کہ اصل خدا تعالیٰ تو وہی ہے مگر یہ چھوٹے چھوٹے خدا بھی کچھ نہ کچھ کام بناتے ہیں۔ بڑے اللہ نے ان چھوٹوں کو بھی بعض اختیار دے رکھے ہیں لہٰذا ان کی پوجا بھی کی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی سختی سے تردید فرمائی ہے۔ ابتدائے سورۃ میں عرض کیا گیا تھا کہ اس سورۃ مبارکہ میں تمام قسم کے شرکوں کی تردید کی گئی ہے۔ شرک خواہ اعتقاد میں ہو۔ قول میں ہو یا فعل میں، یہ بہرحال بدترین جرم ہے عملی شرک کی بعض صورتیں بھی آگے بیان ہوں گی کہ لوگ کس طرح غیر اللہ کی نذر و نیاز دے کر شرک کے مرتکب ہوتے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ کی صفاتِ مختصہ میں کس کس طریقے سے شریک بنائے جاتے ہیں۔

ایک اور بات بھی پہلے بیان کی جا چکی ہے کہ سورۃ مبارکہ سے پہلی سورتوں میں ملتِ حنیفیہ والوں یعنی یہود و نصاریٰ وغیرہ اور مشرکین عرب کو زیادہ تر خطاب کیا گیا تھا۔ اور اس سورۃ کے مخاطبین صابی قوموں کے لوگ ہیں جن میں ہندو، بدھ، چینی، رومی اور یونانی وغیرہ شامل ہیں۔ وہ بھی اسی

طرح مشرک ہیں جس طرح یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب تو فرمایا مجھ کو منع کیا گیا ہے اس بات سے کہ میں اُن کی عبادت کروں جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو، جن کی عبادت کرتے ہو، اُن کو الٰہ مانتے ہو، مشکل کشا اور حاجت روا سمجھتے ہو۔

خواہشات نفسانیہ سے اجتناب

اس کے بعد ارشاد ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے لَآ اَتَّبِعُ اَهْوَآءَكُمْ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کر سکتا۔ اِس جملہ سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ شرک خواہشات نفسانیہ پر مبنی ہوتا ہے۔ تمام شرکیہ رسوم اور بدعات اِسی نفس پرستی کی پیداوار ہیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کی زبان سے کہلوایا کہ میں تمہاری بیہودہ خواہشات کے پیچھے نہیں لگ سکتا سورۃ فرقان میں موجود ہے اَرَءَيْتَ مَنِ اتَّخَذَ اِلٰهَهٗ هَوٰىهُ کیا آپ نے اُس شخص کو دیکھا ہے جس نے اپنی خواہش کو معبود بنا رکھا ہے کسی نے مسیح علیہ السلام کو معبود بنا لیا، کسی نے پتھر کو مان لیا، کسی نے کسی قبر والے کو، اور کسی نے جن بھوت، پریت اور فرشتے کو اپنا معبود بنا لیا۔ توحید کی بنیاد فطرت سلیمہ عقل سلیم اور وحی الٰہی پر ہے۔ جب کہ شرک کی بنیاد خواہشاتِ نفسانیہ پر ہے۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیں کہ میں تمہاری خواہشات کی پیروی نہیں کر سکتا۔ کیونکہ اگر میں نے ایسا کیا قَدْ ضَلَلْتُ تو میں بہک جاؤں گا۔ اگر میں تمہاری اِن مشرکانہ رسوم اور بدعات پر عمل کرنے لگوں تو میں بہک جاؤں گا اصل راستے سے ہٹ جاؤں گا اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ اور ایسی صورت میں میں ہدایت یافتہ لوگوں میں نہیں رہوں گا۔ اگر خدا کا معصوم نبی ہی مشرکانہ رسوم اور بدعات کو اپنانے لگے تو پھر ہدایت اور گمراہی میں کیا فرق رہ گیا۔ ہم تو ہدایت کے راستے پر ہیں جو وحی الٰہی پر مبنی اور جس کی گواہی خدا کی تعلیم، فطرتِ سلیمہ اور عقلِ سلیم بھی دیتی ہے۔ ہم گمراہی کے راستے پر نہیں جا سکتے۔

قرآن کریم کے ساتھ وابستگی

فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں اِنِّیْ عَلٰی بَیِّنَۃٍ مِّنْ رَّبِّیْ تحقیق میں تو اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل پہ ہوں۔ اس مقام پر کھلی دلیل سے مراد قرآنِ کریم ہے اور مطلب یہ ہے کہ میں تو قرآن پاک اُسکے احکام کے تابع ہوں، میرے لیے اللہ کا کلام ہی حجت ہے وَکَذَّبْتُمْ بِہٖ اور تم نے اُس کی تکذیب کر دی ہے قرآن پاک کو اللہ کا کلام ماننے سے انکار کر دیا ہے۔ یہاں پر بِہٖ کی ضمیر بھی بتا رہی ہے کہ بینہ سے مراد قرآن پاک ہے۔ اسی سورۃ میں آگے آئے گا "قَدْ جَآءَکُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ" اللہ کا یہ قرآن تمہارے دلوں میں بصیرت پیدا کرنے والی چیز ہے جو قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے، اس کو سنتا ہے، اس پہ ایمان لاتا ہے اور پھر اس پر عمل کرتا ہے، اُس کا دِل روشن ہو جاتا ہے، تمام تاریکیاں دُور ہو جاتی ہیں اور انسان کے اندر اخلاقِ حسنہ پیدا ہو جاتے ہیں۔ سورۃ ابراہیم میں نزولِ قرآن کا ایک مقصد یہ بھی بیان کیا گیا ہے "لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ" کہ آپ اس کے ذریعے لوگوں کو اندھیروں سے نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔ گناہ، کفر، شرک، بدعات سب اندھیرے ہیں۔ اور ایمان، اخلاص، توحید اور نیکی روشنی ہے۔ بہرحال یہاں پہ بینہ سے مراد قرآنِ حکیم ہے اور حضور علیہ السلام کو اللہ نے خطاب فرمایا ہے کہ آپ کہہ دیں میں اپنے رب کی طرف سے کھلی دلیل یعنی قرآن حکیم پہ ہوں، میرا نصب العین وہی ہے جو قرآن پاک نے متعین کیا ہے۔

ویسے بینہ معجزے اور نشانی کے لیے بھی بولا جاتا ہے "اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیٰتٍ لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَ" (الروم) بیشک اسمیں عقل والوں کیلئے واضح نشانیاں ہیں اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو کوئی نہ کوئی نشانی دی ہے۔ پہلے اسی سورۃ میں گذر چکا ہے "لَوْلَا نُزِّلَ عَلَیْہِ اٰیَۃٌ مِّنْ رَّبِّہٖ" اس کے رب کی طرف سے اس پر کوئی نشانی کیوں نہیں نازل ہوتی۔ اسی طرح بینہ کا اطلاق

ہدایت پر کیا گیا ہے۔ اور سورۃ بینہ میں موجود ہے اہل کتاب اور مشرکین کفر سے باز آنے والے نہ تھے "حَتّٰی تَاْتِیَهُمُ الْبَیِّنَةُ o رَسُوْلٌ مِّنَ اللّٰهِ" جب تک کہ اُن کے پاس کھلی دلیل یعنی اللہ کی طرف سے رسول نہ آجاتا۔ گویا بینہ کا اطلاق رسول پر بھی کیا گیا ہے اور یہ بالکل برحق ہے کیونکہ قرآن کریم میں وحی الٰہی کے ذریعے جو بھی تعلیم نازل ہوئی ہے، حضور علیہ السلام اس کے مجموعہ مجسم ہیں۔ اگر علم دیکھنا ہو تو قرآن میں دیکھو اور عمل کا مشاہدہ کرنا ہے تو نبی کی ذات میں کرو۔ بایں ہمہ اس آیت کریمہ میں بینہ سے قرآنِ کریم ہی مراد ہے۔

مولانا عبید اللہ سندھی" فرماتے ہیں کہ کوئی چیز بین ہوتی ہے اور کوئی غامض بیّن یعنی کھلی چیز کو ہر آدمی آسانی سے سمجھ سکتا ہے۔ چنانچہ توحید، صبر، شکر وغیرہ بینات میں داخل ہیں۔ اور غامض یعنی چھپی ہوئی چیز کی تعلیم نبی دیتے ہیں مثلاً" تعظیم شعائر اللہ نبی کے تبلانے سے معلوم ہوتی ہے کیونکہ یہ ایک باریک بات ہے۔

الغرض! اللہ نے فرمایا آپ کہہ دیجئے، میں اپنے رب کی طرف سے واضح دلیل یعنی قرآن پر ہوں وَكَذَّبْتُمْ بِهٖ اور تم اس کو جھٹلاتے ہو۔ تم قرآن پاک کو خدا تعالیٰ کی کتاب تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں اور کہتے ہو کہ یہ اللہ کا کلام نہیں "مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ" یعنی اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری العیاذ باللہ۔ فرمایا جب تم اللہ کے سچے کلام پر ایمان نہیں لاتے تو مَا عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ میرے پاس وہ بات نہیں ہے جس کو تم جلدی طلب کرتے ہو مشرکین کہتے تھے۔ کہ اگر تو سچا ہے تو ہم پر پتھروں کی بارش برسا دے یا کوئی اور عذاب لے آ۔ اللہ نے اپنے نبی کو فرمایا کہ آپ ان سے کہہ دیں کہ مجرمین کی گرفت کرنا اور ان پر عذاب لے آنا میرے اختیار میں نہیں ہے کیونکہ اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ تمام حکم تو اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے وہ جب چاہے اور

اُس پوری نے سے معذوری

جہاں چاہے مجرمین کو پکڑ کر سزا میں مبتلا کر دے یا مہلت دیدے ، سب کچھ اسی کے اختیار میں ہے۔ یَقُصُّ الْحَقَّ وہ حق بیان کرتا ہے، اُس کی ہر بات سچّی اور پکّی ہوتی ہے وَهُوَ خَيْرُ الْفٰصِلِيْنَ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے، جب چاہے گا فیصلہ کر دے گا۔ پھر فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جسے تم جلدی طلب کرتے ہو۔ یعنی اگر میں تمہاری مرضی کی نشانیاں ظاہر کرنے پہ قادر ہوتا یا تمہاری خواہش کے مطابق تم پہ عذاب لا سکتا لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ تو میرے اور تمہارے درمیان کب کا فیصلہ ہو چکا ہوتا۔ میں تمہاری خواہش کے مطابق تمہیں مطمئن کر دیتا اور معاملہ صاف ہو جاتا، مگر ایسا نہیں ہے، ہر چیز اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے، وہ اپنی حکمت عملی کے مطابق جب چاہتا ہے کسی بات کا فیصلہ کر دیتا ہے۔

ایک اشکال اور اس کا جواب

امام ابن کثیرؒ نے ایک اشکال پیدا کیا ہے کہ اس آیتِ کریمہ میں تو اللہ تعالیٰ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلوا دیا ہے کہ میرے پاس وہ بات نہیں ہے جسے تم طلب کرتے ہو مگر ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ کی روایت میں ہے کہ انہوں نے کسی موقع پر حضور علیہ السلام سے عرض کیا حضور یہ بتائیں کہ احد والے دن سے بھی زیادہ تکلیف کبھی آپ کو پہنچی ہے تو حضور نے فرمایا کہ ہاں عقبہ والا دن میرے لیے اس سے بھی زیادہ مشکل تھا۔ فرمایا جب میں نے طائف میں ابن عبد یالیل بن کلال اور دیگر سرداران کے سامنے اللہ کا پیغام بیان کیا تو انہوں نے نہ صرف تکذیب کر دی بلکہ شہر کے غنڈوں کو میرے پیچھے لگا دیا جنہوں نے سنگباری کر کے مجھے لہولہان کر دیا حتیٰ کہ جسم کا خون جوتے میں آ کر جم گیا۔ آپ پہ بیہوشی طاری ہو گئی حتیٰ کہ آپ قرنِ ثعالب کے مقام پر بیٹھ گئے وہاں پہ جبرائیل علیہ السلام حاضر ہوئے اور

عرض کیا کہ آپ کی طرف سے تبلیغ اور اس قوم کا جواب اللہ نے سن لیا ہے اور مجھے پہاڑوں کے فرشتے کے ساتھ آپ کے لیے بھیجا ہے۔ اُس فرشتے نے ــــــ آپ کو سلام کیا اور عرض کیا کہ اگر آپ چاہیں تو میں اِن دو پہاڑوں اخشبین کو ملا دوں تاکہ مکے اور طائف کے تمام لوگ ہلاک ہو جائیں۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں یہ نہیں چاہتا کیونکہ مجھے امید ہے کہ اللہ اِنہی کی اولاد میں سے ایسے لوگ نکالے گا لَا یُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا جو اللہ کے ساتھ شرک نہیں کریں گے، اس کی وحدانیت کو مانیں گے، لہذا میں اِن کی طرف سے بدسلوکی پر بھی اپنا رویہ نرم ہی رکھتا ہوں۔ آپ نے دعا فرمائی اَللّٰهُمَّ اهْدِ قَوْمِي فَاِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے۔ یہ بے سمجھ ہیں۔

امام ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے واضح ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کو اختیار دے دیا تھا مگر اس آیت کریمہ میں یہ کہا گیا ہے کہ میرے اختیار میں کچھ نہیں۔ تو اِن دونوں میں تطبیق کیسے ہو سکتی ہے؟ امام صاحب اس کا جواب خود ہی دیتے ہیں کہ آپ نے اپنے اختیارات کی نفی اُس وقت کی تھی جب کفار نے اپنی مرضی کی نشانیاں طلب کیں یا عذاب اور قیامت لانے کو کہا، تو اس وقت آپ نے فرمایا کہ یہ چیز میرے اختیار میں نہیں ہے اس کے برخلاف طائف کے واقعہ میں خود اللہ تعالیٰ نے فرشتے کو بھیج کر آپ کی منشاء معلوم کی تھی مگر آپ نے کفار کی ہلاکت کی بات کو پسند نہ کیا۔ اِن دونوں واقعات میں یہ فرق ہے۔

"تاریخ شاہد ہے کہ اہلِ طائف کے متعلق حضور علیہ السلام نے جو امید ظاہر کی تھی کہ شاید اِن کی اولادیں ایمان لے آئیں۔ اُس کو اللہ تعالیٰ نے حقیقت میں بدل دیا۔ آپ کی دُعا پوری ہوئی چنانچہ فتح مکہ کے بعد جنگِ حنین واقع ہوئی پھر طائف پر چڑھائی کی گئی، مہینہ بھر شہر کا محاصرہ رہا آخر حضور علیہ السلام طائف

کو اسی حالت پہ چھوڑ کر واپس آگئے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اُن کے دِل میں خود ہی ایسی بات ڈال دی کہ ان کا وفد مدینہ طیبہ آیا اور سب نے ایمان قبول کر لیا پورا طائف مطیع ہوگیا۔ آپ رحمتِ عالم ہیں اگر آپ غصے میں کر دیتے تو تمام طائف والے ہلاک ہو جاتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ وہ لوگ مسلمان ہو گئے اور پھر اُن کی آئندہ نسلیں اسلام پر قائم رہیں۔

جزا مطابق عمل

بہر حال فرمایا، اگر تمہاری مطلوبہ چیز میرے پاس ہوتی یعنی میں تمہارے کہنے پر عذاب لا سکتا تو تمہارے اور میرے درمیان کب کا فیصلہ ہو چکا ہوتا اور تم اس وقت تک ہلاک ہو چکے ہوتے، مگر یہ میرے بس کی بات نہیں اللہ تعالیٰ چاہے تو اس پر عذاب نازل کر دے اور چاہے تو کسی قوم کو مہلت دے دے۔ فرمایا ایک بات یاد رکھو وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِيْنَ اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ اگر انہیں مہلت مِل رہی ہے تو یہ نہ سمجھیں کہ وہ عذاب سے ہمیشہ بچتے رہیں گے اور اُن پہ کوئی گرفت نہیں آئیگی، بلکہ اللہ تعالیٰ اُن کو جانتا ہے اور اپنی مشیت کے مطابق مقرر وقت پہ ضرور اُن کو پکڑ لیگا اور پھر وہ ابدی لعنت میں گرفتار ہو جائیں گے۔ جن لوگوں نے کفر اور شرک کا ارتکاب کیا، حقوق اللہ اور حقوق العباد کو تلف کیا، فرائض کو ضائع کیا وہ اللہ تعالیٰ کی نگاہ میں ہیں۔ اُن سے ان کے عقیدے اور عمل کے مطابق سلوک ہوگا۔

وَعِنْدَهٗ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ لَا يَعْلَمُهَآ اِلَّا هُوَ ۭ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۭ وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَّرَقَةٍ اِلَّا يَعْلَمُهَا وَلَا حَبَّةٍ فِيْ ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ﴿۵۹﴾ وَهُوَ الَّذِيْ يَتَوَفّٰىكُمْ بِالَّيْلِ وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ ثُمَّ يَبْعَثُكُمْ فِيْهِ لِيُقْضٰٓى اَجَلٌ مُّسَمًّى ۚ ثُمَّ اِلَيْهِ مَرْجِعُكُمْ ثُمَّ يُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ ﴿۶۰﴾ ع ۷/۱۴

ترجمہ :- اور اسی کے پاس ہیں چابیاں غیب کی، نہیں جانتا ان کو اس کے سوا کوئی ۔ اور وہ جانتا ہے جو کچھ خشکی میں ہے اور دریا میں ہے، اور جو گرتا ہے پتہ اس کو وہ جانتا ہے اور نہ کوئی دانہ زمین کی تاریکیوں میں اور نہ کوئی تر چیز اور نہ خشک چیز ہے مگر وہ کتاب مبین میں درج ہے ﴿۵۹﴾ اور وہی ہے جو وفات دیتا ہے تم کو رات کے وقت ۔ اور جانتا ہے جو تم کماتے ہو دن کے وقت پھر اٹھاتا ہے تم کو اس کے اندر تاکہ پورا کیا جائے مقررہ وقت ۔ پھر اسی کی طرف ہے تمہارا لوٹ کر جانا، پھر وہ بتلا دے گا تم کو وہ کام جو تم کیا کرتے تھے ﴿۶۰﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید فرمائی پھر غیر اللہ کی پوجا کی

ممانعت کے حکم کا ذکر فرمایا اور غیر اللہ کی عبادت کو خواہشات نفسانیہ پر مبنی قرار دیا۔ یہ جرم عقل سلیم، فطرتِ سلیمہ، انبیاء کی تعلیمات اور وحی الٰہی کے بھی خلاف ہے، اسی لیے اللہ نے فرمایا کہ آپ کہہ دیجئے کہ مجھے اُن کی عبادت سے منع کر دیا گیا ہے جن کو تم پکارتے ہو اللہ کے سوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اُن مشرکین کو جواب دیا۔ جو حضور علیہ السلام سے من پسند نشانیاں تلاش کرتے تھے یا عذاب کے آنے کا مطالبہ کرتے تھے۔ اللہ نے نبی علیہ السلام کی زبان سے کہلوایا کہ یاد رکھو! تمہاری فرمائشیں پوری کرنا میرے اختیار میں نہیں ہے کیونکہ "اِنِ الْحُكْمُ اِلَّا لِلّٰهِ" حکم تو سارا اللہ کے قبضے میں ہے، وہی قدرتِ تامہ کا مالک ہے اور میرے سمیت کسی مخلوق کے علم میں نہیں ہے کہ کس کو کس وقت سزا میں مبتلا کرنا ہے یا کوئی نشانی ظاہر کرنا مصلحت کے مطابق ہے یا نہیں۔ یا اُس کو کب ظاہر کرنا ہے۔ یہ تو ہر چیز اسی مالک الملک کے قبضۂ قدرت میں ہے۔ اور پھر یہ بھی ذکر ہو چکا ہے "وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ" کہ اللہ تعالیٰ ظالموں کو خوب جانتا ہے۔ وہ اپنی مصلحت کے مطابق جب چاہیگا ان کو پکڑ لے گا۔

علم محیط

قدرتِ تامہ اور علم محیط کی بات پہلے بھی ہو چکی ہے، تاہم آج کی آیات میں اُس کی کچھ مزید جزئیات کا تذکرہ ہے محیط کا معنیٰ ہوتا ہے ہر چیز کا احاطہ کرنے والا یعنی ذرے ذرے کا علم ہونا، گذشتہ دروس میں بیان ہو چکا ہے کہ قدرتِ تامہ اور علم محیط دونوں صفات اللہ تعالیٰ کی صفاتِ مختصہ میں سے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی قدرتِ تامہ کا مالک ہے اور نہ ہی کوئی علیم کل ہے۔ مخلوق میں سے اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو سب سے زیادہ علم دیتا ہے۔ دین اور شریعت کی کوئی بات ایسی نہیں ہوتی جو نبی کے علم میں نہ ہو شریعت کے علاوہ تکوینی اشیاء کی بہت سی جزئیات بھی اللہ تعالیٰ اپنے انبیاء کو مطلع کر دیتا ہے۔ تاہم ذرے ذرے کا علم نہ کسی نبی کو ہوتا ہے، نہ فرشتے کو، نہ جن کو، نہ ولی کو اور نہ کسی

دوسری ہستی کو، لہٰذا علم محیط یعنی وہ علم جس نے ذرہ ذرہ کا احاطہ کر رکھا ہو، وہ صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے ساتھ ہی مختص ہے چونکہ تمام چیزوں کا خالق وہی ہے لہٰذا اُن کی علت اور اثرات کو بھی وہی جانتا ہے۔ وہ علت العلل ہے تمام کائنات اور مخلوق کا سلسلہ اُسی پہ جا کر ختم ہو جاتا ہے۔ مخلوق میں سے کوئی ذات ذرے ذرے کے علم کا دعویٰ نہیں کر سکتی۔

قدرتِ تامہ

علم محیط اور قدرتِ تامہ ہی دو ایسی صفات ہیں جو لوگوں کو اشتباہ میں ڈالتی ہیں۔ نبی کی زبان سے کوئی بات سُنی تو کہنے لگے کہ یہ بھی علیم کل ہے۔ یا کسی نبی یا ولی کے ہاتھ پہ کوئی نشانی دیکھی تو اُس کو نبی یا ولی کا ذاتی فعل سمجھ لیا۔ اور کہنے لگے کہ یہ بھی قدرتِ تامہ کے مالک ہیں۔ عیسائی اور مشرکین اسی راستے سے شرک میں مبتلا ہوئے اور آج کا مسلمان بھی اسی اشتباہ میں گرفتار ہو کر شرک کا مرتکب ہوتا ہے معجزات کو انبیاء کا اور کرامات کو اولیا کا ذاتی فعل سمجھ لیا جاتا ہے، پھر اُن سے مشکل کشائی اور حاجت روائی کی اُمید لگائی جاتی ہے، اُن کی پوجا شروع ہو جاتی ہے بس یہی شرک ہے۔ آپ قرآن پاک میں جگہ جگہ پڑھتے ہیں "وَاللّٰہُ بِکُلِّ شَیْءٍ عَلِیْمٌ" ہر چیز کو جاننے والا اللہ ہے۔ "وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ شَہِیْدٌ" ہر چیز پہ نگران اور محافظ، حاضر اور ناظر صرف خدا تعالیٰ کی ذات ہے۔ مخلوق میں سے کوئی نہیں جو اِن صفات کا حامل ہو۔ اسی طرح "وَاللّٰہُ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ" بھی آتا ہے۔ قدرت تامہ کا مالک بھی وہی ہے۔ جو چاہے سو کرے۔ اُس کی حکمت میں کون دخل اندازی کر سکتا ہے؟ وہ مالک ہے جس کو چاہے عطا کر دے اور جس سے چاہے روک لے۔ یہ سب کچھ قدرتِ تامہ کے مالک کے اختیار میں ہے۔ اسی مقام پہ لوگ دھوکا کھاتے ہیں اور انبیاء علیہم السلام خصوصاً سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کو عالم الغیب ماننے لگتے ہیں۔

علمِ غیب

علمِ محیط کی طرح علمِ غیب بھی بعض لوگوں کے لیے اشتباہ کا باعث بنتا ہے۔ بات یہ ہے کہ عالم الغیب ہونا اللہ تعالیٰ کی صفتِ مختصہ ہے اور یہ لفظ کبھی کلی علم پہ بولا جاتا ہے اور کبھی اضافی علم پہ۔ کلی علم کی مثال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ پاک میں فرمایا "قُل لَّا يَعْلَمُ مَن فِي السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضِ الْغَيْبَ إِلَّا اللّٰهُ" (سورۃ النمل) زمین و آسمان میں اللہ کے سوا غیب کوئی نہیں جانتا۔ یا جیسا کہ سورۃ مائدہ کے آخر میں گزر چکا ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کہا "إِنَّكَ أَنتَ عَلَّامُ الْغُيُوبِ" اے مولا کریم تمام غیبوں کا جاننے والا صرف تو ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پہ علمِ غیب کا اطلاق اضافی طور پہ بھی کیا جاتا ہے جیسے "عَالِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ" وہ غیب اور حاضر تمام چیزوں کو جانتا ہے۔ یہاں پہ غیب و شہادت کا اطلاق مخلوق کی نسبت سے ہے یعنی جو چیزیں مخلوق کے لیے ظاہر نہیں ہیں اور جو اُن کے سامنے ظاہر ہیں سب کو خدا تعالیٰ جانتا ہے دوسرے لفظوں میں یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ جو چیزیں مخلوق کے لیے محسوسات کے قبیل سے ہیں یا غیر محسوسات کے قبیل سے اللہ تعالیٰ سب کو جانتا ہے۔ یہ مخلوق کے اعتبار سے ہے وگرنہ حقیقتاً غیب کا اطلاق اللہ پہ ہوتا ہی نہیں کیونکہ اُس کی نگاہ سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں۔ اس کا اپنا ارشاد ہے "لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ" (سبا) اللہ تعالیٰ کی نگاہ سے تو ایک ذرے کے برابر بھی کوئی چیز غائب نہیں ہے۔ غرضیکہ یہاں پہ عالم الغیب کا اطلاق اللہ تعالیٰ پہ اضافی طور پہ کیا گیا ہے اور مخلوق کی نسبت سے کہ جو چیزیں مخلوق کے لیے حاضر یا غیر حاضر ہیں تمام کی تمام اللہ تعالیٰ کے علم میں ہیں۔

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ تفسیر مظہری میں فرماتے ہیں کہ غائب

اُس چیز کو کہا جائیگا جو اب تک ظاہر نہیں ہوئی۔ یا جو چیز ظاہر تو ہو چکی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ نے کسی کو اُس پر مطلع نہیں کیا۔ ایسی چیزوں کا علم خدا تعالیٰ کا خاصہ ہے۔ یہی علم غیب ہے۔ اور یہی علم محیط ہے "وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ مُّحِيطٌ" ہر چیز کو قدرت تامہ اور علم محیط کے ساتھ گھیرنے والا فقط اللہ تعالیٰ ہے مخلوق میں سے کوئی ہستی اس صفت کے ساتھ متصف نہیں کی جا سکتی۔

غیب کی چابیاں یا خزانے

آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنے علم محیط اور قدرت تامہ کی تعبیر اس طرح فرمائی ہے وَعِنْدَهُ مَفَاتِحُ الْغَيْبِ اور اس کے پاس ہیں غیب کی کنجیاں۔ مفاتح اگر مفتح کی جمع ہے تو اس کا معنیٰ غیب کی چابیاں ہے جیسا کہ شیخ الہند نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے اور چابی وہ آلہ ہے جس کے ساتھ تالا کھولا جاتا ہے۔ اگر کسی مکان میں تالا پڑا ہے تو اس مکان کے اندرونی حصے کا علم اسی ذات کو ہوگا جس کے پاس اس تالے کی چابی ہے اس لحاظ سے مفاتح الغیب کا معنیٰ یہ ہوگا کہ غیب کی تمام کنجیاں اللہ تعالیٰ کے پاس ہیں اور تمام غیوب کو وہی جانتا ہے جس کے پاس یہ چابیاں ہیں، دوسرا کوئی نہیں جان سکتا۔ اس لحاظ سے بھی علیم کل اور علم محیط کا مالک اللہ تعالیٰ ہی ہے کیونکہ غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں۔ اور مفاتح، مفتح کی جمع بھی بنتی ہے جس کا معنیٰ خزانہ ہوتا ہے۔ اس لحاظ سے جمع کا معنیٰ یہ ہوگا کہ غیب کے تمام خزانے اسی کے پاس ہیں۔ سورۃ قصص میں جہاں قارون کا ذکر ہے وہاں فرمایا کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم میں سے تھا جو ان پر تعدی کرتا تھا، ہم نے اُس کو اتنے خزانے عطا کیے کہ اُس کی چابیاں ایک طاقتور قوم کو اٹھانا مشکل ہوتی تھیں۔ یہاں پر الفاظ ہیں "اِنَّ مَفَاتِحَهٗ لَتَنُوْٓاُ بِالْعُصْبَةِ اُولِي الْقُوَّةِ" یہاں پر مفاتح کا معنیٰ چابی بھی ہے اور خزانے بھی۔ سورۃ حجر میں بھی اللہ کے خزانوں کا ذکر ہے "وَاِنْ مِّنْ شَيْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا

خَزَآئِنُہٗ "تمام چیزوں کے خزانے ہمارے پاس ہیں۔ ان خزانوں کا تعلق رزق سے ہو یا اناج سے، علم سے ہو یا صحت سے، ہنر سے ہو یا کمال سے، حُسن سے ہو یا جمال سے تمام کے تمام خزانے اللہ تعالےٰ ہی کے پاس ہیں "وَمَا نُنَزِّلُہٗ اِلَّا بِقَدَرٍ مَّعْلُوْمٍ" اور ہم ان کو معلوم اور مقررہ اندازے کے مطابق ہی نازل فرماتے ہیں۔ بہر حال مفاتح کا معنیٰ چابی بھی ہے اور خزانہ بھی۔ اور تمام خزانے اور ان کی چابیاں اللہ ہی کے پاس ہیں۔ لہٰذا وہاں تک مخلوق میں سے کسی کو رسائی نہیں ہے۔

غیوبِ خمسہ

حدیث شریف میں آتا ہے خَمْسٌ مَفَاتِحُ الْغَیْبِ لَا یَعْلَمُھَا اِلَّا اللّٰہُ یعنی غیب کی چابیاں پانچ ہیں جن کا علم اللہ کے سوا کسی کو نہیں۔ ان کا ذکر اللہ تعالیٰ نے سورۃ لقمان کی آخری آیت میں کیا ہے۔ "اِنَّ اللّٰہَ عِنْدَہٗ عِلْمُ السَّاعَۃِ" قیامت کا علم اللہ تعالیٰ کے پاس ہے۔ اور اس علم کی بہت سی جزیات ہیں جن میں سے کچھ نشانیاں انبیاء علیہم السلام اور خصوصاً حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے تبلا دیں۔ بایں ہمہ قیامت کی پوری تفصیل اللہ کے علاوہ کسی کے علم میں نہیں۔ نہ ملائکہ جانتے ہیں اور نہ کوئی نبی یا ولی۔ گویا قیامت کا علم غیب کی چابیوں میں سے ہے اور یہ اللہ تعالیٰ ہی کے پاس ہے۔

"وَیُنَزِّلُ الْغَیْثَ" وہی بارش اتارتا ہے۔ یہ غیب کی دوسری چابی ہے۔ بارش کب ہو گی، کتنی دیر جاری رہیگی، ہلکی ہو گی یا موسلا دھار، اور اس کی مقدار کیا ہو گی؟ یہ سب چیزیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا موسمیات والے بعض آلات کے ذریعے بارش یا خشکی کی پیش گوئی کرتے ہیں مگر وہ حتمی نہیں ہوتی اور لبا اوقات غلط بھی ثابت ہوتی ہے۔ کیونکہ یہ محض اندازہ ہوتا ہے نہ کہ علم غیب۔ اسی طرح ہوا کی رفتار یا اس کے دباؤ کے متعلق بیرومیٹر (BAROMETER) یا دیگر آلات کے ذریعے معلوم ہوتا ہے

مگر یہ اُس وقت ہوتا ہے جب ہوا اُس آلے کے اندر سے گزرتی ہے قبل از وقت تو کچھ نہیں بتایا جاسکتا، بارش کی پیشین گوئی بھی اُسی وقت کی جاتی ہے جب بارش کا مادہ ہوا میں آتا ہے اور پھر وہ آلے کے ذریعے معلوم ہوتا ہے، وگرنہ بارش کی پیشنگوئی بارش کے آنے سے دو ماہ پہلے تو نہیں کی جاسکتی۔ کسی اندازے کو پیشین گوئی کے طور پہ ظاہر کرنے کو غیب پر محمول نہیں کیا جاسکتا کیونکہ یہ چیز تو کسی واسطے سے حاصل ہوتی ہے اور غیب وہ ہوتا ہے جو بغیر واسطے کے حاصل ہو۔ تو بہر حال فرمایا کہ بارش کے نزول کا علم بھی اللہ تعالی کے سوا کسی کو نہیں۔

پھر فرمایا وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ "وہ جانتا ہے جو کچھ ماں کے رحم میں ہے یعنی اس کے علاوہ پوری تفصیلات کوئی نہیں جانتا۔ ڈاکٹری آلات کے ذریعے بعض اوقات اس حد تک علم ہو جاتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچہ ہے یا بچی اور وہ بھی حمل قرار پانے کے کافی عرصہ بعد مگر کوئی آلہ یہ نہیں بتا سکتا کہ ہونے والا بچہ مومن ہو گا یا کافر، سعادتمند ہو گا یا شقی، اسکی عمر کیا ہو گی، دنیا میں کل کتنے سانس لے گا، کیا پیشہ اختیار کرے گا، کتنا کمائے گا اور کتنا خرچ کرے گا۔ یہ سب چیزیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا، لہذا غیب دان بھی صرف وہی ہے۔ آلات کے ذریعے پیش گوئیاں محض تخمینی ہوتی ہیں۔ انہیں حتمی تسلیم نہیں کیا جاسکتا، لہذا یہ چیز غیب میں داخل نہیں۔

غیب کی چوتھی کنجی کے متعلق فرمایا "مَا تَدْرِي نَفْسٌ مَّاذَا تَكْسِبُ غَدًا" کسی شخص کے علم میں نہیں ہے کہ کوئی شخص کل کیا کرے گا۔ لوگ مستقبل کے لیے بڑے بڑے پروگرام بناتے ہیں، اپنی ڈائریوں میں نوٹ کرتے ہیں مگر کیا وہ لازماً اُن کے مطابق عمل کر پاتے ہیں۔ پتہ نہیں کل تک زندگی بھی باقی ہے یا نہیں۔ کسی بھی حادثے کو خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ جب اللہ تعالی چاہتا ہے تو ایسے حالات پیدا ہو جاتے

ہیں، آندھی، طوفان اور سیلاب آجاتے ہیں جس سے تمام پروگرام دھرے کے دھرے رہ جاتے ہیں۔ لہذا حتمی طور پر کوئی شخص نہیں جانتا کہ وہ کل کیا کرے گا اسی طرح "وَمَا تَدْرِي نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ" کوئی شخص نہیں جانتا کہ اُسکی موت کہاں واقع ہوگی۔ یہ غیب کی پانچویں چابی ہے۔ اللہ ہی جانتا ہے کہ ہر نفس کی کتنی عمر ہے اور اُس کی موت کہاں اور کس وقت واقع ہوگی۔ تو فرمایا یہ غیب کی کنجیاں ہیں جنہیں اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔

انبائے غیب

البتہ بعض غیب کی خبریں ہوتی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ اپنی مشیت کے مطابق انبیاء کرام کو عطا کر دیتا ہے۔ بعض اوقات ان کا کشف اولیاء اللہ پر بھی ہوتا ہے۔ قرآن پاک نے انہیں انباء غیب کے نام سے تعبیر کیا ہے مثلاً سورۃ ہود میں جہاں حضرت نوح علیہ السلام کے بیٹے کے حق میں آپ کی دعا کا ذکر کیا ہے وہاں فرمایا ہے "تِلْكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهَا إِلَيْكَ" یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جو ہم آپکی طرف وحی کرتے ہیں۔ سورۃ آل عمران میں حضرت مریم علیہا السلام کے واقعات بیان کرنے کے بعد فرمایا "ذَٰلِكَ مِنْ أَنْبَاءِ الْغَيْبِ نُوحِيهِ إِلَيْكَ" یہ غیب کی خبریں ہیں جو ہم آپ کی طرف وحی کے ذریعے بھیجتے ہیں بہرحال اللہ تعالیٰ کی طرف سے بذریعہ وحی یا بذریعہ کشف والہام کسی چیز پر مطلع کر دینا علم غیب نہیں ہوتا بلکہ غیب کی خبر ہوتا ہے۔ اور غیب صرف وہ ہوتا ہے جو بغیر کسی واسطے کے معلوم ہو یعنی نہ تو حواس خمسہ کے ذریعہ معلوم اور نہ کشف والہام یا وحی کے ذریعے اور نہ ہی عقل اور فہم وادراک کے ذریعے یہ سب علم کے ذرائع ہیں اور غیب وہ ہوتا ہے جو بغیر کسی ذریعہ اور واسطہ کے حاصل ہو۔ عالم الغیب صرف اللہ تعالیٰ ہے جسے کسی چیز کو معلوم کرنے کے لیے نہ کسی واسطے کی ضرورت ہے نہ آلے کی اور نہ کسی مادے کی۔

وہ ان کے بغیر ہی سب کچھ جانتا ہے لَا يَعْلَمُهَا إِلَّا هُوَ نہیں جانتا ان کو اس کے سوا کوئی

خشکی اور تری کے غیوب

یہ اصول بیان کرنے کے بعد کہ غیب کی کنجیاں اسی کے پاس ہیں جنہیں اس کے سوا کوئی نہیں جانتا، اللہ تعالیٰ نے علمِ غیب کی بعض جزیات کا تذکرہ بھی کیا ہے ارشاد ہے وَيَعْلَمُ مَا فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ وہ خشکی اور تری میں پائی جانے والی تمام اشیاء کو جانتا ہے۔ اس کا علم خشکی کے تمام خطوں یعنی میدانوں، پہاڑوں، صحراؤں اور جنگلوں کی ہر چیز پر محیط ہے۔ اللہ کی زمین پر اس کی کتنی مخلوق آباد ہے، اس میں کیا کیا چیزیں پائی جاتی ہیں حیوانات، درندوں، چرندوں اور پرندوں کی کتنی قسمیں اور کتنی تعداد ہے، کتنے انسان آباد ہیں، کیڑے مکوڑوں کی کتنی تعداد ہے، جنگلات میں کس کس قسم کے کتنے درخت موجود ہیں۔ ان پر کتنا پھل لگتا ہے، کتنے کانٹے اور ــــــ کتنے پھول ہیں، ان کی کیا کیا تاثیر ہے۔ جڑی بوٹیاں کہاں کہاں اور کون کونسی پائی جاتی ہیں، ان میں لوگوں کے لیے کس قدر فوائد اور کس قدر نقصانات ہیں۔ پھر پہاڑوں میں کتنے پتھر ہیں، کتنے ہیرے کتنا لوہا، کوئلہ اور دیگر معدنیات ہیں۔ تیل کے کتنے ذخائر زمین کے اندر پوشیدہ ہیں، کون کونسی گیس ہے جس سے زلزلے آتے ہیں اور جس سے لوگ مستفید ہوتے ہیں یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ اسی طرح دریاؤں، سمندروں اور جھیلوں میں کون کون سے جانور موجود ہیں، ان کی کتنی تعداد ہے۔ مچھلیاں کتنی ہیں اور باقی جاندار کتنے ہیں۔ سمندروں میں کتنے سیپ ہیں ان میں کتنے موتی ہیں۔ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے۔ خشکی اور تری کی ہر چیز کو جاننے والا وہی ہے۔

فرمایا وَمَا تَسْقُطُ مِنْ وَرَقَةٍ إِلَّا يَعْلَمُهَا درختوں سے گرنے والے ہر پتے کو وہی جانتا ہے۔ کوئی حکیم، سائنس دان یا دانشور یہ نہیں بتا سکتا کہ فلاں پتہ درخت سے کب گرے گا، یہ کب خشک ہو جائیگا اور پھر خود بخود گر پڑے گا۔ گر کر کتنی دور تک جائیگا اور کس مقام پر جا کر گرے

گا۔ کوئی نہیں جانتا۔ وَلَا حَبَّةٍ فِي ظُلُمٰتِ الْاَرْضِ زمین کی تاریکیوں میں کوئی دانہ ایسا نہیں ہے۔ وَلَا رَطْبٍ وَّلَا يَابِسٍ اور نہ کوئی تر یا خشک چیز ہے اِلَّا فِي كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ مگر یہ کہ وہ کتاب مبین میں درج ہے۔ اللہ کے سوا کون جانتا ہے کہ پوری زمین میں کس کس جگہ پہ کون کونسا دانہ گرا پڑا ہے اور پھر اس سے کب اور کیا پیدا ہوگا۔ اس سے کتنے دانے اگیں گے اور یہ سلسلہ کہاں تک پہنچے گا۔ یہاں پہ اللہ تعالیٰ کے علم کو کتاب مبین سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بعض مقامات پر اُمُّ الْكِتٰبِ کہا گیا ہے۔ اس کے بعد دوسرے درجے میں لوح محفوظ بھی مراد ہو سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں کوئی نہ کوئی ایسی تختی ضرور موجود ہے جس پہ تمام اشیاء کی تفصیل درج ہے بہر حال مراد یہی ہے کہ ہر چیز اللہ کے علم میں ہے۔

مخلوق کا علم

پہلے قدرتِ تامہ کی دلیل بیان ہوئی تھی۔ اب علمِ تام کی دلیل بھی ہو گئی۔ علمِ تام بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے اور علمِ محیط کا مالک بھی وہی ہے۔ نبی کو اسی قدر معلوم ہوتا ہے جس قدر اللہ تعالیٰ بتا دیتا ہے۔ وہ خواہ وحی کے ذریعے بتائے یا کشف و الہام کے ذریعے مخلوق کو علم اتنا ہی ہوتا ہے جس کو وہ ظاہر فرما دیتا ہے۔ شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ اعتقاد رکھے کہ فلاں نبی یا ولی یا بزرگ ہمارے حالات سے واقف ہے، اس نے شرک کا ارتکاب کیا۔ مخلوق کے تمام حالات خدا تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ کس کو کونسی تکلیف ہے، اندرونی بیماری ہے یا بیرونی، اس کے مجموعی حالات کیسے ہیں، سب کچھ وہی جانتا ہے جو خالق اور علت العلل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے سوا نہ کوئی کسی کی تکلیف کو جانتا ہے اور نہ اُسے رفع کرنے پہ قادر ہے۔ شیخ سعدیؒ فرماتے ہیں کہ "اگر خلق غیب داں بودے کسے از دست کسے آسودہ نہ بودے" تو آدمی دوسرے کے ہاتھ سے آسودہ حال نہ ہوتا۔ یہ تو اللہ کا انعام ہے کہ

اُس نے مخلوق کو غیب۔ دان نہیں بنایا، ورنہ سارا نظام ہی درہم برہم ہو جاتا۔ مقصد یہ ہے کہ جب تک کوئی شخص اپنے حالات کا اظہار نہیں کرتا دوسرے کو معلوم نہیں ہوتا۔ سوائے اللہ کے کہ اُسے ذرے ذرے کی خبر ہے۔

نیند اور موت

علمِ محیط کی بات کرنے کے بعد قدرتِ تامہ کی ایک مثال بھی بیان فرمائی ہے وَهُوَ الَّذِي يَتَوَفَّاكُمْ بِاللَّيْلِ وہی اللہ ہے جو تمہیں رات کے وقت وفات دیتا ہے یہاں وفات کو نیند کے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے کیونکہ نیند کو اخ الموت یعنی موت کی بہن کہا گیا ہے۔ نیند اور موت میں فرق یہ ہے کہ نیند کے دوران انسان کی روحِ انسانی نکل جاتی ہے مگر روحِ حیوانی اپنی جگہ قائم رہتی ہے روحِ انسانی کے نکلنے سے انسان کے حواس معطل ہو جاتے ہیں۔ اور یہ روح باہر نکل کر اِدھر اُدھر جہاں خدا کا حکم ہوتا ہے چلتی پھرتی رہتی ہے جس سے خواب کا سلسلہ بھی قائم رہتا ہے۔ اِس دوران روحِ حیوانی اپنا کام جاری رکھتی ہے جس سے اُس کی سانس چلتی رہتی ہے اور انسان زندہ رہتا ہے۔ انسان کی موت اُس وقت واقع ہوتی ہے جب روحِ انسانی کے ساتھ روحِ حیوانی بھی رخصت ہو جاتی ہے۔ نیند کے دوران روحِ انسانی تو باہر ہی ہوتی ہے، بعض اوقات روحِ حیوانی بھی چلی جاتی ہے تو انسان کی موت نیند کے دوران ہی واقع ہو جاتی ہے۔ ہمارے اکابرین میں سے حضرت مولانا مدنیؒ نے قیلولہ کے دوران وفات پائی۔ قاری عبدالمالکؒ بھی نیند میں ہی خالقِ حقیقی سے جا ملے بہرحال یہاں پر اللہ تعالیٰ نے موت کو نیند کے ساتھ تشبیہ دی ہے کیونکہ دونوں صورتوں میں انسانی حواس معطل ہو جاتے ہیں۔

اللہ کے حضور پیشی

فرمایا وہ اللہ تمہیں رات کے وقت وفات دیتا ہے وَيَعْلَمُ مَا جَرَحْتُمْ بِالنَّهَارِ اور جانتا ہے جو کچھ تم کماتے ہو دن کے وقت نیکی یا بدی، نفع یا نقصان کا جو کام بھی انجام دیتے ہو۔ اللہ تعالےٰ

اُس سے واقف ہوتا ہے۔ فرمایا ثُمَّ یَبْعَثُکُمْ فِیْہِ پھر وہ اٹھاتا ہے تم کو دن میں۔ رات کو ختم کیا اور دن کو جاری فرما دیا۔ حدیث شریف[1] میں یہ دعا سکھائی گئی ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانِیْ بَعْدَ مَا اَمَاتَنِیْ خدا تعالیٰ کا شکر ہے جس نے رات کو ایک قسم کی موت یعنی نیند طاری کر کے دن کو پھر زندہ کر دیا اور حکم دیا کہ پھر اٹھ کر چلو۔

فرمایا اللہ تعالیٰ تمہیں رات گذرنے کے بعد دن کے وقت دوبارہ اٹھا دیتا ہے لِیُقْضٰۤی اَجَلٌ مُّسَمًّی تاکہ پورا کرے مقررہ وقت۔ سورۃ ہذا کے شروع میں بیان ہو چکا ہے کہ کائنات کی مجموعی موت کا وقت بھی اللہ نے مقرر کر رکھا ہے جو قیامت کو آجائے گا۔ اس کے علاوہ ہر شخص کی انفرادی موت کا وقت بھی مقرر ہے کسی کو علم نہیں کہ وہ وقت کب آجائیگا اس لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ رات کے بعد تمہیں دوبارہ اٹھایا جاتا ہے تاکہ تم اپنا مقررہ وقت پورا کرسکو۔ ثُمَّ اِلَیْہِ مَرْجِعُکُمْ پھر تم سب کا اسی ہی کی طرف لوٹ کر آنا ہے۔ تم سب کو اللہ کے سامنے پیش ہونا ہے۔ ثُمَّ یُنَبِّئُکُمْ بِمَا کُنْتُمْ تَعْمَلُوْنَ پھر وہ تمہیں بتا دیگا جو کچھ تم اس دنیا میں کرتے رہے اعمالنامہ سامنے کر دیا جائیگا جس میں ذرہ ذرہ کا حساب موجود ہو گا اور پھر ان اعمال کے مطابق اللہ تعالیٰ فیصلہ فرمائے گا۔

---

[1] مسند احمد ص ۱۵۴ ج ۵ و بخاری ص ۱۱۱۰ ج ۲ (فیاض)

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ۖ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ ﴿٦١﴾ ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقِّ ۚ أَلَا لَهُ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ ﴿٦٢﴾ قُلْ مَنْ يُنَجِّيكُمْ مِنْ ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تَدْعُونَهُ تَضَرُّعًا وَخُفْيَةً لَئِنْ أَنْجَانَا مِنْ هَٰذِهِ لَنَكُونَنَّ مِنَ الشَّاكِرِينَ ﴿٦٣﴾ قُلِ اللَّهُ يُنَجِّيكُمْ مِنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُونَ ﴿٦٤﴾

ترجمہ:۔ اور وہی اللہ کی ذات غالب ہے اپنے بندوں پر۔ اور بھیجتا ہے وہ تمہارے اُوپر نگہران فرشتے، یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کے پاس موت کا وقت پہنچتا ہے تو وفات دیتے ہیں اُس کو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے اور ذرہ بھر بھی کوتاہی نہیں کرتے (۶۱) پھر لوٹائے جاتے ہیں وہ لوگ اللہ کی طرف جو اُن کا سچا آقا ہے۔ سنو! اُسی کے لیے ہے حکم اور وہی ہے جلد حساب لینے والا (۶۲) اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے، کون ہے جو تم کو بچاتا ہے خشکی اور سمندروں کے اندھیروں میں جس کو تم پکارتے ہو عاجزی

سے اور پوشیدہ (اور کہتے ہو) اگر اس نے بچا لیا اس (مصیبت) سے تو البتہ ہو جائیں گے ہم شکرگزاروں میں سے ﴿۶۳﴾
اے پیغمبر! آپ کہہ دیجیے، اللہ ہی ہے جو تم کو بچاتا ہے اس سے اور ہر قسم کی تکلیفوں سے، پھر تم شرک کرتے ہو ﴿۶۴﴾

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ کے علمِ محیط کا ذکر تھا جو الوہیت کی صفتِ خاصہ ہے اور ساتھ ساتھ قدرتِ تامہ کا بھی ذکر تھا۔ اب اِن آیات میں بھی اللہ کی قدرتِ تامہ ہی کا بیان ہے اور اس سے اگلی آیات بھی ایسی ہی ہیں۔ علمِ محیط اور قدرت تامہ دونوں صفات اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہیں، لہٰذا غیروں کی پرستش کا کوئی جواز پیدا نہیں ہوتا اللہ تعالیٰ مشرکین کو متوجہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ دیکھو! عبادت کا مستحق وہی ہو سکتا ہے جو قدرت تامہ کا مالک ہو اور جس کا علم ہر چیز پر محیط ہو۔ امداد فوق الاسباب بھی وہی کر سکتا ہے، لہٰذا مصیبت کے وقت دوسروں کو پکارنے سے منع کیا گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی زبان سے اعلان کروایا "اِنِّیْ نُهِیْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ" مجھے اس بات سے منع کیا گیا ہے کہ میں اُن کی عبادت کروں جن کو تم اللہ کے سوا پکارتے ہو۔ غیر اللہ کو پکارنا تو خواہشات نفسانیہ کی وجہ سے ہوتا ہے، لہٰذا میں کسی ایسی ہستی کی عبادت کرنے کے لیے تیار نہیں جس کے پاس نہ قدرتِ تامہ ہو اور نہ علم محیط۔ یہ صفات تو اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں۔ وہی واجب الوجود ہے اور وہی مدبر ہے، لہٰذا عبادت بھی اُسی کی ہو سکتی ہے۔

قدرت تامہ کی جزئیات کے سلسلے میں گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ دیکھو! اللہ تعالیٰ رات کے وقت تم پر نیند طاری کرتا ہے جو موت کی مانند ہے النوم مثل الموت یا النوم اخ الموت نیند کو موت کی بہن بھی کہا گیا ہے اس دوران انسانی روح بسا اوقات جسم سے نکل کر دور چلی جاتی ہے، سیر و تفریح کرتی ہے، اور کئی طرح کے منظر نظر آتے ہیں، تاہم روح حیوانی انسانی جسم میں موجود رہتی ہے

اور انسان کی سانس اور نبض کی حرکت جاری رہتی ہے پھر جب اللہ کا حکم ہوتا ہے تو روح انسانی واپس جسم میں آجاتی ہے۔ انسان بیدار ہو جاتا ہے اور دن کے وقت اپنے کاروبار میں مصروف ہو جاتا ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ انجام دیے جانے والے تمہارے تمام کام اس کی نگاہ میں ہیں۔ پھر وہ تمہیں مقررہ وقت پر کھڑا کر کے تمام اعمال تمہارے سامنے رکھ دیگا۔

اللہ بندوں پر غالب ہے

فرمایا جو اللہ قدرتِ تامہ اور علم محیط کا مالک ہے وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وہ اپنے بندوں پر غالب ہے، قہر کا معنیٰ دبانا یا مغلوب کر دینا ہوتا ہے۔ قہار اللہ تعالیٰ کی صفت ہے، وہ جس کو چاہے مغلوب کر دے، اس کے سامنے کسی کو دم مارنے کی مجال نہیں بندے ظاہری اسباب اور سامان سے کتنے بھی لیس ہوں، وہ کتنی بھی قوت رکھتے ہوں، انجینیئر یا سائنس دان ہوں، اللہ تعالیٰ سب پر غالب ہے کیونکہ اس کی صفت قاہر ہے۔ سورۃ یوسف میں آتا ہے "وَاللّٰهُ غَالِبٌ عَلٰٓى اَمْرِهٖ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ" اللہ تعالیٰ اپنے حکم میں غالب ہے مگر اکثر لوگ نہیں سمجھتے۔ جس کی وجہ سے طرح طرح کے غلط عقائد جنم لیتے ہیں۔ وہی غالب ہے جب چاہے بڑے بڑے سرکشوں کو دبا دے اور انہیں ذلیل و خوار کر دے کیونکہ "فَاِنَّ الْعِزَّةَ لِلّٰهِ جَمِيْعًا" (یونس) عزت ساری کی ساری اسی کے قبضہ قدرت میں ہے۔ بہرحال قاہر کا معنیٰ غالب اور دبانے والا ہے اللہ تعالیٰ اپنی قدرتِ تامہ کے ساتھ اپنے بندوں پر غالب ہے۔

کراماً کاتبین فرشتے

فرمایا یہ اس کی قدرتِ تامہ ہی کا کرشمہ ہے وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً کہ وہ تم پر نگرانی کرنے والے فرشتے بھیجتا ہے۔ قرآن پاک کے مختلف مقامات سے یہ بات اخذ ہوتی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تین قسم کے فرشتوں کی ڈیوٹیاں ہر انسان کے ساتھ لگا رکھی ہیں۔ پہلا گروہ کراماً کاتبین کا ہے

ان کا ذکر سورۃ الانفطار میں موجود ہے "کِرَامًا کَاتِبِیْنَ ٥ یَعْلَمُوْنَ مَا تَفْعَلُوْنَ" ہر انسان کا نامہ اعمال تیار کرنے والے یہ بزرگ فرشتے ہیں جو انسانوں کے ___ کردہ امور کو جانتے ہیں اور انہیں اپنے رجسٹروں میں لکھ کر محفوظ کر لیتے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی فرمان ہے "مَا یَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَیْهِ رَقِیْبٌ عَتِیْدٌ ٥" (ق) انسان اپنی زبان سے کچھ نہیں نکالتا مگر وہ نگران فرشتے موجود ہیں جو ہر بات کا ریکارڈ محفوظ کر لیتے ہیں اور اس طرح ہر انسان کا نامۂ اعمال تیار ہوتا رہتا ہے۔ یہ بات قابلِ ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ تو علیم کل ہے وہ اگر کسی چیز کو نہ بھی لکھوائے تو کوئی بات نہیں وہ ہر انسان کے ہر فعل سے واقف ہے مگر اس نے فرشتوں کے ذریعے انسانی اعمال کی تحریر کا ایک نظام قائم کر دیا ہے۔ قیامت کے روز یہ اعمال نامے انسانوں کے سامنے رکھ دیئے جائیں گے، پھر وہ اپنے کردہ اعمال کا انکار نہیں کر سکیں گے۔

اعمال پیش کنندہ فرشتے

جو اعمال نامے کراماً کاتبین تیار کرتے ہیں، وہ تو ہر انسان کو قیامت کے دن ملیں گے، البتہ بعض فرشتے ایسے بھی ہیں جو ہر انسان کی کارکردگی کی رپورٹ صبح و شام اللہ کے پاس پیش کرتے ہیں۔ صحیح حدیث میں آتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ لوگوں کے اعمال ہر صبح شام پیش کیے جاتے ہیں اس کام کے لیے ہر انسان کے ساتھ فرشتے مقرر ہیں رات کی ڈیوٹی والے فرشتے صبح کی نماز کے وقت تک اس کے ساتھ رہتے ہیں۔ پھر وہ چارج دن کی ڈیوٹی والے فرشتوں کو دے کر اوپر چلے جاتے ہیں اور انسان کے اعمال اللہ کی بارگاہ میں پیش کرتے ہیں۔ دن کے فرشتے عصر کی نماز کے وقت اپنا چارج رات کے فرشتوں کو دے کر دن کے اعمال لے جاتے ہیں۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ فجر اور عصر کی نمازوں کا خاص خیال رکھا کرو کیونکہ یہ اعمال کی پیشی کے اوقات ہیں

اگرچہ اس رپورٹ کی بھی خدا تعالیٰ کو ضرورت نہیں ہے تاہم یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک انتظام موجود ہے۔

انسانی اعمال کے متعلق ہفتہ وار رپورٹ بھی خدا تعالیٰ کو پیش کی جاتی ہے اس کام کے لیے الگ فرشتے مقرر ہیں جو خمیس یعنی جمعرات کے دن ہر آدمی کی رپورٹ پیش کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ سالانہ رپورٹ کا ایک دن بھی مقرر ہے۔ شب برأت کے موقع پر فرشتے ہر انسان کی پورے سال کی کارکردگی پیش کرتے ہیں۔

محافظ فرشتے

سورۃ رعد میں موجود ہے "لَهٗ مُعَقِّبٰتٌ مِّنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖ يَحْفَظُوْنَهٗ مِنْ اَمْرِ اللّٰهِ" اللہ تعالیٰ نے انسان کے لیے ایسے فرشتے مقرر رکھے ہیں جو آگے پیچھے ہر طرف اُس کی حفاظت کرتے ہیں۔ اللہ نے ہر انسان کے ساتھ نگران فرشتوں کی جماعت مقرر کر رکھی ہے۔ یہ فرشتے اللہ کے حکم کے مطابق ہر انسان کو مختلف حوادثات سے بچاتے ہیں۔ اور جب اللہ تعالیٰ کسی شخص کو تکلیف میں مبتلا کرنا چاہتا ہے تو فرشتوں کی نگرانی اٹھا لیتا ہے اور ایسے شخص کے ساتھ وہ حادثہ پیش آجاتا ہے جو اس کے لیے مقرر ہوتا ہے ایسے فرشتوں کی صحیح تعداد تو اللہ ہی جانتا ہے، تاہم بعض مفسرین کے مطابق ہر انسان کے ساتھ ساٹھ[٦٠] محافظ فرشتے ہوتے ہیں جو ہر وقت انسان کے ساتھ رہتے ہیں۔ جس طرح اس دنیا میں پولیس یا فوج کے سپاہیوں کی ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی رہتی ہیں اسی طرح فرشتوں کی جماعتیں بھی وقفے وقفے سے بدلتی رہتی ہیں۔ فرشتوں کا یہ دوسرا گروہ ہے۔

ملک الموت اور معاونین

تیسری قسم کے فرشتے وہ ہیں جن کا ذکر آیت کے اگلے حصہ میں ہے، اور جو انسانوں کی روح قبض کرنے پر مامور ہیں۔ چنانچہ ارشاد ہے حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ جب تم میں سے کسی کی موت

کا وقت آجاتا ہے تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا تو ہمارے بھیجے ہوئے فرشتے
اُس کو وفات دیتے ہیں یعنی اُس کی رُوح کو قبض کر لیتے ہیں اور پھر
اُسے اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق اولاً یا تو علّیین کے مقام پر لے جاتے ہیں
یا سجین کے مقام پر۔ پھر جہاں اللہ کی مشیت ہوتی ہے۔ وہاں لے جاتے
ہیں وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ اور وہ اس معاملے میں کسی قسم کی کوتاہی
نہیں کرتے۔ طبرانی اور حلیۃ الاولیار کی روایت میں آتا ہے کہ ایک انصاری
صحابیؓ موت کی کشمکش میں مبتلا تھے حضور علیہ السلام وہاں تشریف لے گئے
اور ملک الموت سے کہا، یہ مومن ہے۔ جان کنی میں اس شخص کے ساتھ نرمی
روا رکھنا، تو اس نے جواب دیا۔ حضور! آپ یقین جانیں، میں ہر مومن کے
ساتھ نرمی کا سلوک کرتا ہوں اَنَا رَفِيقٌ بِكُلِّ مُؤْمِنٍ میں تو ہر ایماندار
کا دوست اور رفیق ہوں۔ پھر موت کے فرشتوں نے کہا کہ جب ہم
کسی شخص کی روح قبض کرنے مکان کے صحن میں ہوتے ہیں، تو میت پر رونے
چلانے والوں کو کہتے ہیں کہ ہم نے تو کوئی گناہ یا کوتاہی تو نہیں کی، ہم نے
تمہارے عزیز کی جان کو قبل از وقت قبض نہیں کیا، ہم نے تو اللہ تعالیٰ
کے حکم کی تعمیل کی ہے۔ اگر تم صبر کرو گے تو اجر پاؤ گے اور اگر چیخ و پکار
کرو گے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آ جاؤ گے۔ ملک الموت نے یہ بھی کہا کہ میں
تو ہر وقت گھروں میں گھومتا رہتا ہوں اور اللہ کے حکم کا منتظر رہتا ہوں
جب اللہ کا حکم آجاتا ہے تو اُس کی تعمیل کرتا ہوں۔

اِس آیت کریمہ میں رُسُلُنَا جمع کا صیغہ استعمال کیا گیا ہے،
جس کا مطلب یہ ہے کہ وفات دینے یعنی روح قبض کرنے پر بہت
سے فرشتے مامور ہیں۔ مگر سورۃ سجدہ میں ہے "قُلْ يَتَوَفّٰكُمْ
مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِيْ وُكِّلَ بِكُمْ" صرف ایک فرشتہ ملک الموت
تمہاری جانوں کو قبض کرنے کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ اس اشکال کے جواب

ہیں بعض مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ دراصل جان قبض کرنے والا ملک الموت تو ایک ہی فرشتہ ہے البتہ باقی فرشتے اس کے ساتھ معاون ہوتے ہیں جو باقی امور انجام دیتے ہیں۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ روح قبض کرنے کے بعد اگر وہ جنتی ہے تو فرشتے اُسے جنت کے خوشبودار رومال میں لپیٹ لیتے ہیں اور اگر مرنے والا جہنمی ہے تو اُسے دوزخ کے بدبودار کپڑے میں لپیٹ کر لے جاتے ہیں اور پھر اُس کے ساتھ باقی کاروائی ہوتی ہے۔ بعض مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ ملک الموت کے علاوہ بعض دیگر فرشتے بھی انسان کی روح قبض کرتے ہیں۔ ایسا بھی ہو سکتا ہے۔ اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اصل قابض ایک ہی ہو اور باقی اس کے معاونین۔ بہر حال فرمایا کہ موت کا وقت آجانے پر ہمارے فرشتے اُس شخص کی روح کو قبض کر لیتے ہیں اور ہمارے حکم کی تعمیل میں کسی قسم کی کوتاہی نہیں کرتے۔

اللہ کے حضور پیشی

فرمایا جب فرشتے روح قبض کر لیتے ہیں ثُمَّ رُدُّوا إِلَى اللهِ پھر انہیں اُس اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹایا جاتا ہے مَوْلٰهُمُ الْحَقِّ ط جو کہ اُن کا سچا آقا ہے۔ أَلَا سنو! لَهُ الْحُكْمُ حکم تو اُسی کا ہے تم غیروں کی پوجا کیوں کرتے ہو؟ اُن کو حاجت روا اور مشکل کشا کیوں سمجھتے ہو؟ خدا کی صفاتِ مخصوصہ کو مخلوق کی طرف کیوں منسوب کرتے ہو؟ یاد رکھو! مشکل کشا صرف اللہ کی ذات ہے، ہر ذرے ذرے سے واقف، ہمہ دان اور ہمہ بین وہی ہے، رحیم و کریم اور قدرتِ تامہ کا مالک وہ اللہ ہی ہے۔ وہ اپنی مشیت اور ارادے سے جو چاہے کرے، اُس کا ہر حکم بلا چون چرا قابلِ قبول ہے۔ تمام مخلوق اس کے احکام کی پابند ہے حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام بھی سب اللہ تعالیٰ کے عبد مامور ہیں۔ ایک موقع پہ تیز ہوا چلنے لگی حضور علیہ السلام کے پاس موجود ایک شخص نے ہوا کو بُرا بھلا کہا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ہوا کو گالی مت دو یہ تو مامور من اللہ ہے۔ جیسا خدا کا حکم ہوتا

ہے، ویسے ہی چلتی ہے۔ مقصد یہ کہ ہر چیز اللہ تعالیٰ کے حکم کے تابع ہے۔
فرمایا حکم اسی کا ہے وَهُوَ اَسْرَعُ الْحٰسِبِيْنَ اور وہ جلد حساب لینے والا ہے۔ جب وہ حساب، کتاب لینے پر آئے گا، محاسبے کا عمل شروع کرے گا۔ تو انسان کی زندگی کے تمام اعمال یکدم سامنے آجائیں گے نیکی بدی کا پتہ چل جائے گا، پھر وہاں کوئی دیر نہیں لگے گی، کیونکہ وہ حساب کتاب کے معاملہ میں دیر نہیں کرے گا۔

مقصد یہ کے
وقت بچاؤ

فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجیے مَنْ يُّنَجِّيْكُمْ مِّنْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں تمہیں کون بچاتا ہے؟ مقصد یہ ہے کہ جب خشکی یا سمندر میں رات کے وقت تم راستہ بھول جاتے ہو یا طوفان آجاتا ہے یکدم بارش برسنے لگتی ہے۔ تیز ہوائیں چلنے لگتی ہیں اور تمہیں کچھ نہیں سوجھتا، تم مشکل میں پھنس جاتے ہو، بعض اوقات اس قدر گہری دھند چھا جاتی ہے کہ کچھ نظر نہیں آتا، سڑکوں پر حادثات پیش آنے کا خطرہ ہوتا ہے، تو بتاؤ ایسے حالات میں تمہیں صحیح سلامت لے آنے والی کون سی ذات ہے تَدْعُوْنَهٗ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً جسے تم عاجزی سے اور چپکے پکارتے ہو۔ تمام سوالوں کا ایک ہی جواب ہے کہ وہ صرف اللہ ہے جو تمام مشکلات کو دور کرتا ہے اور انسانوں کو مصائب سے نجات دیتا ہے۔ قدیم مشرکین کا دستور یہ تھا کہ جب وہ طوفان میں گھر جاتے تھے، یا کوئی سخت مشکل پیش آجاتی تھی تو خالص اللہ ہی کو پکارتے تھے، وہ جانتے تھے کہ ایسے حالات میں اللہ وحدہٗ لاشریک ہی کام آسکتا ہے، یہاں چھوٹے چھوٹے معبود کچھ کام نہیں آتے مگر کتنے افسوس کا مقام ہے کہ آج کے مشرک ان مشرکوں سے بھی دو قدم آگے ہیں۔ وہ کم از کم مشکل کے وقت تو خالص اللہ کو پکارتے تھے مگر یہ ایسے موقع پر بھی غیر اللہ کی دہائی دیتے ہیں۔ کبھی خواجہ معین الدین چشتیؒ کو پکارا

جا رہا ہے، کبھی خواجہ بہاؤالدین زکریا ملتانیؒ سے مدد طلب کی جاتی ہے اور کبھی شیخ عبدالقادر جیلانیؒ سے بگڑی بنانے کی درخواست کی جاتی ہے۔ ان بزرگوں نے لوگوں کو نورِ ایمان اور نورِ توحید سے منور کیا، کفر اور شرک کی بیخ کنی کی، ان کا وعظ سُن کر بڑے بڑے چور اور ڈاکو ایمان لے آئے مگر آج کا مشرک انہی کی دہائی دے رہا ہے، جس کفر اور شرک کے خلاف انہوں نے جہاد کیا، اُن کے ماننے والے آج اُسی میں مبتلا ہیں، اُن کو مشکل کُشا اور حاجت روا سمجھا جا رہا ہے۔ اُن کے نام کی نذریں مانی جاتی ہیں اور اُن کی تعلیم کو کوئی پوچھتا تک نہیں، محض اُن کے عُرس منا کر اور گیارہویں دے کر اُن کا حق ادا کر دیا جاتا ہے۔ یہ کہاں کا ایمان اور کہاں کا عقیدہ ہے۔

آدابِ دُعا

یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ کو ہر طرح سے پکارنا درست ہے، تاہم گڑ گڑا کر، عاجزی سے اور چپکے چپکے سے پکارنا افضل ہے کیونکہ اس میں ریاکاری کا عنصر نہیں پایا جاتا۔ انسان کا تعلق اللہ تعالیٰ سے براہِ راست قائم ہو جاتا ہے، سورۃ اعراف میں بھی آتا ہے "اُدْعُوا رَبَّكُمْ تَضَرُّعًا وَّخُفْيَةً اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ" اپنے رب کو عاجزی اور خاموشی سے پکارا کرو کیونکہ وہ زیادتی کو پسند نہیں کرتا۔ اِسی سورۃ میں یہ بھی آتا ہے "وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ" اپنے رب کا ذکر اپنے دِل میں گڑگڑا کر اور پوشیدہ طور پر کیا کرو اور آواز کو زیادہ بلند نہ کرو۔ سورۃ مریم میں حضرت زکریا علیہ السلام کا تذکرہ آتا ہے "اِذْ نَادٰى رَبَّهٗ نِدَآءً خَفِيًّا" اُس نے اپنے رب کو خفیہ طریقے سے آواز دی۔ غرضیکہ یہ چیز آدابِ دُعا میں سے ہے کہ اپنے پروردگار کو نہایت عجز و انکاری اور خفیہ طریقے سے پکارا جائے اور اس سے مدد طلب کی جائے۔

اللہ ہی بچانے والا

فرمایا کہ تم مشکل کے وقت خالص اللہ تعالیٰ کو پکارتے ہو اور ساتھ

یہ بھی کہتے ہو لَئِنْ اَنْجٰنَا مِنْ هٰذِهٖ اگر اُس نے ہمیں اس مصیبت سے بچا لیا لَنَكُوْنَنَّ مِنَ الشّٰكِرِيْنَ تو ہم تو اُس کے شکر گزار بندوں میں سے ہو جائیں گے، پھر ہم کفر و شرک سے باز آ جائیں گے، اُس کی نافرمانی نہیں کریں گے، بلکہ اُس کے ہر حکم کی بسر و چشم تعمیل کریں گے۔ مصیبت سے بچنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے بڑے بڑے وعدے کرتے ہو، منتیں مانتے ہو کہ اللہ تعالیٰ اس مصیبت سے رہائی دیدے

اللہ نے فرمایا قُلِ اے پیغمبر! اِن سے کہہ دیں اَللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ اللہ ہی ہے جو تمہیں اس مشکل سے اور باقی مصیبتوں سے بچاتا ہے۔ تمام پریشانیوں کو وہی دُور کرتا ہے۔ مگر یہ اس کی مشیت پر موقوف ہے پیچھے اسی سورۃ میں گزر چکا ہے کہ جس اللہ کو تم پکارتے ہو وہ اگر چاہے تو تمہاری مشکلات کو دُور کر دیتا ہے۔ وہ ہر کام اپنی حکمت اور مصلحت کے مطابق کرتا ہے اگرچہ مخلوق اس کو سمجھنے سے قاصر ہو۔ سورۃ دہر میں بھی آتا ہے وَمَا تَشَآءُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ ہر چیز اللہ کی مشیت پر ہے، تمہاری مشیت وہاں کچھ نہیں کر سکتی۔ وہی ہوتا ہے جو اللہ تعالیٰ چاہتا ہے۔

اعادۂ شرک

فرمایا خشکی اور سمندر کے اندھیروں میں اللہ ہی تمہیں تمام پریشانیوں سے نجات دیتا ہے مگر کتنے افسوس کی بات ہے کہ جب تم اُس مشکل سے نجات حاصل کر لیتے ہو ثُمَّ اَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ تو پھر اسی طرح شرک کرنے لگتے ہو۔ بحر و بر کے ظلمات میں دست گیری تو اللہ کرتا ہے مگر جب بچ جاتے ہو تو پھر غیر اللہ کی نذر و نیاز شروع ہو جاتی ہے اس مشکل کشائی کو غیر اللہ کی طرف منسوب کرنے لگتے ہو، پھر وہی قبر پرستی، حجر پرستی اور شجر پرستی شروع ہو جاتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اِن آیات میں شرک کی تردید کے سلسلے میں

اپنی قدرت تامہ کا ذکر فرمایا ہے اس سے پہلے علم محیط کا ذکر بھی ہو چکا ہے
یہ مضمون آگے بھی جاری ہے۔

آیت ٦٥ تا ٦٧
درس ہشردہم ١٨

قُلۡ هُوَ الۡقَادِرُ عَلٰۤی اَنۡ یَّبۡعَثَ عَلَیۡكُمۡ عَذَابًا مِّنۡ فَوۡقِكُمۡ اَوۡ مِنۡ تَحۡتِ اَرۡجُلِكُمۡ اَوۡ یَلۡبِسَكُمۡ شِیَعًا وَّیُذِیۡقَ بَعۡضَكُمۡ بَاۡسَ بَعۡضٍ ؕ اُنۡظُرۡ كَیۡفَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ لَعَلَّهُمۡ یَفۡقَهُوۡنَ ﴿٦٥﴾ وَكَذَّبَ بِهٖ قَوۡمُكَ وَهُوَ الۡحَقُّ ؕ قُلۡ لَّسۡتُ عَلَیۡكُمۡ بِوَكِیۡلٍ ﴿٦٦﴾ لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسۡتَقَرٌّ وَّسَوۡفَ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿٦٧﴾

ترجمہ :۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں ، وہ اللہ تعالیٰ قادر ہے اس بات پر کہ بھیج دے ، تم پر عذاب تمہارے اُوپر سے یا تمہارے پاؤں کے نیچے سے یا تم کو خلط ملط کر دے مختلف فرقوں میں اور چکھائے تم میں سے بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ ۔ دیکھو کس طرح ہم پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں، آیتوں کو تاکہ یہ لوگ سمجھ جائیں ﴿٦٥﴾ اور جھٹلایا ہے اس (قرآن) کو تیری قوم نے حالانکہ وہ حق ہے اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے میں تم پر نگہبان نہیں ہوں ﴿٦٦﴾ ہر خبر کے لیے ایک وقت مقرر ہے اور عنقریب تم جان لو گے ﴿٦٧﴾

ربطِ آیات

پہلے اللہ تعالیٰ کے علاوہ غیروں کی عبادت کرنے سے منع کیا گیا — کہ یہ کفر شرک اور گمراہی کی بات ہے ۔ اس کے بعد الوہیت کی صفات مختصہ کا بیان تھا کہ عالم الغیب صرف وہی ہے وہی ہر چیز پر غالب ہے لہٰذا عبادت

بھی صرف اسی کی ہونی چاہیئے اور مدد بھی اسی سے طلب کرنی چاہیئے۔ پھر درمیان میں فرمایا کہ لوگوں کو خشکی یا تری میں جو مشکلات پیش آتی ہیں اُن سے بچا کر لانے والا بھی اللہ ہی ہے مگر افسوس کا مقام ہے کہ لوگ پھر بھی اُس کے ساتھ شرک کرتے ہیں۔ یہ ایک قسم کی تنبیہ تھی کہ جب علم غیب کا مالک وہ ہے، غلبہ اور قدرت اُس کو حاصل ہے، تو پھر الٰہ بھی اُس کے سوا کوئی نہیں۔ اگر اللہ تعالیٰ فوراً گرفت نہیں کرتا تو یہ اُس کی طرف سے مہلت ہوتی ہے جس سے غلط فائدہ نہیں اٹھانا چاہیئے بلکہ پہلی وارننگ پر ہی کفر، شرک اور بدعات کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کی الوہیت کا اقرار کر لینا چاہیئے۔

عذاب الٰہی کا انتظار

اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت قادر مطلق کو بیان فرمایا ہے۔ قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں هُوَ الْقَادِرُ وہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے عَلٰٓى اَنْ يَّبْعَثَ عَلَيْكُمْ عَذَابًا کہ وہ تم پر کوئی عذاب بھیج دے۔ گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کی طرف توجہ دلائی تھی کہ تمہیں مصائب سے بچانے والا خود اللہ ہے مشکلات کے وقت تم صرف اسی کو پکارتے ہو مگر جب وہ مصیبت ٹل جاتی ہے تو پھر شرک میں مبتلا ہو جاتے ہو۔ اللہ نے فرمایا ہے کہ یہ نہ سمجھو کہ اگر تمہیں ایک مصیبت سے نجات مل گئی تو اب دوبارہ مشکل میں نہیں پھنس سکتے بلکہ وہ اس پر قادر ہے کہ تم پر کوئی عذاب مسلط کر دے مِّنْ فَوْقِكُمْ تمہارے اوپر سے اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ یا پاؤں کے نیچے سے۔ قرآن پاک میں سابقہ کئی اقوام کے حالات مذکور ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے اُوپر سے عذاب نازل فرمایا۔ قوم لوط پر پتھروں کی بارش کی گئی جس سے پوری قوم کو ہلاک کر دیا گیا۔ سورۃ ہود میں موجود ہے وَاَمْطَرْنَا عَلَيْهَا حِجَارَةً مِّنْ سِجِّيْلٍ ۙ مَّنْضُوْدٍ ۝ مُّسَوَّمَةً

عِنْدَ رَبِّكَ " ہم نے اُن پر نشان زدہ پتھروں کی بارش کی۔ ہر پتھر پر نام لکھا ہوا تھا کہ فلاں کے سر پر لگے گا۔ اصحاب فیل کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک ہوا۔ "تَرْمِيهِمْ بِحِجَارَةٍ مِّنْ سِجِّيلٍ" اُن پر چھوٹے چھوٹے سنگریزوں کی بارش کی گئی۔ گویا اللہ تعالیٰ اوپر فضا سے عذاب نازل کرنے پر قادر ہے اوپر سے کوئی طوفان بھی آسکتا ہے جیسا قوم نوح علیہ السلام پر آیا۔ "فَاَخَذَهُمُ الطُّوفَانُ" (العنکبوت) پھر انہیں طوفان نے گھیر لیا۔ اس قسم کی سزا قوم فرعون پر بھی آئی تھی اور وہ ہلاک ہو گئے اور اللہ تعالیٰ نیچے سے بھی کوئی عذاب بھیج سکتا ہے۔ دنیا میں بڑے بڑے زلزلے آتے ہیں اور لوگ آناً فاناً تباہ ہو جاتے ہیں۔ سیلاب کی تباہ کاریاں بھی آئے دن مشاہدے میں آتی رہتی ہیں، یہ بھی نیچے کی طرف سے عذاب الٰہی ہے تو بہر حال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ تمہارے اوپر سے کوئی عذاب بھیج دے یا تمہارے پاؤں کے نیچے کوئی آفت برپا کر دے۔

غالب اور مغلوب میں کشمکش

امام ابن جریر طبریؒ، امام بیضاویؒ اور امام فخر الدین رازیؒ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت نقل کی ہے کہ مِنْ فَوْقِكُمْ کا یہ مطلب بھی ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ تمہارے اوپر ظالم حاکم مقرر کر دے جو تمہیں ہر وقت پریشانی میں مبتلا رکھیں۔ انسانی سوسائٹی میں اس قسم کے واقعات پیش آتے رہتے ہیں کہ بڑے بڑے بادشاہوں یا ڈکٹیٹروں نے عوام کو کچل کر رکھ دیا۔ یہ روس میں کیا ہو رہا ہے، برسر اقتدار ٹولے نے اپنے ماتحتوں کے خیالات پر بھی پابندی لگا رکھی ہے۔ حکومت کے خلاف نہ کسی کو سوچنے کی اجازت ہے اور نہ زبان کھولنے کی۔ جو ایسا کرتا ہے نیست و نابود کر دیا جاتا ہے۔ چین کا کمیونزم بھی ایسا ہی ہے۔ لوگوں کے مذہب پر بھی پابندی ہے۔ یہ عذاب الٰہی نہیں تو کیا ہے؟ کوئی آدمی

اُوپر والوں کی مرضی کے خلاف کوئی بات نہیں کر سکتا۔ ایسا کرنے والوں کو غدار سمجھا جاتا ہے، سزائے موت دیدی جاتی ہے، جلاوطن کر دیا جاتا ہے، یا سائبیریا کے بیابانوں میں پھینک دیا جاتا ہے۔ جہاں چار چار ہزار میل تک کوئی رسل و رسائل نہیں، وہاں سے انسان بھاگ بھی نہیں سکتا۔

امریکہ نے بھی بعض قوموں کو غلام بنا رکھا ہے۔ اقتصادی امداد کے نام پر ملکوں کو اپنا دستِ نگر بنا لیا جاتا ہے اور پھر انہیں اپنی مرضی سے سانس بھی نہیں لینے دیا جاتا۔ کبھی جمہوریت کے نام پہ اور کبھی مذہب کے نام پہ لوگوں پر ظلم کیا جاتا ہے۔ فلسطینیوں اور مصریوں پہ جو ظلم ہو رہے ہیں، یہ سب امریکہ کی سازش ہے۔ ایسی سکیم لڑاتا ہے کہ بظاہر لوگوں کے ساتھ ہمدردی کا اظہار ہوتا ہے مگر درحقیقت اُن کی جڑیں کاٹ دی جاتی ہیں۔ برطانیہ کا بھی یہی معمول رہا ہے۔ وہ بھی کمزوروں کو غلام اور بے غیرت بنانے کے درپے رہا ہے۔ مشنریوں کے ذریعے سکول اور ہسپتال بنا کر لوگوں کے مذہب پہ ڈاکہ ڈالا جاتا ہے۔ کھیل اور تماشے میں الجھا کر کاہل اور سست بنا دیا جاتا ہے۔ یہ سب اوپر والے عذاب کی مثالیں ہیں۔ جب لوگ اپنے مرکز سے ہٹ جاتے ہیں اور اپنے مسلک کو چھوڑ بیٹھتے ہیں تو پھر وہ اپنا سب کچھ بھول کر غیروں کی ترجمانی کرنے لگتے ہیں، یہی سزا ہے۔

زبردست لوگوں کی طرف سے سزا کے مشاہدات بھی ہوتے رہتے ہیں مزدوروں، کسانوں اور ملازموں کی طرف سے تحریکیں اور روزمرہ کی ایجی ٹیشن انجمن سازی، فرائض سے غفلت اور حقوق کے مطالبات اوپر والوں کے لیے دردِ سر بن جاتے ہیں اور وہ ہر وقت پریشانی میں غرق رہتے ہیں۔

اُوپر والے نیچے والوں کو کچلتے ہیں اور نیچے والے اُوپر والوں کا چین حرام کر دیتے ہیں۔ کارخانے داروں کو مزدور پریشان کرتے ہیں، زمینداروں اور وڈیروں کو مزارع تنگ کرتے ہیں، کرایہ دار مالکِ مکان و دکان سے

برسرپیکار رہتا ہے اور ماتحت ملازمین اپنے افسران کا ناک میں دم کر دیتے ہیں، یہ سلسلہ اس طرح چلتا رہتا ہے اور اُوپر والوں اور نیچے والوں دونوں کے لیے عذابِ الٰہی ثابت ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ اس بات پر قادر ہے کہ وہ تمہیں اُوپر سے کسی عذاب میں مبتلا کر دے یا نیچے سے کوئی سزا مقرر کر دے۔

.....گھر کے چراغ سے

فرمایا اللہ تعالیٰ اس بات پر بھی قادر ہے اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا تمہارے مختلف فرقے بنا کر تمہیں غلط ملط کر دے۔ لبس کا معنی گڈمڈ کر دینا یا خلط ملط کر دینا ہے۔ تو فرمایا سزا کی ایک صورت یہ بھی کہ اللہ تعالیٰ تمہیں مختلف فرقوں میں تقسیم کر دے وَيُذِيقَ بَعْضَكُمْ بَأْسَ بَعْضٍ پھر بعض کو بعض کی لڑائی کا مزہ بھی چکھائے۔ جب لوگ مختلف فرقوں میں بٹ جائیں گے، اُن میں اختلافات پیدا ہو جائیں گے تو پھر وہ آپس میں ہی برسرپیکار ہو جائیں گے اور یہ بھی عذاب ہی کی ایک صورت ہے۔

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اس آیت کے جب یہ الفاظ نازل ہوئے عَذَابًا مِّنْ فَوْقِكُمْ تو حضور علیہ السلام نے دُعا کی اَعُوْذُ بِوَجْهِكَ اے اللہ! میں تیری ذات کے ساتھ اس عذاب سے پناہ مانگتا ہوں، پھر جب الفاظ اَوْ مِنْ تَحْتِ اَرْجُلِكُمْ اترے، تب بھی نبی علیہ السلام نے نیچے والے عذاب سے پناہ مانگی۔ آیت کا تیسرا ٹکڑا اَوْ يَلْبِسَكُمْ شِيَعًا آیا تو آپ نے فرمایا، یہ نسبتاً سہل ہے۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اِن تین دعاؤں میں سے پہلی دو کو اللہ نے منظور کر لیا اور وعدہ فرمایا کہ امت نبی آخر الزمان علیہ السلام پر نہ تو نوح علیہ السلام کی قوم جیسا بارش یا پتھروں کا عذاب آئیگا کہ پوری قوم ہی ہلاک ہو جائے اور نہ نیچے سے زلزلے اور سیلاب وغیرہ ہی پوری امت کے لیے تباہ کن ہوں گے۔ البتہ آپس کی فرقہ بندی سے متعلق اللہ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی دُعا قبول نہ کی، چنانچہ تفرقہ بازی

اس امت میں قیامت تک قائم رہے گی۔ حضرت سعدؓ کی روایت میں آتا ہے کہ نبی علیہ السلام نے یہ دعا بھی کی، اے اللہ! میری امت پر کسی دشمن کو مسلط نہ فرمانا۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دعا بھی قبول فرمائی کہ دشمن تو مسلط نہ ہوگا۔ مگر آپس کی لڑائی بھڑائی جاری رہے گی۔ چنانچہ امتِ محمدیہ میں تاتاریوں کا فتنہ محض اپنوں کی وجہ سے پیدا ہوا۔ افغانستان کی جنگ میں جو لوگ ہلاک ہو رہے ہیں وہ بھی آپس کی جنگ و جدال کی وجہ سے ہو رہا ہے۔ اس برصغیر میں انگریزوں کو تسلط اپنوں کی وجہ سے حاصل ہوا۔ غرضیکہ دنیا میں جہاں پر بھی مسلمانوں کو غلام بنایا گیا اور ان پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے گئے ہیں۔ سب اندرونی غداروں کی وجہ سے ہوا ہے حضورؐ نے فرمایا میری اپنی امت کے لوگ ہی ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے۔

فرقہ بندی کا عذاب

اب مسلمانوں میں فرقہ پرستی کی وبا عام ہے۔ خیر القرون میں تو لوگ اس بیماری سے محفوظ رہے مگر آپ کے رخصت ہونے کے ۲۵ برس بعد یہ عذاب شروع ہو گیا۔ سب سے پہلا اختلاف خلیفہ راشد حضرت عثمانؓ کے زمانے میں پیدا ہوا جو ان کی شہادت پر منتج ہوا۔ پھر مسلمانوں کے درمیان جمل اور صفین کی جنگیں ہوئیں۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ جب میری امت میں ایک دفعہ تلوار چل جائے گی تو پھر قیامت تک چلتی رہے گی۔ اس کے بعد عام فتنے شروع ہو گئے۔ فرقہ بندی پیدا ہو گئی۔ خلافت ملوکیت میں تبدیل ہو گئی۔ شہنشاہیت اور امپیریلزم آ گیا۔ اجتماعیت کی جگہ انفرادیت نے لے لی اور اس طرح امت میں مستقل انتشار پیدا ہو گیا۔ نیک لوگ دنیا سے بالکل ناپید تو نہیں ہوئے مگر اکثر و بیشتر شر ہی کا غلبہ رہا۔ یہ سب اندرونی خلفشار کا نتیجہ ہے اپنے ملک میں فرقہ بندی کی حالت دیکھ لیں۔ ایک دوسرے کے خلاف کس طرح کیچڑ اچھالا جاتا ہے۔ ایک دوسرے کے خلاف کفر کے فتوے دیے جاتے ہیں۔ پراپیگنڈا کے ذریعے ایک دوسرے کو بدنام کرنے کی کوشش

کی جاتی ہے اور اس طرح لوگوں کو بے وقوف بنایا جا رہا ہے یہی خدا کا عذاب ہے، یہ آخری علمی امت ہے، اور علم کا تقاضا ہے کہ ان کے نظریات اور آرا مختلف ہوں، بعض کے نظریات اچھے ہیں مگر ان میں بعض کمزوریاں پائی جاتی ہیں۔ بعض لوگ فاسد رائے رکھتے ہیں اور بعض سو فیصدی گمراہی میں مبتلا ہیں، شرک کفر اور بدعات کی وجہ سے فکر فاسد ہو جاتی ہے عمل سے بے بہرہ لوگ نئے نئے نظریات وضع کرتے ہیں جس کی وجہ سے آپس میں ٹکراؤ پیدا ہونا ضروری ہو جاتا ہے۔ اسی چیز کے متعلق کہا کہ اللہ تعالیٰ قادر ہے کہ وہ تمہیں مختلف فرقوں میں تقسیم کر دے۔ اور تم ایک دوسرے کے لیے باعث عذاب بن جاؤ۔ آج یہ عذاب ہم پر مسلط ہے حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ جو قوم سنت کو ترک کر دیتی ہے۔ اس کو لڑائی جھگڑے میں مبتلا کر دیا جاتا ہے۔ جب سنت چھوٹتی ہے تو اس کی جگہ بدعت آتی ہے اور اس کے نتیجے میں جھگڑے کھڑے ہوتے ہیں۔ یہ آخری امت اسی چیز کی سزا بھگت رہی ہے۔

مقام تفقہ و فکر

فرمایا اُنْظُرْ كَيْفَ نُصَرِّفُ الْاٰيٰتِ دیکھو! ہم کس طرح پھیر پھیر کر آیات کو بیان کرتے ہیں۔ ہم مختلف طریقوں سے شرک کی تردید کرتے ہیں اور بتلاتے ہیں کہ الوہیت کی صفت صرف اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص ہے اللہ نے اپنی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کی صفات بھی سمجھائی ہیں۔ یہ صفات کسی غیر میں مانو گے تو شرک کے مرتکب ہو جاؤ گے۔ علیم کل اور قادر مطلق بھی وہی ہے۔ مشکلات سے نکالنے والا اس کے سوا کوئی نہیں لہذا اس کے سامنے التجا کرو، مصیبت میں اسی کو پکارو، اس کی توحید کو مانو، اس کے سامنے عاجزی کا اظہار کرو، اور اس کی عبادت بجا لاؤ۔ فرمایا ہم یہ آیات، معجزات اور نشانیاں پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں لَعَلَّهُمْ يَفْقَهُوْنَ تاکہ یہ لوگ سمجھ جائیں شرک کی تردید میں سورۃ کے اگلے حصے میں بھی مختلف طریقوں سے بات سمجھائی

گئی ہے۔

تکذیب اور سزا

فرمایا وَكَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ آپ کی قوم نے اس قرآن پاک کو جھٹلا دیا وَهُوَ الْحَقُّ حالانکہ وہ برحق ہے۔ سب سے پہلے قریش مکہ اور پھر عرب کے باقی لوگوں نے وحی الٰہی کی تکذیب کی۔ اسی سورۃ میں پہلے بیان ہو چکا ہے کہ مشرکین کہتے کہ ہم آپ کو تو صادق اور امین جانتے ہیں مگر ہم اس کتاب کو تسلیم نہیں کرتے کیونکہ یہ ہمارے طور طریقوں اور ہمارے معبودوں کی تردید کرتی ہے۔ فرمایا اے پیغمبر علیہ السلام! جب یہ لوگ کلام الٰہی کی تکذیب کرتے ہیں۔ قُلْ لَّسْتُ عَلَيْكُمْ بِوَكِيْلٍ تو آپ ان سے کہ دیں کہ میں کوئی تمہارا نگہبان تو نہیں ہوں۔ تمہارا نگران تو خدا تعالیٰ ہے۔ وہ جب چاہے سزا دے سکتا ہے، میرا کام تو تمہیں سمجھانا ہے۔ اللہ کے حکم سے آگاہ کرنا ہے اور اس بات کا مجھے علم نہیں کہ سزا کب آئیگی۔ حقیقت یہ ہے لِكُلِّ نَبَاٍ مُّسْتَقَرٌّ ہر خبر کے لیے وقت مقرر ہے۔ جب وہ وقت آئیگا تو وہ چیز واقع ہو جائے گی۔ تاہم مجھے اس کا علم نہیں۔ کفر شرک کرنے والے ہمیشہ عذاب میں گرفتار ہوئے ہیں۔ جب اللہ کی مشیت ہوگی وہ مجرمین کو پکڑ لیگا۔ "قَدْ جَعَلَ اللّٰهُ لِكُلِّ شَيْءٍ قَدْرًا" اللہ نے ہر چیز کے لیے ایک اندازہ مقرر کر رکھا ہے۔ جس کے مطابق وہ ظاہر ہو جاتی ہے۔ عروج و زوال وقت پر آتا ہے۔ جزا اور سزا بھی اپنے وقت مقررہ پر آئیگی، موت اور قیامت کے لیے ایک وقت متعین ہے۔ ہر چیز ایک وقت پر ٹک جاتی ہے قرار پالیتی ہے اسکا علم اسوقت مجھے بھی نہیں اور تمہیں بھی نہیں وَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ البتہ تم اسے عنقریب جان لو گے۔ جب اللہ کی طرف سے سزا آئے گی تو پتہ چل جائے گا کہ یہ وہی عذاب ہے جس کے متعلق اللہ کا پیغمبر خبردار کیا کرتا تھا مگر تم اسے جھٹلاتے رہے۔

درس نوزدہم ١٩ — آیت ٦٨ تا ٧٠

وَاِذَا رَاَيْتَ الَّذِيْنَ يَخُوْضُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ حَتّٰى يَخُوْضُوْا فِيْ حَدِيْثٍ غَيْرِهٖ ؕ وَاِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٦٨﴾ وَمَا عَلَى الَّذِيْنَ يَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَيْءٍ وَّلٰكِنْ ذِكْرٰى لَعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿٦٩﴾ وَذَرِ الَّذِيْنَ اتَّخَذُوْا دِيْنَهُمْ لَعِبًا وَّلَهْوًا وَّغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَذَكِّرْ بِهٖٓ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ م بِمَا كَسَبَتْ ۖ لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ ج وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ لَّا يُؤْخَذْ مِنْهَا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا ج لَهُمْ شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ وَّعَذَابٌ اَلِيْمٌ م بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ ﴿٧٠﴾ ع

ع ٨ ١٤

ترجمہ :- اور جب دیکھیں آپ اُن لوگوں کو جو عیب جوئی کرتے ہیں ہماری آیتوں میں ، پس آپ اعراض کریں اُن سے یہانتک کہ وہ گھس جائیں کسی اور بات میں ۔ اور اگر بھلا دے آپ کو شیطان ، پس آپ نہ بیٹھیں یاد آجانے کے بعد ظلم کرنے والی قوم کے ساتھ ﴿٦٨﴾ اور نہیں ہے بچنے

والے لوگوں پر کافروں کے حساب میں سے کچھ مگر نصیحت
تاکہ وہ بچ جائیں (۶۹) اور آپ چھوڑ دیں اُن لوگوں کو جنہوں
نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنایا ہے اور دھوکے میں ڈالا
ہے اُن کو دنیا کی زندگی نے ۔ اور آپ نصیحت کریں اس
(قرآن) کے ساتھ ، اس وجہ سے کہ کہیں گرفتار نہ کیا جائے
کوئی نفس اپنی کمائی کے ساتھ ۔ نہیں ہوگا اس کے لیے اللہ
کے سوا کوئی حمائتی اور نہ کوئی سفارش کرنے والا اور اگر وہ
دے گا ہر قسم کا فدیہ تو نہیں لیا جائیگا اُس سے ۔ یہی لوگ
ہیں جن کو گرفتار کیا گیا ہے اُس کے بدلے جو انہوں نے
کمایا ۔ اُن کے لیے پینا ہو گا کھولتے ہوئے پانی سے اور
دردناک عذاب ہو گا اس وجہ سے کہ وہ کفر کیا کرتے تھے (۷۰)

ربطِ آیات

پہلی آیات میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید فرمائی اور پھر اپنی صفات مختصہ کا ذکر کیا کہ وہ علیمِ کل ، عالم الغیب ، قاہر ، قادرِ مطلق اور ہر چیز کا خالق ہے ۔ اللہ نے فرمایا کہ دیکھو ہم کس طرح مختلف طریقوں سے اپنی آیات کو پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں تاکہ یہ لوگ سمجھ جائیں ، فرمایا اس کے باوجود "کَذَّبَ بِهٖ قَوْمُكَ" آپکی قوم نے اس قرآن پاک کو جھٹلا دیا ، حالانکہ وہ برحق ہے ۔ پھر فرمایا کہ آپ کہ دیں میں کوئی تم پر نگہبان تو نہیں ہوں ، مجھے کچھ علم نہیں کہ خدا تعالیٰ کی گرفت کب آتی ہے یہ میرے بس کی بات نہیں ہے ۔ بلکہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے ہر خبر کے لیے ایک وقت مقرر ہے جس پہ وہ ظاہر ہو جاتی ہے اور تمہیں عنقریب پتا چل جائے گا کہ جھٹلانے والوں کا کیا انجام ہوتا ہے اور اللہ کی وحدانیت کو چھوڑ کر شرک کو اختیار کرنے سے کتنا بڑا وبال آتا ہے ۔

آیات الٰہی سے تمسخر

اب آج کی آیات میں آیات الٰہی سے تمسخر کرنے اور اِن کو مشغلہ بنانیوالوں

کی مذمت بیان کی گئی ہے اور اُن سے اعراض کرنے کا حکم دیا گیا ہے، البتہ تبلیغ دین کا کام جاری رکھنے کی ہدایت کی گئی ہے اور پھر ایسے لوگوں کو ملنے والے عذاب کا تذکرہ بھی ہے تو ارشاد ہوتا ہے۔ وَاِذَا رَاَیْتَ الَّذِیْنَ یَخُوْضُوْنَ فِیْٓ اٰیٰتِنَا اور جب آپ دیکھیں اُن لوگوں کو جو اللہ کی آیتوں کے ساتھ تمسخر کرتے ہیں، اُن کو مشغلہ بناتے ہیں اُن کی عیب جوئی کرتے ہیں یا اُن پر طعن کرتے ہیں، خوض کا لغوی معنی گھس جانا ہے اور یہاں باطل میں گھس جانا مُراد ہے۔ گویا جو لوگ آیات الٰہی کو تضحیک کا نشانہ بناتے ہیں، وہ باطل کے ساتھ مل جاتے ہیں۔ مشرکین اور اہل کتاب کلامِ الٰہی سے مذاق کرتے تھے، قرآنی احکام کا تمسخر اڑاتے تھے۔

یہاں پر خطاب تو پیغمبر علیہ السلام سے ہے مگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ حکم امت کے ہر فرد کے لیے یکساں قابلِ عمل ہے۔ تو فرمایا جب لوگ قرآن کی آیات سے استہزاء کرنے لگیں تو پھر آپ کے لیے یہ حکم ہے فَاَعْرِضْ عَنْهُمْ آپ اِن لوگوں سے اعراض کریں یعنی اُن سے کنارہ کشی اختیار کرلیں، اُن کی مجالس میں شریک نہ ہوں حَتّٰی یَخُوْضُوْا فِیْ حَدِیْثٍ غَیْرِهٖ یہاں تک کہ وہ کسی اور بات میں مشغول ہو جائیں۔ مقصد یہ کہ اگر اُن کا موضوعِ گفتگو خوض فی الآیات نہ ہو بلکہ کوئی اور بات چیت ہو تو پھر آپ کو اُن کی مجلس میں بیٹھنے کی اجازت ہے۔ یہ حکم نزولِ قرآن کے زمانہ میں بھی تھا اور آج بھی ہر مسلمان کے لیے نافذ العمل ہے، اِس کا خلاف، احکامِ الٰہی کی خلاف ورزی تصور ہوگا۔

امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ جس مجلس میں آیات الٰہی کی توہین ہو رہی ہو، حدیث مبارک کے ساتھ مذاق ہوتا ہو یا احکامِ دین کا تمسخر اڑایا جاتا ہو وہاں کسی مسلمان کو بیٹھنا روا نہیں بلکہ وہاں سے فوراً علیحدہ ہو جانا چاہیئے۔ مبتدعین کی مجالس کا بھی یہی حکم ہے۔ جہاں بدعات کی حوصلہ افزائی ہوتی ہو۔ آیات الٰہی

کے معانی کو توڑ موڑ کر پیش کیا جاتا ہو، وہاں کسی راسخ العقیدہ مسلمان کا ٹھہرنا درست نہیں بلکہ ایسی مجالس سے کنارہ کش کرنا ہی بہتر ہے۔ منافقین کا رویہ بھی ایسی قسم کا ہوتا ہے۔ وہ بھی نجی مجلسوں میں آیاتِ الٰہی کے خلاف باتیں کرتے ہیں۔ پیغمبرِ اسلام پر تنقید کرتے ہیں مگر جب اُن کا تعاقب کیا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو محض دِل لگی کر رہے تھے۔ ایسے ہی لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰیٰتِهٖ آپ کہہ دیں کیا اللہ تعالیٰ اور اس کی آیات کے ساتھ دل لگی کرتے ہو؟ یہ تو بہت ہی بُری بات ہے۔ بہرحال اہلِ ایمان کو ہر اُس مجلس سے کنارہ کشی اختیار کرنے کا حکم دیا گیا ہے جس میں قرآن پاک، حضور کے ارشاداتِ مبارکہ اور شریعتِ حقہ کی کسی بات سے ٹھٹا تمسخر کیا جاتا ہو یا کسی قِسم کی نکتہ چینی کی جاتی ہو۔

دوسری جگہ بھی موجود ہے اللہ نے فرمایا جب یہ لوگ باطل باتوں میں مشغول شعائرِ دین پر نکتہ چینی اور عیب جوئی کر رہے ہوں تو ایسی صورت میں اگر آپ اُن کی مجلس میں شامل ہوں گے "اِنَّکُمْ اِذًا مِّثْلُھُمْ" تو آپ بھی انہی جیسے ہو جائیں گے۔ اِسی لیے تمام بزرگانِ دین ایسے واعظین کی مجلس میں بیٹھنے سے منع کرتے ہیں جو موضوع حدیثیں بیان کرتے ہوں اور اللہ کے نبی کی کی طرف غلط باتیں منسوب کرتے ہوں۔ فرماتے ہیں کہ تم تو اسے نیکی کا کام سمجھ کر شامل ہو گے مگر حقیقت میں اس سے نقصان ہو گا کیونکہ وہاں سے جو چیز اخذ ہو گی وہ دین کی بات نہیں ہو گی بلکہ شرک اور بدعت ہو گی اور یہی چیز سمِ قاتل ہے اِس آیت میں بھی اللہ تعالیٰ نے تمام افرادِ امت کو ایسی مجالس میں جانے سے منع فرمایا ہے۔

اچھی مجالس کی تلاش

علامہ اقبال مرحوم نے ہمیشہ شکوہ کیا کہ اچھی مجلس نہیں ملتی اچھے آدمی ناپید ہیں اور اچھی سوسائٹی میسر نہیں۔ ایک مقام پر لکھتے ہیں کہ جب تک اچھی سوسائٹی نہ ملے اُس وقت تک مثنوی مولانا روم پڑھ لیا کرو کیونکہ اس میں نصیحت کی

بہت سی باتیں ہیں۔ اچھی مجلس خدا تعالیٰ کا انعام ہے۔ اچھا واعظ، اچھا انسان، اچھا پیر، اچھا لیڈر، مل جانا بڑی غنیمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کے متعلق فرمایا ہے "فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ۝ وَادْخُلِي جَنَّتِي" (الفجر) پہلے میرے بندوں میں شریک ہو جاؤ اور پھر میرے بہشت میں داخل ہو جاؤ۔ یہاں پر سوسائٹی کو مقدم رکھا گیا ہے۔ اچھی سوسائٹی جنت میں داخلے کا ایک ذریعہ ہے مگر موجودہ دور میں ایسی مجلس کہاں میسر ہے؟ اب تو جدھر دیکھو کھیل تماشہ، طعن تشنیع، عریانی، عیاشی، اور فحاشی والی سوسائٹی ہی ملے گی، ہر مجلس میں فلموں اور ٹیلیویژن کی باتیں یا کھیل کود کے تذکرے ہوتے ہیں۔ اچھی سوسائٹی کہاں نصیب ہو گی؟ بہر حال بُری سوسائٹی سے اجتناب اور اچھی سوسائٹی کی تلاش کامیابی کی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ دین کے دشمنوں کے ساتھ لڑنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ "طَعَنُوا فِي دِينِكُمْ" وہ تمہارے دین کے معاملے میں طعن کرتے ہیں۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا "فَقَاتِلُوا أَئِمَّةَ الْكُفْرِ" کفر کے پیشواؤں سے جنگ کرو۔ جب تک ان کی سرکوبی نہیں ہو گی۔ وہ اپنی مذموم حرکات سے باز نہیں آئیں گے لہٰذا ان کی مجالس میں جانے سے بھی منع فرما دیا۔

شیطان کا بھلاوا

آگے اللہ نے ایک اور امکانی صورتِ حال کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وَإِمَّا يُنْسِيَنَّكَ الشَّيْطٰنُ اگر تمہیں شیطان بھلا دے یعنی اگر آپ بھول کر دین پر طعن و تشنیع کرنے والی مجلس میں شامل ہو جائیں یا کسی لاعلمی کی بنا پر وہاں جا بیٹھیں تو فرمایا فَلَا تَقْعُدْ بَعْدَ الذِّكْرٰى مَعَ الْقَوْمِ الظّٰلِمِيْنَ تو یاد آ جانے کے بعد اس ظالم قوم کے پاس نہ بیٹھیں بلکہ ایسی مجلس سے فوراً علیحدگی اختیار کر لیں۔

یہاں پر بھول جانے یا بھلا دینے کا ذکر ہے۔ درحقیقت کسی چیز کا بھلا دینا۔ اللہ تعالیٰ کی منشاء کے بغیر تو نہیں ہوتا۔ مگر یہاں پر اسے شیطان کی

طرف اس لیے منسوب کیا گیا ہے کہ وہ ایسی باتوں سے خوش ہوتا ہے۔
امام شاہ ولی اللہ رح نے یہ بات بھی سمجھائی ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ نماز میں نکسیر کا پھوٹ پڑنا یا کوئی دیگر عارضہ لاحق ہو جانا دراصل اللہ کی طرف سے ہوتا ہے مگر اسے بھی شیطان کی طرف منسوب کیا گیا ہے کیونکہ وہ ہر ایسے کام پر خوش ہوتا ہے جس میں دین کا نقصان ہو۔ موسیٰ علیہ السلام کے سفر کے واقعہ میں بھی آتا ہے کہ جب آپ اور آپ کے ساتھی یوشع منزل مقصود سے بہت آگے نکل گئے تو وہاں خادم نے کہا کہ جب ہم چٹان کے پاس ٹھہرے تھے تو میں مچھلی وہاں بھول گیا تھا جو سمندر میں چلی گئی وَمَآ اَنْسٰنِیْهُ اِلَّا الشَّیْطٰنُ (کہف) اور یہ بھول شیطان ہی کی کارستانی تھی ۔ یہاں بھی بھول کو شیطان کی طرف منسوب کیا کیونکہ وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور یوشع کے لمبے سفر اور تکالیف کی وجہ سے خوش ہو رہا تھا۔ بہرحال اس مقام پر فرمایا کہ اگر تمہیں شیطان بھلا دے اور تم بُری مجلس میں شریک ہو جاؤ تو پھر یاد آنے پر فوراً علیحدہ ہو جائیں وہاں بیٹھنے کی اجازت نہیں۔

تبلیغ دین کا فریضہ

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ذکریٰ سے مراد نصیحت ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ اگر آپ ایسی مجلس میں موجود ہوں تو وہاں ان لوگوں کو نصیحت کرنے کی حد تک ٹھہر سکتے ہیں۔ جب آپ اس فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں تو پھر وہاں بالکل نہ رکیں بلکہ علیحدگی اختیار کر لیں۔ اور جب آپ ایسی مجلس سے اُٹھ کر چلے جائیں گے وَمَا عَلَى الَّذِیْنَ یَتَّقُوْنَ مِنْ حِسَابِهِمْ مِّنْ شَیْءٍ تو کفار و مشرکین کے حساب میں سے متقین پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔ ان کی بُرائی کا حساب آپ سے تو نہیں لیا جائیگا، وہ اپنی کارکردگی کے خود ذمہ دار ہیں۔ آپ کا فرض یہی ہے کہ اُن کو نصیحت کریں اور بُرائی سے روکنے کی کوشش کریں، آپ کے لیے یہی بہتر ہے۔ وَلٰکِنْ ذِکْرٰی لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ

اُن کو نصیحت کریں تاکہ وہ بچ جائیں۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کی تبلیغ سے کوئی سعادت مند آدمی بُرائی سے باز آجائے۔

بہر حال مبلغین کے لیے یہ دستور العمل دیا گیا ہے کہ آپ مایوس نہ ہوں بلکہ تبلیغ دین کا کام جاری رکھیں، کوئی مانے یا نہ مانے آپ اپنا کام جاری رکھیں۔ سورۃ اعلیٰ میں فرمایا ہے "فَذَكِّرْ إِن نَّفَعَتِ الذِّكْرَىٰ" آپ ان کو نصیحت کریں۔ شاید یہ نصیحت سود مند ثابت ہو۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر نفع نہ دینے والی بات محذوف ہے اور پورا مطلب یہ ہے کہ آپ نصیحت کرتے رہیں خواہ اُن کو فائدہ ہو یا نہ ہو۔ مسلم شریف کی روایت میں آتا ہے کہ مسلمان کو ہمیشہ پُر اُمید رہنا چاہیئے اور خیر خواہی کی بات کرتے رہنا چاہیئے۔ دین نام ہی خیر خواہی کا ہے۔ لوگ کتنے بھی غلط کار اور ہٹ دھرم ہوں، تبلیغ کا کام جاری رہنا چاہیئے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کے نبی کمال درجے کے اطاعت گزار ہوتے ہیں اور وہ تبلیغ دین کا کام پورے خلوص کے ساتھ انجام دیتے ہیں، اس کے باوجود قیامت کے دن حال یہ ہوگا کہ کسی نبی کے پیچھے صرف ایک ہی امتی ہوگا اور بعض پیغمبر ایسے بھی ہوں گے جن کے ساتھ کوئی بھی امتی نہیں ہوگا۔ تاہم اس میں نبی کا کوئی قصور نہیں ہے کیونکہ اُس نے حقِ تبلیغ ادا کر دیا، اب کوئی مانتا ہے یا نہیں مانتا، یہ نبی کی ذمہ داری نہیں ہے مقصد یہ ہے کہ جب نبی کی بات کا بھی بعض اوقات اثر نہیں ہوتا تو ہم گنہگار کس کھاتے میں ہیں۔ اگر لوگ نصیحت سے فائدہ نہیں اٹھاتے تو مایوس نہیں ہونا چاہیے بلکہ اپنا کام کرتے رہنا چاہیئے۔ ہمارے لیے یہی لائحہ عمل ہے۔

دین اور کھیل تماشہ

پھر فرمایا وَذَرِ الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَهُمْ لَعِبًا وَلَهْوًا آپ ان لوگوں کو چھوڑ دیں جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنا لیا ہے جو لوگ اللہ کے سچے دین سے ٹھٹھا کرتے ہیں۔

فرشتوں سے تمسخر کرتے ہیں، معجزات کے منکر ہیں، احکام الٰہی کا مذاق اڑاتے ہیں، آپ ان سے علیحدہ ہو جائیں۔ یہ ایسے ناہنجار لوگ ہیں جو اللہ کے عذاب سے بے خوف ہو چکے ہیں، ان کو اپنے حال پر چھوڑ دیں، یہ خود ہی اپنی کرتوتوں کا مزہ چکھ لیں گے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس جملے کا یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ آپ ان لوگوں کو چھوڑ دیں جنہوں نے کھیل تماشے کو ہی اپنا دین بنالیا ہے اس وقت دنیا کی کئی اقوام ایسی ہیں جن کے دین کی حیثیت کھیل تماشہ ہی رہ گئی ہے۔ عیسائی اپنا مذہبی تہوار کرسمس ڈے کس طرح مناتے ہیں؟ اربوں روپے کی شراب نوشی ہوتی ہے، جوا کھیلا جاتا ہے، زنا ہوتا ہے اور طرح طرح کے لہو لعب اختیار کیے جاتے ہیں کیا مقدس دن منانے کا یہی طریقہ ہے؟ کیا عیسیٰ علیہ السلام نے اپنا دن ایسے ہی منانے کا حکم دیا تھا، دراصل ان لوگوں نے دین کو کھیل تماشہ بنالیا۔ جشنِ نوروز بھی اپنے جلو میں اسی قسم کی قباحتیں لاتا ہے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی تفسیر کے مطابق اللہ تعالیٰ نے ہر قوم کے لیے ایک عید کا دن مقرر کیا ہے تاکہ اس دن لوگ اس کا ذکر کریں، اس کی عبادت میں مشغول ہوں اور سچی خوشی کا اظہار کریں مگر یار لوگوں نے اسے کھیل تماشہ بنالیا۔

ہمارے ہاں بھی جشنِ میلاد کھیل تماشہ ہی بن کر رہ گیا ہے۔ جس طرح عیسائی کرسمس ڈے مناتے ہیں، اسی طرح مسلمانوں نے عید میلاد منانا شروع کر دیا ہے۔ ساز و سرود کی محفلیں جمائی جاتی ہیں ناچ گانے ہوتے ہیں جھنڈیاں لگتی ہیں، مکے اور مدینے کے ماڈل بنا کر رکھے جاتے ہیں۔ جس طرح ہندو دسہرہ اور دیوالی مناتے تھے، راون کے بڑے بڑے بت بنا کر رکھتے تھے اور پھر انہیں آگ لگاتے تھے، چراغاں کرتے تھے، شور و شر اور ڈھول ڈھمکا ہوتا تھا، بالکل وہی خرافات مسلمان بھی کر رہے ہیں۔ جس طرح انہوں نے دین کو کھیل تماشہ بنالیا، اسی طرح مسلمان بھی ان کے پیچھے چل رہے ہیں۔ تو فرمایا آپ

چھوڑ دیں ان کو جنہوں نے اپنے دین کو کھیل تماشہ بنا لیا ہے۔

دھوکے کی زندگی

پھر فرمایا کہ ان کا حال یہ ہے وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اُن کو دُنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ ہمیشہ اسی طرح خوشحال رہیں گے اور کھیل تماشے ہوتے رہیں گے۔ وہ محاسبے کے عمل کو بھول چکے ہیں اور اسی دنیا کی زندگی پہ فریفتہ ہیں "زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ اَعْمَالَهُمْ" (انفال) شیطان نے اُن کے اعمال کو مزین کر کے دکھایا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ جو کفر، شرک اور بدعات وہ انجام دے رہے ہیں، بالکل ٹھیک کر رہے ہیں لہٰذا وہ اسی دھوکے میں مبتلا ہیں کہ وہ جو کچھ کر رہے ہیں وہی سیدھا راستہ ہے فرمایا وَذَكِّرْ بِهٖ آپ اس قرآن پاک کے ذریعے اُن کو نصیحت کرتے رہیں بہ کی ضمیر قرآن کی طرف جاتی ہے بلکہ اللہ نے قرآن کو تذکرہ بھی فرمایا ہے کہ یہ نصیحت اور یاد دہانی ہے اس کی تعلیمات کے ذریعے یاد دہانی کرائی جاتی ہے کہ یہ دنیا فانی ہے، اس کی زینت میں الجھ کر نہ رہ جانا بلکہ آخرت کی دائمی زندگی کے لیے سامان کرنا چاہیئے۔ اللہ نے انسان کو کھیل کود کے لیے پیدا نہیں کیا تھا بلکہ "وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِيَعْبُدُوْنِ" تخلیق انس وجن کا مقصد اس مالک الملک کی عبادت کرنا ہے۔

فرمایا اس قرآن پاک کے ذریعے آپ نصیحت کریں اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌۢ بِمَا كَسَبَتْ تاکہ کوئی نفس اپنی غلط کارکردگی کی وجہ سے گرفتار نہ ہو۔ ظاہر ہے کہ جو کوئی نصیحت نہیں پکڑے گا، وہ اپنے کیے دھرے میں پکڑا جائے گا۔ سورۃ مدثر میں آتا ہے "كُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا كَسَبَتْ رَهِيْنَةٌ" ہر شخص اپنے اعمال کی وجہ سے جکڑا ہوا ہے وہ احکام الٰہی سے سرکشی کر کے بھاگ نہیں سکتا۔ بالآخر پکڑا جائے گا۔ تو یہاں بھی فرمایا کہ ہر شخص اپنے افعال کی وجہ سے گرفتار ہے۔ ابسال کے

مختلف معانی آتے ہیں۔ مثلاً منع کرنا، روک دینا، گرفتار کرنا وغیرہ۔ شیر کو اسدٌ
بَاسِلٌ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ شکار کو روک لیتا ہے اور وہ بھاگ نہیں سکتا
اسی طرح رَجُلٌ بَاسِلٌ اُس شخص کو کہتے ہیں جو اپنے مدمقابل کو قابو کر لیتا ہے
اور چھوڑتا نہیں۔ بہرحال فرمایا کہ آپ اِن کو نصیحت کرتے ہیں تاکہ یہ اپنے
کردہ گناہوں کی پاداش میں گرفتار نہ ہو جائیں اور جو نفس اپنے جرائم کی سزا میں گرفتار
ہو جائے گا لَيْسَ لَهَا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ
اُس کے لیے اللہ کے سوا نہ کوئی کارساز ہوگا اور نہ کوئی سفارش کرنے والا۔
دنیا میں لوگ جھوٹی سچی کئی قسم کی طرفداریاں پیدا کر لیتے ہیں مگر قیامت والے دن
کوئی کسی کی مدد نہیں کر سکے گا اور مجرمین اپنے انجام کو پہنچ جائیں گے۔

فدیہ کی عدم قبولیت

فرمایا وَاِنْ تَعْدِلْ كُلَّ عَدْلٍ اگر کوئی گرفتار مصیبت
شخص اپنی رہائی کے لیے فدیہ دینا چاہیئے، ہر قسم کا فدیہ لَا يُؤْخَذْ مِنْهَا
تو اُس سے قبول نہیں کیا جائیگا۔ دوسرے مقام پر آتا ہے کہ اگر بالفرض کسی
کے پاس پوری زمین کے برابر خزانہ ہو اور وہ اپنی جان کے بدلے میں دینا
چاہیگا تو ہرگز قبول نہیں کیا جائے گا۔ وہاں نہ کوئی حمایتی کام آئے گا، نہ جتھا
اور نہ کوئی سفارش، وہاں تو نیکی اور ایمان ہی کام آنے والی چیزیں ہیں جنہیں وہ
ٹھٹا و تمسخر میں گنوا چکے ہوں گے، لہٰذا اُن کے بچاؤ کی کوئی صورت باقی نہیں
رہیگی، اُن سے کوئی فدیہ قبول نہیں کیا جائے گا۔

مجرمین کے لیے عذاب

فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ اُبْسِلُوْا بِمَا كَسَبُوْا یہی وہ لوگ ہیں
جنہیں گرفتار کیا گیا ہے اُن کی کمائی کے بدلے، جنہوں نے اس دنیا میں کفر، شرک
اور بدعات کو اکٹھا کیا، آخرت میں اُن کی تواضع اس طرح ہوگی کہ لَهُمْ
شَرَابٌ مِّنْ حَمِيْمٍ ان کے پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی ہوگا
سورۃ محمد میں ہے "سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ"
گرم پانی کا گھونٹ منہ میں ڈالیں گے تو وہ آنتوں کو کاٹ کر نیچے پھینک دیگا

وہ پانی پگھلے ہوئے فولاد سے بھی زیادہ گرم ہوگا۔ دوزخ کی آگ دنیا کی آگ سے ستر گنا زیادہ گرم ہوگی۔ وَعَذَابٌ اَلِیْمٌ اور طرح طرح کا دردناک عذاب دیا جائے گا۔ اِس دنیا میں کی گئی تمام برائیاں خوفناک شکلوں میں متشکل ہو کر اُن کے لیے عذاب بن جائیں گی۔ مثلاً بخل سانپ کی شکل بن کر ڈسے گا، بداخلاقی درندوں کی شکل اختیار کر کے حملہ آور ہوگی اور کفر اور شرک جہنم کی آگ بن کر لپٹے گا۔ کیونکہ اللہ کی آیات کے ساتھ کفر کرنا بہت بڑا جرم ہے۔ جگہ جگہ فرمایا ہے وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ "کفر کرنے والے ہی ظالم ہیں جو مختلف سزاؤں میں مبتلا ہوں گے۔ فرمایا اُن کے لیے عذاب الیم ہوگا بِمَا كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ اس وجہ سے کہ یہ لوگ دنیا میں کفر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دین میں طعن کرنے والوں کے بُرے انجام سے آگاہ کر دیا اور نصیحت والی بات بھی سمجھا دی۔

درس بستم ۲۰ — آیت ۷۱ تا ۷۳

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ حَيْرَانَ ۠ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۷۱﴾ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاتَّقُوْهُ ؕ وَهُوَ الَّذِيْٓ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ ﴿۷۲﴾ وَهُوَ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ ؕ وَيَوْمَ يَقُوْلُ كُنْ فَيَكُوْنُ ۵ قَوْلُهُ الْحَقُّ ؕ وَلَهُ الْمُلْكُ يَوْمَ يُنْفَخُ فِى الصُّوْرِ ؕ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ ﴿۷۳﴾

ترجمہ :- اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے، کیا ہم پکاریں اللہ کے سوا اُن کو جو نہ ہمیں نفع پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان دے سکتے ہیں اور ہم پلٹا دیے جائیں اُلٹے پاؤں بعد اس کے کہ اللہ نے ہمیں ہدایت دی ہے۔ (اُلٹے) اُس شخص کی طرح جس کو گمراہ کیا ہے شیطانوں نے زمین میں، وہ حیران (متردد) ہے۔ اُس کے ساتھی اُس کو بلاتے ہیں ہدایت کی طرف کہ ہماری طرف چلا آ۔

اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے بیشک اللہ کی ہدایت ہی ہدایت ہے
اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم فرمانبرداری کریں رب العلمین کی (۷۱)
اور (یہ بھی حکم دیا گیا ہے) کہ قائم کرو نماز کو اور ڈرتے رہو
اُس سے اور وہ وہی ذات ہے جسکی طرف تم سب اکٹھے کیے
جاؤ گے (۷۲) اور وہ وہی ہے جس نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو
اور زمین کو حق کے ساتھ۔ اور جس دِن وہ کہے گا ہو جا پس
وہ (حشر) ہو جائے گا اُس کی بات برحق ہے اور اُسی کے
لیے ہے بادشاہی جس دِن کہ پھونکا جائے گا صور میں۔ وہ جاننے
والا ہے چھپی بات کو اور کھلی بات کو اور حکمت والا ہے اور
ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہے (۷۳)

ربط آیات

گذشتہ کئی دروس سے شرک اور مشرکین کا ردّ بیان ہو رہا ہے پھر خدا تعالیٰ کی صفات مختصہ کا ذکر بھی ہوا۔ آیاتِ الٰہی کے ساتھ استہزاء کرنے والوں کی تردید ہوئی پھر اہل ایمان کو نصیحت کی گئی کہ آیاتِ الٰہی پر طعن کرنے والوں کی مجلس میں مت بیٹھو کہ یہ دینی طور پر مضر اور تمہارے لیے سمِ قاتل ہے۔ اللہ تعالےٰ نے مشرکین کے بُرے انجام کا تذکرہ بھی کیا اور فرمایا کہ آپ ان کو اپنے حال پر چھوڑیں ایک دِن آنے والا ہے، جب یہ نادم ہوں گے مگر اس دِن نہ اِن کا کوئی سفارشی ہو گا اور نہ ہی کوئی فدیہ قبول کیا جائے گا، یہ لوگ آخر کار عذابِ الٰہی میں گرفتار ہوں گے۔ آج کی آیات میں بھی شرک ہی کی تردید ہے اور یہ سلسلہ آگے دور تک چلا جا رہا ہے۔ ان آیات میں بعض اُن مشرکین کا تذکرہ بھی ہے جو اہل ایمان کو اپنے رستے پر چلنے کی دعوت دیتے تھے اور معبودان باطلہ کی عبادت پر آمادہ کرتے تھے۔

شرک کی دعوت

مفسرین کرام بیان فرماتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضؓ کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ پہلے کافروں کے ساتھ تھے چنانچہ معرکہ بدر میں وہ مشرکین کی طرف سے شامل ہوئے۔ بعد

ہیں اللہ نے آپ کو ایمان کی دولت نصیب فرمائی۔ اپنے ابتدائی دور میں اپنے باپ صدیق اکبرؓ کو اپنے پرانے دین اور قوم اور برادری کے طریقے پر واپس آنے کی دعوت دیا کرتے تھے۔ اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے۔ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ کیا ہم اللہ کے علاوہ ان لوگوں کو پکاریں مَا لَا یَنْفَعُنَا وَلَا یَضُرُّنَا جو ہمارے لیے نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی ذات ایسی نہیں جس کو نفع یا نقصان پہنچانے کا اختیار حاصل ہو کیونکہ ہر چیز کا مالک تو خود خدا ہے اور ہم اس کے اسمائے مبارکہ میں النَّافِعُ الضَّارُّ بھی پڑھتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ نفع اور نقصان پہنچانے والا صرف وہی ہے۔ مگر مشرکین اللہ کے علاوہ غیروں کو بھی نفع و نقصان کا مالک سمجھتے ہیں اور اسی لیے وہ ان کی پرستش کرتے ہیں۔ مشرکین کا طریقہ یہ ہے کہ وہ دوسروں کو بھی مافوق الاسباب پکارتے ہیں، ان کی دہائی دیتے ہیں۔ اُن کو نفع و نقصان کا مالک سمجھتے ہیں اور اُن سے حاجت براری کرتے ہیں۔ یہی شرک ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اللہ نے دوسروں کو بھی اختیارات تفویض کر رکھے ہیں اور وہ تصرف کرتے ہیں۔ حالانکہ یہ بالکل جھوٹ ہے۔ اگر کوئی شخص غیر اللہ میں تصرف بالذات سمجھے تو یہ بھی غلط ہے اور اگر اُس کا عقیدہ ہے کہ اللہ نے انہیں بعض اختیارات دے رکھے ہیں تو اِس کا بھی کوئی ثبوت نہیں۔ یہ اُن کا خود ساختہ اور باطل عقیدہ ہے۔ جس کی کوئی بنیاد نہیں۔

فرمایا، کیا ہم اللہ کے سوا اُن کی عبادت کریں جو نہ فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ نقصان، تو اس کا مطلب یہ ہو گا وَنُرَدُّ عَلٰٓی اَعْقَابِنَا بَعْدَ اِذْ هَدٰىنَا اللّٰهُ کہ ہم اپنی ایڑیوں پر پلٹ جائیں یعنی سابقہ باطل دین کی طرف لوٹ جائیں اس کے بعد کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں ہدایت کا راستہ دکھا دیا ہے۔ ایسا کرنا تو کسی مومن کے شایانِ شان نہیں، وہ ہدایت کو چھوڑ

کر گمراہی کی طرف کیسے جا سکتا ہے۔

ندعوا کا معنیٰ پکارنا بھی ہے اور عبادت کرنا بھی۔ کسی کو مافوق الاسباب پکارنا، اس سے مشکل کشائی اور حاجت روائی کی امید وابستہ کرنا ہی تو شرک ہے یہ تصور رکھنا کہ اللہ کے سوا مافوق الاسباب کوئی اور بھی بگڑی بنا سکتا ہے، کسی کی تکلیف رفع کر سکتا ہے یا اللہ تعالیٰ نے کسی کو اپنے اختیارات سونپ رکھے ہیں، بالکل باطل عقیدہ ہے۔ نفع نقصان کا مالک تو صرف اللہ ہے متصرف فی الامور بھی وہی ہے ادنیٰ ذرے سے لے کر آفتاب تک اور زمین سے لے کر آسمانی کرّوں تک ہر چیز کی تدبیر کرنے والا کون ہے سورۃ الٓم سجدہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے "یُدَبِّرُ الْاَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ اِلَى الْاَرْضِ" آسمان کی بلندیوں سے لے کر زمین کی پستیوں تک ہر چیز کی تدبیر خود وہی کرتا ہے؟ جب بات اس طرح ہے۔ تو پھر ہم سچے دین کو چھوڑ کر جاہلیت کے دین میں کیسے چلے جائیں؟ حالانکہ اللہ نے ہمیں ہدایت کے راستے پر ڈال دیا ہے۔

شیطانی راستہ

آگے اللہ تعالیٰ نے ایک مثال بھی بیان فرمائی ہے كَالَّذِى اسْتَهْوَتْهُ الشَّيٰطِيْنُ فِى الْاَرْضِ کہ واپس باطل دین کی طرف پھر جانے کی مثال اس شخص کی ہے جسے شیطانوں نے کسی زمین (جنگل) میں سرگرداں کر دیا ہو۔ لفظ اِسْتَهْوَتْهُ هَوٰى کے مادہ سے ہے۔ جب یہ ضَرَبَ يَضْرِبُ کے باب میں آتا ہے تو اس کا معنیٰ ہوتا ہے نیچے گرنا یعنی کسی چیز کا بلندی سے پستی میں گر جانا۔ جس نے کفر یا شرک کیا یا گمراہی کا راستہ پکڑا وہ ہلاکت کے گڑھے میں جا گرا۔ اور هَوٰى کا معنیٰ خواہش اور محبت بھی ہوتا ہے۔ جیسے سورۃ نجم میں آتا ہے "وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى" نبی اپنی خواہش سے بات نہیں کرتا۔ تو یہاں پہ یہ دونوں معنے ہو سکتے ہیں یعنی یہ اس شخص کی مثال ہے جسے شیطان نے گمراہ کر کے ہلاکت کے گڑھے

میں ڈال دیا ہو۔ یا کسی شخص کو ایمان کے راستے سے ہٹا کر خواہش کے راستے پر لگا دیا ہو۔ جب لوگ خواہشاتِ نفسانیہ کی پیروی کرنے لگتے ہیں تو پھر قوم یا برادری کی خواہش کے مطابق انہی کا دین قبول کرتے ہیں اور دینِ حق کی طرف نہیں آتے۔ فرمایا، ایسے شخص کو شیطان نے بہکا کر جنگل میں سرگرداں کر دیا ہے جہاں وہ حَیْرَانَ حیران پریشان اور متردد بھٹک رہا ہے۔ لَهٗٓ اَصْحٰبٌ يَّدْعُوْنَهٗٓ اِلَى الْهُدَى ائْتِنَا ط وہاں اُس شخص کے کچھ ساتھی بھی جو اُسے بلا رہے ہیں کہ ہدایت کا راستہ یہ ہے جس پر ہم چل رہے ہیں، لہذا اِدھر آجاؤ، مگر شیطان نے اُسے ایسا بہکا دیا کہ اُسکی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ کیا کرے اور اسی طرح حیران و سرگرداں پھر رہا ہے۔

ہدایت کا راستہ

اب درمیان میں جملہ معترضہ ہے قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى اے پیغمبر! آپ کہ دیں کہ اللہ کی ہدایت ہی حقیقی ہدایت ہے۔ اللہ نے جو پروگرام وحی الٰہی، کُتب سماویہ، قرآن پاک اور اپنے انبیاء کے ذریعے بھیجا ہے وہی ہدایت کا راستہ اور پروگرام ہے۔ جو کوئی اس راستے کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کریگا۔ وہ تو خواہش نفسانی ہوگی۔ یا شیطان کی پیروی، جس کے نتیجے میں وہ بالآخر ہلاکت کے گڑھے میں جا گرے گا۔ بہرحال اللہ نے ہدایت کا راستہ واضح کر دیا ہے۔ اگر پھر بھی کوئی غلط راستہ اختیار کرے گا تو اس کی مثال بیان ہو چکی ہے کہ وہ حیران اور پریشان ہی پھرتا رہے گا۔ منزل مقصود تک نہیں پہنچ سکتا۔

اور اِدھر صحیح راستے کی نشاندھی اس طرح فرمائی وَاُمِرْنَا لِنُسْلِمَ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ ہم پروردگارِ عالم کی اطاعت اور فرمانبرداری قبول کرلیں، اس کے متعین کردہ راستے پر چل نکلیں اور تمام شیطانی راستوں کو بھول جائیں۔ حضرت شیخ الاسلام مولانا شبیر احمد عثمانیؒ نے بڑے اچھے الفاظ میں اس کی تشریح یوں کی ہے کہ مسلمان کی شان تو یہ ہے کہ

وہ راہ گم کردہ لوگوں کو نصیحت کرتا ہے۔ لوگوں کو شیطانی راستوں سے ہٹا کر صراطِ مستقیم کی طرف لاتا ہے اُن کو خدائے وحدہٗ لاشریک کی چوکھٹ پہ لے آتا ہے نہ کہ خود گمراہوں کے راستے پہ چلنے لگتا ہے۔ مومن سے یہ توقع عبث ہے کہ وہ توحید کی صاف اور سیدھی سڑک کو چھوڑ کر خدا تعالےٰ کے سوا کسی ایسی ہستی کے آگے سربسجود ہوگا جو نہ نفع پہنچا سکتی ہے اور نہ نقصان دے سکتی ہے۔ اگر کوئی شخص شیطانی راستے پر چل نکلتا ہے (معاذ اللہ) تو اُس کی مثال اُس شخص جیسی ہوگی جو اپنے رفقاء کے ساتھ جنگل میں سفر کر رہا تھا۔ ناگاہ غولِ بیابانی اور خبیث جنات نے اُسے بہکا کر راستے سے الگ کر دیا اور اب وہ چاروں طرف بھٹکتا پھرتا ہے۔ اُس کے ساتھی از راہِ ہمدردی اُس کو آوازیں دے رہے ہیں کہ ہماری طرف آؤ، سیدھا راستہ یہ ہے، مگر وہ پریشان اور مخبوط الحواس ہو چکا ہے، اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا کہ وہ کدھر جائے اور منزل کو کیسے پائے۔

فرمایا آخرت کے مسافر انسان کی مثال ایسی ہی ہے۔ اس کے سامنے ایمان اور توحید کی سیدھی راہ موجود ہے اس کے رفقائے سفر اللہ کے نبی، پیغمبر اور اُن کے ماننے والے ہیں، مگر یہ شخص شیطان کے پھندے میں پھنس کر صحرائے ضلالت میں بھٹکتا پھرتا ہے۔ اُس کے ساتھی اور ہادی اُسے صراطِ مستقیم کی طرف بلا رہے ہیں، مگر یہ شخص نہ کسی کی بات سنتا ہے اور نہ سمجھتا ہے۔ تو فرمایا، کیا تم چاہتے ہو کہ ہم بھی اُس بھٹکے ہوئے مسافر کی طرح سرگرداں ہو جائیں، اسی لیے کہتے ہیں کہ ہم اللہ کے سوا اُن معبودانِ باطلہ کی عبادت کریں جو نفع نقصان کے مالک بھی نہیں ہیں۔

ہدایت پہ پختگی

فرمایا، ہمیں ایک تو یہ حکم دیا گیا ہے کہ ہم پروردگارِ عالم کی فرمانبرداری کریں اور دوسرا یہ کہ وَاَنْ اَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ہم نماز کو قائم کریں اس پر مداومت اختیار کریں کیونکہ نماز تعلق باللہ کا بہترین ذریعہ ہے اور

ہمیں یہ بھی حکم ملا ہے وَاتَّقُوْہُ کہ خدائے برتر سے ہر وقت ڈرتے رہیں کہ اُس کی نافرمانی کر کے کہیں عتاب میں نہ آجائیں۔ تقویٰ سے مُراد جادۂ حق اور حدودِ شریعت کی حفاظت کرنا اور دِل میں خوفِ خدا رکھنا ہے کہ کہیں معصیت میں گرفتار نہ ہو جائیں کیونکہ وَھُوَ الَّذِیْٓ اِلَیْہِ تُحْشَرُوْنَ ہ وہی اللہ ہے جسکی طرف تم سب اکٹھے کیے جاؤ گے۔ آخر کار اُسی کے سامنے پیش ہونا ہے، اعمال کا محاسبہ ہو گا، لہٰذا اُس کے لیے ابھی سے تیاری کی ضرورت ہے۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو زندگی جیسی قیمتی پونجی دے کر اس دُنیا میں بھیجا ہے کہ اس محدود وقت میں نیکی کی تجارت کر لے یہی تمہارے کام آئے گی۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے[1] کل الناس یغدوا فبائع نفسہ ہر شخص جو صبح کرتا ہے، اپنے نفس کو بیچتا ہے، یا اُس کے بدلے میں ہلاکت خریدتا ہے یا نفس کو نجات دِلا دیتا ہے۔ اگر اس نے ایمان اور تقویٰ خرید لیا، اس قیمتی پونجی کو اچھے کام میں لگا دیا تو اپنے آپ کو دوزخ سے آزاد کرا لیا اور اگر کفر، شرک اور برائی خریدی تو اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈال لیا۔ انسان کی زندگی بڑا قیمتی سرمایہ ہے۔ زندگی کی پونجی ہمیشہ گھٹتی رہتی ہے، لہٰذا عقلمندی کا تقاضا یہ ہے کہ اسے نیکی کے کام میں لائے اور اگر کفر و شرک ہی خریدا تو فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُھُمْ تو کفار کی تجارت نے اُنہیں کچھ فائدہ نہ پہنچایا، بلکہ انہوں نے ہمیشہ کے لیے اپنے آپ کو تباہ و برباد کر لیا۔

خالق و مالک

اگلی آیات میں اللہ تعالیٰ کی بعض صفات بیان کی گئی ہیں۔ وَھُوَ الَّذِیْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ وہی اللہ ہے جس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمینوں کو حق کے ساتھ اس مقام پر کائنات کی پیدائش کا ذکر کر کے اللہ تعالیٰ نے یہ بات سمجھائی ہے کہ کائنات کا یہ پورا نظام بے سود ہی پیدا نہیں کر دیا گیا، بلکہ اس کا کوئی نتیجہ بھی سامنے آنے

[1] مسلم صفحہ ۱۱۸ ج ۱ (فیاض)

والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو اپنی حکمت کے ساتھ بنایا ہے۔ پھر جب یہ نظام مدت پوری کرے گا تو پھر وہ دن بھی آجائے گا وَيَوْمَ يَقُولُ كُن فَيَكُونُ جس دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا ہوجا، تو وہ ہوجائے گا۔ جس طرح اللہ نے انسان کو بنایا، کائنات کی ہر چیز کو پیدا کیا، اسی طرح جب قیامت کا مقررہ دن آئیگا، تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے ہر چیز فنا ہوجائگی پھر جب اللہ تعالیٰ دوبارہ حکم کریگا تو نئی زمین اور نیا آسمان پیدا ہوگا، اور انسان دوبارہ اُٹھ کھڑے ہوں گے، پھر حساب کتاب کی منزل آئیگی اور جزاوسزا کا فیصلہ ہوگا مقصد یہ کہ وہ مالک الملک بااختیار ہے اُسے ہر چیز پر تصرف حاصل ہے، وہ جو کچھ کرنا چاہتا ہے بغیر کسی معاون کے کر گزرتا ہے۔ فرمایا قَوْلُهُ الْحَقُّ اس کی بات بالکل سچی ہے وَلَهُ الْمُلْكُ اور بادشاہی بھی اُسی کی ہے۔ تمام کائنات میں اسی کا حکم چلتا ہے۔ اللہ تعالیٰ انسانوں کو زمین پر جو عارضی اختیار تفویض کرتا ہے، اُسے پاکر انسان بگڑ جاتے ہیں، کوئی ڈکٹیٹر بن جاتا ہے اور کوئی شہنشاہ بننے کی کوشش کرتا ہے اور ملک الملوک کی کرسی سنبھالنا چاہتا ہے، انسان اقتدار کے نشہ میں آکر اپنے انجام کو بھول جاتا ہے۔

قیامت کا نقشہ

فرمایا جب بادشاہی اُسی کی ہے تو پھر وہ جب چاہے اقتدار چھین بھی سکتا ہے۔ يَوْمَ يُنفَخُ فِي الصُّورِ جس دن صور میں پھونکا جائیگا یعنی جب قیامت کا بگل بج جائے گا تو سب فنا ہوجائیں گے حتیٰ کہ آخر میں ملک الموت کو بھی موت آجائیگی، تمام مقرب فرشتے اور حاملین عرش ختم ہوجائیں گے اُس دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ یعنی آج بادشاہی کس کی ہے۔ مگر کوئی جواب دینے والا نہیں ہوگا۔ پھر اللہ تعالیٰ خود ہی فرمائیں گے "لِلّٰهِ الْوَاحِدِ الْقَهَّارِ" بادشاہی اللہ ہی کی ہے۔ وہ اکیلا ہے اور قہار ہے فرمایا وہ اللہ عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ

جو چیزیں مخلوق کے سامنے ہوتی ہیں اور مشاہدے میں آتی ہیں اللہ تعالیٰ اُن کو بھی جانتا ہے اور جو چیزیں انسانی مشاہدے میں نہیں آتیں اُن کو بھی جانتا ہے۔ اُس کا علم ہر چیز پر محیط ہے۔ کوئی چیز اُس کے احاطے سے باہر نہیں۔ اللہ تعالیٰ کی یہ صفت اس سورۃ مبارکہ میں بار بار دہرائی گئی ہے۔ سورۃ مائدہ کے آخر میں گذر چکا ہے "اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ" عالم الغیب بھی اُس کے سوا کوئی نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو تھوڑا سا علم دیا ہے۔ مخلوق میں سے انبیاء کو سب سے زیادہ علم دیا ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ کے مقابلے میں پوری مخلوق کا علم قلیل ہے اس کی کوئی حیثیت نہیں۔ انبیاء علیہم السلام جو علم آگے امتوں تک پہنچاتے ہیں وہ علمِ غیب نہیں ہوتا بلکہ غیب کی خبریں ہوتی ہیں جو وحی الٰہی کے ذریعے انبیاء کو بتائی جاتی ہیں۔

خدائے حکیم و خبیر

آخر میں اللہ تعالیٰ کی دو مزید صفات کا ذکر ہے وَهُوَ الْحَكِيْمُ الْخَبِيْرُ وہ حکیم ہے کہ اس نے ہر چیز کمال حکمت کے ساتھ بنائی ہے کوئی چیز بے سود پیدا نہیں کی بلکہ ہر چیز کی خلقت میں اس کی حکمتِ بالغہ کارفرما ہے۔ اللہ تعالیٰ خبیر ہے کہ کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ وہ کسی چیز سے غافل نہیں۔ وہ خالق اور مالک ہے، رب العالمین ہے یہ تمام صفات اُس کی الوہیت پر دلالت کرتی ہیں معبود وہی ہو سکتا ہے۔ جو اِن صفات کا حامل ہو۔ جو نافع اور ضار ہو، جو قادرِ مطلق ہو، جو متصرف اور مدبر ہو۔ لہٰذا اس کے علاوہ کسی دوسرے کو پکارنے یا اس کی عبادت کرنے کا کیا جواز رہ جاتا ہے مگر اس کے باوجود مشرکین نے زمین و آسمان کی کئی چیزوں کو اپنا معبود بنا رکھا ہے۔ اس سورۃ میں ہر قسم کے شرک کی تردید کی گئی۔ ابھی تک زمینی معبودوں کا ذکر ہوتا رہا ہے اب آئندہ درس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ میں آسمانی اشیاء کی معبودیت کی نفی ہو گی۔ بہر حال زمین و آسمان کی ہر چیز اللہ کی مخلوق ہے لہٰذا اُس کے سوا معبود بھی کوئی نہیں ہو سکتا۔

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ لِاَبِيۡهِ اٰزَرَ اَتَتَّخِذُ اَصۡنَامًا اٰلِهَةً ۚ اِنِّىۡۤ اَرٰٮكَ وَقَوۡمَكَ فِىۡ ضَلٰلٍ مُّبِيۡنٍ ﴿۷۴﴾

ترجمہ :- (اس واقعہ کو یاد کرو) جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر سے کہا ، کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے ؟ بیشک میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھتا ہوں ﴿۷۴﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں شرک کی تردید بیان ہوئی تھی اور اس بات کی وضاحت کی گئی تھی کہ مشرک لوگ جن ہستیوں اور چیزوں کو اللہ کے سوا پکارتے ہیں وہ نفع نقصان کے کچھ مالک نہیں پھر ایمان والوں کے متعلق فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو اختیار کرتے ہیں اور کسی دوسری ہستی کی عبادت نہیں کرتے ، نہ ہی کسی کو اپنا کارساز مانتے ہیں ۔ وہ تو اللہ رب العلمین کی اطاعت کرتے ہیں کیونکہ اُن کے لیے یہی حکم ہے کہ وہ نماز قائم کریں اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے رہیں جس کے سامنے سب کو اکٹھا ہونا ہے وہی ارض و سما کا مالک ، بااختیار اور متصرف ہے ۔ اُس کی بات برحق ہے ، بادشاہی صرف اُسی کی ہے جس دِن وہ صور پھونکنے کا حکم دے گا ، کائنات کا سارا نظام درہم برہم کر دیا جائے گا ، محاسبے کی منزل آجائیگی ، اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے وہ حکمت کا مالک اور ہر چیز سے باخبر ہے ۔

انبیاء کی مشترکہ دعوتِ توحید

آج کا درس بھی تردید شرک پر ہی مشتمل ہے ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام ابوالموحدین ہوئے ہیں ۔ اُن کا باپ اور پوری قوم گمراہی میں مبتلا تھی ، بتوں کی پوجا کرتے تھے ۔ آمدہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُس دعوتِ توحید کا ذکر فرمایا ہے جو ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آزر کے سامنے پیش کی ۔ آپ نے شرک کی قباحتوں کو واضح کر کے اس سے منع

فرمایا۔ آپ نے بتایا کہ مسئلہ توحید تمام انبیاء علیہم السلام کی مشترکہ دعوت ہے۔ ہر نبی نے اپنی قوم کے سامنے یہی دعوت پیش کی کہ تمام معبودانِ باطلہ کو چھوڑ کر صرف ایک اللہ کی عبادت کرو۔ حضرت ابراہیم کا واقعہ بیان کرنے سے مشرکین عرب کو سمجھانا مقصود ہے کہ اللہ کے آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم بھی وہی دعوت پیش کر رہے ہیں جو تمہارے جدامجد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے پیش کی، اس لیے یہ کوئی انوکھی دعوت نہیں ہے، اسے قبول کر لو۔ تمام انبیاء کا دین یہی رہا ہے۔

عرب میں شرک کی ابتداء

حضرت ابراہیم علیہ السلام یہود و نصاریٰ اور مشرکین عرب سب کیلئے قابلِ صد احترام ہیں۔ عراق اور عرب کے دیگر علاقوں کے صابی لوگ بھی آپکا احترام کرتے تھے کیونکہ جد الانبیاء ہونے کی حیثیت سے آپ سب کے جانے پہچانے تھے۔ اگرچہ ان لوگوں نے آپ کے دین کو بگاڑ رکھا تھا۔ تاہم وہ سب اپنے آپ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام ہی کی طرف منسوب کرتے تھے۔ یہود و نصاریٰ حضرت اسحاق علیہ السلام کے واسطے سے آپ کی نسل سے تھے اور عرب کے لوگ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد ہونے کی وجہ سے اپنا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام سے جوڑتے تھے، بلکہ عربوں کا دعویٰ تو یہ تھا کہ صرف وہی اصل دینِ ابراہیمی پر ہیں، باقی کوئی نہیں۔ کسی حد تک حقیقت حال بھی یہی تھی۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بعد تقریباً ڈیڑھ ہزار سال تک عرب کے لوگ دین حنیف پر قائم تھے اور ان میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کا طریقہ ہی رائج تھا۔ تاہم حضور علیہ السلام کی بعثت سے تقریباً چار یا پانچ سو سال پہلے آپ کے اجداد میں سے قصی بن کلاب کے زمانے میں عرب کی سرزمین پر شرک کی ابتداء ہوئی اور پھر آہستہ آہستہ یہ وبا ایسی پھیلی کہ عربوں کا کوئی گھر شرک سے خالی نہ رہا۔ ہزاروں میں کوئی اکا دکا آدمی ہی صحیح دین پر چلتا تھا، ورنہ تمام بنی اسماعیل شرک میں غرق ہو چکے تھے۔

ملّتِ ابراہیمی سے پہلے صابی ملّت کا دور تھا۔ امام جلال الدین سیوطیؒ اپنی تاریخ کی کتاب "حسن المحاضرۃ فی احوال المصر والقاہرۃ" میں لکھتے ہیں۔ کہ صابی ملّت اصل میں حضرت ادریس علیہ السلام کی ملّت ہے آپ پر بہت سے صحیفے نازل ہوئے۔ آپ کی ملّت میں بنیادی طور پہ یہ چار چیزیں تھیں، توحید، طہارت، صلوٰۃ اور صوم۔ مگر جب اس ملّت میں بگاڑ پیدا ہوا، تو ان میں سے کوئی چیز بھی باقی نہ رہی۔ جس طرح یہود و نصاریٰ نے اصل دین کو بگاڑ رکھا تھا، اسی طرح صابیوں نے بھی اصل دین کو بالکل مسخ کر دیا تھا۔

ستارہ پرستی

صابی ملّت والوں کا ستاروں کے ساتھ خاص طور پر تعلق ہے۔ یہ لوگ آسمانی چیزوں یعنی ستاروں، سورج اور چاند وغیرہ میں خدائی کرشمہ مانتے تھے اور ان کی پوجا کرتے تھے۔ رومیوں اور یونانیوں نے ان ستاروں کے نام پہ مندر بنائے ہوئے تھے۔ وہاں پہ زہرہ، مشتری اور عطارد کے نام کے مندر موجود تھے عرب میں شعریٰ سیارے کی پوجا کی جاتی تھی جس کی تردید سورۃ نجم میں موجود ہے جہاں اللہ تعالیٰ کی صفات کا ذکر ہے، وہاں یہ بھی ہے "وَاَنَّهٗ هُوَ رَبُّ الشِّعْرٰى" یعنی شعریٰ سیارے کا رب بھی وہی اللہ ہے۔ لہٰذا اس سیارے کی پوجا کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ یہ سیارہ بھی اُسی خدائے واحد کے حکم کے تابع ہے اس میں الوہیت کی کوئی بات نہیں، وہ تو مخلوق ہے اور اللہ کے حکم سے چلتا ہے۔ عبادت کے لائق صرف خداوند قدوس ہے جو اس سیارے کا بھی خالق ہے۔

ماہرین فلکیات بتاتے ہیں کہ شعریٰ سیارہ ہماری اس زمین سے بہت دور ہونے کی وجہ سے بہت چھوٹا نظر آتا ہے، ورنہ حقیقت یہ ہے، کہ اس کا حجم سورج کے حجم سے بیس ہزار گنا بڑا ہے۔ ادھر سورج ہماری زمین سے بارہ (۱۲) لاکھ گنا بڑا ہے اور زمین سے اس کا فاصلہ نو کروڑ تئیس لاکھ میل ہے نظامِ شمسی میں جتنے سیارے پائے جاتے ہیں، ان میں سورج سب سے بڑا ہے اور باقی سارے سیارے اس سے چھوٹے ہیں۔ بہرحال شعریٰ سیارہ یہاں سے اربوں

میل دُور ہونے کی وجہ سے کہکشاں کے ایک چھوٹے سے ستارہ کی صورت میں نظر آتا ہے۔ تو اللہ نے فرمایا کہ اس شعریٰ جیسے بڑے سیارے کا رب بھی اللہ ہے۔ تو پھر تم ان تمام ستاروں اور سیاروں کی پرستش کیونکر کرتے ہو عبادت کے لائق تو فقط وہی ہے جو ہر چیز کا خالق اور مالک ہے شعریٰ کی طرح سورج کی پرستش بھی کی جاتی تھی مصر میں سورج کے نام پر مندر موجود تھے جو فرعون کے زمانے میں بھی پائے جاتے تھے۔ سورج کے کچھ پرستار آج بھی دنیا میں موجود ہیں۔ جب یہ طلوع ہوتا ہے کہ سمندر کے کنارے کھڑے ہو کر اس کو سلام کرتے ہیں اور اس کی پوجا کرتے ہیں، اس کو سورج دیوتا مانتے ہیں۔

رات کو بارش ہوئی تو صبح کے وقت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا کہ مخلوق میں دو قسم کے لوگ ہیں۔ ایک وہ کہ جب بارش ہوئی تو کہا مُطِرْنَا بِرَحْمَۃِ اللّٰہِ وَفَضْلِہٖ ہم پر اللہ کی رحمت اور اس کے فضل سے بارش ہوئی۔ یہ بندے اللہ پر ایمان رکھتے ہیں اور ستاروں میں کوئی کرشمہ نہیں مانتے۔ اور دوسری قسم کے وہ لوگ ہیں جنہوں نے کہا کہ فلاں نچھتر طلوع ہوا تو بارش ہوئی یعنی فلاں ستارے کی وجہ سے ہمیں بارش نصیب ہوئی۔ فرمایا یہ لوگ ستاروں پر یقین رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر کرتے ہیں۔ علم نجوم والے بھی سعادت اور نحوست کو ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ جب فلاں سیارہ فلاں کے بالمقابل آجائے گا تو اُس وقت پیدا ہونے والا بچہ سعادت مند ہوتا ہے اور اگر فلاں فلاں ستارے آمنے سامنے آجائیں تو بچہ منحوس پیدا ہوتا ہے۔ اسی طرح وہ حوادثات دنیا کو سیاروں اور ستاروں کی طرف منسوب کرتے ہیں جو کہ کفر ہے۔ سیاروں میں کوئی ذاتی تاثیر نہیں، وہ تو اس کے نظام کا ایک حصہ ہیں۔ یہ سب اُس کی قدرت کا کرشمہ ہیں کوئی چمک دیتا ہے، کوئی روشنی اور کوئی حرارت، لہٰذا جو لوگ تمام امور کو اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب کرتے ہیں، وہ اللہ کے شکر گزار بندے ہوتے ہیں

اور جو لوگ ستاروں میں تاثیر مانتے، وہ کفرانِ نعمت کے مرتکب ہوتے ہیں اگر انہوں نے کسی چیز کو مؤثر بالذات سمجھ لیا تو مشرک ہو گئے کَافِرٌ بِہٖ وَمُؤْمِنٌ بِالْکَوَاکِبِ یعنی اللہ تعالیٰ کا انکار کر کے کافر بن گئے اور ستاروں پر ایمان لے آئے۔ بہرحال حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے سامنے جو استدلال پیش کیا، اس میں یہی بات سمجھائی گئی ہے کہ سیاروں اور ستاروں میں کوئی تاثیر نہیں اور نہ ہی یہ عبادت کے لائق ہیں۔ اصل مدبر اور مؤثر تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جس کا حکم ستارے بھی مانتے ہیں، لہٰذا ستاروں اور سیاروں کی عبادت کسی طور پر روا نہیں۔ بعض لوگوں نے ستاروں کے نام پر بت بنائے ہوئے تھے جن کی پوجا کرتے تھے۔ ان میں الوہیت کی صفت مانی جاتی تھی۔ پھر اُن کی تعظیم ہوتی، اُن پر نذرانے رکھے جاتے تھے، آجکل تعزیہ کے ساتھ بھی یہی سلوک کیا جاتا ہے، اُس پر نذرانے ڈالے جاتے ہیں۔ اور پھر قبروں کے ساتھ تو بہت کچھ ہو رہا ہے۔ پہلے پختہ بنائی جاتی ہیں۔ اُن پر بڑے بڑے گنبد تعمیر ہوتے ہیں۔ پھر اُن کو غسل دیا جاتا ہے۔ چادریں چڑھائی جاتی ہیں۔ نذر و نیاز ہوتا ہے، کوئی چومتا ہے اور کوئی سجدہ کرتا ہے یہی کچھ صابی ملت کے لوگ، ہندو وغیرہ کرتے تھے اور یہی چیز آج مسلمانوں میں بھی موجود ہے۔

نظامِ شمسی

جس کائنات میں ہم رہتے ہیں اسے نظامِ شمسی کا نام دیا گیا ہے اللہ تعالیٰ نے سات سیاروں کا یہ نظام کمال حکمت کے ساتھ بنایا ہے۔ اس نظام میں سورج سب سے بڑا سیارہ ہے، زمین بھی انہی میں سے ایک سیارہ ہے جس پہ ہم رہتے ہیں۔ یہ تمام سیارے سورج کے گرد اپنی اپنی مقررہ رفتار کے ساتھ چکر لگا رہے ہیں۔ اتنے بڑے بڑے سیاروں کی فضا میں گردش قدرت کے قائم کردہ قانونِ جذب و کشش کے تحت ہو رہی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر سیارے میں ایک خاص درجے کی کشش رکھی ہے جس کی وجہ سے

ان کی رفتار معین ہے اور اپنے اپنے مدار میں چل رہے ہیں۔ اس متعینہ کشش کی وجہ سے یہ سیارے نہ تو اپنے مدار سے باہر نکل سکتے ہیں اور نہ ہی یہ ایک دوسرے کے ساتھ ٹکراتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمتِ بالغہ سے سورج میں سب سے زیادہ کشش رکھی ہے جسکی وجہ سے تمام باقی سیارے اس کے گرد ایک فاصلے اور خاص رفتار سے چکر لگانے پر مجبور ہیں۔ جو چیز غور طلب ہے وہ یہ ہے کہ سیاروں کی یہ کشش خود بخود نہیں آرہی ہے بلکہ اسے اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت کے ساتھ پیدا کیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ان سیاروں کا آپس میں ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ اُس مالک الملک کا فرمان ہے کہ ایک دن آنے والا ہے جب یہ سیارے آپس میں ٹکرا کر پاش پاش ہو جائیں گے اور کائنات کا سارا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔ جب قیامت برپا ہوگی تو ہر چیز فنا ہو جائیگی پھر دوبارہ قائم ہوگی اور محاسبے کا عمل شروع ہوگا۔

ابراہیم علیہ السلام کا وطنِ مولود

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت باسعادت آج سے تقریباً پانچ ہزار سال پہلے کلدان یعنی بابل کے مقام اُور میں ہوئی۔ موجودہ جغرافیے کے مطابق یہ علاقہ اب عراق میں شامل ہے۔ بابل شہر بغداد سے ساٹھ ستر میل دور آباد تھا یہاں پر بڑے متمدن لوگ رہتے تھے، اُس زمانے میں نمرود ابن کنعان وہاں کا بادشاہ تھا۔ یہ بڑا ظالم، جابر اور مشرک آدمی تھا۔ مصر کے فرعون کی طرح یہ بھی لوگوں پر ظلم و ستم ڈھاتا تھا۔ گردشِ زمانہ کے ہاتھوں بابل کا مشہور و معروف شہر جہاں کلدانی نسل آباد تھی، تباہ و برباد ہو گیا، اب صرف کھنڈرات باقی ہیں جن کی کھدائی کر کے ماہرین آثارِ قدیمہ کلدانی تہذیب کے متعلق معلومات حاصل کرتے ہیں۔ انگریزوں نے سلطان ترکی سے اجازت لے کر کھدائی شروع کی تو نیچے سے سنگِ مرمر کے بنے ہوئے عجیب و غریب مجسمے برآمد ہوئے۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس زمانے میں سنگ تراشی کو عروج حاصل تھا، لوگ خود ہی پتھروں کو تراش کر بت بناتے تھے اور پھر خود ہی اُن کی

پرستش کرنے لگتے۔

پُرانی تہذیبوں کے آثار پوری دُنیا میں پھیلے ہوئے ہیں۔ ہمارے ہاں ہڑپہ اور موہنجو دھارو کے کھنڈرات سے پانچ چھ ہزار سال پُرانے آثار ملے ہیں۔ بلوچستان اور سوات میں بھی بعض قدیم تہذیبوں کے آثار ملے ہیں۔ ہندوستان میں بدھ سے بھی سینکڑوں سال پہلے کے نشانات ملے ہیں۔ مصر میں اہرام کے نام سے جو بڑے بڑے گنبد نظر آتے ہیں، ان کی تاریخ بھی ساڑھے پانچ ہزار سال پُرانی ہے بعض مؤرخین کا خیال ہے کہ یہ اُس زمانے کے حکمرانوں کی قبریں ہیں، جن پر یادگار کے طور پر عمارتیں تعمیر کی گئیں۔ مصر کا سب سے بڑا ھرم چار سو فٹ بلند ہے جس پر چھ چھ من وزنی پتھر لگائے گئے ہیں آج تو سائنس بہت ترقی کر چکی ہے۔ ایسے کاموں کے لیے بڑی بڑی مشینیں اور کرینیں ایجاد ہو چکی ہیں جنہیں بجلی کے ذریعے کام میں لایا جاتا ہے، مگر اُس زمانے میں جب یہ وسائل میسّر نہیں تھے، اتنی بڑی بڑی عمارتیں بنانا حیران کُن ہے۔ وہ بھی بڑے ذہین لوگ تھے جنہوں نے اتنے بڑے کام محض انفرادی قوت کے ساتھ انجام دیے۔

ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر

توراۃ کے بیان کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارخ تھا مگر اس آیت کریمہ میں اُن کا نام آزر بتایا گیا ہے۔ چنانچہ مفسّرین کے نزدیک یہ تفاوت اشکال کا باعث بنا ہے۔ تاہم حقیقت یہ ہے کہ تارخ اور آزر ایک ہی شخصیت ہے۔ قرآن پاک میں تو واضح طور پر آزر لکھا ہے۔ اور اگر ان کا اصل نام تارخ بھی تسلیم کر لیا جائے تو آزر لقب ہو سکتا ہے اور بعض اوقات نام کی نسبت لقب زیادہ مشہور ہو جاتا ہے جس طرح حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل تھا تو وہ زیادہ تر اسی لقب سے پہچانے جانے لگے اور ان کی اولاد بنی اسرائیل کے نام سے مشہور ہوئی۔ آزر ایک بت کا نام بھی تھا جس کی وہ پوجا کرتے تھے بلکہ خود بت تراش اور بتوں کی تجارت کرتے تھے آپ مشرکین کے امام اور مندروں کے محافظ تھے۔ اُن کا لقب آزر شاید اسی بُت کی نسبت سے

مشہور ہو گیا۔ بہر حال قرآنِ پاک نے اُن کا نام آزر بتایا ہے۔ دونوں ناموں میں سے ایک کو اصل نام اور دوسرے کو لقب مان لیا جائے تو تعارض باقی نہیں رہتا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ آزر ابراہیم علیہ السلام کے باپ نہیں بلکہ چچا تھے جو کہ درست نہیں ہے۔ تارخ اور آزر ایک شخصیت کے دو نام ہیں جو بلاشبہ مشرک تھے۔

ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی پیدائش اور پرورش کے متعلق بہت سے واقعات تفسیری روایات میں آتے ہیں۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام کو اللہ نے فرعون کی دست برد سے بچایا، اسی طرح ابراہیم علیہ السلام بھی نمرود کے ہاتھوں سے بچتے رہے۔ نمرود کو کاہنوں اور نجومیوں نے بتایا تھا کہ تیری سلطنت میں ایک ایسا بچہ پیدا ہونے والا ہے جو تیرے زوال کا باعث بنے گا۔ چنانچہ اس نے میاں بیوی کے ملاپ کی ممانعت کر دی۔ اس کے باوجود جو بچے پیدا ہوتے اُن کی نگرانی کی جاتی اور اس کے متعلق پوری تحقیق کی جاتی کہ یہی وہ بچہ تو نہیں جس کی پیشن گوئی کی جا چکی ہے مگر اللہ تعالیٰ کو ایسا ہی منظور تھا جب ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تو سرکاری کارندوں نے اس طرف دھیان ہی نہیں دیا۔ بعض یہ بھی فرماتے ہیں کہ آپ کی والدہ ایک غار میں چلی گئیں، وہیں آپ کی پیدائش ہوئی اور پھر آپ کو تین سال تک اُسی غار میں رکھا گیا۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی پرورش بڑے اچھے طریقے سے فرمائی، پھر جب آپ سنِ شعور کو پہنچے تو اللہ نے غیر معمولی رُشد و ہدایت سے نوازا۔ وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ (سورۃ الانبیا) ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو بچپن ہی سے سمجھ عطا فرمائی۔ وہ اللہ کی توحید کے محقق اور اس پر سختی سے کاربند تھے وہ ابوالموحدین یعنی تمام توحید پرستوں کے باپ تھے۔ بہر حال آپکی پیدائش اور پرورش کے متعلق تاریخی روایات ملتی ہیں جن کے متعلق یقین سے

کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ قرآن و حدیث اس معاملہ میں خاموش ہیں۔

باپ کو دعوتِ توحید

آج کی آیت کریمہ میں اسی دعوتِ توحید کا تذکرہ ہے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کو دی تھی وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ اٰزَرَ اور اُس وقت کو دھیان میں لاؤ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ آذر سے کہا اَتَتَّخِذُ اَصْنَامًا اٰلِهَةً" کیا تو بتوں کو معبود بناتا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی باپ سے اس طرح کی ہم کلامی کے اور بھی واقعات قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ مثلاً سورۃ مریم میں ہے آپ نے باپ سے فرمایا یٰاَبَتِ اِنِّیْ قَدْ جَآءَنِیْ مِنَ الْعِلْمِ" اے میرے باپ! میرے پاس علم آگیا ہے جس کی روشنی میں میں تمہیں نصیحت کرتا ہوں فَاتَّبِعْنِیْٓ اَهْدِكَ صِرَاطًا سَوِیًّا" میری بات مان لے میں تجھے سیدھے راستے کی طرف راہنمائی کروں گا۔

اصنام صنم کی جمع ہے اور یہ لفظ ایسی انسانی شکل پہ بولا جاتا ہے جو مٹی، پتھر، سونے، چاندی وغیرہ سے بنائی گئی ہو۔ اور جو چیز بغیر کسی شکل و صورت کے معبود تسلیم کی جائے اسے وثن کہتے ہیں۔ ہندوؤں کے ہاں کروڑوں معبود ہیں۔ ان میں سے بعض کسی شکل پہ بنائے جاتے ہیں اور بعض اوقات ویسے ہی کسی چیز، اَن گھڑے پتھر یا مٹی وغیرہ کو خاص حیثیت دے کر اس کی پوجا کرنے لگتے ہیں۔ یہ وثن کہلاتے ہیں۔ اس پہ نذرانے ڈالے جاتے ہیں، اس کے سامنے منتیں مانی جاتی ہیں اور سجدے ہوتے ہیں۔ سورۃ حج میں موجود ہے "فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ" (ان اَن گھڑے) بتوں کی پلیدی سے بچ جاؤ۔ اِن میں ذہنی اور فکری نجاست پائی جاتی ہے اور انسان شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔

بہر حال جب ابراہیم علیہ السلام نے ہوش سنبھالا اور انہوں نے اپنے ارد گرد نگاہ کی تو پورے ماحول کو شرک میں ڈوبا ہوا دیکھا۔ کوئی مشتری اور زہرہ کا پجاری ہے

کوئی ستاروں میں کرشمہ مانتا ہے۔ کوئی ارضی چیزوں کے پرستار ہیں اور کوئی آسمانی چیزوں کے۔ اور پھر سب سے بڑھ کر اپنے باپ کو مندر کا محافظ اور بڑا مشرک پایا تو دعوتِ توحید کی ابتدا اسی سے کی اور کہا کہ اے میرے باپ! کیا تم ان خود تراشیدہ بتوں کی پوجا کرتے ہو۔ یہ بہت ہی بری بات ہے کہ حقیقی خالق اور مالک کو چھوڑ کر اپنے ہاتھوں سے بنائے ہوئے مٹی اور پتھر کے بتوں کی پوجا کی جائے۔

پوری قوم کی گمراہی

فرمایا اِنِّیۡۤ اَرٰىكَ وَقَوۡمَكَ فِیۡ ضَلٰلٍ مُّبِیۡنٍ ٥ میں تو تمہیں اور پوری قوم کو کھلی گمراہی میں دیکھ رہا ہوں۔ ابراہیم علیہ السلام نے پورے وثوق اور جوش و جذبے کے ساتھ اعلان کیا کہ اے باپ! تو اور تیری پوری قوم شرک کا ارتکاب کر کے گمراہی کے گڑھے میں گر چکی ہے۔ فرمایا جن بتوں کو تم اپنے ہاتھوں سے تراشتے ہو پھر ان کی خرید و فروخت کرتے ہو، نہ وہ سن سکتے ہیں، نہ بول سکتے ہیں، تم ان کی عبادت کیوں کرتے ہو۔ ان پر چڑھاوے کیوں چڑھاتے ہو۔ ان کو نذر و نیاز کیوں پیش کرتے ہو؟ آخر ان کو کون سا اختیار حاصل ہے جس کے ذریعے یہ تمہاری مدد کرتے ہیں اور تم انہیں الوہیت کا درجہ دیتے ہو۔ یہ تو محض شیطان کا دھوکا ہے جو تمہیں پٹی پڑھاتا ہے کہ یہ سب کچھ کر سکتے ہیں، انہیں خدائی اختیارات حاصل ہیں حالانکہ یہ سب جھوٹ کا پلندہ ہے۔

مولانا ابوالکلام آزادؒ لکھتے ہیں کہ انسان بھی عجیب مخلوق ہے۔ جب یہ ماننے پر آتا ہے تو گوبر کو بھی معبود بنا لیتا ہے، کیڑے مکوڑوں، مکھیوں، بلکہ بلی چوہے اور سانپ کی پوجا کرنے لگتا ہے۔ اور جب انکار کر دیتے تو پھر اللہ کے جلیل القدر پیغمبر نوح علیہ السلام کو جھٹلا دیے اور ان پر پتھر برسانے لگے۔ اللہ کے مقرب انبیا کو کتنی تکلیفیں دی گئیں۔ خود حضور علیہ السلام کو اپنے بھائی بندوں کے ہاتھوں کتنی مشقت برداشت کرنا پڑی۔ عکاظ کی منڈی میں لوگوں نے دیکھا کہ

حضور علیہ السلام تشریف لے جا رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں اے لوگو! قُولُوا لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ تُفْلِحُوا لا الٰہ الا اللہ کہو فلاح پا جاؤ گے۔ آپ کے پیچھے پیچھے لمبا چغہ پہنے ہوئے ایک لمبا دھڑنگا گورا چٹا جوان آپ کو پتھر مارتا جاتا تھا۔ اور کہتا تھا لوگو! یہ شخص (معاذ اللہ) پاگل ہے۔ اس کی بات نہ سننا۔ پوچھنے والے نے پوچھا کہ یہ پتھر مارنے والا شخص کون ہے تو بتلایا گیا کہ یہ حضور علیہ السلام کا حقیقی چچا ابولہب ہے۔ بہر حال ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ کے سامنے توحید کا واضح تصور پیش کیا اور اُسے بتایا کہ تم اور تمہاری پوری قوم گمراہی کے گڑھے میں گر چکی ہے۔ اس کے بعد اگلی آیت میں اُس کمال کا ذکر ہے۔ جو اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو عطا کیا۔ پھر اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شرک کی تردید اور توحید کے حق میں قوم کے سامنے واضح دلائل پیش کیے جن کی وہ تردید نہ کر سکے۔

تارح اور آزر

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کٹر مشرک اور آپ کے سخت دشمن تھے۔ اُن کے نام کے متعلق قرآن میں تو صراحتاً موجود ہے کہ اُن کا نام آزر تھا، مگر بعض لوگ آزر کو باپ ماننے کے لیے اس لیے تیار نہیں کہ نبی کا باپ مشرک نہیں ہو سکتا، لہذا باپ نہیں بلکہ چچا تھا۔ یہ بات اصولاً غلط ہے اسی طرح حضور علیہ السلام کے آباؤ اجداد کے متعلق یہ کہا کہ اُن میں سے کوئی بھی مشرک نہیں تھا، قطعاً غلط ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد آپ کی نسل میں بہت سے مشرک گزرے ہیں۔ لہذا اگر ابراہیم علیہ السلام کے والد مشرک تھے تو یہ کوئی ایسی بات نہیں ہے، جس سے نبی کی معاذ اللہ توہین کا پہلو نکلتا ہو۔ شیخ سعدیؒ نے کہا ہے ؎

ہنر بنما اگر داری نہ گوہر   گل از خار است و ابراہیم از آزر

اگر تم ذات نہیں رکھتے تو ہنر میں کمال پیدا کرو۔ پھول کانٹوں سے نکلتا ہے اور اسی طرح ابراہیم علیہ السلام آزر سے نکلا ہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے،

کہ اللہ تعالیٰ چاہے تو زندہ سے مردہ اور مردہ سے زندہ نکال دے۔ یعنی یہ تو اسکی حکمت پر موقوف ہے، چاہے تو مشرک سے مُوحد پیدا فرمادے اور مومن کی نسب سے کافر پیدا کردے۔ اللہ تعالیٰ قادر مطلق ہے، وہ جو چاہے کرے۔ حضرت نوح علیہ السلام جیسے پیغمبر کا بیٹا اگر باپ کی بات نہیں مانتا تو غرق ہو جاتا ہے۔ لہذا یہ ثابت کرنا کہ حضور علیہ السلام کی نسل میں کوئی بھی مشرک نہیں تھا، حقیقت کے خلاف ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ بھی مشرک تھا اور ان کی اولاد میں بھی بہت سے مومن تھے اور بہت سے کافر مشرک بھی تھے۔

بہر حال ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ سے کہا کہ میں تجھے اور تیری قوم کو کھلی گمراہی میں پاتا ہوں۔ کفر و شرک سب سے بڑی گمراہی ہے جس میں پوری قوم مبتلا تھی۔ بابل شہر کا رقبہ ساٹھ یا سو مربع میل پر پھیلا ہوا تھا مگر پوری آبادی مشرک تھی۔ جب ابراہیم علیہ السلام نے وہاں سے ہجرت کی تو آپ اپنی بیوی سارہ اور بھتیجے لوط علیہ السلام کے ہمراہ نکلے۔ اس وقت ان کے علاوہ کوئی مومن نہیں تھا۔

وَكَذٰلِكَ نُرِيٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ ﴿۷۵﴾ فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا ۚ قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ ﴿۷۶﴾ فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا قَالَ هٰذَا رَبِّيْ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَ قَالَ لَئِنْ لَّمْ يَهْدِنِيْ رَبِّيْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّاۗلِّيْنَ ﴿۷۷﴾ فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَةً قَالَ هٰذَا رَبِّيْ هٰذَآ اَكْبَرُ ۚ فَلَمَّآ اَفَلَتْ قَالَ يٰقَوْمِ اِنِّيْ بَرِيْۗءٌ مِّمَّا تُشْرِكُوْنَ ﴿۷۸﴾ اِنِّيْ وَجَّهْتُ وَجْهِيَ لِلَّذِيْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿۷۹﴾

ترجمہ :- اور اسی طرح ہم دکھاتے ہیں ابراہیم علیہ السلام کو بادشاہی آسمانوں کی اور زمین کی ، تاکہ ہو جائیں وہ یقین رکھنے والوں میں ﴿۷۵﴾ جب تاریک ہو گئی اُن پہ رات ، پس دیکھا انہوں نے ستارے کو تو کہنے لگے ، کیا یہ ہے میرا رب؟ جب وہ غائب ہو گیا تو کہا (ابراہیم علیہ السلام نے) میں نہیں پسند کرتا غائب ہو جانے والوں کو ﴿۷۶﴾ پھر جب انہوں نے دیکھا چاند کو چمکتا ہوا ، تو کہنے لگے کیا یہ ہے میرا رب ؟ جب

وہ غروب ہو گیا تو کہنے لگے ، اگر نہ ہدایت دیگا مجھ کو میرا پروردگار تو البتہ میں ہو جاؤں گا گمراہ لوگوں میں سے (۷۷) پھر جب دیکھا سورج کو چمکتا ہوا تو کہنے لگے کیا یہ ہے میرا رب ؟ یہ بڑا ہے ۔ جب وہ بھی غائب ہو گیا تو کہنے لگے اے میری قوم کے لوگو ! میں بیزار ہوں اُن چیزوں سے جن کو تم شریک بناتے ہو (۷۸) تحقیق میں نے متوجہ کرلیا ہے اپنے کو (یعنی جسم و جان کو) اس ذات کی طرف جس نے پیدا کیا ہے آسمانوں کو اور زمین کو اور میں حنیف (یک سُو ہونے والا) ہوں اور نہیں ہوں میں شرک کرنے والوں میں سے (۷۹)

ربطِ آیات

اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا ہے اور اُس دلیل کا ذکر کیا ہے جو انہوں نے شرک کی تردید میں مشرکین کے سامنے پیش کی ۔ ان آیات میں ابراہیم علیہ السلام کا عقیدہ اور مسلک بھی کھُل کر سامنے آگیا ہے پھر اگلی آیات میں قوم سے جھگڑا کرنے کا ذکر ہوگا ۔ پھر انبیاء کا مسلک بیان ہوگا جو کہ ابراہیم علیہ السلام ہی کا مسلک ہے ۔ گذشتہ آیت میں گزر چکا ہے کہ اللہ نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے واقعہ کو دھیان میں لاؤ جب انہوں نے اپنے والد آزر سے کہا تھا کہ کیا تو بتوں کو الٰہ بناتا ہے ۔ میں تجھے اور تیری قوم کے لوگوں کو صریح گمراہی میں دیکھتا ہوں ۔ تم اپنے ہاتھ سے پتھر تراش کر بُت بناتے ہو اور پھر انہیں معبود سمجھ کر اُن کے سامنے سجدہ ریز ہو جاتے ہو ، یہ کونسا دین ہے ؟ یہ تو واضح گمراہی ہے جس میں ساری قوم مبتلا ہے ۔

نامِ آزر کی تحقیق

میں نے کل عرض کیا تھا کہ مفسرین کی تحقیق کے مطابق آزر ابراہیم علیہ السلام کے والد ہیں ۔ مولانا عبید اللہ سندھیؒ فرماتے ہیں کہ تورات میں اور عام تاریخی کتابوں میں اُن

کا نام تارخ آتا ہے مگر قرآن پاک نے صراحتاً آزر بتایا ہے ۔ اِس معاملے میں بعض مفسرین کو غلط فہمی بھی ہوئی ہے جنہوں نے تارخ کو والد اور آزر کو چچا کہا ہے پہلی بات تو یہ ہے کہ بعض کے نزدیک تارخ کی بجائے زارخ کا تلفظ بھی آیا ہے اور عین ممکن ہے زارخ کو آزر میں تبدیل کر دیا گیا ہو بعض اوقات اہلِ لغت الفاظ میں اس قسم کی تبدیلی کر لیتے ہیں لہذا اس میں تعجب کی کوئی بات نہیں ۔ امام ابن کثیرؒ کی تحقیق کے مطابق ابراہیم علیہ السلام کے والد چونکہ آزر نامی بت کے پجاری تھے اور اس کی خوب خدمت کیا کرتے تھے ، لہذا اُن کا نام بھی بت کے نام پہ آزر ہی مشہور ہو گیا اور یہی بات زیادہ قرین قیاس معلوم ہوتی ہے تاہم اگر اصل نام تارخ بھی ہو تو اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا ۔ آپ کا لقب بہر حال آزر مشہور ہو گیا اور اِسی نام سے جانے پہچانے جانے لگے ۔ عربی زبان " اَبٌ " باپ کے لیے استعمال ہوتا ہے نہ کہ چچا کے لیے قرآن پاک میں ہر جگہ ابی کا لفظ ہی آیا ہے ، لہذا اس امر میں کوئی شبہ نہیں رہتا کہ آزر آپ کے والد ہی تھے ۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کا نام شانی تھا ، آپ کلدانی قوم کے فرد تھے ۔ یہ قوم قدیم عراق میں ایک بڑی تہذیب کی وارث تھی اور وہاں پہ صدیوں سے اِن کی حکومت چلی آ رہی تھی اس علاقے میں کلدانیوں سے پہلے آشوری دَور بھی گذرا ہے کلدانیوں میں حمورابی بادشاہ ہوا ہے جس نے اپنے قوانین پتھروں پہ کندہ کرا دیے تھے یہ شخص دو ہزار سال قبل مسیح ہوا ہے ۔ اِسی سرزمین سے اللہ تعالے نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو پیدا کیا ۔ اُس وقت نمرود حکمران تھا ۔ نمرود اصل میں نمو تھا ۔ نمو سے انمو ہوا اور پھر عربی لہجے میں آ کر نمرود بن گیا ۔

خاندان ابراہیم علیہ السلام

جیسا کہ کل عرض کیا تھا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بڑی بیوی کا نام سارہؑ تھا جو آپ کی چچا زاد تھی ۔ آپ کی دوسری بیوی ہاجرہ تھیں جو حضرت اسماعیل علیہ السلام کی والدہ ہیں عام مشہور یہ ہے کہ حضرتِ ہاجرہ لونڈی تھیں مگر یہ بات درست

نہیں ہے۔ حضرت مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی تحقیق کے مطابق حضرت ہاجرہ شہزادی تھیں۔ گردشِ زمانہ میں آکر کسی طرح قید ہو کر شاہِ مصر کی تحویل میں چلی گئیں جنہوں نے انہیں لونڈی بنا لیا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام جب حضرت سارہ کے ہمراہ مصر پہنچے تو وہاں کا جابر حکمران اپنے دستور کے مطابق برائی کا ارادہ رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد شامل ہوئی اور وہ اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکا۔ اللہ تعالیٰ نے کسی طریقے سے خوفزدہ کر دیا، چنانچہ اُس نے حکم دیا کہ ان نووارداں کو مصر سے نکال دیا جائے تاہم اُس نے خدمت کے لیے حضرت ہاجرہ حضرت سارہ کو دیدی۔ پھر انہوں نے اُسے حضرت ابراہیم کو ہبہ کر دیا۔ آپ نے اِن سے نکاح کر لیا، اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بطن سے اسماعیل جیسا عظیم فرزند اور عالی شان رسول پیدا فرمایا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک اور بیوی قطورہ نامی بھی تھی۔ آپ نے عمر کے آخری حصے میں ان سے قریہ خلیل میں نکاح کیا۔ اسی مقام پر آپ کی قبر کی نشان دہی بھی ملتی ہے۔ مدین والے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اسی بیوی کی اولاد تھے جو بنی قطورہ کہلاتے تھے

ابراہیم اللہ کے جلیل القدر پیغمبر ہوئے ہیں۔ آپ کا لقب خلیل اللہ ہے آپ کا تذکرہ قرآن پاک کی بہت سی سورتوں میں مختلف عنوانات کے تحت ہوا ہے۔ آپ کے نام ایک سورۃ ابراہیم بھی قرآن پاک میں موجود ہے آپ حنیفیت کے سب سے بڑے امام تھے۔ آپ سے پہلے صابی دور تھا، جو کہ شیث علیہ السلام کے دور سے چلا آرہا تھا یہ دین بھی ابتداء میں حق پر تھا مگر بعد میں اس میں بت پرستی، ستارہ پرستی اور سورج پرستی شروع ہو گئی۔ یہ لوگ آسمانی کروں میں کرشمہ مانتے تھے اور سیاروں کے نام پر مندر بنائے ہوئے تھے جن کی وہاں پوجا ہوتی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس ماحول میں آنکھ کھولی، اِن قباحتوں کو دیکھا اور پھر ان کے خلاف جہاد میں مصروف ہو گئے۔ اِن آیات میں آپ کی اُس کاوش کا ذکر ہے جس کے

ذریعے آپ نے بتوں کی پرستش کے خلاف نہایت حکیمانہ دلائلِ قدرت پیش کیے۔

قیامِ حجت

گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے۔ کہ اللہ نے ارشاد فرمایا وَلَقَدْ اٰتَيْنَآ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ یعنی ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو شروع سے ہی سمجھ عطا فرمائی۔ امام ابن کثیر مِنْ قَبْلُ کی تفسیر میں فرماتے ہیں مِنْ صِغَرِهٖ اِلٰی كِبَرِهٖ یعنی ابراہیم علیہ السلام بچپن سے لے کر سنِ شعور تک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے ماہر اور محقق تھے۔ آپ نے اپنے والد کو خطاب کر کے واضح الفاظ میں کہا کہ تم اور تمہاری قوم گمراہی میں پڑے ہوئے ہو۔ چونکہ وہ لوگ صابی ملّت سے تعلق رکھتے تھے اور عام طور پر ستارہ پرست تھے، لہٰذا ابراہیم علیہ السلام نے اِن ستاروں اور سیاروں کو ہی اپنی قوم کے سامنے بطور دلیل پیش کیا آج کی آیات میں ستارہ چاند اور سورج تین چیزوں کا ذکر ہے جن کے مشاہدہ کے بعد ابراہیم علیہ السلام نے اُن کی الوہیت کی نفی کی ہے تو یہ بات سمجھ لینی چاہیئے کہ یہ تینوں مشاہدات ایک ہی دن میں نہیں کیے گئے، بلکہ مختلف مواقع پر اِن کا مشاہدہ کرنے اور پھر قوم کو متوجہ کرنے کے بعد آپ نے اِن پر دلیل وحجت قائم کی۔ اور اپنے باپ آذر اور قوم کے دیگر افراد کو سمجھایا کہ بتوں کی پرستش صریح گمراہی ہے کفر اور شرک ہے، لہٰذا اس سے باز آجاؤ۔

نشانات قدرت کا مشاہدہ

ابتداء میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی فضیلت بیان فرمائی ہے وَكَذٰلِكَ نُرِيْٓ اِبْرٰهِيْمَ مَلَكُوْتَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اور اسی طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو آسمان اور زمین کی سلطنت دکھا دی۔ ملکوت، ملک کا مبالغہ ہے، جیسے رحمت سے رحموت اور جبر سے جبروت۔ اور ملکوت کا معنیٰ ہوگا عظیم سلطنت۔ اس طرح ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو ارض وسما کی عظیم سلطنت کا نظام دکھا دیا۔ عجائباتِ قدرت

کا انہیں مشاہدہ کرا دیا۔ اس قسم کا طرزِ کلام سورۃ بنی اسرائیل میں واقعہ معراج کے ضمن میں بھی آیا ہے، پاک ہے وہ (ذات) جو اپنے بندے کو راتوں رات مسجدِ حرام سے مسجدِ اقصٰے تک لے گیا لِنُرِيَهُ مِنْ اٰيٰتِنَا تاکہ ہم اُسے اپنی قدرت کی نشانیاں دکھائیں اور پھر اصل مشاہدہ کی تصدیق سورۃ نجم میں یوں کی "لَقَدْ رَاٰى مِنْ اٰيٰتِ رَبِّهِ الْكُبْرٰى" انہوں نے اپنے پروردگار کی بڑی بڑی نشانیاں دیکھیں۔ اسی طرح ابراہیم علیہ السلام کو بھی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی عجیب و غریب نشانیوں کا مشاہدہ کرایا۔ اللہ نے آپ کو سمجھا دیا کہ کائنات کا نظام اس طریقے سے چل رہا ہے۔ یہ سورج، چاند اور ستارے اللہ تعالیٰ کی عظیم سلطنت کا ایک حصہ ہیں۔ اور یہ سب کچھ دکھانے سے مطلوب کیا تھا؟ وَلِيَكُوْنَ مِنَ الْمُوْقِنِيْنَ تاکہ ابراہیم علیہ السلام کا یقین اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ پر پختہ ہو جائے۔ بعض اوقات ایمان لانے کے باوجود مشاہدہ کی خواہش برقرار رہتی ہے، جسکی مثال ابراہیم علیہ السلام ہی کے واقعہ میں ملتی ہے۔ آپ نے پروردگارِ عالم سے عرض کیا رَبِّ اَرِنِيْ كَيْفَ تُحْيِ الْمَوْتٰى اے پروردگار! مجھے دکھا دے کہ تو مُردوں کو کیسے زندہ کریگا۔ تو اللہ نے فرمایا، کیا تو اس بات پر ایمان نہیں رکھتا۔ عرض کیا، ایمان تو رکھتا ہوں" وَلٰكِنْ لِّيَطْمَئِنَّ قَلْبِيْ تاہم میں مشاہدے کے ذریعے اطمینانِ قلب حاصل کرنا چاہتا ہوں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو چار پرندوں کو ذبح کرنے کے بعد پھر زندہ کر دینے کا مشاہدہ کرا دیا اسی طرح یہاں بھی فرمایا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو زمین و آسمان کی سلطنت کی نشانیاں دکھا دیں۔ اور اُن کی حکمت سے بھی آپ کو آگاہ کر دیا۔

ستارے پر نگاہ

ارشاد ہوتا ہے فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ الَّيْلُ رَاٰ كَوْكَبًا جب رات تاریک ہو گئی تو ابراہیم علیہ السلام نے ستارے پر نگاہ کی جو کہ چمک رہا تھا۔ اس وقت آپ کسی مجلس میں ہوں گے جہاں قوم کے بہت سے لوگ

ہوئے تھے جن کی وہاں پوجا ہوتی تھی۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اس ماحول میں آنکھ کھولی، اِن قباحتوں کو دیکھا اور پھر ان کے خلاف جہاد میں مصروف ہو گئے۔ اِن آیات میں آپ کی اُس کاوش کا ذکر ہے جس کے

موجود تھے تو آپ نے اُن کو متوجہ کرتے ہوئے فرمایا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ کیا یہ (ستارہ) میرا رب ہے؟ بعض مفسرین کو یہاں پر غلط فہمی ہوئی ہے اُن کے مطابق ابراہیم علیہ السلام تحقیق کے منازل طے کرنے کے دوران شرک بھی کرتے رہے، اسی لیے انہوں نے ستارے کو ایک نظر دیکھ کر کہہ دیا کہ یہ میرا رب ہے اور پھر آخر کار تحقیق کرتے کرتے توحیدِ خالص کا نقطہ پا لیا۔ مولانا مودودی صاحب کو بھی اسی قسم کا اشتباہ ہوا ہے۔ مگر یہ حقیقت کے برعکس ہے۔ ابراہیم علیہ السلام روزِ اوّل سے ہی کامل درجے کے موحد تھے۔ انہوں نے کبھی ستارے، چاند، یا سورج کو اپنا رب نہیں کہا بلکہ انہوں نے لوگوں کو سمجھانے کے لیے استفہامیہ طور پر کہا، کیا یہ میرا رب ہے؟ آپ کا مقصد ستارے کو توحید کی دلیل بنانا تھا۔ فَلَمَّآ اَفَلَ جب وہ ستارہ غروب ہو گیا قَالَ لَآ اُحِبُّ الْاٰفِلِيْنَ فرمایا میں غروب ہو جانے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ آپ نے قوم کو سمجھایا کہ تم محض ستارے کی چمک دیکھ کر اسے معبود بناتے ہو حالانکہ یہ تو غروب ہو جانے والی چیز ہے۔ اور جس چیز پر زوال آجائے وہ الٰہ نہیں ہو سکتی، لہٰذا میں ستارے کو اپنا رب تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ معبودِ برحق تو وہ ہستی ہے اَلْاٰنَ كَمَا كَانَ جو ازل میں بھی تھی اور اب بھی ہے اور ابد میں بھی ہوگی۔ ایسی ذات پر کسی قسم کا تغیر نہیں آسکتا۔ اللہ تعالیٰ مخلوق پر اپنی تجلیات کا نزول کرتا ہے، کبھی وہ نظر آتی ہیں اور کبھی نہیں آتیں، تو اس سے مخلوق میں تو تغیر آتا ہے مگر خود اُس ذات باری تعالیٰ میں کوئی تغیر واقع نہیں ہوتا۔ وہ آج بھی ایسا ہی ہے جیسا ازل میں تھا اور ابد میں بھی رہیگا۔ وہ چیز الٰہ نہیں ہو سکتی جو کبھی طلوع ہو اور کبھی غروب ہو، کبھی ایک افق میں ہو اور کبھی دوسرے افق میں، فرمایا میں متغیر ہونے والی شئے کو معبود تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔

چاند کا مشاہدہ

چاند بھی خدا تعالیٰ کی بہت بڑی نشانی ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد

مبارک ہے اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ اٰیَتَانِ مِنْ اٰیٰتِ اللّٰہِ یعنی سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو عظیم نشانیاں ہیں۔ مگر اِن کو الوہیت کا درجہ دینا سخت گمراہی ہے۔ اتفاق کی بات ہے کہ جس روز سورج گرہن ہوا، اسی روز حضور علیہ السلام کے فرزند حضرت ابراہیم کی وفات ہوئی جاہلیت میں یہ توہم پایا جاتا تھا کہ جس دن سورج یا چاند گرہن ہو اُس دن کوئی بڑا آدمی پیدا ہوتا ہے یا فوت ہوتا ہے۔ آپ نے اِس کی تردید فرمائی اور فرمایا کہ کسوف کسی کے پیدا ہونے یا مرنے کی وجہ سے نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ جب چاہتا ہے مخلوق میں تغیر و تبدل کو دکھا دیتا ہے تاکہ لوگ سمجھ جائیں کہ جب اللہ تعالیٰ اتنی بڑی چیزوں میں تغیر و تبدل پیدا کردیتا ہے تو انکے مقابلے میں کمزور سے انسان کی کیا حیثیت ہے بہر حال کسوف کے دن آپ نے لمبی نماز پڑھی طویل قرأت کی، رکوع اور سجود بہت لمبے کیے اور پھر بڑی لمبی دُعا فرمائی۔

سائینسدانوں کی تحقیق کے مطابق جب زمین، سورج اور چاند کے درمیان ایک سیدھ میں آجاتی ہے، تو زمین کا سایہ چاند پر پڑتا ہے، جس کی وجہ سے چاند کا اُتنا حصہ تاریک ہو جاتا ہے، اُسے چاند گرہن کہتے ہیں۔ اسی طرح جب چاند، سورج اور زمین کے عین درمیان میں آجاتا ہے تو سورج کی روشنی زمین کے اتنے حصے تک نہیں پہنچ پاتی جس کی وجہ سے اُس حصۂ زمین سے سورج تاریک نظر آتا ہے، یہ سورج گرہن ہے۔ کسوف کی تکوینی وجہ کچھ بھی ہو یہ بہر حال خدا تعالیٰ کا فعل ہے کہ چاند یا سورج کی روشنی کو موقوف کر دے۔

حضور علیہ السلام نے فرمایا، ایسے موقع پر توبہ و استغفار کرو، غلام آزاد کرو۔ صدقہ خیرات کرو اور اپنی فکر کرو، نہ کہ کیمرے لے کر فوٹو کھینچنا شروع کردو۔ اس فعل کو خدا ہی کی طرف منسوب کرو اور مشرکانہ یا مبتدعانہ افعال سے پرہیز کرو۔

حقیقت میں نیّرِ اعظم یعنی روشنی کا منبع تو سورج ہی ہے۔ جب سورج کی روشنی چاند پر پڑتی ہے تو وہ منعکس ہوکر پھر زمین پر پڑتی ہے، اسی لیے چاند کی روشنی مدھم ہوتی ہے یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت کا کرشمہ ہے کہ اُس نے

سورج کو بہت زیادہ تابانی عطا کی ہے اور چاند کو کم۔ سائنس دان کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سورج میں تابانی کے لیے بڑے درجے کا ایندھن جمع کر دیا ہے جو سورج کی پیدائش کے دن سے لیکر جب تک اللہ کو منظور ہے روشنی اور حرارت بہم پہنچاتا رہے گا۔ پھر ایک دن آئے گا جب اللہ تعالیٰ اس ایندھن کو ٹھنڈا کر دے گا اور کائنات کا پورا نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے چاند کی دھیمی روشنی میں انسان کے فائدے کی کئی چیزیں رکھی ہیں۔ چاند کے ذریعے اناج میں رس اور پھلوں میں مٹھاس پیدا ہوتی ہے اور پانی پر اس کے خاص اثرات وارد ہوتے ہیں۔ اسی طرح سورج حرارت اور روشنی کا منبع ہے۔ اس کے ذریعے فصلیں پکتی ہیں اور کئی قسم کے دیگر فوائد حاصل ہوتے ہیں۔

فرمایا فَلَمَّا رَاَ الْقَمَرَ بَازِغًا جب ابراہیم علیہ السلام نے چاند کو چمکتا ہوا دیکھا، ظاہر ہے کہ اُس معاشرے میں چاند کے پجاری بھی موجود تھے۔ چاند کے مشاہدہ کے وقت آپ نے اُن کو متوجہ کیا قَالَ هٰذَا رَبِّیْ اور کہا، کیا یہ ہے میرا رب؟ فَلَمَّآ اَفَلَ پھر جب چاند بھی غروب ہو گیا تو آپ نے قوم کے سامنے دوسری دلیل پیش کی۔ قَالَ لَئِنْ لَّمْ یَهْدِنِیْ رَبِّیْ لَاَكُوْنَنَّ مِنَ الْقَوْمِ الضَّآلِّیْنَ اگر میرا پروردگار مجھے راہِ راست پر نہیں رکھے گا، تو میں گمراہ لوگوں میں سے ہو جاؤں گا۔ اگر اللہ نے میری راہنمائی نہ فرمائی تو جس طرح یہ لوگ چاند میں کرشمہ مان کر شرک میں مبتلا ہو چکے ہیں تو میں بھی بہک سکتا ہوں۔ ہدایت بھی اللہ تعالیٰ کی مہربانی سے ہی حاصل ہوتی ہے اگر وہ دستگیری نہ فرمائے اور اپنی رحمت سے نہ نوازے تو کسی کو صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی حاصل نہیں ہو سکتی۔ حدیث شریف میں آتا ہے، حضور علیہ السلام خطبہ میں پڑھا کرتے تھے مَنْ یُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ جسے اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے، اُس کو کوئی ہدایت نہیں دے

سکتا۔ بہرحال ابراہیم علیہ السلام نے دوسرے دن چاند کا مشاہدہ کر کے اُس سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی دلیل پکڑی اور قوم کو سمجھانے کی کوشش کی۔

آفتاب ماہتاب

مفسرین فرماتے ہیں کہ جب ابراہیم علیہ السلام کے خصوصی مشاہدے کا تیسرا دن آیا تو سورج اپنی پوری تابانی کے ساتھ آسمان پہ موجود تھا، چنانچہ ارشاد ہوتا ہے فَلَمَّا رَاَ الشَّمْسَ بَازِغَۃً جب آپ نے سورج کو چمکتے ہوئے دیکھا قَالَ ھٰذَا رَبِّیْ ھٰذَا اَکْبَرُ فرمایا کیا یہ میرا رب ہے؟ یہ تو بڑا ہے۔ مگر سورج بھی تغیر پذیر ہے فَلَمَّآ اَفَلَتْ جب وہ بھی غروب ہوگیا قَالَ اِنِّیْ بَرِیْٓءٌ مِّمَّا تُشْرِکُوْنَ۔ فرمایا، اے لوگو! میں اُن چیزوں سے بیزار ہوں جن کو تم شریک بناتے ہو۔ مقصد یہ کہ نہ ستارہ الٰہ ہے، نہ چاند اور نہ ہی سورج جو اِن میں سب سے بڑا ہے لہٰذا میں اِن میں سے کسی کو بھی معبود تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں۔ مقصد یہی تھا کہ تم اِن کو معبود بنا کر شرک کے مرتکب نہ ہو بلکہ معبودِ برحق وہ ہے جس نے اِن سب چیزوں کو پیدا کیا ہے۔ دوسرے مقام پہ فرمایا "لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰہِ الَّذِیْ خَلَقَھُنَّ (حٰمٓ سجدہ) لوگو! نہ سورج کو سجدہ کرو، نہ چاند کی پرستش کرو بلکہ اُس اللہ وحدہٗ لاشریک کو سجدہ کرو جس نے اِن سب کو پیدا کیا۔

رجوع الی اللہ

پھر فرمایا اِنِّیْ وَجَّھْتُ وَجْھِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بیشک میں نے متوجہ کرلیا اپنے رُخ کو اُس ذات کیطرف جو آسمان اور زمین کا پیدا کرنیوالا ہے یعنی میں تو صرف اسی کو معبود مانتا ہوں جس نے بغیر نمونے کے زمین و آسمان اور باقی تمام مخلوق کو پیدا کیا۔ فاطر اور بدیع کا یہی معنیٰ ہے کہ اللہ تعالیٰ وہ ذات ہے جس نے ہر چیز کو بغیر سابقہ نمونہ اور بغیر کسی آلے کے اپنی صفت اور تجلی سے پیدا فرمایا۔ تو ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے تمام شریکوں سے بیزار ہو کر اسی ایک خدا کی طرف کو

لگاتا ہوں۔ اور اُسی کو معبودِ برحق جانتا ہوں حَنِیۡفًا میں حنیف ہوں، یعنی ہر طرف سے کٹ کر صرف ایک وحدہٗ لاشریک کی طرف جھکنے والا ہوں شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ حنیف وہ ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مانتا ہے، اللہ تعالیٰ نے تمام لوگوں کو یہی حکم دیا ہے "حُنَفَآءَ لِلّٰہِ غَیۡرَ مُشۡرِکِیۡنَ بِہٖ" (الحج) تم سب حنیف بن جاؤ، ہر طرف سے کٹ کر اُس ایک کی طرف متوجہ ہو جاؤ۔ جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام نے کیا۔ فرمایا میں حنیف ہوں وَمَآ اَنَا مِنَ الۡمُشۡرِکِیۡنَ اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ میں کسی قسم کا شرک روا نہیں سمجھتا۔ بہرحال ابراہیم علیہ السلام نے ستاروں، چاند اور سورج کو سامنے رکھ کر قوم کے سامنے اللہ کی وحدانیت کی دلیل پیش کی۔ تغیر و تبدل کو علت بنایا کہ جس میں یہ چیز پائی جائے وہ معبود نہیں ہو سکتا۔ آپ نے اپنا عقیدہ قوم کے سامنے واضح کر دیا اب اگلی آیات میں قوم کے بحث مباحثے اور جھگڑے کا تذکرہ آئیگا۔

درس بست وسہ ۲۳ | آیت ۸۰ تا ۸۲

وَحَآجَّهٗ قَوۡمُهٗ ؕ قَالَ اَتُحَآجُّوۡٓنِّىۡ فِى اللّٰهِ وَقَدۡ هَدٰٮنِ ؕ وَلَاۤ اَخَافُ مَا تُشۡرِكُوۡنَ بِهٖۤ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ رَبِّىۡ شَيۡـئًا ؕ وَسِعَ رَبِّىۡ كُلَّ شَىۡءٍ عِلۡمًا ؕ اَفَلَا تَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿۸۰﴾ وَكَيۡفَ اَخَافُ مَاۤ اَشۡرَكۡتُمۡ وَلَا تَخَافُوۡنَ اَنَّكُمۡ اَشۡرَكۡتُمۡ بِاللّٰهِ مَا لَمۡ يُنَزِّلۡ بِهٖ عَلَيۡكُمۡ سُلۡطٰنًا ؕ فَاَىُّ الۡفَرِيۡقَيۡنِ اَحَقُّ بِالۡاَمۡنِ‌ ۚ اِنۡ كُنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۸۱﴾ اَلَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَلَمۡ يَلۡبِسُوۡۤا اِيۡمَانَهُمۡ بِظُلۡمٍ اُولٰۤـئِكَ لَهُمُ الۡاَمۡنُ وَهُمۡ مُّهۡتَدُوۡنَ ﴿۸۲﴾ ع ۱۲/۱۵

ترجمہ :- اور جھگڑا کیا اُن (ابراہیم علیہ السلام) سے اُن کی قوم نے ابراہیم علیہ السلام نے کہا، کیا تم جھگڑا کرتے ہو میرے ساتھ اللہ کے بارے میں اور بیشک اُس (اللہ) نے مجھے ہدایت دی ہے۔ اور میں نہیں خوف کھاتا اُن چیزوں سے جن کو تم اُس کے ساتھ شریک بناتے ہو، مگر یہ کہ میرا رب جو چاہے (وہ ہی ہوتا ہے) میرے رب کا علم ہر چیز پر وسیع ہے، کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے ﴿۸۰﴾ اور میں کیسے خوف کھاؤں گا اُن چیزوں سے جن کو تم شریک بناتے ہو اور تم خوف نہیں کھاتے کہ تم شریک بناتے ہو اللہ تعالیٰ کے ساتھ اُن چیزوں کو جن کے بارے میں —

اُس نے تمہارے اُوپر کوئی دلیل نازل نہیں کی پس دونوں فریقوں میں کون زیادہ مستحق ہے امن کا ، اگر تم کچھ سمجھ رکھتے ہو (۸۱) وہ لوگ جو ایمان لائے اور نہیں ملایا انہوں نے اپنے ایمانوں کو ظلم (شرک) کے ساتھ ، یہی لوگ ہیں جن کے لیے امن ہو گا اور یہی لوگ ہیں ہدایت پانے والے (۸۲)

ربطِ آیات

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے شرک کی تردید کے سلسلے میں اپنے والد اور قوم کے سامنے ستارے ، چاند اور سورج کے تغیر و تبدل کو بطورِ دلیل پیش کیا ، اور فرمایا غائب ہو جانے والی چیزیں الٰہ نہیں بن سکتیں لہٰذا میں شرک سے بیزاری کا اعلان کرتا ہوں معبود تو وہ ہو سکتا ہے جو ازلی ، ابدی ، قائم اور دائم ہو اور وہ صرف ذات باری تعالیٰ ہے جن چیزوں کی تم پرستش کرتے ہو وہ تو مخلوق ہیں ، ان کو زوال آتا ہے ۔ مگر تم ان کو معبود مشکل کشا اور حاجت روا مان کر ــــ شرک کا ارتکاب کرتے ہو ، میں اس معاملہ میں تمہارے ساتھ شامل نہیں ہو سکتا میں نے تو اپنا رُخ یعنی جسم و جان اُس مالک الملک کی طرف پھیر لیا ہے جو زمین و آسمان کا فاطر ہے ، اُس نے تمام کائنات کو بغیر نمونے کے پیدا کیا ہے ۔ میں حنیف یعنی ہر طرف سے ہٹ کر صرف اُسی ایک خدا کی طرف رجوع کرنے والا ہوں ۔ میں تو اُس کی وحدانیت کا پرستار ہوں ۔ میں شرک کرنیوالوں میں سے نہیں ہوں

معبودانِ باطلہ کے متعلق جھگڑا

جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والد اور قوم کے سامنے شرک کی تردید اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے حق میں دلیل پیش کی تو وہ لوگ دلیل کا جواب دلیل سے تو نہ دے سکے بلکہ وَحَآجَّهٗ قَوْمُهٗ آپ کی قوم نے آپ سے جھگڑا کرنا شروع کر دیا ۔ اس جھگڑے کی بہت سی مثالیں قرآن پاک میں موجود ہیں مثلاً جب ابراہیم علیہ السلام کسی راستے سے گزرتے تھے تو مشرکین آپ کی طرف اشارے کرتے تھے اور کہتے تھے "اَهٰذَا الَّذِیْ یَذْکُرُ اٰلِهَتَکُمْ" (سورۃ الانبیاء) کیا یہ ہے وہ شخص جو تمہارے معبودوں پر نکتہ چینی کرتا ہے ؟ کہتا ہے کہ یہ تمہاری مشکلات کو حل نہیں کر سکتے ۔ کوئی

کہنا باز آجاؤ، ہمارے معبودوں کی مذمت نہ کرو، ورنہ خطرہ ہے کہ وہ تمہیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں، کوئی کہتا کہ تم ایسی باتیں اس لیے کرتے ہو کہ ہمارے معبودوں کی تم پر مار پڑ گئی ہے۔ انہوں نے تمہیں مجنون بنا دیا ہے۔ مشرکین مکہ بھی یہی کہتے تھے کہ ہمارے معبودوں کو بُرا بھلا کہنے کی وجہ سے اس کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کبھی کہتا ہے کہ مُردے پھر زندہ ہو جائیں گے، کبھی کہتا ہے محاسبہ ہو گا۔ غیر اللہ کی پوجا سے منع کرتا ہے، اُن کی نذر و نیاز کو غلط بتاتا ہے، مشکلات میں انہیں پکارنے کو شرک بتاتا ہے۔ کوئی کہتا دیکھو کتنی عجیب بات ہے "اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا" کیا اس نے اتنے معبودوں کی جگہ صرف ایک ہی الٰہ بنا لیا ہے۔ غرضیکہ ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے بھی آپ سے اسی قسم کا جھگڑا کیا۔

ابراہیم علیہ السلام کا جواب

قَالَ اس کے جواب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے فرمایا اَتُحَآجُّوْٓنِّيْ فِي اللّٰهِ کیا تم اللہ کے بارے میں مجھ سے جھگڑا کرتے ہو؟ وَقَدْ هَدٰىنِ ط حالانکہ اللہ تعالیٰ نے تو مجھے ہدایت عطا کی ہے۔ اُس نے میری صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی فرمائی ہے، تم مجھ سے کیسے جھگڑتے ہو؟ سن لو! وَلَآ اَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ میں اُن چیزوں سے خوف نہیں کھاتا جن کو تم خدا تعالیٰ کے ساتھ شریک بناتے ہو۔ یہ تو بے جان اور بے حقیقت چیزیں ہیں، اِن کے پاس نہ کوئی اختیار اور نہ کوئی تصرف ہے، بھلا میں اِن سے کیسے ڈر سکتا ہوں، ہر چیز کا خالق، مالک اور متصرف تو اللہ تعالیٰ ہے لہٰذا اُسی سے ڈرنے کا حق ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام کے ساتھ بھی ایسا ہی معاملہ پیش آیا، آپ کی قوم نے کہا، اے ہود (علیہ السلام) ہم تمہارے کہنے پر اپنے معبودوں کو چھوڑنے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ "اِنْ نَّقُوْلُ اِلَّا اعْتَرٰىكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ" (سورۃ ہود) ہم تو سمجھتے ہیں کہ ہمارے کسی معبود نے تمہیں آسیب پہنچا کر دیوانہ کر دیا

ہے۔ ہود علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تمہارے شرکاء سے بیزار ہوں۔ اب تم جو تدبیر کرنا چاہو کر لو ثُمَّ لَا تُنْظِرُوْنَ (ہود) پھر بیشک مجھے مہلت بھی نہ دو۔

ابراہیم علیہ السلام نے بھی یہی فرمایا کہ میں تمہارے ان معبودوں سے ہرگز خوفزدہ نہیں ہوں جو کسی نفع نقصان کے مالک نہیں ہیں۔ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ رَبِّیْ شَیْئًا اختیار اور تصرف میرے رب کے پاس ہے اور وہی کچھ ہوتا ہے، جو وہ چاہے۔ وہی عطا کرتا اور وہی واپس لینے پر قادر ہے وہی تکلیف پہنچاتا اور وہی دور کرتا ہے وَسِعَ رَبِّیْ کُلَّ شَیْءٍ عِلْمًا میرے رب کا علم ہر چیز پہ وسیع ہے۔ وہ علیم کل اور عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ اس کے احاطہ سے کوئی چیز باہر نہیں۔ اَفَلَا تَتَذَکَّرُوْنَ کیا تم نصیحت نہیں پکڑتے؟ تم اتنا بھی نہیں سمجھتے کہ بااختیار کون ہے اور بے اختیار کون ہے۔ پھر مجھے بے یار و مددگار معبودوں سے ڈراتے ہو۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مزید فرمایا وَکَیْفَ اَخَافُ مَآ اَشْرَکْتُمْ میں کس طرح خوف کھاؤں ان چیزوں سے جن کو تم اللہ کا شریک بناتے ہو ڈر تو تمہیں آنا چاہیئے، مگر وَلَا تَخَافُوْنَ اَنَّکُمْ اَشْرَکْتُمْ بِاللّٰہِ تم اس بات سے نہیں ڈرتے کہ تم اللہ کے ساتھ شریک بناتے ہو ایسی چیزوں کو مَا لَمْ یُنَزِّلْ بِہٖ عَلَیْکُمْ سُلْطٰنًا جن کے بارے میں اس نے تم پر کوئی دلیل نازل نہیں کی۔ تم نے محض اپنی خواہشات نفسانیہ، رسم و رواج اور بے وقوفی کی وجہ سے ان کو خدا تعالیٰ کی صفت الوہیت میں شریک کر لیا ہے لہٰذا خوف تو تمہیں کھانا چاہیئے۔ جنہوں نے احکم الحاکمین، قادر مطلق اور متصرف فی الامور خدا تعالیٰ سے ٹھکر لے رکھی ہے یاد رکھو اس جرم عظیم کی پاداش میں تم پر ضرور گرفت آئیگی جس سے بچ نہیں سکو گے

ن کے
قدار

فرمایا فَاَیُّ الْفَرِیْقَیْنِ اَحَقُّ بِالْاَمْنِ دونوں فریقوں میں سے کونسا فریق امن یعنی نجات کا زیادہ مستحق ہے؟ ایک فرقہ ہمارا ہے جو اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مانتا ہے اور شرک سے بیزار ہے۔ اور دوسرا فرقہ وہ ہے جس نے بے شمار معبود بنا رکھے ہیں، انہیں خدا تعالیٰ کی صفات میں شریک کرتے ہیں، اُن کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھتے ہیں، اُن کے نام کی دہائی دیتے ہیں، اُن کو نذر و نیاز پیش کرتے ہیں مصیبت کے وقت انہیں پکارتے ہیں۔ تو بتاؤ ان دونوں فرقوں میں سے اللہ کی ابدی رحمت کا کون مستحق ہے اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اگر تمہیں کچھ علم اور سمجھ ہے تو خود ہی فیصلہ کرو کہ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا کون زیادہ حقدار ہے؟ پھر اللہ تعالیٰ نے خود ہی جواب دیا، کہ امن کے حق دار وہ لوگ ہیں اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا جو ایمان لائے وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ اور انہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا اُولٰٓئِکَ لَهُمُ الْاَمْنُ امن ایسے ہی لوگوں کو حاصل ہو گا، وہی زیادہ حق دار ہیں۔

اِس آیت میں مذکورہ ظلم کا مفہوم سمجھنے میں صحابہ کرامؓ کو کسی قدر اشتباہ واقع ہوا، چنانچہ بخاری، مسلم اور ترمذی شریف کی روایت حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے مروی ہے کہ صحابہؓ کو خیال ہوا کہ ظلم سے مراد عام کوتاہی ہے تو انہوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے عرض کیا اَیُّنَا لَمْ یَظْلِمْ نَفْسَهٗ ہم میں سے کون ایسا شخص ہے جس سے ظلم یعنی چھوٹی موٹی خطا نہ سرزد ہوئی ہو۔ اگر ہر چھوٹے بڑے گناہ پر گرفت ہو گئی تو پھر ہماری نجات تو محال ہو جائیگی۔ اِس پر حضور علیہ السلام نے وضاحت فرمائی کہ لفظ ظلم کا اطلاق ہر چھوٹی سے چھوٹی برائی سے لے کر بڑے سے بڑے گناہ پر ہوتا ہے۔ لغوی لحاظ سے اس کا معنیٰ ہے وضع الشی فی غیر محلہ یعنی کسی چیز کا اپنے اصل مقام کی بجائے دوسرے مقام پر رکھ دینا۔ مثلاً مسجد میں داخل

ہوتے وقت اگر دائیاں پاؤں پہلے داخل کرنے کی بجائے بائیاں پاؤں داخل کر دیا تو یہ بھی ظلم کی تعریف میں آ گیا۔ اور بڑے سے بڑا ظلم شرک اور کفر ہے، جیسا کہ حضرت لقمانؑ نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا بیٹا! اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنانا کیونکہ "اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" (سورۃ لقمان) بیشک شرک بہت بڑا ظلم ہے۔ تو حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اس آیت میں ظلم سے چھوٹا موٹا گناہ مراد نہیں ہے بلکہ اس سے شرک مراد ہے اور آیت کا مفہوم یہ ہے کہ نجات اور امن اُن لوگوں کا حق ہے جنہوں نے اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ ملوث نہیں کیا۔ اور جن لوگوں نے اپنے ایمان کے ساتھ شرک کو ملا لیا، اُن کا عقیدہ خراب ہو گیا، اُن کے لیے اللہ تعالیٰ کا قانون واضح ہے کہ "اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغْفِرُ اَنْ يُّشْرَكَ بِهٖ وَ يَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِكَ لِمَنْ يَّشَآءُ" یعنی اللہ تعالیٰ شرک جیسے گناہ کو معاف نہیں کرے گا، اس کے علاوہ جس کو چاہے بغیر توبہ کیے معاف فرما دے، اُسے مکمل اختیار حاصل ہے، مگر شرک کو معاف نہیں فرمائیگا۔ تو آیت کا مطلب یہ نکلا کہ نجات ایسے ایمانداروں کا حق ہے جو شرک سے بچتے رہے۔ وَهُمْ مُّهْتَدُوْنَ اور یہی ہدایت یافتہ لوگ ہیں۔

متشابہ آیات کی تفسیر

قرآن پاک میں اور بھی بہت سی آیات ایسی ہیں جن کے سمجھنے میں صحابہ کرامؓ کو اشکال پیدا ہوا۔ مثلاً سورۃ بقرہ کے آخری رکوع میں آتا ہے "وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ" یعنی جو کچھ تم اپنے نفسوں میں ظاہر کرو یا چھپاؤ، اللہ تعالیٰ اس کا ضرور حساب لیگا۔ یہ آیت صحابہ کرامؓ پر بڑی دشوار گذری۔ انہوں نے تُخْفُوْهُ سے ہر وہ خیال اور وسوسہ مراد لیا جو کسی انسان کے دِل میں آتا رہتا ہے اور جسے وہ ظاہر نہیں کرتا۔ صحابہؓ نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا کہ اگر ہر وسوسے

پر بھی مواخذہ ہوا تو پھر کوئی بھی نہیں بچ سکیگا۔ آپ نے فرمایا ایسا خیال نہ کرو، بلکہ کہو غُفْرَانَكَ رَبَّنَا اے ہمارے پروردگار! ہم تجھ سے معافی طلب کرتے ہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اگلی آیت نازل فرمائی لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا یعنی اللہ تعالیٰ کسی نفس کو اس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ دل میں وسوسوں کا آنا غیر اختیاری امر ہے، یہ کسی شخص کی طاقت میں داخل نہیں، لہٰذا اس پر مواخذہ نہیں ہوگا۔

اسی طرح اختتام سحری کے متعلق حضرت عدی بن حاتمؓ کو اشتباہ پیدا ہوگیا تھا۔ سورۃ بقرہ میں اختتام سحری کی نشانی اللہ تعالیٰ نے اسی طرح بیان فرمائی ہے حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ یہاں تک کہ سفید دھاگہ سیاہ دھاگے سے نمایاں ہو جائے۔ یعنی اس وقت تک روزہ رکھنے کے لیے سحری کھا سکتے ہو۔ حضرت عدیؓ نے دھاگے سے مراد عام دھاگا لیا اور صبح صادق کے انتیاز کے لیے اُسے اپنے پاس سرہانے کے نیچے رکھ لیا۔ جب اس بات کا ذکر حضور علیہ السلام سے کیا، تو آپ نے فرمایا، تمہارا تکیہ تو بہت بڑا ہے۔ جس میں تم نے دن اور رات کو لپیٹ کر رکھ لیا ہے۔ فرمایا سیاہ اور سفید دھاگے سے رات اور دن مراد ہیں۔ اس پر اللہ نے ان الفاظ کے بعد "مِنَ الْفَجْرِ" کے الفاظ نازل کر دیے، جس سے واضح ہوگیا کہ طلوعِ فجر تک سحری کھا سکتے ہیں۔

موتِ برایمان

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مسند احمد کی ایک لمبی حدیث بھی آتی ہے۔ جو حضرت جریر بن عبد اللہؓ سے مروی ہے۔ آپ بیان کرتے ہیں کہ ایک دفعہ ہم حضور علیہ السلام کے ہمراہ کسی کام سے مدینہ سے باہر نکلے۔ تھوڑی دور گئے تھے کہ ایک سوار کو دیکھا جو اپنی سواری کو دوڑاتا ہوا ہماری طرف آرہا تھا۔ اسے دیکھ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اِيَّاكُمْ يُرِيْدُ یعنی یہ سوار تمہارے پاس ہی آنا چاہتا ہے۔ جب وہ ہمارے پاس پہنچا تو اُس نے

سلام کیا، ہم نے جواب دیا۔ پھر حضور علیہ السلام نے اُس سے دریافت کیا مِنْ اَیْنَ اَقْبَلْتَ تم کہاں سے آئے ہو۔ عرض کیا مِنْ اَھْلِیْ وَ وَلَدِیْ وَعَشِیْرَتِیْ اپنے پیچھے اہل و عیال، بال بچے اور خاندان چھوڑ کر آ رہا ہوں حضور علیہ السلام نے دریافت کیا اَیْنَ تُرِیْدُ کہاں جانے کا خیال ہے؟ تو وہ شخص کہنے لگا اُرِیْدُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم میں تو اللہ کے رسول کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے آیا ہوں۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا قَدْ اَصَبْتَہٗ اُس تک تم پہنچ گئے ہو۔ پھر اُس شخص نے عرض کیا، حضور اَعَلِّمْنِیْ مَا الْاِیْمَانُ یعنی ایمان کیا ہے مجھے سکھا دیجئے۔ آپ نے فرمایا، ایمان یہ ہے اَنْ تَشْھَدَ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ تو دل کی گہرائی سے گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں اور پھر ظاہری احکام میں تُقِیْمَ الصَّلٰوۃَ نماز قائم کرو تُؤْتِیَ الزَّکٰوۃَ مال ہے تو سالانہ زکوٰۃ ادا کرو۔ تَصُوْمَ رَمَضَانَ ماہِ رمضان کے روزے رکھو۔ تَحُجَّ الْبَیْتَ اگر استطاعت ہے تو بیت اللہ کا حج کرو۔

جب حضور علیہ السلام نے یہ باتیں بتائیں تو وہ شخص کہنے لگا قَدْ اَقْرَرْتُ میں نے مان لیا۔ آپ کے ارشادات پر اسی طرح عمل کروں گا۔ پھر جب واپس ہوا تو اس کے اونٹ کا پاؤں جنگلی چوہے کی بل میں پھنس گیا، جس سے اونٹ گر پڑا۔ ساتھ ہی وہ شخص بھی سر کے بل زمین پر گرا اور ہلاک ہو گیا۔ حضور علیہ السلام نے دیکھ کر فرمایا، اُسے جلدی اٹھا کر لے آؤ۔ عمارؓ اور حذیفہؓ دوڑے، جب اُس کے پاس پہنچے تو دیکھا کہ اُس کی روح پرواز کر چکی تھی، انہوں نے حضور علیہ السلام سے عرض کیا قَدْ قُبِضَ الرَّجُلُ یہ آدمی تو اللہ کو پیارا ہو چکا ہے حضور علیہ السلام

وہاں سے ذرا ہٹ گئے، پھر عمارؓ اور حذیفہؓ سے فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ میں وہاں سے کیوں ہٹ گیا تھا؟ پھر خود ہی فرمایا، میں نے دیکھا کہ دو فرشتے جنت کے پھل اس شخص کے منہ میں ڈال رہے تھے، جس سے میں سمجھ گیا کہ اس شخص کی موت بھوک کی حالت میں واقع ہوئی ہے دوسری روایت میں یہ بھی آتا ہے کہ جب اُس شخص سے پوچھا گیا کہ تم کہاں سے آئے ہو، تو اُس نے یہ بھی کہا راستے میں مجھے کھانے کے لیے کوئی چیز نہیں ملی لہذا میں درختوں کے پتوں اور گھاس پھونس پر گزارہ کرتا رہا ہوں۔

الغرض! اس واقعہ کے بعد حضور علیہ السلام صحابہ کی طرف مخاطب ہوئے اور فرمایا، دیکھو! هٰذَا مِنَ الَّذِیْنَ لَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَهُمْ بِظُلْمٍ یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے اپنے ایمان کو ظلم کے ساتھ نہیں ملایا۔ یہ شخص ایمان لایا، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا اقرار کیا، پھر اس نے اپنے ایمان کو شرک کی نجاست سے پاک رکھا حتیٰ کہ اس کی موت واقع ہو گئی۔ حضور علیہ السلام نے اس موقع پر یہی آیت تلاوت فرمائی۔

اس کے بعد حضور علیہ السلام نے فرمایا، یہ تمہارا بھائی ہے، اس کو اٹھالو، پھر اُس کو غسل دیا گیا، خوشبو لگائی گئی، کفن پہنایا گیا، اس کی قبر کھودنے لگے تو آپ وہاں تشریف لے گئے اور فرمایا اَلْحِدُوْا لَهٗ اس کے لیے لحد یعنی بغلی قبر تیار کرو فَاِنَّ اللَّحْدَ لَنَا کیونکہ لحد ہمارے لیے ہے وَالشَّقَّ لِغَیْرِنَا اور دوسرے لوگوں کے لیے دراڑ یعنی کھلی قبر ہے تاہم ہمارے لیے کھلی یعنی صندوق نما قبر بھی جائز ہے مگر لحد یا بغلی قبر بہتر ہے۔ مدینے کی زمین قدرے سخت ہے اور وہاں لحد آسانی سے بن جاتی ہے۔

آپ نے اس موقع پر یہ بھی ارشاد فرمایا هٰذَا مِنَ الَّذِیْنَ عَمِلُوْا قَلِیْلًا وَّ اُجِرُوْا کَثِیْرًا یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے، جنہوں نے عمل تو تھوڑا کیا مگر اجر بہت زیادہ پا گئے۔ ظاہر

ہے کہ اُس شخص نے ابھی تک نہ نماز پڑھی تھی، نہ روزہ رکھا تھا، نہ حج کیا اور نہ زکوٰۃ ادا کی۔ ایمان لانے کے متصل ہی اُس کو حادثہ پیش آگیا اور وہ فوت ہو گیا۔ بہرحال وہ صحیح اور شرک سے پاک ایمان لے کر گیا اور اُسے ایک طرح کی شہادت کا درجہ بھی مِل گیا، کیونکہ جو مومن کسی حادثے کا شکار ہو جائے وہ ایک درجے میں شہید ہوتا ہے۔ بہرحال امام ابن کثیرؒ نے مسند احمد کی یہ روایت بیان کر کے اس بات کی وضاحت کر دی ہے کہ جو لوگ ایمان کی حفاظت کریں گے، اُسے شرک میں ملوث نہیں کریں گے، اُن کی کامیابی انشاء اللہ یقینی ہے، انہیں امن نصیب ہو گا۔ اس کے برخلاف شرک میں ملوث اور اعتقادی منافق پکڑے جائیں گے۔

درس بست و چہار ۲۴ آیت ۸۳ تا ۸۶

وَتِلْكَ حُجَّتُنَآ اٰتَيْنٰهَآ اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ ۭ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَاۗءُ ۭ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۸۳﴾ وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ ۭ كُلًّا هَدَيْنَا ۚ وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوٗدَ وَسُلَيْمٰنَ وَاَيُّوْبَ وَيُوْسُفَ وَمُوْسٰى وَهٰرُوْنَ ۭ وَكَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۸۴﴾ وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيْسٰى وَاِلْيَاسَ ۭ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۸۵﴾ وَاِسْمٰعِيْلَ وَالْيَسَعَ وَيُوْنُسَ وَلُوْطًا ۭ وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ﴿۸۶﴾

ترجمہ:- اور یہ ایک ہماری دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو اُن کی قوم کے مقابلے میں دی۔ ہم بلند کرتے ہیں درجے جس کے چاہیں۔ بیشک تیرا پروردگار حکمت والا اور جاننے والا ہے ﴿۸۳﴾ اور ہم نے بخشا اُس (ابراہیم علیہ السلام) کو اسحاق (جیسا بیٹا) اور یعقوب (جیسا پوتا) سب کو ہم نے ہدایت دی۔ اور نوح (علیہ السلام) کو ہم نے ہدایت دی اس سے پہلے اور اُس کی اولاد میں سے حضرت داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون (علیہم السلام) کو۔ اور ہم اسی طرح بدلہ دیتے ہیں نیکی کرنے والوں کو ﴿۸۴﴾ اور زکریا اور یحییٰ اور عیسیٰ اور الیاس (علیہم السلام) کو یہ سب نیکوکاروں میں سے تھے ﴿۸۵﴾

اور اسماعیل اور یسع اور یونس اور لوط (علیہم السلام) کو ۔ اور سب
کو ہم نے فضیلت بخشی تمام جہان والوں پر (۸۶)

ربط آیات

اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید کے ضمن میں ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان فرمایا کیونکہ آپ کی کلدانی اور بابلی پوری قوم مشرک تھی۔ آپ کے والد آزر خود بت تراش اور بت پرست تھے۔ آپ نے اپنے والد اور قوم کو سمجھانے کی کوشش کی اور اُن کے سامنے ستارے چاند اور سورج کی دلیل بھی پیش کی۔ باری باری اِن تینوں کے متعلق فرمایا، کیا یہ میرا رب ہے مگر جب وہ ڈوب گئے تو آپ نے اُن سے بیزاری کا اعلان کر دیا۔ اور فرمایا، اے میری قوم! جن چیزوں کو زوال آجائے یا جن میں تغیر و تبدل واقع ہو، وہ چیزیں عبادت کے لائق نہیں ہو سکتیں، چاند، سورج اور ستارے طلوع ہوتے ہیں۔ پھر غروب ہو جاتے ہیں تو میں ایسی چیزوں کو الٰہ تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوں معبود وہ ذات ہو سکتی ہے جس میں کوئی تغیر و تبدل واقع نہ ہو اور جس کو کبھی زوال نہ آئے اور وہ ذات صرف خدا تعالیٰ کی ہے جو ہمیشہ سے قائم ہے اور ہمیشہ رہیگا۔ جس کو کبھی زوال نہیں۔ پھر قوم نے آپ سے جھگڑا کیا، تو آپ نے اُن کو ٹھیک ٹھیک بتا دیا کہ تم میرے ساتھ اللہ کے معاملے میں جھگڑتے ہو، حالانکہ خداوند تعالےٰ نے مجھے ہدایت سے نوازا ہے اور میں تمہارے معبودوں سے خوف نہیں کھاتا۔ حق پر کون ہے اور ابدی نجات کس کو حاصل ہو گی اس کا علم تمہیں قیامت کو ہو گا مگر یاد رکھو کہ امن کا مستحق وہ ہے جو سچے دل سے ایمان لایا اور پھر اپنے ایمان کو شرک کے ساتھ ملوث نہیں کیا، وہی ہدایت یافتہ ہو گا، تم سب شرک میں مبتلا ہو، تمہیں کبھی فلاح حاصل نہیں ہو سکتی۔

بلندی درجات

گذشتہ سے پیوستہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو ابتداء سے ہی رشد و ہدایت سے نوازا تھا چنانچہ انہوں نے شرک کے خلاف وہ واضح دلیل پیش کی جس کا تذکرہ پہلے ہو چکا ہے، مگر مشرکین آپ

کی بات کو تسلیم کرنے پر تیار نہ ہوئے بلکہ آپ سے جھگڑا کرنے لگے، تو اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُسی دلیل کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا اٰتَيْنٰهَا اِبْرٰهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ

یہی ہماری دلیل ہے جو ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اُن کی قوم کے مقابلے میں دی مگر مشرک قوم نے اُس کو تسلیم نہ کیا۔ پھر فرمایا ہم نے ابراہیم علیہ السلام کی توحید پرستی اور شرک کی تردید کی وجہ سے بلند درجہ عطا فرمایا اور ہمارا قانون یہ ہے کہ نَرْفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنْ نَّشَآءُ ہم جس کو چاہیں درجات بلند کر دیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ہر شخص کی صلاحیت، استعداد، ظاہر و باطن اور قلبی حالت سے واقف ہے، وہ اپنی حکمت کے مطابق جس کو اس قابل سمجھتا ہے۔ اُس کے درجات بلند فرما دیتا ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام پہ اللہ تعالیٰ نے خاص مہربانی فرمائی اور اُن کے درجات بلند کر دیے۔

ابراہیم علیہ السلام کی بلندیٔ درجات کئی وجوہات سے ہوئی۔ انہوں نے قوم کے سامنے علی الاعلان شرک سے بیزاری کا اظہار کیا اور کہا اِنِّیْ وَجَّهْتُ وَجْهِیَ لِلَّذِیْ فَطَرَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ میں اپنا رُخ، توجہ اور جسم و جان اس ذات کی طرف کرتا ہوں جو زمین و آسمان کا موجد اور انہیں عدم سے وجود میں لانے والا ہے۔ "حَنِيْفًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ" میں ہر طرف سے کٹ کر صرف اُسی کی طرف لگنے والا ہوں اور مشرکوں میں سے نہیں ہوں۔ یہ آپ کی فکر کی بلندی اور عقیدے کی پختگی تھی جو آپ کے رفع درجات کا سبب بنی۔ فرشتوں کے درجات بھی اسی سبب سے بلند ہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو مانتے ہیں، اُس کا ذکر اور عبادت کرتے ہیں انبیاء بھی توحیدِ باری تعالیٰ کے امام اور مبلغ ہوتے ہیں اس لیے اللہ تعالیٰ ان کے درجات بھی بلند فرما دیتا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام تو ابو الانبیاء ہیں آپ کی اولاد میں اللہ تعالےٰ

نے ہزاروں نبی اور رسول معبوث فرمائے۔ بنی اسرائیل کے آخری رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم بھی آپ ہی کی اولاد میں سے ہیں۔ عقیدے کی پاکیزگی کیساتھ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو حسنِ اخلاق، عبادت میں انہماک اور مخلوقِ خدا سے کمال درجے کی ہمدردی بھی عطا کر رکھی تھی، لہٰذا یہ اوصاف بھی آپ کی بلندئ درجات کا سبب بنے۔

فرمایا اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ تیرا رب حکیم ہے، اُس کا کوئی کام حکمت سے خالی نہیں۔ وہ علیم بھی ہے، اُس کو ذرے ذرے کا علم ہے اور وہ ہر چیز کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔ بہر حال مشرکین حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل کا جواب تو نہ دے سکے، مگر وہ اپنی خفت مٹانے کے لیے آپ کو طرح طرح کی تکلیفیں دینے لگے۔ دوسری سورتوں سے معلوم ہوتا ہے دلائل سے ناکامی کے بعد انہوں نے کئی قسم کی اذیتیں پہنچائیں حتیٰ کہ آپ کے قتل کے درپے ہوئے۔ مگر اللہ کی مدد ہمیشہ آپ کے شاملِ حال رہی، دشمن آپ کو کوئی گزند نہ پہنچا سکے حتیٰ کہ اُن کی طرف سے آپ کو زندہ جلا ڈالنے کا منصوبہ بھی بُری طرح ناکام ہو گیا اور بالآخر آپ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہجرت کا حکم آ گیا۔

ابراہیم علیہ السلام پر احسانات

اللہ تعالیٰ جس انسان پر بہت بڑا احسان کرتا ہے اُسے منصب نبوت سے نوازتا ہے۔ چنانچہ ابراہیم علیہ السلام پر سب سے بڑا احسان تو یہ ہے کہ اللہ نے انہیں جلیل القدر پیغمبر بنایا اور پھر دوسرا بڑا احسان یہ کہ آپکی نسل سے ہزاروں انبیاء ورسل معبوث فرمایا۔ اب اِس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اِسی احسان کا ذکر فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَوَهَبْنَا لَهٗٓ اِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ اور ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو اسحاق علیہ السلام جیسا عظیم فرزند اور یعقوب علیہ السلام جیسا پوتا عطا فرمایا۔ حضرت یعقوب علیہ السلام

کو اسرائیل بھی کہا جاتا ہے۔ اسی لیے آپ کی اولاد بنی اسرائیل کہلاتی ہے تفسیری روایات کے مطابق آپ کی اولاد میں سے اللہ تعالیٰ نے چار ہزار نبی پیدا فرمائے اور یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا احسان ہے۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت اسحاق علیہ السلام کا پہلے ذکر کیا ہے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کا بعد میں حالانکہ اسماعیل علیہ السلام عمر میں بڑے ہیں مفسرین کرام اس کی دو وجوہات بیان کرتے ہیں۔ پہلی وجہ تو یہ ہے کہ اسحاق علیہ السلام کی پیدائش کے وقت تک آپ کی والدہ حضرت سارہؓ بہت بوڑھی ہو چکی تھیں اُس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو برس تھی اور کم و بیش اتنی ہی حضرت سارہ کی تھی۔ اس عمر میں بچے کی پیدائش اللہ تعالیٰ کی خاص قدرت اور انعام ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں ہی آپ کو یعقوب علیہ السلام پوتا عطا کیا، یہ بھی بہت بڑا احسان ہے۔ روایات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ۱۷۵ سال عمر پائی۔ اسی دوران حضرت یعقوب علیہ السلام کی ولادت بھی ہو گئی۔ چونکہ یہ دونوں چیزیں غیر معمولی طور پر پیش آئیں، اس لیے اسحاق علیہ السلام کا ذکر پہلے کرنے کی ایک وجہ تو یہ ہے۔ اور آپ کو دوسری فوقیت اس وجہ سے حاصل ہے کہ آپ آزاد عورت سارہ کے بطن سے پیدا ہوئے جب کہ اسماعیل علیہ السلام حضرت ہاجرہ کے بطن سے جن کو لونڈی کے طور پر شاہ مصر نے حضرت سارہ کو دیا تھا۔ اگرچہ حضرت ہاجرہ فی الواقعہ لونڈی نہیں تھیں مگر مصر میں وہ لونڈی کی حیثیت سے وقت گزار رہی تھیں۔ بہرحال حضرت اسماعیل علیہ السلام اگرچہ اسحاق علیہ السلام سے چودہ سال بڑے ہیں۔ تاہم مذکورہ بالا دو وجوہات کی بنا پر اللہ تعالیٰ نے اس مقام پر حضرت اسحاق علیہ السلام کا تذکرہ پہلے فرمایا ہے۔ کُلًّا هَدَيْنَا سب کو ہم نے ہدایت دی۔

اولادِ نوح و ابراہیم علیہما السلام

آگے احسان ہی کے تسلسل میں فرمایا وَنُوحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ

اِس سے پہلے ہم نے نوح علیہ السلام کو ہدایت دی۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کے آباؤ واجداد میں سے حضرت نوح کا ذکر فرمایا ہے جب کہ دونوں انبیاء کے درمیان بڑا طویل زمانہ حائل ہے۔ وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسُلَيْمَانَ وَأَيُّوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَىٰ وَهَارُونَ اور آپ کی اولاد میں داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو ہدایت عطا کی یہاں پہ ذُرِّيَّتِهِ میں ہ کی ضمیر کو اگر نوح علیہ السلام کی طرف لوٹایا جائے تو بھی درست ہے کیونکہ فی الواقع حضرت ابراہیم بھی حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہی ہیں، اس لیے باقی سارے مذکورہ انبیاء بھی انہی کی اولاد میں شمار ہوتے ہیں۔ اور اگر ہ کی ضمیر کو ابراہیم علیہ السلام کی طرف لوٹایا جائے تو بھی ٹھیک ہے کیونکہ حضرات داؤد، سلیمان، ایوب، یوسف، موسیٰ اور ہارون علیہم السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ بہر حال اِن انبیاء میں سے کچھ تو براہ راست حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور کچھ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد سے۔

یہاں پہ مذکور کل اٹھارہ انبیائے کرام میں سے چودہ تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں اور باقی چار آپ کی نسل سے نہیں بلکہ براہِ راست حضرت نوح علیہ السلام کی اولاد سے ہیں جو کہ موجودہ پوری نوع انسانی کے باپ ہیں حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے ہیں، لہذا آپ کی اولاد میں سے نہیں ہیں۔ حضرت یونس علیہ السلام اور حضرت یسع علیہ السلام کے متعلق بھی آتا ہے کہ وہ اولاد ابراہیم علیہ السلام میں سے نہیں ہیں۔ اور خود حضرت نوح علیہ السلام تو سب کے بزرگ تھے، لہذا آپ بھی اولاد ابراہیمی سے خارج ہیں۔ باقی سب انبیاء ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں فرمایا وَكَذَٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِينَ ہم نیکی کرنے والوں کو اسی طرح بدلہ دیا کرتے ہیں یہ سب اللہ کے نیک بندے تھے لہذا انہوں نے بہتر بدلہ پایا۔

پھر فرمایا وَزَكَرِيَّا وَيَحْيٰى وَعِيسٰى وَاِلْيَاسَ اور ہم نے حضرات زکریا، یحییٰ، عیسیٰ اور الیاس علیہم السلام کو بھی ہدایت سے نوازا۔ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِينَ یہ سب کے سب نیکوکاروں میں سے تھے صلاحیت اور نیکی والے لوگ تھے۔ صالح اس شخص کو کہتے ہیں جو اللہ کے حقوق بھی ادا کرتا ہے اور بندوں کے حق بھی ادا کرتا ہے۔ یہ سب نبی ایسے ہی تھے۔ آگے فرمایا وَاِسْمٰعِيلَ وَالْيَسَعَ وَيُونُسَ وَلُوطًا یعنی حضرات اسماعیل، یسع، یونس اور لوط علیہم السلام بھی اللہ کے پیغمبر تھے، اللہ نے ان کو بھی ہدایت دی۔ بہرحال یہ ابراہیم علیہ السلام پر ہونے والے احسان کا تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اولاد میں سے کتنے جلیل القدر انبیاء علیہم السلام کو پیدا فرمایا۔

انبیاء علیہم السلام کے گروپ

ان آیات میں انبیاء علیہم السلام کا ذکر مختلف گروپوں کی صورت میں ہوا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ گروپ انبیاء کی بعض مشترک خصوصیات کی بنا پر معرضِ وجود میں آتے ہیں۔ مثلاً حضرت ایوب علیہ السلام اور حضرت یونس علیہ السلام کا تعلق ابتلا کے گروپ سے ہے۔ دونوں پر سخت آزمائش آئیں حضرت ایوب علیہ السلام لمبی بیماری میں مبتلا رہے اور حضرت یونس علیہ السلام مچھلی کے پیٹ میں چلے گئے۔ بعض انبیاء ایسے ہیں جن پر ابتلا اور خوشحالی والے دونوں دور آئے۔ جیسے یوسف علیہ السلام ہیں کہ غلام بھی بنے اور تختِ شاہی پر بھی بیٹھے۔ اسی طرح حضرات داؤد اور سلیمان علیہما السلام حکومت کے لحاظ سے مشترک اقتدار کے حامل ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام اور موسیٰ علیہ السلام بھی حکومت ملنے کی وجہ سے اس گروپ میں بھی شامل ہیں۔ بعض انبیاء کو عظیم معجزات عطا ہوئے، ان میں حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیہما السلام کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ اور بعض پیغمبر ایسے بھی ہوئے ہیں جن کا کوئی پیروکار نہیں بنا جیسے لوط علیہ السلام آپ اللہ کے عظیم رسول ہیں مگر قوم میں سے کوئی بھی ایمان نہیں لایا۔ جب ہجرت پر نکلے تو صرف بیٹیاں ساتھ تھیں۔ بیوی بھی پیچھے رہ گئی تھی۔ اور

بعض انبیاء عبادت و ریاضت میں بہت بڑھے ہوئے تھے جیسے حضرات الیاس، زکریا یحییٰ اور عیسٰے علیہم السلام۔

عطائے فضیلت

ان اٹھارہ انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا وَكُلًّا فَضَّلْنَا عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ان سب کو ہم نے جہان والوں پر فضیلت بخشی۔ یہ دوسرا بڑا احسان ہے۔ انہیں نبی بنایا، ہدایت دی اور پھر اپنے اپنے زمانے میں تمام انبیاء باقی لوگوں پر فضیلت رکھتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو علم اور حکمت عطا کی اور بعض کو حکومت اور سلطنت بھی دی۔ یہ بھی فضیلت کی بات ہے۔ اور آخرت میں تو اس فضیلت کا بہت بہتر ثمرہ ظاہر ہوگا۔ اللہ تعالیٰ وہاں بھی علیٰ قدر المراتب، اعمال اور ابتلا کی وجہ سے اعلیٰ درجات عطا فرمائیں گے۔ بنیادی طور پر تو اللہ کے سارے ہی نبی عابد، زاہد اور کامل ہوتے ہیں۔ پھر بھی بعض کو حالات کی بنا پر بعض پر فوقیت حاصل ہے جیسے فرمایا "تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ" (البقرۃ) یہ رسول ہیں، ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ بہرحال یہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے مشرکین کے سامنے دلیل پیش کرنے کے سلسلے میں ان کی اپنی فضیلت کا ذکر ہوا۔ اور آپ پر احسانات کے ضمن میں آپ کی اولاد میں پیدا ہونے والے انبیاء کا ذکر ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی طرح ان سب پر اپنا احسان فرمایا۔ ان انبیاء کا ذکر کر کے قرآن پاک کے اولین مخاطبین کو یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ حضور خاتم النبیین علیہ الصلوٰۃ والسلام کا بھی وہی مشن ہے جو تمام سابقہ انبیاء کا تھا، لہٰذا انہیں ان کی بات کو بسر و چشم تسلیم کر لینا چاہیئے۔

درس بست و پنج ۲۵ — آیت ۸۷ تا ۹۰

وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ وَذُرِّيّٰتِهِمْ وَاِخْوَانِهِمْ ۚ وَاجْتَبَيْنٰهُمْ وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۸۷﴾ ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۭ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۸۸﴾ اُولٰۗئِكَ الَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ ۚ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هٰٓؤُلَاۗءِ فَقَدْ وَكَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّيْسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ اُولٰۗئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ ۭ قُلْ لَّآ اَسْـَٔــلُكُمْ عَلَيْهِ اَجْرًا ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا ذِكْرٰى لِلْعٰلَمِيْنَ ﴿۹۰﴾ ع

ع ۱۰ / ۸ / ۱۶

ترجمہ :- اور اُن کے آباؤاجداد میں سے اور اُن کی اولادوں اور بھائیوں میں سے ہم نے انہیں منتخب کیا اور اُن کو سیدھے راستے کی ہدایت دی ﴿۸۷﴾ یہی ہے اللہ کی ہدایت، وہ ہدایت دیتا ہے اس کے ساتھ جس کو چاہے اپنے بندوں میں سے، اور اگر یہ بھی شرک کرتے تو البتہ ضائع ہو جاتے اُن کے وہ کام جو وہ کیا کرتے تھے ﴿۸۸﴾ یہی لوگ ہیں جن کو دی ہے ہم نے کتاب اور حکم اور نبوت، پس اگر کفر کریں اس کے ساتھ وہ (مکے والے) پس بیشک مقرر کیا ہے ہم نے

اُس کے ساتھ اُن لوگوں کو جو اُس کے ساتھ کفر کرنے والے
نہیں ہیں (۸۹) یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی
ہے ، پس تو بھی اِن کی ہدایت کے راستے پہ چل ۔
اے پیغمبر ! آپ کہ دیجئے ، میں نہیں مانگتا تم سے اس پہ کوئی
بدلہ ، نہیں ہے یہ مگر نصیحت سب جہان والوں کیلئے (۹۰)

ربطِ آیات

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اُس دلیل کا ذکرہ ہو چکا ہے جو انہوں نے توحید باری تعالیٰ کے حق میں اپنی قوم کے سامنے پیش کی ۔ پھر اللہ نے بطور احسان فرمایا کہ یہ دلیل ہم نے ابراہیم (علیہ السلام) کو سمجھائی ۔ اللہ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کی اولاد پر کیے گئے احسانات کا ذکرہ بھی کیا ، آپ کو جلیل القدر اور عالی مرتبت بیٹے عطا کئے جن کی نسل سے ہزاروں انبیاء مبعوث ہوئے ۔ اولاد کا نجیب ہونا باعثِ شرف ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے جدامجد حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ بھی کیا کہ موجودہ بنی نوع انسان آپ ہی کی اولاد ہے ۔ طوفانِ نوح میں تمام کافر مشرک ہلاک ہو گئے تھے اور پھر آگے نسلِ انسان آپ کے تین بیٹوں حام سام اور یافث کے واسطے سے ہی چلی ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بعد سلسلہ نبوت اور رشد و ہدایت آپ ہی کی نسل میں قائم ہوا ۔ آپ کی اولاد سے اللہ نے بڑے عالیشان رسول اور حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام جیسے خلیفۃ اللہ پیدا فرمائے ۔ حضرت ایوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام پر بڑی بڑی آزمائشیں آئیں ۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو عظیم معجزات عطا کئے ۔ یہ سب انبیاء اور رسل حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں ۔ پھر اللہ نے اپنے اِن بندوں کی نیکی اور اُن کے اچھے انجام کا ذکرہ کیا حضرات زکریا ، یحییٰ ، الیاس اور عیسےٰ علیہم السلام جیسے عبادت گزاروں اور زاہدوں کا ذکرہ کیا ۔ اللہ تعالیٰ نے اسماعیل علیہ السلام کا تذکرہ بھی کیا جن کی اولاد سے حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم

پیدا ہوئے۔ دنیا میں عزت و شرف پانے والی قوم قریش آپ ہی کی نسل سے ہے۔ اللہ نے حضرات الیسع، یونس اور لوط علیہم السلام کا ذکر بھی کیا جن کی قوموں نے اُن کی دعوت کا کوئی جواب نہ دیا۔ بہر حال اللہ تعالیٰ نے گذشتہ درس میں حضرت نوح علیہ السلام سے شروع کر کے اٹھارہ انبیاء کا ذکر کیا ہے۔

متعلقین انبیاءؑ کا انتخاب

اب آج کے درس میں اِن انبیاء علیہم السلام کے متعلقین کا تذکرہ ہو رہا۔ اور اُن کی فضیلت بیان کی جارہی ہے ارشاد ہوتا ہے وَمِنْ اٰبَآئِهِمْ اور اِن مذکورہ انبیاء کے آباؤ اجداد میں سے بعض کو بزرگی عطا فرمائی۔ یہاں پر مِنْ تبعیضیہ ہے، یعنی سارے کے سارے آباء اجداد کو نہیں بلکہ اُن میں سے بعض کو شرف عطا فرمایا، اُن کو صحیح راستے کی طرف راہنمائی فرمائی اور اُن کو ہدایت بخشی۔ البتہ بعض انبیاء کے آباؤ اجداد کافر اور مشرک بھی ہوئے ہیں۔ خود حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد آزر کا تذکرہ گذشتہ رکوع میں ہو چکا ہے کہ وہ سخت قسم کے بت پرست تھے آگے فرمایا وَذُرِّيّٰتِهِمْ اور اِن انبیاء کی اولادوں میں سے بھی بعض کو اعلیٰ درجات عطا کیے۔ ایمان کی دولت نصیب کی اور بعض کو نبوت سے نوازا تاہم بعض کفر، شرک اور معصیت میں بھی مبتلا رہے۔ پھر فرمایا وَاِخْوَانِهِمْ اور اُن انبیاء کے بھائیوں میں سے بھی بعض کو فضیلت عطا کی اور اُن کے درجات بلند کیے۔ بہر حال مجموعی طور پر انبیاء اور اُن کے متعلقین کے بارے میں فرمایا وَاجْتَبَيْنٰهُمْ ہم نے اُن کو منتخب کیا۔ اللہ تعالیٰ اُن کی صلاحیتوں سے باخبر تھا اس لیے اُن کو پسند فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی نیکی تقویٰ اور ایمان کو پسند فرمایا اور سب کو عزو شرف سے نوازا۔ اِس دنیا میں بھی اُن کو اعلیٰ مقام پر فائز کیا اور آخرت میں بھی ان کے لیے اعلیٰ درجات کا وعدہ فرمایا، اُن کے انتخاب سے یہی مراد ہے۔

صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی

فرمایا انبیاء علیہم السلام اور اُن کے متعلقین کو منتخب فرمایا

وَهَدَيْنٰهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ اور اُن کی صراطِ مستقیم کی طرف راہنمائی بھی فرمائی۔ ظاہر ہے کہ جسے اللہ تعالیٰ کسی خاص کام کے لیے منتخب کرتا ہے، پھر اُس کی راہنمائی بھی کرتا ہے۔ اور سیدھا راستہ وہی ہے جو اللہ کی توحید اور اُس کی اطاعت کا راستہ ہے، تمام انبیاء یہی کہتے ہے "نَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ" (البقرہ) ہم صرف اللہ ہی کی اطاعت اور فرمانبرداری کرنے والے ہیں اور اُسی کی وحدانیت کو مانتے ہیں۔ وہ کہتے تھے "نَعْبُدُ اِلٰهًا وَّاحِدًا" ہم صرف ایک خدا کی عبادت کرتے ہیں، عبادت میں غیر اللہ کو شریک نہیں کرتے۔ فرمایا ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ یہی اللہ تعالیٰ کی ہدایت ہے يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ اس کے ساتھ ہدایت دیتا ہے اپنے بندوں میں سے جسے چاہے، ہر شخص کی نیت، ارادے، صلاحیت اور باطنی عزائم کے مطابق اس کو ہدایت دیتا ہے، جن لوگوں کی صلاحیتیں درست ہوتی ہیں انہیں اس ہدایت سے سرفراز فرماتا ہے۔

شرک سے اعمال کا ضیاع

ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ شرک کی تردید کے ضمن میں ہی بیان ہوا تھا۔ اب اٹھارہ انبیاء کا ذکر کرنے اور اُن پر کئے گئے احسانات کا تذکرہ کرنے کے بعد شرک کی قباحت کو یوں بیان فرمایا وَلَوْ اَشْرَكُوْا اگر اللہ کے منتخب بندے اور پیغمبر بھی شرک کا ارتکاب کرتے لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ تو اُن کے بھی تمام اعمال ضائع ہو جاتے شرک اتنی بری چیز ہے کہ بالفرض اگر اللہ کے برگزیدہ بندے بھی اس میں ملوث ہو جائیں تو اللہ تعالیٰ اُن کو بھی معاف نہیں کرتا بلکہ اُن کے تمام کیے دھرے پر پانی پھیر دیتا ہے۔ سورۃ الزمر میں آتا ہے۔ "وَلَقَدْ اُوْحِيَ اِلَيْكَ وَاِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ لَئِنْ اَشْرَكْتَ لَيَحْبَطَنَّ عَمَلُكَ وَلَتَكُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ"

آپ کی طرف بھی اور آپ سے پہلے رسولوں کی طرف بھی ہم نے وحی کی کہ اگر بالفرض آپ بھی شرک کا ارتکاب کریں یا سابقہ نبی شرک کا ارتکاب کرتے تو سب کے اعمال ضائع ہو جاتے ۔

معلوم ہوا کہ شرک بہت ہی قبیح چیز ہے۔ سو سال کی عبادت ایک لحظہ میں غرق ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر معافی مانگ لے تو بات بن جائیگی ، اللہ تعالیٰ بخشنے والا ہے اَلتَّوْبَةُ مَعْرُوْضَةٌ قَبْلَ الْمَوْتِ موت سے پہلے پہلے توبہ قابلِ قبول ہے۔ لیکن اگر شرک سے باز نہیں آئیگا تو کسی نیکی کا کچھ فائدہ نہیں ہو گا۔ سب اکارت جائیں گی ۔ سورۃ رعد میں آتا ہے کہ لوگ نیکیوں کے بڑے بڑے پہاڑ لے کر آئیں گے ۔ مگر جب کفر شرک سامنے آئے گا تو وہ پہاڑ ایسے اڑ جائیں گے جیسے ہوا میں راکھ اڑ جاتی ہے ۔ ایسے اعمال کا کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا۔ کیونکہ نیکی کی قبولیت کے لیے ایمان اور عقیدے کی درستگی لازمی ہے۔ نجات اُس شخص کے لیے ہے وَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ مِنْ ذَكَرٍ اَوْ اُنْثٰى وَهُوَ مُؤْمِنٌ (النساء) جو نیک اعمال انجام دے گا بشرطیکہ اُس کا ایمان صحیح ہو۔ ایمان کی درستگی اللہ کی وحدانیت اور شرک سے بیزاری کے ذریعے ہوتی ہے جیسے ابراہیم علیہ السلام نے اپنے باپ اور قوم کے سامنے اعلان کیا اِنَّا بُرَءٰٓؤُا مِنْكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (ممتحنہ) میں اُن سے بیزار ہوں جن کی تم پوجا کرتے ہو آپ نے اپنی قوم کے لوگوں سے یہ بھی کہا اُفٍّ لَّكُمْ وَلِمَا تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ (انبیاء) افسوس ہے تم پر اور اُن پر جن کی اللہ کے سوا تم عبادت کرتے ہو۔ فرمایا وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَآءُ اَبَدًا ہمارے اور تمہارے درمیان نفرت کی دیوار حائل ہے ۔ اور یہ دیوار اسی طرح رہے گی۔

حَتّٰى تُؤْمِنُوْا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗٓ یہاں تک کہ تم اللہ پر ایمان لے آؤ

(سورۃ ممتحنہ)

انبیاء علیہم السلام بلا شبہ شرک سے پاک ہوتے ہیں مگر اس کے باوجود اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ بالفرض اگر یہ بھی شرک کا ارتکاب کرتے تو ان کے سارے اعمال ضائع ہو جاتے۔ یہ بات سب لوگوں کو اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ جب انبیاء کرام بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں تو پھر شرک کرنے والے کسی شخص کو معافی کیسے مل سکتی ہے۔ شرک سے ہمیشہ اجتناب کرنا چاہیئے ورنہ خطرہ ہے کہ تمام اعمال ضائع ہو جائیں گے۔

کتاب، حکم اور نبوت

آگے اللہ تعالیٰ نے انبیاء علیہم السلام کی فضیلت بیان فرمائی ہے۔

اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ اٰتَیْنٰهُمُ الْكِتٰبَ وَالْحُكْمَ وَالنُّبُوَّةَ

یہی وہ لوگ ہیں جن کو ہم نے کتاب، حکم اور نبوت عطا کی۔ انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل ہوتی رہی اور ان میں سے بعض کو مکمل کتاب عطا فرمائی اور بعض پر صحیفے نازل فرمائے۔ بعض انبیاء کو اس بات کا پابند بنایا کہ وہ سابقہ کتب و صحائف کی ہی نشر و اشاعت کریں، ان کو علیحدہ احکام و شرائع نہیں دیے گئے۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ حکم سے مراد شریعت ہے یعنی کچھ انبیاء کو خاص شریعت دی گئی۔ بعض اس سے حکومت بھی مراد لیتے ہیں۔ تاہم حکومت بھی تمام انبیاء کو تو نہیں ملی۔ البتہ بعض کو ملی ہے جیسے حضرت داؤد اور سلیمان علیہما السلام۔ بعض فرماتے ہیں کہ حکم سے مراد فہم ہے جس سے انسان صحیح فیصلے پر پہنچتا ہے اور یہ تمام انبیاء کو عطا کیا گیا۔ چونکہ نبی پوری امت کے معاملات میں حَکم ہوتا ہے اس لیے اُس میں قوتِ فہم و فیصلہ بھی بدرجہ اتم ہوتی ہے باقی رہی نبوت تو یہ کائنات میں سب سے اعلیٰ اعزاز ہے۔ اللہ کے نزدیک اس کا نبی مقرب ترین بندہ ہوتا ہے۔ نبی ہونا بجائے خود بلند ترین ہستی ہونے کی نشانی ہے وہ خدا تعالیٰ کے معصوم بندے ہوتے ہیں، انہیں اس بات کی گارنٹی حاصل

ہوتی ہے کہ اُن سے گناہ سرزد نہیں ہوتا۔ وہ امت کے لیے نمونہ ہوتے ہیں، اُن کا قول، فعل اور عمل امت کے لیے حجت ہوتا ہے۔

قیام دین کا خدائی انتظام

انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد روئے سخن اولین مخاطبین قرآن کی طرف ہوتا ہے فَاِنْ یَّکْفُرْ بِهَا هٰۤؤُلَآءِ اگر یہ لوگ اس کے ساتھ کفر کریں یہاں هٰۤؤُلَآءِ کی ضمیر مکے والوں کی طرف لوٹتی ہے۔ قرآن پاک کے اولین مخاطبین وہی تھے اور وہی لوگ نبی، کتاب اور شریعت کا انکار کرتے تھے۔ سورۃ یوسف میں اس بات کی تصریح ہے "اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِیًّا لَّعَلَّکُمْ تَعْقِلُوْنَ" ہم نے قرآن پاک کو عربی زبان میں عربی بولنے والے لوگوں کی طرف نازل کیا تاکہ تم سمجھ سکو۔ فرمایا اگر یہ مکے والے اس کا انکار کر دیں فَقَدْ وَکَّلْنَا بِهَا قَوْمًا لَّیْسُوْا بِهَا بِکٰفِرِیْنَ پس ہم نے اس کے ساتھ ایسے لوگوں کو مقرر کر دیا ہے جو کفر کرنے والے نہیں ہیں۔ مقصد یہ کہ اگر اولین مخاطبین اللہ کے دین پر اور پیغمبر آخر الزمان پر ایمان نہیں لائیں گے تو اللہ تعالیٰ اُن کی جگہ دوسرے لوگوں کو کھڑا کر دے گا۔ جو ایمان لا کر دین کے مددگار ثابت ہوں گے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب مشرکین مکہ نے مخالفت کی تو مدینے والوں نے خوشی خاطر سے دین کو قبول کر لیا اور اس کی حمایت کا یقین دلایا جب آپ ہجرت کر کے مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تو ارد گرد کے تمام قبائل آپ کے جاں نثار بن گئے۔ چنانچہ یہی اولین لوگ ہیں جو اسلام کا علم لے کر دنیا میں پھیل گئے۔ اسلام کی آبیاری انہی لوگوں کے ہاتھوں سے ہوئی اور یہ لوگ پوری دنیا کے معلم بن کر اُبھرے۔ حدیث شریف میں آتا ہے حب الانصار اٰیۃ الایمان یعنی انصار مدینہ کے ساتھ محبت رکھنا ایمان کی نشانی ہے اور ان کے ساتھ بغض رکھنا نفاق کی علامت ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی رفاقت کے لیے منتخب

فرمایا۔ اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے سورۃ محمد میں اس طرح بیان فرمایا ہے۔
وَاِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ثُمَّ لَا يَكُونُوْٓا اَمْثَالَكُمْ "اگر تم روگردانی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تمہاری بجائے دوسرے لوگوں کو لے آئیگا جو تمہاری طرح نہیں ہوں گے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ تاتاری اسلام کے سخت دشمن تھے اور بقول مولانا شبلی نعمانیؒ انہوں نے ایک کروڑ مسلمانوں کو قتل کیا مگر تھوڑے عرصہ بعد ہی یہ لوگ اسلام کے علمبردار بن گئے اللہ نے ایمان کی دولت نصیب فرمائی۔ جب اپنے بیگانے ہو گئے تو اللہ نے بیگانوں کو اپنا بنا دیا۔ ترکوں کا بھی یہی حال تھا۔ ابتداء میں اسلام کے بدترین دشمن تھے مگر حضور علیہ السلام نے فرمایا اترکوا الترك ماترکوکم ترکوں کو کچھ نہ کہو جب تک وہ خود چھیڑ چھاڑ کی ابتداء نہ کریں اور پھر سلطان محمد خامس کے زمانے میں وہ دور بھی آیا جب اللہ نے انہی ترکوں کو اسلام کی طرف مائل کر دیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ ایک دن میں چار لاکھ ترک مسلمان ہوئے اور آج تک پوری کی پوری ترک قوم اسلام کی شیدائی ہے۔ باہر سے آنے والے کچھ یہودی اور نصرانی وہاں موجود ہیں، ورنہ اصل ترک سب مسلمان ہیں۔ ترکی میں بڑے بڑے سیاسی انقلاب بھی آئے مگر انہوں نے اسلام کا دامن نہیں چھوڑا۔

اللہ کا قانون آج بھی وہی ہے۔ اگر آج کا مسلمان دین سے غفلت کرے گا تو خدا تعالیٰ اس کی جگہ کسی دوسرے کو کھڑا کر دیگا۔ جو اُس کے دین کو آگے بڑھا سکے۔ اس طرح دین تو قائم و دائم رہے گا مگر یہ مسلمانوں کی بدقسمتی ہوگی کہ وہ دین کے پودے کی آبیاری نہ کر سکیں۔ جب عربوں میں صلاحیت باقی نہ رہی تو وہ بھی ذلیل ہو گئے۔ سیاسی طور پر اب ترک بھی ختم ہو چکے ہیں۔ خدا نے انگریز جیسا دشمنِ دین مسلط کر دیا ہے۔ جس نے تمام مسلمان سلطنتوں کو کچل کر رکھ دیا ہے۔ روسی، امریکی اور برطانوی سب انگریز ہیں اور عیسائی

ہیں، جو ہمیشہ دینِ اسلام کے خلاف سازشیں کرتے رہتے ہیں۔ اور اسکی تذلیل کا کوئی موقع ہاتھ سے نہیں جانے دیتے۔

اقتدار کا ہوس

آج مسلمان قوم محض اس لیے اغیار کا شکار ہو رہی ہے کہ یہ اندرونی خلفشار میں مبتلا ہے۔ اِن کی آپس میں اقتدار کے لیے رسہ کشی ہو رہی ہے ہر فرد اور ہر ملک حبِ مال وجاہ کی بیماری میں مبتلا ہے۔ ہر کوئی سیاہ وسفید کا مالک بننا چاہتا ہے۔ اب اِن میں دین سے لگاؤ اور قربانی کا جذبہ ختم ہو چکا ہے۔ عباسی بھی اسی وجہ سے ذلیل ہوئے اور مغل بھی اِسی بیماری کا شکار ہوئے۔ آج کے مسلمان کی ذلت کی وجہ بھی یہی ہے کہ اس نے دین کے کام کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ تبلیغی جماعت والے کسی حد تک اسلام کا پیغام دنیا میں پہنچا رہے ہیں۔ مگر اِن کے ذریعے ایک فیصد سے زیادہ کام نہیں ہو رہا ہے۔ باقی ۹۹ فیصد کام کون کرے گا؟ اسلام جس قربانی کا تقاضا کرتا ہے، وہ مسلمانوں میں مفقود ہو چکی ہے۔ آج مسلمانوں کی ساری توانائیاں فسق وفجور پھیلانے پر صرف ہو رہی ہیں۔ اقتدار کے حصول کے لیے روپیہ پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے۔ تمام کوششیں امریکہ، روس اور چین کی خوشنودی کے لیے کی جا رہی ہیں۔ عیاشی، فحاشی اور کھیل تماشے میں مگن ہیں۔ کھیلوں کی وزارتیں بن چکی ہیں۔ کھیل کی ٹیمیں غیر ممالک میں بھیجنے پر کثیر رقوم خرچ کی جاتی ہیں مگر اسلام کے نام پر معرضِ وجود میں آنے والے ملک پاکستان میں اسلام کے نام کے سوا کچھ نہیں ہو رہا۔ کمیٹیاں بن جاتی ہیں، سیمینار ہوتے ہیں مگر عملی طور پر ایک انچ بھی آگے نہیں بڑھتے۔ یاد رکھو اگر تم دین کا بیڑا نہیں اٹھاؤ گے، تو اللہ تعالیٰ تمہاری جگہ دوسروں کو کھڑا کر دیگا۔

علامہ اقبال مرحوم کہا کرتے تھے مسلمانو! جب تم نے دین کا دامن چھوڑ دیا تو اللہ تعالیٰ نے سکھوں میں سے ایک آدمی کھڑا کر دیا جس نے دین کی ڈولتی ہوئی کشتی کو سہارا دیا۔ مولانا احمد علی لاہوریؒ کے والد سکھ ہی تو تھے۔ آپ

نے پانچ سو علماء کو قرآنِ پاک کی تفسیر پڑھائی۔ مولانا عبیداللہ سندھیؒ کا باپ بھی سکھ تھا۔ وہ ہمارے استاذ الاساتذہ ہیں، جنہوں نے ہمیں قرآن و حدیث کی تعلیم دی مگر مسلمان کیا کر رہے ہیں۔؟ انہوں نے دین سے کیوں اعراض کیا ہے۔ دین تو بہرحال زندہ رہے گا۔ اللہ تعالیٰ یہ کام کسی دوسری ہستی سے لے لیگا مگر ہماری تذلیل ضرور ہو گی۔ اسی لیے فرمایا کہ اگر یہ مکے والے دین کا انکار کریں گے تو ہم اِن کی جگہ دوسرے لوگوں کو لے آئیں گے جو آگے بڑھ کر اس کا دامن تھام لیں گے۔

ہدایت یافتہ لوگ

فرمایا اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ یہی وہ لوگ ہیں جن کو اللہ نے ہدایت دی ہے۔ اس سے مراد وہی انبیائے کرام ہیں جن کا ذکر ہو چکا ہے۔ فرمایا یہ ہدایت یافتہ لوگ ہیں فَبِهُدٰىهُمُ اقْتَدِهْ آپ بھی انہی کی ہدایت کی اقتدا کریں۔ یہ خطاب حضور علیہ السلام سے ہو رہا ہے کہ آپ بھی اِن انبیاء کے طریقے کو اپنا کر دین کے کام کو آگے بڑھائیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ تین چیزیں انبیاء کی ہدایت کا جزو ہیں۔ پہلی چیز توحید ہے جس پر سب متفق ہیں۔ لہٰذا آپ بھی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اس کی ذات اور صفات، اس کی عبادت، شرک سے بیزاری وغیرہ کے معاملہ میں سابقہ انبیاء کی اتباع کریں۔ دوسری چیز اخلاقِ حمیدہ اور صفاتِ کاملہ ہے۔ یہ چیزیں بھی انبیاء علیہم السلام میں بدرجہ اتم موجود تھیں۔ آپ بھی اپنے اندر یہ چیزیں پیدا کر کے انہی کا اقتدا کریں۔ فرمایا تیسری چیز احکام اور شرائع ہیں۔ بہت سے احکام و شرائع سارے نبیوں میں مشترک رہے ہیں، آپ بھی اُن پر چلتے رہیں۔ اصولِ فقہ والے بتاتے ہیں کہ سابقہ امتوں کے جو احکام قرآن پاک یا زبانِ نبوی سے بیان ہوئے ہیں، اگر اُن کی تردید نہیں کی گئی تو وہ ہمارے لیے بھی قابلِ عمل ہیں مختلف انبیاء کی شرائع میں بعض چیزیں مختلف ہوتی ہیں مگر اصولِ دین تمام نبیوں کے مشترک ہوتے

ہیں، آپ بھی ان پر کاربند رہیں۔

بلامعاوضہ تبلیغِ دین

تبلیغ دین کے سلسلے میں ایک اصولی بات سمجھا دی گئی ہے۔ قُلْ (اے پیغمبر آپ کہہ دیجئے) لَآ اَسْئَلُکُمْ عَلَیْہِ اَجْرًا میں تم سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ یہ دین کا کام میں کوئی تجارت کے طور پر نہیں کرتا ہوں، بلکہ یہ حق پرستی کی تعلیم میرے فرائض منصبی میں شامل ہے جسے میں ادا کر رہا ہوں۔ اللہ کے سارے نبیوں کا یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ تبلیغ دین کی کوئی فیس طلب نہیں کرتے۔ دوسرے مقام پر آتا ہے "اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلٰی رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ" (الشعراء) میرا اجر تو اللہ تعالیٰ کے ذمے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ ہم انبیاء کی جماعت ہمیشہ بے لوث ہوتے ہیں، ہم کسی ذاتی غرض کے لیے دین کا کام نہیں کرتے۔ ہم جو چیز آپ کو پیش کرتے ہیں اِنْ ھُوَ اِلَّا ذِکْرٰی لِلْعٰلَمِیْنَ یہ تو تمام جہان والوں کے لیے ایک نصیحت ہے۔ ہماری خواہش ہے کہ لوگ اس نصیحت کو قبول کر لیں، توحید کا راستہ اختیار کر لیں، کفر، شرک اور معصیت کو ترک کر کے اللہ تعالیٰ کے غضب سے بچ جائیں۔ دین نام ہی خیر خواہی کا ہے۔ ہم تو خیر خواہی کے طور پر تمہیں صراطِ مستقیم کی طرف بلاتے ہیں۔ بہرحال آیت کے اس حصہ میں یہ بات واضح کر دی گئی ہے۔ کہ نبی لوگوں سے کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ دوسری جگہ موجود ہے کہ جو کچھ ہم نے مانگا ہے اسے اپنے پاس رکھو۔ ہماری دعوت کو قبول کر کے فلاح پا جاؤ یا انکار کر کے دائمی ذلت کا شکار ہو جاؤ، اب یہ تمہاری فکر پر موقوف ہے۔

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدْرِهٖٓ اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنْ شَيْءٍ ؕ قُلْ مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِيْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰى نُوْرًا وَّهُدًى لِّلنَّاسِ تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ تُبْدُوْنَهَا وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ۚ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ ثُمَّ ذَرْهُمْ فِيْ خَوْضِهِمْ يَلْعَبُوْنَ ﴿۹۱﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ مُّصَدِّقُ الَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ؕ وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ ﴿۹۲﴾

ترجمہ :- اور نہیں قدر کیا اِن لوگوں نے اللہ کا جیساکہ اُس کا حق ہے قدر کرنے کا ، جب کہ انہوں نے کہا اللہ تعالیٰ نے انسان پر کوئی چیز نہیں اُتاری ۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے ، کس نے اُتاری ہے وہ کتاب جس کو لائے تھے موسیٰ (علیہ السلام) جس میں نور اور ہدایت تھی لوگوں کے لیے تم اس کو ورق ورق کرتے ہو ۔ تم اس (کے کچھ حصہ) کو ظاہر کرتے ہو اور چھپاتے ہو بہت سا حصہ ۔ اور تم

کو سکھلائی گئی وہ چیز جو تم نہیں جانتے تھے اور نہ تمہارے آباؤ و اجداد ۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ اللہ ہی نے (اتاری ہے وہ کتاب) پھر چھوڑ دیں آپ ان کو، اپنے باطل (خیالات) ہی میں وہ کھیلتے رہیں گے (۹۱) اور یہ کتاب (قرآن) جس کو ہم نے نازل کیا ہے ۔ برکت والی ہے اور تصدیق کرنیوالی ہے اس چیز کی جو اس سے پہلے ہے ۔ اور تاکہ آپ ڈرا دیں، ام القریٰ والوں کو اور اس کے اردگرد والوں کو ۔ اور وہ لوگ جو ایمان لاتے ہیں آخرت پر، وہ ایمان لاتے ہیں اس کتاب پر وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں (۹۲)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے رد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دلیل کا ذکر کیا اور بطور احسان فرمایا کہ ہم نے ابراہیم علیہ السلام کو دلیل سمجھا دی اُن کی قوم کے مقابلے میں ۔ پھر اللہ نے آپ کی اور آپ کی اولاد کی فضیلت کا تذکرہ کیا ۔ بہت سے انبیاء کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا کہ یہ سب ہدایت یافتہ لوگ تھے ۔ اللہ نے ابراہیم علیہ السلام کے اسلاف میں سے حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر بھی کیا اور پھر آپ کے آباؤ اجداد اور بھائیوں میں سے اللہ کے منتخب بندوں کا ذکر کیا جنہیں ہدایت سے نوازا گیا ۔ فرمایا اگر یہ لوگ بھی شرک کے مرتکب ہوتے تو اُن کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے ۔ شرک ایسا کبیرہ گناہ ہے جسے اللہ تعالیٰ بغیر توبہ کیے معاف نہیں کرتا ۔ اگر موت سے پہلے پہلے کوئی شخص تائب نہیں ہوا تو پھر اُس کی بخشش کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہ جاتی ۔

گذشتہ آیات میں اٹھارہ انبیاء کا تذکرہ کرنے کے بعد فرمایا کہ ہم نے انہیں کتاب، حکم اور نبوت عطا فرمائی اور اگر مکے والے اِن کا انکار کرتے ہیں تو کوئی بات نہیں، ہم اُن کی جگہ دوسرے لوگوں کو کھڑا کر دیں گے جو اُن پہ ایمان والے

ہوں گے۔ چنانچہ اللہ نے ہر دور میں ایسا ہی کیا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کو بھی فرمایا کہ آپ بھی اللہ کے ہدایت یافتہ انبیاء کے نقش قدم پر چلیں۔ جس طرح وہ توحید کی دعوت دیتے رہے، آپ بھی ایسا ہی کریں۔ نیز آپ اِن کے سامنے یہ بھی اعلان کر دیں کہ میں دین کی بات تم کو خیر خواہی کے جذبے سے پہنچا رہا ہوں مگر میں تم سے اس تبلیغ کا کوئی معاوضہ طلب نہیں کرتا۔ گذشتہ درس میں انبیاء کا نام لے کر تذکرہ کرنے کے بعد اب اس رکوع میں رسالت کا ذکر ہے۔ یہاں پر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت و نبوت کا خصوصی تذکرہ ہے۔ اِس سے پہلے توحید کا ذکر اور شرک کی تردید کا بیان ہے اور پھر ایمان ہی کے سلسلے میں رسالت کا تذکرہ ہے۔

شانِ نزول

اِن آیات کی شانِ نزول میں دو اقوال ہیں۔ بعض مفسرین کا خیال ہے کہ یہ آیات یہود کے حق میں نازل ہوئیں کیونکہ یہاں پر موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی تورات کا ذکر ہے اور وہ قرآن حکیم کو اللہ کی کتاب تسلیم نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اس ضمن میں ایک یہودی عالم مالک ابن صیف یا فنحاص ابن عازوراء کا نام لیا جاتا ہے کہ وہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ سے گفتگو کی تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے لاجواب کر دیا اُس کا دعوےٰ تھا کہ اللہ نے نہ کوئی رسول بھیجا ہے اور نہ کوئی کتاب۔ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں یہ آیات نازل فرمائیں کہ ان لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی کما حقہٗ قدر یا تعظیم نہیں کی۔

بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں۔ کہ یہودیوں اور حضور علیہ السلام کے درمیان مباحثے مدنی زندگی میں شروع ہوئے تھے جب کہ یہ سورۃ مکی دور میں نازل ہوئی تھی لہٰذا یہودیوں کے حق میں اِن آیات کا نزول خارج از بحث ہے۔ اس کے برخلاف حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں آتا ہے کہ یہ آیات قریش مکہ کے بارے میں نازل ہوئیں وہ بھی حضور علیہ السلام کی رسالت

کے منکر تھے اور کہتے تھے کہ انسان رسول نہیں ہو سکتا۔ اسی سورۃ کے پہلے رکوع میں گزر چکا ہے "وَقَالُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ" یعنی اُن کے پاس کوئی فرشتہ کیوں نہیں بھیجا گیا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے آیات زیر درس میں ان مشرکوں کا ہی ردّ فرمایا ہے۔

اِن آیات کے روئے سخن کے متعلق ایک تیسری توجیہ بھی بیان کی جاتی ہے اور وہ یہ ہے کہ مشرکین چونکہ عام طور پر علم سے بے بہرہ تھے، اس لیے وہ حضور علیہ السلام سے بحث مباحثہ کرنے سے پہلے یہودیوں کو اہل علم سمجھ کر اُن سے مشورہ کر لیا کرتے تھے۔ چنانچہ مشرکین نے اسلام اور پیغمبر اسلام پر جتنے اعتراضات کیے وہ سب یہودیوں سے پوچھ کر کیے۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ آتا ہے "يَسْـَٔلُوْنَكَ" یعنی اے پیغمبر! یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں۔ تو سوال کرنے والے بظاہر تو مشرکین مکہ ہوتے تھے مگر درپردہ وہ یہودیوں سے سیکھ کر اعتراض کرتے تھے۔ تو اس لحاظ سے اِن آیات کے مخاطبین مشرکین اور یہودی دونوں گروہ ہو سکتے ہیں۔ تاہم حضرت ابن عباسؓ کی رائے زیادہ قوی ہے کہ یہ مشرکین کو خطاب ہے۔

جہاں تک یہود و نصاریٰ کا تعلق ہے، وہ مشرکین کے برخلاف سلسلہ نبوت کے تو قائل تھے کیونکہ وہ حضرات موسیٰ اور ہارون علیہما السلام اور دیگر انبیاء کو مانتے تھے مگر حضور علیہ السلام کی رسالت کا انکار کرتے تھے۔ خاص طور پر یہودی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی اللہ کا نبی نہیں مانتے تھے بلکہ نعوذ باللہ آپ کو دجال کہتے تھے۔ انہوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے کی سازش بھی کی اسی طرح انہوں نے حضور خاتم النبیین کی رسالت کا بھی انکار کیا۔ عیسائیوں کا بھی یہی حال تھا، وہ پہلے انبیاء کو تو مانتے تھے مگر آخری نبی حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کا انکار کرتے تھے۔ لہٰذا یہ بھی کافر ٹھہرے۔ اِن دونوں گروہوں کے علی الرغم مشرکین مکہ سلسلہ نبوت ہی کے منکر تھے لہٰذا اِن آیات کا مصداق زیادہ تر وہی ہیں۔

انکار وحی و رسالت

ارشاد ہوتا ہے وَمَا قَدَرُوا اللّٰہَ حَقَّ قَدْرِہٖ اور ان لوگوں نے اللہ کی ایسی قدر نہیں کی جیسا اُس کا حق تھا۔ بعض قدر کا معنیٰ عزت کرتے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی کماحقہ عزت نہیں کی، اجلال نہیں کیا۔ اور قدر کا معنیٰ پہچان بھی کرسکتے ہیں کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کو پہچانا ہی نہیں جیسا کہ اُس کے پہچاننے کا حق تھا۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے پہچانا تو سہی مگر غلط طریقے سے۔ جب تک اللہ تعالیٰ کی ٹھیک طور سے معرفت نہیں ہوگی۔ ایمان صحیح نہیں ہوسکتا۔ اسی طرح مشرکین بھی خدا تعالیٰ کا تصور تو رکھتے تھے مگر وہ بھی غلط طریقے سے۔ صحیح معرفت وہی ہے جو اللہ کے انبیاء نے بیان کی ہے کہ خدا تعالیٰ وحدہٗ لاشریک اور ہر عیب سے پاک ہے۔ اس کے اسماء پاک اور صفات برحق ہیں۔ صحیح طریقے پر ایمان لانا ہی اللہ کی قدر کرنا ہے۔

فرمایا اُن کی ناقدری کا سبب یہ ہے اِذْ قَالُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ عَلٰی بَشَرٍ مِّنْ شَیْءٍ وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پر کوئی چیز نہیں اتاری۔ گویا وحی الٰہی کا سرے سے انکار کردیا۔ یہودیوں کے انکار کی وجہ تو واضح ہے کہ وہ محض ضد اور عناد کی وجہ سے انکار کرتے تھے وہ سمجھتے تھے کہ اگر ہم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی لائی ہوئی کتاب کو تسلیم کرلیا تو لامحالہ آپ کو نبی بھی تسلیم کرنا پڑے گا اور یہی چیز اُن کے مفادات کے خلاف جاتی تھی، لہٰذا انہوں نے دونوں چیزوں کا انکار ہی کردیا۔ باقی رہے مشرکین عرب، تو وہ کسی انسان کو رسول ماننے کے لیے قطعاً تیار نہیں تھے۔ اُن کی توجیہات قرآن پاک نے مختلف مقامات پر بیان کی ہیں۔ مثلاً وہ کہتے تھے مَالِ ھٰذَا الرَّسُوْلِ یَاْکُلُ الطَّعَامَ وَیَمْشِیْ فِی الْاَسْوَاقِ (الفرقان) یہ کیسا رسول ہے جو کھانا کھاتا ہے اور بازاروں میں چلتا پھرتا ہے ہم ایسے شخص کو اللہ کا رسول ماننے کے لیے تیار نہیں ہیں۔ اسی لیے وہ کہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کو نہ رسول بنایا ہے اور نہ اس پر وحی

کتاب، شریعت یا احکام نازل کیے ہیں اور یہی چیز واضح کرتی ہے، کہ فی الحقیقت انہوں نے اللہ کو پہچانا ہی نہیں ہے انبیا، کی بعثت اللہ تعالےٰ کی رحمت کی علامت ہے۔ اُس نے مخلوق پہ اپنی رحمت اور مہربانی کی کہ ان کی ہدایت کے لیے پے در پے نبی اور رسول بھیجے۔ انسان کو پیدا کیا، اُسے عقل و فہم اور قوائے ظاہرہ و باطنہ سے نوازا اور پھر اس کو بالکل مہمل نہیں چھوڑ دیا بلکہ اُسکی ہدایت کے لیے رسول بھی بھیجے۔ رسول مبعوث کرنا۔ اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ جو رسولوں کا انکار کرتا ہے، وہ اللہ کی صفت، اس کی قدرت، رؤفیت اور مہربانی کا انکار کرتا ہے۔ ایسا انسان خدا تعالیٰ کو کیسے پہچان سکتا ہے اور اس کی قدر کیسے کر سکتا ہے؟

حضرت امام شاہ ولی اللہ فرماتے ہیں کہ جو شخص یہ کہے کہ اللہ نے کوئی رسول نہیں بھیجا، وہ کافر ہے کیونکہ اُس نے اللہ کی صفت کا انکار کیا ہے۔ اسی طرح جو شخص جزائے عمل کا منکر ہے، وہ بھی کافر ہے۔ قیامت کے دن محاسبہ کرنا بھی اللہ کی ایک صفت ہے۔ اور جیسا کہ پہلے عرض کیا، کسی ایک صفت کا انکار بھی کفر کے مترادف ہے اللہ تعالیٰ نے تو واضح طور پر ارشاد فرمایا ہے۔ "وَمَا نُرْسِلُ الْمُرْسَلِيْنَ اِلَّا مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ" (کہف) ہم رسولوں کو انذار و تبشیر کے لیے دنیا میں بھیجتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ سلسلہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک برابر جاری رکھا۔ اُس نے قرآن پاک کی شکل میں جامع پروگرام نازل فرما کر رہتی دنیا تک کے لیے ہدایت کا سامان کر دیا۔ مقصد یہ ہے کہ انبیاء کی بعثت اور وحی کا نزول اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے ہے، لہذا جو شخص ان کا انکار کرتا ہے، اُس نے اللہ تعالےٰ کو پہچانا ہی نہیں اور نہ اُس کی کما حقہٗ قدر دانی کی ہے۔

نزول تورات کی مثال

غرضیکہ جب منکرین نے یہ کہا کہ اللہ تعالیٰ نے کسی انسان پہ کوئی چیز

نہیں اتاری، تو اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا قُلْ اے پیغمبر!
آپ کہہ دیجئے مَنْ اَنْزَلَ الْكِتٰبَ الَّذِیْ جَآءَ بِهٖ مُوْسٰی
بھلا یہ تو بتاؤ کہ جو کتاب موسیٰ علیہ السلام لے کر آئے، وہ کس نے اتاری تھی کیا
موسیٰ علیہ السلام انسان نہیں تھے؟ کیا وہ خدا کے رسول نہ تھے؟ اور کیا ان پہ تورات
نازل نہیں ہوئی تھی؟ جب ان سب سوالوں کا جواب مثبت میں ہے تو پھر
تم حضور خاتم النبیین کی نبوت و رسالت اور آپ پہ نازل ہونے والی کتاب قرآن
پاک کا کس منہ سے انکار کرتے ہو۔ یہاں پہ تورات کی مثال پیش کر کے اللہ تعالیٰ
نے یہودیوں اور مشرکین دونوں گروہوں کے منہ بند کر دیے ہیں۔ یہودی تو خود
موسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا رسول اور ان کی لائی ہوئی تورات پر ایمان رکھتے تھے۔
مگر مشرکین بھی یہودیوں کے متعلق خوب جانتے تھے کہ ان لوگوں کا پیغمبر کون
ہے اور یہ اپنی نسبت کس آسمانی کتاب کی طرف کرتے ہیں۔

پھر جس کتاب کو موسیٰ علیہ السلام لائے تھے نُوْرًا وہ تو نورِ ہدایت تھی
قرآن میں انجیل کے متعلق بھی نُور کا لفظ آیا ہے۔ فرمایا، وہ کتاب تو لوگوں کے
لیے واضح روشنی تھی وَهُدًى لِّلنَّاسِ اور ہدایت بھی لوگوں کے
لیے۔ کہیں بَصَآئِرُ لِلنَّاسِ کے الفاظ بھی آتے ہیں۔ یعنی تمام کتب سماویہ
لوگوں کی راہنمائی کے لیے بصیرت ہیں۔ اور روشنی سے مراد محض ظاہری روشنی
نہیں بلکہ ایسی باطنی روشنی مراد ہے جس سے جہالت کی تمام تاریکیاں دور ہو کر
دل و دماغ میں ایمان کی روشنی پیدا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ کی کتابوں کے ذریعے
انسانوں پہ علم کے دروازے کھلتے ہیں اور ان کو حقائق معلوم ہوتے ہیں قرآن
پاک علم اور عمل دونوں کی اصلاح کرتا ہے مگر یہودیوں نے ان دونوں چیزوں
کو برباد کر لیا۔ ان کے پاس نہ حقیقی علم رہا اور نہ عمل۔ یہی حال عیسائیوں کا ہے
اسی لیے اللہ نے عیسائیوں کو ضال اور یہودیوں کو مغضوب علیہم کے القاب
دیے ہیں۔ انہوں نے اللہ کی کتابوں میں تحریف کر کے علم و عمل دونوں کو بگاڑ

دیا اور اپنی کتابوں کے نور اور ہدایت سے کچھ فائدہ نہ اٹھایا۔

علم و عمل میں خیانت رافضیوں نے بھی اسی طرح کی ہے جس طرح یہود و نصاریٰ نے۔ مسلم شریف کے مقدمہ میں آتا ہے کہ رافضیوں نے حضرت علیؓ کے بارے میں بہت سی غلط باتیں منسوب کر دی ہیں۔ اس سلسلہ میں ایک بزرگ فرماتے ہیں قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اللہ تعالیٰ اُن کو تباہ و برباد کرے، حضرت علیؓ کو اللہ نے کیسا اعلیٰ علم عطا کیا تھا، اُن کے فیصلے کتنے اچھے تھے، اُن کے پاس ہدایت کی روشنی تھی مگر اِن لوگوں نے اُسے بگاڑ کر رکھ دیا۔ اس میں غلط باتوں کی ملاوٹ کر کے انہیں حضرت علیؓ کی طرف منسوب کیا اور اس طرح غلطیوں کا ایک طومار بنا کر لوگوں کے سامنے پیش کر دیا۔ چنانچہ موجودہ فقہ جعفریہ کی یہی حقیقت ہے۔ اگرچہ اُس میں صحیح باتیں بھی ہیں مگر جھوٹ اور کذب بیانی بھی بہت زیادہ ہے۔ مقصد یہ کہ علم کے بگاڑ میں اہل کتاب اور رافضی ایک جیسے ہیں۔

ہدایت کی ضرورت

فرمایا اللہ کی کتاب تو وہ نور ہدایت ہے جو دل میں بصیرت پیدا کرتی ہے اور زندگی کے ہر موڑ پر انسان کی راہنمائی کرتی ہے۔ اِس دنیا میں انسان کو جس چیز کی سب سے زیادہ ضرورت ہے، وہ ہدایت ہے، اِسی لیے ہم ہر نماز میں کئی کئی بار اللہ رب العزت سے درخواست کرتے ہیں اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ہمیں سیدھے راستے کی طرف راہنمائی فرما تاکہ ہم بھٹک کر اپنے علم۔ اعتقاد، عمل اور اخلاق کو خراب نہ کر بیٹھیں۔ اور پھر یہ بھی عرض کرتے ہیں کہ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ہمیں اپنے انعام یافتہ لوگوں کے راستے پر چلا یہ نمونہ بھی پیش کرتے ہیں۔ اللہ کی کتاب میں تو لوگوں کے لیے واضح ہدایت ہے مگر تمہارا حال یہ ہے تَجْعَلُوْنَهٗ قَرَاطِيْسَ کہ تم اُسے ورق ورق کرتے ہو۔ قرطاس کاغذ کو کہتے ہیں، یعنی تم نے اس کتاب کو ٹکڑوں میں تقسیم کر دیا ہے اور پھر کرتے یہ ہو کہ تُبْدُوْنَهَا

اس کے بعض حصے کو ظاہر کرتے ہو، جو چیزیں تمہاری خواہش کے مطابق ہوتی ہیں ان کو تو لوگوں کے سامنے پیش کر دیتے اور اس طرح اپنی سیادت کو تحفظ دینے کی کوشش کرتے ہو۔ اور جو چیزیں تمہاری خواہشاتِ نفسانیہ کے خلاف ہوتی ہیں وَتُخْفُوْنَ كَثِيْرًا ان کو چھپا دیتے ہو۔ یہاں پر کثیرا کا لفظ لا کر واضح کر دیا کہ کتاب الٰہی کے بیشتر حصے کو چھپا دیتے ہو اور تھوڑے حصے کو ظاہر کرتے ہو۔ یہود و نصاریٰ یہی کچھ کرتے تھے۔ جن آیات سے حضور خاتم النبیین کی تصدیق ہوتی تھی ان کو چھپا جاتے تھے حالانکہ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وہ آپ کو اسی طرح پہچانتے تھے جس طرح اپنی اولادوں کو پہچانتے تھے مگر جان بوجھ کر انکار کر دیتے تھے۔ جس کی وجہ خود قرآن پاک کے بیان کے مطابق حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ تھی۔ وہ حسد، بغض، عناد اور اپنے مالی مفادات کی خاطر حضور علیہ السلام کو نبی تسلیم نہیں کرتے تھے۔ بہر حال فرمایا کہ اللہ نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی جس کے اکثر حصے کو یہودی چھپا جاتے تھے اللہ نے فرمایا کہ اس تورات کے ذریعے تمہیں نور ہدایت عطا کی اور اس کے ساتھ ساتھ وَعُلِّمْتُمْ مَّا لَمْ تَعْلَمُوْٓا اَنْتُمْ وَلَآ اٰبَآؤُكُمْ تمہیں وہ چیزیں بتلائی گئیں جنہیں نہ تم جانتے تھے اور نہ تمہارے آباؤ اجداد مثلاً حرمت و حلت کے قوانین، جائز اور ناجائز امور وغیرہ اللہ نے اس کتاب کے ذریعے تمہیں سمجھائے وگرنہ تم ان چیزوں سے بالکل بے بہرہ تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کتاب کے ذریعے علم کی روشنی اور ہدایت کی بصیرت عطا فرمائی۔ تو یہ تو بتاؤ کہ یہ کتاب کس نے نازل کی تھی۔ تم اس بات کا انکار نہیں کر سکتے کہ یہ کتاب اللہ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل فرمائی تھی، تو اللہ کی اس آخری کتاب کا کیسے انکار کرتے ہو، جو اللہ نے اپنے آخری رسول محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل

فرما کر دین کو مکمل کر دیا۔

نزولِ قرآن کی دلیل

نزولِ تورات کے متعلق جب منکرین سے کچھ جواب نہ بن پڑا، تو پھر اللہ نے خود فرمایا قُلِ اللّٰہُ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں کہ اسے اللہ ہی نے نازل کیا ہے تورات کا لفظی معنی قانون (Law) ہے۔ بنی اسرائیل نے خود حضرت موسیٰ علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ ہمارے لیے خدا تعالیٰ کی طرف سے کوئی قانون لائیں، تو اللہ تعالیٰ نے تورات نازل فرمائی۔ اس سے معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ انسانوں ہی پر وحی نازل فرماتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام انسان تھے اور اللہ کے رسول تھے، جس طرح اُن پر تورات نازل ہوئی، اسی طرح حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنِ پاک نازل ہوا فرمایا اگر اس دلیل کے بعد بھی یہودیوں یا مشرکین پر اس کا اثر نہ ہو اور وہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہیں تو آپ کے لیے حکم یہ ہے ثُمَّ ذَرْهُمْ آپ اُن کو اپنی حالت پر چھوڑ دیں فِیْ خَوْضِهِمْ یَلْعَبُوْنَ وہ اپنے باطل تخیلات ہی میں کھیلتے رہیں گے اور بیہودہ باتیں کرتے رہیں گے، آپ اُن کی پرواہ نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ خود اُن کی گرفت کرے گا۔

فرمایا جس طرح اللہ تعالیٰ نے تورات کو نور اور ہدایت بنا کر نازل کیا، اسی طرح وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ یہ کتاب یعنی قرآنِ حکیم کو بھی ہم نے ہی نازل کیا ہے۔ آپ بھی اسی طرح انسان ہیں جس طرح گزشتہ درس میں مذکورہ تمام انبیاء انسان تھے۔ اللہ نے اُن کو منصبِ رسالت و نبوت کے لیے منتخب فرمایا اور پھر حضور علیہ السلام کا درجہ سب سے بلند فرمایا، تو اس آخری کتاب کو بھی ہم نے نازل کیا ہے، تم کیسے انکار کر سکتے ہو اور کہتے ہو کہ اللہ نے کسی انسان پر کوئی چیز نازل نہیں کی۔ یہ تو بڑی برکتوں والی کتاب ہے اور اس سے وہی شخص مستفید ہو سکتا ہے جو اس پر ایمان لائے اور اس کے احکام پر عمل کرے۔ سلف نے ایسا کیا تو اسی برکات سے نوازے

گئے مگر آج ہم ہیں کہ اس سے معرض ہو کہ طرح طرح کے مصائب میں مبتلا ہیں۔ فرمایا یہ کتاب مُبٰرَكٌ بڑی ہی بابرکت ہے مُصَدِّقُ الَّذِي بَيْنَ يَدَيْهِ اور اپنے سے پہلی کتابوں کی تصدیق کرنے والی ہے لہذا تمہارے لیے لازم ہے کہ اس پر ایمان لے آؤ۔ اور دنیا و آخرت میں فلاح حاصل کر لو۔

ام القرٰی کے لیے انذار

فرمایا قرآن پاک کے نزول کا ایک اہم مقصد یہ ہے وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا تاکہ آپ ڈرائیں ام القرٰی والوں کو اور اس کے گرد و پیش والوں کو۔ ام القرٰی کا لفظی معنی بستیوں کی ماں ہے اور اس سے مراد مکہ مکرمہ ہے۔ سورۃ آل عمران میں موجود ہے "اِنَّ اَوَّلَ بَيْتٍ وُّضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبٰرَكًا وَّ هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ" اللہ کا سب سے پہلا گھر یعنی عبادت خانہ اسی مکہ مکرمہ میں بنایا گیا جو لوگوں کے لیے باعث برکت اور ہدایت کا ذریعہ ہے۔ جغرافیائی لحاظ سے بھی مکہ مکرمہ دنیا کے وسط میں واقع ہے۔ امریکہ اس کی بالکل دوسری طرف ہے۔ یہ سرزمین تخلیق کے لحاظ سے بھی کرہ ارض کا مرکز ہے اور پھر اسے مرکز اسلام ہونے کا شرف بھی حاصل ہوا۔ یہ اس کی برکات اور مرکز ہدایت ہونے کا اثر ہے کہ ہر مومن کا دل اس بستی کی طرف راغب رہتا ہے اور اسے وہاں پہنچنے کی تڑپ رہتی ہے۔ وہاں اللہ تعالیٰ کا گھر بیت اللہ شریف ہے جسکی برکات سے کوئی دل خالی نہیں۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مکہ کے ساتھ مدینہ طیبہ کو بھی شرف عطا کیا۔ اسی لیے حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ آخری دور میں اسلام ان دو مسجدوں یعنی مسجد الحرام اور مسجد نبوی کے درمیان سمٹ کر رہ جائیگا۔ پھر دجال کے زمانے تک پوری زمین بے دینی سے پُر ہو جائیگی، مگر اللہ تعالیٰ اس خطہ کو محفوظ رکھے گا، فرمایا کہ آپ ام القرٰی اور اس کے ارد گرد یعنی پورے عالم عرب کو اُن کے آخرت کے انجام سے ڈرائیں۔ مفسرین کرام

فرماتے ہیں کہ چونکہ اس سرزمین کو پوری دنیا کی مرکزیت کا شرف حاصل ہے لہٰذا وَمَنْ حَوْلَهَا سے پوری دنیا مراد ہے۔ کہ آپ پوری نوعِ انسانی تک اللہ کا پیغام پہنچا دیں اور اُن کو بُرے انجام سے ڈرائیں۔

ایمان بالآخرت

فرمایا، بات یہ ہے وَالَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ جو لوگ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ جن کو یقین ہے کہ محاسبے کا ایک دن آنے والا ہے يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ وہی لوگ اس قرآن عظیم پر بھی ایمان رکھتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ فلاح و کامیابی کا پروگرام اللہ کی اسی آخری کتاب میں موجود ہے اور اس پر عملدرآمد سے آخرت کے محاسبے میں سرخرو ہو سکتے ہیں برخلاف اس کے جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے، وہ قرآن پاک کو بھی نہیں مانتے اور اس کا نتیجہ لازماً ناکامی کی صورت میں نکلے گا۔ البتہ آخرت اور قرآن پاک پر ایمان لانے والے پاکیزہ زندگی بسر کرتے ہیں جبکی ایک علامت یہ ہے وَهُمْ عَلٰى صَلَاتِهِمْ يُحَافِظُوْنَ وہ اپنی نمازوں کی حفاظت کرتے ہیں۔ انہیں ہمیشہ یہ فکر لاحق رہتی ہے کہ اُن کی کوئی نماز ضائع نہ ہو جائے۔ نماز تقرب الی اللہ کا قوی ترین ذریعہ ہے، لہٰذا آخرت اور قرآن پر یقین رکھنے والے لوگ نمازوں کی سختی سے محافظت کرتے ہیں۔

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ قَالَ اُوْحِيَ اِلَيَّ وَلَمْ يُوْحَ اِلَيْهِ شَيْءٌ وَّمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ ط وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ فِيْ غَمَرٰتِ الْمَوْتِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ بَاسِطُوْٓا اَيْدِيْهِمْ ج اَخْرِجُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ط اَلْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ غَيْرَ الْحَقِّ وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ ﴿۹۳﴾ وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ج وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ط لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ ع ﴿۹۴﴾

ع ۱۱ / ۱۷

ترجمہ :- اور اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا جس نے افتراء باندھا اللہ پر جھوٹ ۔ یا اس نے کہا کہ میری طرف وحی کی گئی ہے ، حالانکہ اس کی طرف کوئی چیز وحی نہ کی گئی ہو ۔ اور (اس سے بڑھ کر ظالم کون ہو گا) جس نے کہا کہ میں اتارتا ہوں اس کی مثل جس کو اللہ نے اتارا ہے

اور (اے مخاطب) اگر آپ دیکھتے جب کہ ظالم موت کی سختیوں میں مبتلا ہوں گے اور فرشتے اپنے ہاتھ اُن کی طرف پھیلائے ہوئے ہوں گے اور اُن سے کہیں گے نکالو اپنی جانوں کو، آج تمہیں بدلہ دیا جائے گا ذلت کے عذاب کا، اس وجہ سے کہ تم کہتے تھے اللہ پر جھوٹی بات اور تھے تم اس کی آیتوں سے تکبر کرتے (۹۳) البتہ تحقیق آئے ہو تم ہمارے پاس تنہا جیساکہ ہم نے تمہیں پہلی مرتبہ پیدا کیا تھا اور چھوڑ دیا تم نے جو کچھ ہم نے تمہیں دیا تھا پشتوں کے پیچھے۔ اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ تمہارے وہ سفارشی جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے کہ وہ تمہارے شریک ہیں۔ تحقیق منقطع ہو جائیگی (وہ بات) جو تمہارے درمیان ہے۔ اور گم ہو جائیگی تم سے (وہ بات) جس کو تم گمان کرتے تھے (۹۴)

ربط آیات

پہلے شرک اور مشرکین کا رد ہوا، اور پھر توحید کے اثبات میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان ہوا۔ پھر آپ کے ساتھ دوسرے اٹھارہ انبیاء علیہم السلام کا ذکر بھی آیا اور توحید کے راستے کو صراط مستقیم بتایا گیا۔ شرک کی قباحت ہی کے ضمن میں فرمایا کہ اللہ کے یہ مقربین بندے بھی شرک میں ملوث ہوتے تو ان کے اعمال بھی ضائع ہو جاتے۔ پھر اللہ نے اُن لوگوں کا بھی رد کیا جو کہتے تھے کہ اللہ نے کوئی چیز نازل نہیں کی۔ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام پر نازل کی جانے والی کتاب تورات کی مثال پیش کی اور آخر میں قرآن کریم کا ذکر کیا۔ جس اللہ نے تورات نازل کی تھی اُس نے قرآنِ پاک نازل فرمایا ہے جو کہ بڑی بابرکت کتاب

ہے، اِس کے نزول کا ایک مقصد یہ ہے کہ اہل مکہ اور اس کے ارد گرد رہنے والے لوگوں کو خبردار کر دیا جائے، پھر رسالت کے ضمن میں ایک طرف پیغمبر آخر الزماں کی تصدیق کی اور دوسری طرف نبوت کا انکار کرنے والوں کے بُرے انجام سے آگاہ کیا۔ اب آج کی آیات میں نبوت و رسالت ہی کے سلسلے میں مکذبین کے دعوے کو افتراء علی اللہ فرمایا گیا ہے، وحی الٰہی کی حقیقت اور اس کے پیش ہونے کا بیان ہے۔ نیز جھوٹے مدعیانِ نبوت اور ان کے آخرت میں بُرے انجام کی نشاندہی کی گئی ہے۔

جھوٹے مدعیانِ نبوت

ارشاد ہوتا ہے وَمَنْ اَظْلَمُ اس شخص سے بڑا ظالم کون ہوگا مِمَّنِ افْتَرٰی عَلَی اللّٰهِ كَذِبًا جو اللہ پہ جھوٹ باندھتا ہے مفسر قرآن قتادہؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں جھوٹے مدعیانِ نبوت کی طرف اشارہ ہے جنہوں نے خود حضور علیہ السلام کی زندگی میں ہی نبوت کا دعویٰ کر دیا تھا۔ اُن میں سے ایک شخص مسیلمہ کذاب تھا جو قبیلہ بنی حنیفہ کا لیڈر تھا۔ یہ قبیلہ عربوں کا لمبا چوڑا قبیلہ تھا جس کے افراد کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ اِن کا سردار مسیلمہ اگرچہ معمر آدمی تھا مگر سخت شر پسند تھا دوسرا مدعی نبوت اسود عنسی تھا، جو صنعا کا رہنے والا سیاہ رنگ اور موٹے نقش و نگار کا آدمی تھا۔ وہ ہمیشہ سر پر اوڑھنی ڈالے رکھتا تھا، اس لیے اُسے ذوالخمار بھی کہتے تھے۔ صحاح ستہ میں یہ حدیث موجود ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ السلام نے خواب دیکھا کہ آپ کے ہاتھ میں دو کنگن پہنائے گئے۔ فرمایا کہ مجھے انہوں نے پریشان کر دیا۔ پھر مجھے اشارہ ہوا کہ اِن کو ہاتھ سے جھٹک دیں تو میں نے ایسا ہی کیا۔ اس خواب کی تعبیر حضور علیہ السلام نے خود ہی یہ بیان فرمائی کہ دو کذاب ہیں جو میرے دنیا میں آنے کے بعد ظاہر ہوئے ہیں اور میں اِن کے درمیان ہوں۔ ان میں سے ایک صنعا میں رہتا ہے اور دوسرا بنی حنیفہ کا سردار ہے (جو یمامہ میں رہتا ہے) اِن دونوں نے نبوت کا جھوٹا دعوے کیا ہے۔

مسیلمہ کا یہ بھی دعویٰ تھا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم قریش کے نبی ہیں اور میں بنی حنیفہ کا نبی ہوں، اُس نے حضور علیہ السلام کی خدمت میں وفد بھی بھیجا تھا۔ مسیلمہ خود بھی حضور علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا تھا۔ آپ نے اس کے ساتھ مختصر سی گفتگو کے بعد ہی اُسکی موجودگی میں اُسے کذاب کہ دیا تھا۔ مسیلمہ کا مطالبہ تھا کہ اگر آپ اپنے بعد مجھے اپنا نائب بنا دیں تو میں ایمان لانے کے لیے تیار ہوں۔ حضور علیہ السلام کے ہاتھ میں کھجور کی ایک چھڑی تھی۔ آپ نے چھڑی کے ایک تنکے کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا کہ میں اِس تنکے کے برابر بھی تمہیں کوئی چیز دینے کے لیے تیار نہیں۔ بہرحال مختصر گفتگو کے بعد آپ تشریف لے گئے اور اُس کی بات کا مزید کوئی جواب دینے کے لیے حضرت ثابت بن قیس انصاری رضی اللہ عنہ کو مقرر کر گئے۔

اسود عنسی بھی بڑا شر پسند آدمی تھا۔ حضور علیہ السلام کی وفات سے دو دن پہلے حضرت فیروز دیلمی رضی اللہ عنہ نے اُسے قتل کر دیا۔ آپ کو وحی کے ذریعے خبر ہوئی تو آپ نے لوگوں کو بشارت سنائی کہ آج رات اسود عنسی کو ختم کر دیا گیا ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس حصہ آیت کا مفہوم نہ صرف خدا تعالےٰ پر جھوٹ باندھنا ہے بلکہ اس کی طرف غلط بات منسوب کرنا بھی ہے۔ اگر کوئی شخص خدا کی اولاد ثابت کرتا ہے یا شرک کی کوئی بات اُس کی طرف منسوب کرتا ہے تو وہ بھی اِس آیت کی وعید کی زد میں آتا ہے اللہ تعالےٰ کی ذات، صفات یا عبادت میں کسی کو شریک کرنا افترا علی اللہ کے مترادف ہے۔ اور ایسا شخص بہت بڑا ظالم تصور ہو گا۔ اِسی لیے فرمایا کہ اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا۔ جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھے۔

نزول وحی کا دعوےٰ

پھر فرمایا اُس سے بڑا ظالم کون ہو گا اَوْ قَالَ اُوْحِیَ اِلَیَّ جو کہتا ہے کہ میری طرف وحی کی گئی ہے۔ وَلَمْ یُوْحَ اِلَیْهِ شَیْءٌ

حالانکہ اُس کی طرف کوئی وحی نہ کی گئی ہو۔ میلمہ کذاب اور اسود عنسی کا یہی دعویٰ تھا۔ یہاں غلام احمد قادیانی بھی اپنے آپ پہ نزولِ وحی کا دعویٰ کرتا تھا۔ حالانکہ ختم نبوت کے ساتھ وحی الٰہی کا سلسلہ مستقلاً بند ہو چکا ہے۔ البتہ شیطانی وحی کا امکان ہو سکتا ہے "اِنَّ الشَّیٰطِیْنَ لَیُوْحُوْنَ اِلٰٓی اَوْلِیَآءِہِمْ" شیطان اپنے دوستوں کی طرف باتیں القا کرتے ہیں۔ قیامت تک جتنے بھی مدعیان نبوت ہوں گے وہ شیطان کے دوست ہوں گے۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ قیامت سے پہلے پہلے تیس ۳۰ بڑے بڑے فتنہ پرور پیدا ہوں گے، جو نبوت کا دعویٰ کریں گے۔ مگر یاد رکھو! میں خاتم النبیین ہوں۔ اللہ نے مجھ پہ نبوت ختم کر دی ہے بہر حال فرمایا کہ اُس سے بڑا ظالم کون ہے جو کہتا ہے کہ مجھ پہ وحی الٰہی نازل ہوتی ہے۔

قرآن کی نظیر لانے کا دعوے

پھر فرمایا، اُس شخص سے بڑا ظالم بھی کوئی نہیں وَمَنْ قَالَ سَاُنْزِلُ مِثْلَ مَآ اَنْزَلَ اللّٰہُ جو کہتا ہے کہ میں بھی اِس قسم کی چیز نازل کر سکتا ہوں جیسی اللہ تعالیٰ نازل کرتا ہے۔ قریش میں ایک شخص نضر ابن حارث تھا جو ایسا دعویٰ کرتا ہے کہ میں بھی قرآنِ پاک جیسا قرآن پیش کر سکتا ہوں۔ کہتا تھا کہ محمد عاد و ثمود کے قصے کہانیاں بیان کرتا ہے میں بھی تمہارے پاس رستم و اسفندیار کے واقعات پیش کر سکتا ہوں، یہ کون سی بات ہے، جس طرح یہ اساطیر الاولین یعنی پہلے لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ اسی طرح میں بھی کہانیاں گھڑ سکتا ہوں۔ قرآن پاک ایک ایسا اعلیٰ، ارفع اور جامع کلام ہے جس کی مثال پیش نہیں کی جا سکتی۔ قرآن پاک نے خود چیلنج کیا ہے۔ فَاْتُوْا بِسُوْرَۃٍ مِّنْ مِّثْلِہٖ اس جیسی ایک سورۃ ہی لا کر پیش کر دو، مگر یہ چیلنج آج تک تشنۂ قبولیت ہے۔ قرآن پاک خدا تعالیٰ کی صفت ہے اَنْزَلَہٗ بِعِلْمِہٖ اللہ نے اپنے علم سے اسے نازل کیا ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل

میں موجود ہے اگر تمام انسان اور جن مل کر بھی کوشش کریں "اَنْ یَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ" کہ اس جیسا قرآن لے آئیں تو وہ ہرگز ایسا نہیں کر سکیں گے بھلا یہ مسیلمہ کذاب کہاں سے قرآن کی نظیر پیش کرتا۔ اُس نے کچھ عربی عبارتیں بنائی تھیں مگر لوگوں نے اس کے منہ پہ تھوک دیا کہ یہ اس کے مقابلے کی چیز لائے ہو۔ پوری دنیا کے زباندان، شعراء، ادیب، خطبا اور فصیح و بلیغ لوگ قرآن پاک کے سامنے ہتھیار ڈال چکے ہیں۔ لہذا قرآن کی نظیر پیش کرنے کا دعویٰ باطل ہے۔ فرمایا ایسا دعویٰ کرنے والا بھی سب سے بڑا ظالم ہے۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں انسانوں کی بہتری کے لیے جو حکمتیں رکھی ہیں، تمام دنیا کے لوگ مل کر بھی ان میں سے کسی ایک حکمت کی گرد پا تک کو نہیں پہنچ سکتے، چہ جائیکہ اُس جیسا قرآن پیش کرنے کا دعوےٰ کریں۔ جو شخص دعویٰ کرتا ہے کہ وہ خدائی قانون اور شریعت جیسا کوئی دوسرا قانون بنا سکتا ہے، وہ بہت بڑا ظالم ہے۔ اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ قوانین کے مقابلے جو لوگ خود ساختہ قوانین نافذ کرتے ہیں، وہ اللہ تعالیٰ کی حکمت میں دخل اندازی کے مرتکب ہوتے ہیں اور یہی اُن کی سب سے بڑی بدبختی ہے۔

قرآنی قانون کا اجراء

بنی نوع انسان کا فرض تھا کہ اللہ کی زمین پر اُسی کا نازل کردہ قانون نافذ کرتے، مگر انہوں نے خلیفۃ اللہ ہونے کا حق ادا نہیں کیا۔ یہ خدائی قانون کی بجائے رومن لاء، جرمن لاء اور برٹش لاء کی طرف دیکھتے ہیں۔ کوئی امریکہ کے نئے اور پرانے قوانین پر نظر لگائے بیٹھا ہے۔ کوئی کارل مارکس کی پیش کردہ شریعت کا گرویدہ ہے اور کوئی لینن (ماؤزے تنگ) کی لال کتاب پر فریفتہ ہے۔ کتنے افسوس کی بات ہے کہ اللہ کے نازل کردہ قوانین کو چھوڑ کر خود ساختہ قوانین سے اُمید لگائی جا رہی ہے۔ مسلمان ممالک کا بھی یہی حال ہے۔ کسی ملک نے امریکہ کا قانون اپنا رکھا ہے تو کسی نے برطانیہ کا اور کسی نے فرانس کا۔

کوئی جرمن قانون سے راہنمائی حاصل کرتا ہے تو کوئی روسی قانون سے، خود ہمارے ملک میں تین مختلف قوانین نافذ ہیں۔ تعزیری قانون انگریز کا بنایا ہوا انیسویں صدی کا قانون ہے، جسے تعزیرات پاکستان کا نام دیکر اختیار کر لیا گیا ہے اسوقت مارشل لاء کے اپنے ضابطے بھی موجود ہیں اور ان پر بھی حسب ضرورت عملدرآمد ہو رہا ہے۔ تیسرا قانون اسلامی کہلاتا ہے۔ بعض معاملات میں اس کا سہارا بھی لیا جاتا ہے۔ یہ کس قدر عجیب تقسیم ہے۔ اگر اسلام کے مکمل ضابطۂ حیات ہونے پر یقین ہے تو پھر باقی تمام لعنتوں کو چھوڑ کر صرف احکام الٰہی کا نفاذ ہونا چاہیئے۔ جب مارشل لاء کے ذریعے ہر قسم کی سختی جائز ہے تو اسلامی قوانین کو بیک قلم کیوں نہیں نافذ کیا جاتا؟ اگر کوئی دقت پیش آئیگی تو تجربہ کے ساتھ آہستہ آہستہ رفع ہو جائیگی، اس کو جاری تو کرو۔ اب تک تو وعدے وعید ہی ہوتے آرہے ہیں، مگر عمل درآمد کچھ نہیں۔ قرآن پاک تو کہتا ہے کہ جو شخص اللہ کی نازل کردہ چیز کے برابر کوئی چیز پیش کرنے کا دعوےٰ کرتا ہے، اُس سے بڑھ کر ظالم کون ہے؟ قرآن پاک بے مثال چیز ہے۔ تمام دنیا مِل کر بھی کسی آیت کی مصلحت کو نہیں پہنچ سکتی۔

اشتراکیوں کا ایک گروہ یہ بھی کہتا ہے کہ قرونِ وسطیٰ میں تو یہ قرآن واقعی قابل عمل تھا مگر یہ موجودہ زمانے کے تقاضوں کو پورا نہیں کر سکتا۔ آج کا دور صنعتی، سائنسی اور ایٹمی دور ہے، اس زمانے میں چودہ صدیاں پرانے قوانین نافذ نہیں ہو سکتے، مگر قرآن کہتا ہے "فَبِاَیِّ حَدِیۡثٍۭ بَعۡدَہٗ یُؤۡمِنُوۡنَ" (المرسلت) اگر اس قرآن پر ایمان نہیں لاتے تو پھر اس کے بعد کس چیز پر ایمان لاؤ گے، یہ تو اللہ کا آخری قانون ہے اس کے بعد نزولِ وحی کا سلسلہ ختم ہو چکا ہے، اب کون سے قوانین پر عمل کرو گے؟ حضور علیہ السلام کے بعد ہر زمان و مکان کے لیے یہی قانون نفاذ کے قابل ہے، جو کوئی اس کو چھوڑ کر دوسرے قوانین تلاش

کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کو ذلیل و خوار کر دے گا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اس سے ہدایت کا طالب ہو گا، وہ ہدایت کو پالے گا۔ اور جو کوئی کسی دوسری طرف دیکھے گا، ذلیل و خوار ہو کر رہ جائے گا۔

موت کی سختیاں

اللہ نے تین قسم کے آدمیوں کے متعلق فرمایا کہ اس سے بڑھ کر کون ظالم ہو گا، پہلا شخص وہ ہے جو اللہ پہ جھوٹ کا افتراء باندھے دوسرا وہ ہے جو کہے کہ مجھ پہ وحی آتی ہے حالانکہ اس کی طرف کوئی وحی نہ آتی ہو اور تیسرا ظالم شخص وہ ہے جو کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحی کے مقابلے میں میں بھی ایسی چیز لا سکتا ہوں۔ اب اللہ نے ایسے لوگوں کے انجام کا ذکر فرمایا ہے وَلَوْ تَرَىٰ إِذِ الظَّٰلِمُونَ فِي غَمَرَاتِ الْمَوْتِ اے مخاطب اگر تم دیکھتے ایسے ظالم لوگوں کو جب وہ موت کی سختیوں میں مبتلا ہوں گے۔ وَالْمَلَٰٓئِكَةُ بَاسِطُوٓا أَيْدِيهِمْ ج اور فرشتے اپنے ہاتھ ان کی طرف پھیلائے ہوئے ہوں گے، اور ان سے کہیں گے أَخْرِجُوٓا أَنفُسَكُمُ نکالو اپنی جانوں کو صحیح معنوں میں کوئی شخص اپنی جان خود تو نہیں نکالتا، مگر یہ مجرمین کو وعید سنائی جا رہی ہے، ان کو ڈرایا جا رہا ہے کہ اپنی جانوں کو خود نکالو۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ نکلو اب خدا کے غضب کی طرف اور پھر فرشتے اسکی جان نکال لیتے ہیں اور اسے غضب کے مقام کی طرف لے جاتے ہیں

امام رازیؒ اور بعض دیگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ فرشتے بدبخت انسانوں سے کہتے ہیں کہ لاؤ اپنی جان نکالو اور اس سختی سے بچ جاؤ مگر وہ اس دن کی سختی سے بچ نہیں سکتے۔ فرشتے کہتے ہیں الْيَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُونِ آج تمہیں ذلت کی مار دی جائیگی۔ ہون خواری کو کہتے ہیں یعنی تمہیں ذلیل و خوار کرنے والا عذاب دیا جائے گا بِمَا كُنتُمْ تَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ غَيْرَ الْحَقِّ اس وجہ سے کہ تم اللہ تعالیٰ کے متعلق جھوٹی

اور ناجائز باتیں کہتے تھے۔ خدا کا شریک بناتے تھے، اس کا بیٹا بنا لیا، کبھی اسکی عبادت میں کسی کو شامل کر لیا، کبھی کہتے تھے کہ خدا نے کوئی چیز نازل نہیں کی اور اس طرح خدا تعالیٰ پر افتراء باندھتے تھے وَكُنْتُمْ عَنْ اٰيٰتِهٖ تَسْتَكْبِرُوْنَ اور تم اس کی آیات کے ساتھ تکبر کرتے تھے۔ اپنی چودھراہٹ قائم رکھتے تھے اور اللہ کی آیات کو پس پشت ڈالتے تھے، لہٰذا آج تمہیں ذلت ناک عذاب دیا جائے گا۔

خالی ہاتھ پیشی ہوگی

فرمایا، دیکھو! وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ آج تم ہمارے پاس بالکل اکیلے چلے آ رہے ہو۔ جس طرح کہ ہم نے تمہیں پہلی دفعہ اکیلے پیدا کیا۔ جس طرح بچے کی پیدائش کے وقت اس کے ساتھ کوئی محافظ نہیں آتا۔ اسی طرح آج تم ہمارے پاس کسی فوج، پولیس، باڈی گارڈ، قبیلہ برادری، اولاد یا دوستوں کے بغیر اکیلے ہی چلے آ رہے ہو۔ وَتَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ اور جو کچھ ہم نے تمہیں دنیا میں دیا تھا، وہ سب کچھ پیچھے ہی چھوڑ کر آئے ہو، نہ کوئی خزانہ ہے نہ مال و دولت ہے، نہ کوٹھی کار ہے اور نہ کوئی کارخانہ ہے۔ آج بالکل خالی ہاتھ ہو۔

انسان دنیا میں کہتا ہے مَالِیْ مَالِیْ یہ میرا مال ہے۔ یہ میرا مال ہے۔ کوئی کہتا ہے، یہ میری دکان ہے، یہ میری زمین ہے، یہ میرا باغ ہے حالانکہ تیرا مال تو وہی ہے جو تو نے کھا لیا، یا پہن کر بوسیدہ کر لیا یا آگے پہنچا دیا جو بچ گیا وہ تیرا مال نہیں ہے، وہ تو تیرے وارثوں کا مال ہے قیامت والے دن اللہ تعالیٰ پوچھے گا، اے ابن آدم! میں نے تمہیں مال دیا تھا، وہ کدھر گیا، بندہ عرض کرے گا، مولا کریم! میں اسے اچھی حالت میں چھوڑ کر چلا آیا تھا، اگر اجازت ہو تو لا کر پیش کر دوں۔ مگر اللہ تعالیٰ فرمائیں گے تم جھوٹے ہو، تم نے وہاں کچھ نہ کیا، آج کیا چیز لانے کی اجازت طلب کرتے ہو۔ اس مال کے بل بوتے پر تو نے دنیا میں جو خرابیاں کیں، ان کے

سفارشی نظر نہیں آئیں گے

متعلق آج باز پرس ہو گی ۔ اور پھر اس پہ سزا ملیگی ۔
فرمایا وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا اور ہم نہیں دیکھتے تمہارے ساتھ سفارشی جن کے بارے میں تم گمان کرتے تھے کہ وہ تمہارے شریک ہیں ۔ آج وہ تمہارے سفارشی کہاں گئے جن کو نذر ونیاز پیش کیا کرتے تھے اور جو تمہاری مشکل کشائی اور حاجت روائی کا دم بھرتے تھے اور جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے کہ وہ تمہیں چھڑالیں گے یا تمہاری کشتی پار لگا دیں گے ۔ کارسازہ مشکل کشا اور حاجت روا تو اللہ تعالیٰ ہے ۔ تم کن کو اس کے شریک بناتے تھے لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ آج تمہارے درمیان تمام تعلقات منقطع ہو چکے ہیں ۔ تمام رشتہ داریاں ختم ہو چکی ہیں ۔ جو رشتہ معبودانِ باطلہ کے ساتھ جوڑا تھا ، وہ بھی ختم ہو گیا ہے وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ اور گم ہو جائے گی وہ چیز جس کے متعلق تم گمان کرتے تھے کہ فلاں چیز ہمیں مفید ہو گی ، فلاں حضرت صاحب دستگیری فرمائیں گے ، فلاں بزرگ بگڑی بنائیں گے ، فلاں نذر و نیاز رنگ لائیگی ،

اس دن وہاں کچھ نظر نہیں آئے گا ۔ سب کچھ گم ہو کر رہ جائے گا ۔ اس دن جھٹلانے والوں کو پتہ چلے گا کہ وہ دنیا میں کیا کچھ کرتے رہے ۔

إِنَّ اللّٰهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰى ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ فَأَنّٰى تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾ فَالِقُ الْإِصْبَاحِ وَجَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَّالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا ۚ ذٰلِكَ تَقْدِيرُ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴿٩٦﴾ وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُونَ ﴿٩٧﴾ وَهُوَ الَّذِي أَنْشَأَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ ۗ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُونَ ﴿٩٨﴾ ع

ترجمہ :- بیشک اللہ تعالیٰ پھاڑ کر نکالتا ہے دانے اور گٹھلیوں سے ۔ نکالتا ہے وہ جاندار چیز کو بے جان سے ۔ اور نکالتا ہے وہ مردہ کو زندہ سے ۔ یہی ہے اللہ تعالیٰ ، تم کدھر پھرے جاتے ہو ﴿٩٥﴾ وہ پھاڑ کر نکالنے والا ہے صبح کا اور اُس نے بنایا رات کو سکون کا ذریعہ ، اور سورج اور چاند کو حساب کے لیے یہ اندازہ رکھا ہوا ہے اُس کا جو غالب اور سب کچھ جاننے والا ہے ﴿٩٦﴾ اور وہ وہی ہے جس نے بنایا

تمہارے لیے ستاروں کو تاکہ تم راہ پاؤ اِن کے ذریعے جنگل اور دریا کی تاریکیوں میں۔ تحقیق ہم نے تفصیل سے بیان کر دی ہیں آیتیں اُن لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں (۹۷) اور وہ وہی ذات ہے جس نے پیدا کیا ہے تم کو ایک ہی جان سے، پس تمہارے لیے ایک قرارگاہ ہے اور دوسری امانت سپرد کرنے کی جگہ۔ تحقیق ہم نے تفصیل سے بیان کی ہیں آیتیں اُن لوگوں کے لیے جو سمجھ رکھتے ہیں۔ (۹۸)

ربطِ آیات

پہلے اللہ تعالیٰ نے توحید کے اثبات اور شرک کی تردید میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ بیان کیا۔ پھر دیگر اٹھارہ انبیاء کا ذکر کر کے توحید کے مسئلے کی وضاحت فرمائی اس کے ساتھ منصبِ رسالت اور انبیاء کے فرائض کا ذکر ہوا منکرینِ رسالت کا ردّ ہوا اور تورات کو بطور مثال پیش کیا۔ پھر آخر میں قرآنِ حکیم جیسی بابرکت کتاب کا ذکر فرمایا۔ اس کے بعد اللہ نے فرمایا کہ اُس شخص سے بڑھ کر کون ظالم ہو سکتا ہے جو اللہ پر افتراء باندھتا ہے اور جو اپنی طرف وحی آنے کا جھوٹا دعوےٰ کرتا یا جو شخص قرآنِ پاک کی مثل لانے کا دعوےٰ کرتا ہے ایسے ظالموں کی موت کے وقت سختیوں کا بھی ذکر ہوا اور اُن کے لیے بُری جزاء کو بیان کیا گیا۔ پھر انسان کو سمجھایا گیا کہ تمہیں اللہ کے پاس اکیلے حاضر ہونا ہے، یہاں کی جمع کی گئی مال و دولت وہاں کچھ کام نہ آئیگی اور نہ ہی کوئی سفارشی موجود ہوں گے کہ جن کے متعلق تم گمان کرتے تھے کہ وہ تمہیں چھڑا لیں گے۔

افضلِ حکمت

ان آیات کا تعلق بھی سابقہ مضمون اثبات توحید اور ردِّ شرک کے ساتھ ہی ہے تاہم یہاں پہ اللہ تعالیٰ نے یہ بات عقلی دلائل کے ساتھ سمجھائی ہے یہاں پہ اللہ تعالےٰ کی بعض صفات کا ذکر کر کے انسان کی توجہ اس طرف دلائی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات پر غور کرنے سے اسکی توحید سمجھ میں آجائے گی حکماء کہتے ہیں کہ حکمت حقیقت میں یہ ہے کہ انسان خدا تعالیٰ کی ذات اور اُس کے افعال کو سمجھنے لگے اور حکمت

کا مطلب یہ ہے۔ معرفۃ الحقائق بقدر طاقۃ البشریۃ انسان اپنی طاقت کے مطابق حقائق کو سمجھنے لگے۔ یہ حکمت کا افضل حصہ ہے حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے رَأْسُ الْحِکْمَۃِ مَخَافَۃُ اللّٰہِ حکمت کی جڑ بنیاد اللہ تعالیٰ کا خوف ہے۔ اور خدا تعالیٰ کی ذات، صفات اور اس کے افعال کو سمجھنا افضل حکمت ہے۔ اسی واسطے بزرگانِ دین کی دعا میں یہ الفاظ بھی آتے ہیں اللھم ارنا الاشیاء کما ھی اے اللہ! ہمیں اشیاء کو دکھا دے جیسا کہ وہ واقع کے اندر ہیں۔ انسان کی غلطیوں کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ وہ حقائق کو صحیح طریقے سے نہیں سمجھتا۔ کسی چیز کا صحیح علم ہی حکمت ہے۔ اور اللہ تعالیٰ کی معرفت سب سے افضل حکمت ہے۔

دانہ اور گٹھلی

بہر حال یہاں پر اللہ تعالیٰ کی بعض صفات کا ذکر کیا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے اِنَّ اللّٰہَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوٰی بیشک اللہ تعالیٰ پھاڑنے والا ہے دانے اور گٹھلی کو۔ اناج اور پھلوں کی پیداوار کے لیے عام طور پر دو چیزیں بطور بیج استعمال کی جاتی ہیں، ایک دانہ اور دوسری گٹھلی۔ اناج کی پیداوار کے لیے گندم، جو، چاول، مکئی، باجرہ وغیرہ کے دانے ہی بطور بیج زمین میں ڈالے جاتے ہیں اور اس بیج سے یہی دانے بیشمار تعداد میں پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح پھلوں کی پیداوار کے لیے آم، جامن، آڑو وغیرہ کی گٹھلی لگائی جاتی ہے تو تناور درخت پیدا ہوتے ہیں جن سے متعلقہ پھل پیدا ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کو کمال علم اور کمال حکمت کے ساتھ پیدا کر کے انسانوں کی خوراک کا بندوبست کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان اشیاء کا ذکر کر کے اس بات کی طرف اشارہ کیا ہے۔ کہ ایک ایک دانے اور گٹھلی سے سینکڑوں اور ہزاروں دانے اور گٹھلیاں پیدا کرنے والا وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ تو اس کو چھوڑ کر تم کدھر بھٹک رہے ہو۔ جو اللہ انسان کی خوراک کے لیے اناج، پھل اور سبزیاں پیدا کرتا ہے، عبادت کے لائق بھی وہی ہے۔ اگر انسان اللہ تعالیٰ کی اسی صفت پر غور کرے تو اس پر واضح ہو جائے گا کہ مشکل کشائی اور حاجت براری

بھی وہی کہہ سکتا ہے۔ اس کے علاوہ کوئی ایسی ہستی نہیں ہے جس کی طرف رجوع کیا جا سکے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی یہ ایک دلیل قائم کی ہے۔

جڑ اور شاخ

جب دانہ یا گٹھلی کچھ عرصہ زمین کے اندر گزارنے کے بعد پھٹتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی کمال قدرت ہے کہ اس کا ایک سرا اوپر کی طرف نکلتا ہے جو تنا اور شاخ بنتا ہے اور دوسرا حصہ نیچے کی طرف زمین کے اندر جاتا ہے جو اُس پودے یا درخت کی جڑ بنتا ہے۔ زمین سے اُوپر کی طرف نکلنے والی پتی نہایت ہی نرم و نازک ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے سخت زمین کو پھاڑ کر اس کے لیے راستہ بناتا ہے۔ اسی طرح نیچے جانے والا حصہ دُور دُور تک زمین میں پھیل جاتا ہے جو ایک طرف پودے یا درخت کے لیے زمین سے خوراک حاصل کرتا ہے اور دوسری طرف اُسے گرنے سے بچاتا ہے۔ کیا یہ سب کچھ خود بخود پودے کے اپنے مزاج سے ہو رہا ہے یا اس کو کرنے والی کوئی ذات موجود ہے؟ انسان تھوڑا سا بھی غور کرے گا تو سمجھ جائے گا کہ یہ سب کچھ کرنے والا خداوند تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تفصیل سورۃ عبس میں بیان فرمائی کہ انسان اپنے کھانے کی طرف غور کرے تو اُسے معلوم ہوگا کہ اس کے پیدا کرنے میں خداوند تعالیٰ کی قدرت کا کتنا بڑا کرشمہ کارفرما ہے۔ ارشاد ہوتا ہے، اے انسان! ذرا غور کر "اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا" ہم نے کس طرح بارش کے ذریعے پانی کا انتظام کیا "ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا" پھر ہم نے زمین کو پھاڑا اور پھر اس میں سے اناج اور پھل پیدا کیے۔ تو یہاں بھی فرمایا کہ وہ اللہ ہی ہے جو دانے اور گٹھلی کو پھاڑ کر زمین کے اندر سے اس کی شاخ نکالتا ہے اور پھر وہ اناج کا پودا یا پھل کا درخت بن جاتا ہے۔

مختلف مزاج

ظاہر طور پہ مختلف اقسام کا غلہ اور پھل اپنی اپنی نوعیت کے اعتبار سے رنگ و بو اور ذائقہ میں مختلف ہوتا ہے۔ اسی طرح باطنی طور پہ ان کے مزاج بھی مختلف ہوتے ہیں۔ بعض پھل ایک مزاج کے ہوتے ہیں اور بعض میں کئی

کئی قسم کے مزاج اکھٹے پائے جاتے ہیں۔ حکماء کہتے ہیں کہ ترنج کے پھل میں چاروں مزاج یعنی سرد، گرم، خشک اور تر بیک وقت موجود ہوتے ہیں۔ دانے، مغز، چھلکے اور گودے کے مختلف مزاج ہوتے ہیں۔ انگور میں بھی مختلف مزاج کی خاصیتیں پائی جاتی ہیں۔ اس کی گٹھلی اور چھلکا سرد خشک ہے۔ جب کہ مغز اور پانی گرم تر ہے۔ کیا یہ اس کی اپنی طبیعت کا کام ہے؟ نہیں، بلکہ یہ خاصیتیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ وہ وحدہٗ لاشریک ہے۔ نہ اس کی ذات میں کوئی شریک ہے اور نہ اس کی صفات میں کوئی ساجھی ہے

امام رازیؒ فرماتے ہیں۔ کہ ایک دفعہ طبیب کسی آدمی کے خلاف ہو گئے وہ اسے ختم کرنا چاہتے تھے مگر کوئی صورت نظر نہ آتی تھی۔ آخر انہوں نے شراب میں افیون کی بہت زیادہ مقدار ملا کر اُسے پلا دی اور ایک کوٹھڑی میں ڈال دیا کہ اب یہ مر جائے گا۔ خدا کی قدرت اس کوٹھڑی میں کہیں سے ایک بڑا اژدہا داخل ہو گیا۔ جس نے اُس شخص کو ڈس لیا۔ پہلے اُس کے جسم میں افیون کی سرد خشک تاثیر تھی، اب سانپ کے زہر کی تاثیر سخت گرم بھی داخل ہو گئی۔ چنانچہ جب سرد اور گرم مزاج اکھٹے ہو گئے تو دونوں کا اثر زائل ہو گیا اور آدمی بچ گیا۔ نہ اُس پر افیون نے اثر کیا اور نہ سانپ کے زہر نے۔ یہ متضاد مزاجوں کا کرشمہ تھا۔

زندہ اور مُردہ

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی ایک صفت تو یہ بیان کی گئی ہے کہ وہ دانے اور گٹھلی سے پودے کو نکالتا ہے اور دوسری یہ کہ یُخۡرِجُ الۡحَیَّ مِنَ الۡمَیِّتِ وَ مُخۡرِجُ الۡمَیِّتِ مِنَ الۡحَیِّ وہ اللہ تعالیٰ مردہ سے زندہ کو نکالتا ہے اور زندہ سے مردہ کو نکالتا ہے۔ مُردہ کی مثال انڈا کی ہے جس سے زندہ چوزا نکلتا ہے۔ اور مرغی زندہ ہے جس سے مردہ انڈا پیدا ہوتا ہے۔ مجازی معنی میں نیک انسان سے بعض اوقات بُرا آدمی پیدا ہوتا ہے اور بعض اوقات بدترین آدمی سے

صالح اولاد پیدا ہوتی ہے۔ یہ تو خدا تعالیٰ کی قدرت ہے، وہ چاہے تو کافر سے مومن پیدا کر دے اور مومن سے کافر پیدا فرما دے یا نیک آدمی کی اولاد بد ہو اور بُرے آدمی کی اولاد نیک ہو۔ زندہ اور مردہ کا یہ معنیٰ بھی کیا جا سکتا ہے۔

فرمایا ذٰلِکُمُ اللّٰہُ وہی اللہ تعالیٰ ہے جو یہ سب کام کرتا ہے۔ وہی اِن صفات کا مالک ہے فَاَنّٰی تُؤْفَکُوْنَ مگر تم کدھر پھرے جاتے ہو، تم کن چیزوں کو معبود بنا رہے ہو۔ عبادت کے لائق تو وہ اللہ ہے جو اپنی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کے ساتھ یہ محیر العقول کام انجام دیتا ہے۔

رات اور دن

پھر اللہ تعالیٰ کی ایک صفت بیان کی گئی ہے۔ فَالِقُ الْاِصْبَاحِ وہ اندھیرے کو پھاڑنے والا ہے جس سے روشنی پیدا ہوتی ہے۔ رات کے اندھیروں کو دُور کرنے والی بھی وہی ذات ہے۔ دوسری جگہ فرمایا اِنْ جَعَلَ اللّٰہُ عَلَیْکُمُ الَّیْلَ سَرْمَدًا اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ مَنْ اِلٰہٌ غَیْرُ اللّٰہِ یَاْتِیْکُمْ بِضِیَآءٍ اگر اللہ تعالیٰ رات کو قیامت تک لمبی کر دے تو کون ہے جو دن چڑھا دے اُس کی یہ بھی صفت ہے وَجَعَلَ الَّیْلَ سَکَنًا اس نے رات کو سکون کا ذریعہ بنایا۔ رات کے وقت ہر چیز تھم جاتی ہے، انسان، چرند پرند، کیڑے مکوڑے سب رات کو آرام کرتے ہیں۔ آرام کرنے سے تھکاوٹ دور ہو کر قوتیں بحال ہو جاتی ہیں اور انسان تازہ دم ہو کر پھر سے کام میں لگ جاتا ہے۔ اگر انسان کو آرام میسر نہ ہو تو اس کی تمام توانیاں ختم ہو جائیں اور وہ جلد ہی فنا ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے کام اور آرام کے لیے الگ اوقات مقرر کیے ہیں اور رات کو آرام و سکون کا ذریعہ بنایا ہے۔

فرمایا وَالشَّمْسَ وَالْقَمَرَ حُسْبَانًا سورج اور چاند کو حساب کا ذریعہ بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اِن سیاروں کی ایسی رفتار مقرر کر دی ہے جس سے دن، رات، سرما، گرما وغیرہ ایک مقررہ وقت پر آتے ہیں اور

پھر چلے جاتے ہیں۔ دوسری جگہ فرمایا اِن کا ایک فائدہ یہ ہے۔ "لِتَعْلَمُوْا عَدَدَ السِّنِيْنَ وَالْحِسَابَ" (یونس) تاکہ تم سال و ماہ کی گنتی معلوم کر سکو رات اور دن کے تغیر و تبدل سے ایام، ہفتے، مہینے اور پھر سال پیدا ہوتے ہیں۔ اسی طرح صدیاں گزر جاتی ہیں۔ تو چاند اور سورج اللہ نے زمانے کے حساب کے لیے پیدا کیے ہیں۔ فرمایا ذٰلِكَ تَقْدِيْرُ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ یہ اُس خدا تعالیٰ کا اندازہ مقرر کیا ہوا ہے جو غالب اور ہر چیز کو جاننے والا ہے وہ کمال قدرت کا مالک ہے اس کے حکم کے بغیر کچھ نہیں ہو سکتا مگر تم کدھر سرگرداں پھر رہے ہو؟ یہ سب عقلی دلائل بیان کیے جا رہے ہیں۔ کہ اِن چیزوں کا روزمرہ مشاہدہ کرتے ہو۔ اِن میں غور کرو گے تو سمجھ جاؤ گے کہ اس سارے نظام کو چلانے والی ایک ہی ذات ہے، جو خداوند قدوس ہے کسی جن، فرشتے یا انسان کے اختیار میں نہیں ہے کہ ایسا کوئی نظام پیش کر سکے۔

ستاروں کے فوائد

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے ایک اور احسان کا تذکرہ فرمایا ہے۔ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ النُّجُوْمَ وہ وہی خدا ہے جس نے تمہارے لیے ستاروں کا نظام قائم کیا ہے لِتَهْتَدُوْا بِهَا فِيْ ظُلُمٰتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ تاکہ ان کے ذریعے تم خشکی اور تری میں راہ پاؤ۔ اور یہ راہ براہ راست بھی ہو سکتی ہے اور بالواسطہ بھی۔ جب قافلے جنگلوں اور صحراؤں میں بھٹک جاتے ہیں یا کشتیاں اور جہاز سمندروں میں راستہ گم کر بیٹھتے ہیں تو پھر ان ستاروں کی مدد سے ہی تمہیں منزل مقصود کی طرف راہنمائی حاصل ہوتی ہے اس لیے اللہ نے ستاروں کا نظام قائم کر کے انسان پر بہت بڑا انعام کیا ہے۔ اب مقناطیسی آلے قطب نما وغیرہ بھی موجود ہیں جن کی مدد سے سمت معلوم کی جاتی ہے، یہ آلے بھی ستاروں کی حرکتوں کے مطابق ہی بنائے جاتے ہیں۔ راہنمائی کے علاوہ اللہ نے ستاروں کے بعض دیگر فوائد

بھی گنوائے ہیں مثلاً "وَلَقَدْ زَيَّنَّا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ" ہم نے آسمان کو ستاروں کے ذریعے زینت بخشی" وَجَعَلْنٰهَا رُجُوْمًا لِّلشَّيٰطِيْنِ" (سورۃ ملک) شیاطین کو رجم کرنے کا ذریعہ بھی ستارے ہی ہیں ۔
فرمایا قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ہم نے اُن لوگوں کے لیے تفصیل کے ساتھ آیتیں بیان کر دی ہیں جو سمجھتے ہیں اور علم کی روشنی رکھتے ہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے یہ کرشمے اہل علم و فہم کے لیے بہت بڑی نشانیاں ہیں جن کے ذریعے معرفت الٰہی حاصل ہوتی ہے ۔

نفس واحدہ سے پیدائش

فرمایا وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ اور وہ وہی اللہ ہے جس نے تمہیں ایک جان سے پیدا کیا۔ نفس واحدہ سے مراد حضرت آدم علیہ السلام ہیں جن کے وجود سے اللہ نے تمام بنی نوع انسان کو پیدا فرمایا ۔ سورۃ نساء میں بھی موجود ہے "خَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا" آپ ہی کے جسم سے آپ کا جوڑا پیدا کیا۔ غرضیکہ تمام انسانوں کے جد امجد آدم علیہ السلام ہیں اور اُن کو مٹی سے پیدا کیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کلکم ابناء آدم و آدم من تراب یعنی ہر رنگ نسل شکل وصورت اور معاشرے کے لوگ آدم علیہ السلام ہی کی اولاد ہیں۔ نیلے، پیلے، چھوٹی، چپٹی اور بڑی ناک والے کالے اور گورے سب اولاد آدم ہیں۔ لہٰذا ایک دوسرے کو رنگ ونسل کی بنیاد پر حقیر جاننا بہت بری بات ہے۔ دنیا میں ایسے گورے رنگ والے بھی موجود ہیں جو سیاہ رنگ والوں کو اپنے ہوٹلوں میں داخل نہیں ہونے دیتے اور کالے بچوں کو گورے بچوں کے سکولوں میں داخلے پر پابندی ہے یہ انتہا درجے کی بدتہذیبی اور انسانیت کی توہین ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ کالے اور گورے سب ہمارے بھائی ہیں، سب ایک شخص کی اولاد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے آب و ہوا کی وجہ سے کسی کو گورا بنا دیا ہے اور کسی کو کالا، مگر ساری کی ساری مخلوق خدا تعالیٰ کی ہے، تجربات بتلاتے ہیں کہ چار سو سال تک گرم یا سرد علاقے

میں رہنے کی وجہ سے وہاں کی آب و ہوا نسل میں شامل ہو جاتی ہے اور سرد ملکوں میں رہنے والے سفید اور گرم مرطوب علاقوں کے باشندے سیاہ رنگ اختیار کر لیتے ہیں۔ بہرحال تمام انسان ایک جان سے پیدا ہونے کی بنا پر برابر ہیں اور رنگ و نسل کی وجہ سے کسی کو برتری حاصل نہیں۔

عارضی اور مستقل قرارگاہ

فرمایا تمہیں ایک جان سے پیدا کیا فَمُسْتَقَرٌّ وَّمُسْتَوْدَعٌ پس تمہارے لیے ایک امانت کے طور پر رکھنے کی عارضی جگہ ہے اور ایک ٹھکانہ ہے شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ باپ کی پشت سے نکل کر جب مادہ ماں کے رحم میں پہنچتا ہے تو یہ انسان کا مستقر یعنی عارضی قیام گاہ ہوتی ہے۔ یہاں مقررہ مدت تک قیام کے دوران وہ آہستہ آہستہ دنیا کے اثرات قبول کرتا ہے اور پھر ماں کے پیٹ سے مستودع یعنی دنیا کے ٹھکانے میں آجاتا ہے لیکن یہ جگہ بھی انسان کے لیے مستقل قیام گاہ نہیں، بلکہ پچاس، ساٹھ، سو سال تک اس دنیا میں رہنے کے بعد پھر عارضی مستقر قبر کے سپرد کر دیا جاتا ہے۔ اب وہ قبر کے قیام کے دوران آخرت کے اثرات قبول کرتا ہے اور آخر کار قیامت کو وہ حشر میں پہنچ جائے گا۔ محاسبے کے بعد اس کا مستقل ٹھکانا جنت میں ہوگا یا جہنم میں آخری قرارگاہ وہی ہے۔ قبروں پر آخری آرام گاہ کی تختی لگانا درست نہیں۔ کیونکہ قبر کی زندگی تو عارضی اور برزخی زندگی ہے، اس کی آخری آرام گاہ جنت یا دوزخ ہے۔ مقصد یہ کہ آخرت سے پہلے پہلے انسان عارضی قیام گاہوں سے گزرتا ہے۔ ماں کا پیٹ، دنیاوی زندگی یا عالمِ برزخ حقیقت میں عارضی قیام گاہیں ہیں۔ انسان کا مستقل ٹھکانا آخرت ہے۔ فرمایا قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّفْقَهُوْنَ ہم نے تمام آیات احکام اور دلائل کھول کر بیان کر دیے ہیں تاکہ سمجھ رکھنے والے لوگ ان میں غور و فکر کریں اور اللہ کی معرفت حاصل کریں۔ جو لوگ عقل سے کام نہیں لیتے اُن کے لیے یہ چیزیں کچھ مفید نہیں۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجْنَا بِهٖ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ فَاَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا نُّخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُّتَرَاكِبًا وَمِنَ النَّخْلِ مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ وَّجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ وَّالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَيَنْعِهٖ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ ﴿۹۹﴾ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ وَخَلَقَهُمْ وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ ﴿۱۰۰﴾ ع

۱۲ ع ۱۸

ترجمہ :- اور وہ وہی ذات ہے جس نے اتارا آسمان کی طرف سے پانی، پس نکالے ہم نے اس کے ذریعے ہر قسم کے پودے۔ اور نکالا ہم نے اس سے سبزہ جس سے نکالتے ہیں دانے تہ بر تہ (اوپر نیچے چڑھے ہوئے) اور کھجوروں میں سے بھی اُن کی شاخوں سے گچھے جھکے ہوئے اور باغات انگور اور زیتون اور انار کے جو ملتے جلتے ہیں اور جو نہیں ملتے (جُدا جُدا)۔ اس کے پھل کی طرف دیکھو جب وہ پھل دیتا ہے۔ اور اس کے پکنے کی طرف دیکھو) بیشک

البتہ اِس میں نشانیاں ہیں اُن لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیں (۹۹) اور انہوں نے جنات کو اللہ کے شریک بنائے حالانکہ اللہ نے اُن کو پیدا کیا ہے۔ اور انہوں نے گھڑے اُس کے لیے بیٹے اور بیٹیاں جہالت سے۔ پاک ہے اُس کی ذات اور بلند و برتر ہے اُن چیزوں سے جن کو یہ لوگ بیان کرتے ہیں (۱۰۰)

ربطِ آیات

گذشتہ کئی دروس سے اللہ تعالیٰ کی توحید اور شرک کی تردید بیان ہو رہی ہے آج کی آیات بھی اِسی سلسلہ کے ساتھ مربوط ہیں عقلی دلائل کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے دانے اور گھٹلی کو پھاڑ کر پودے اور درخت پیدا کرنے کا ذکر فرمایا پھر رات کی تاریکی سے دِن کی روشنی کی طرف توجہ دلائی، سورج، چاند اور ستاروں کو ایک خاص حساب سے مقرر کرنے کا بیان کیا اور فرمایا کہ اِن تمام اشیاء میں اہلِ عقل و خرد کے لیے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی نشانیاں موجود ہیں۔ اللہ نے ایک نفس سے تمام بنی نوع انسان کی پیدائش کا ذکر بھی کیا کہ دیکھو معبودِ حقیقی وہی ذات ہے جس کی قدرتِ تامہ اور حکمتِ بالغہ کے مطابق کائنات کا پورا نظام چل رہا ہے، لہٰذا اُس کے علاوہ کسی دوسرے کو الٰہ تسلیم کرنے کا کوئی جواز نہیں۔

اب آج کی آیات میں مزید عقلی دلائل بیان ہو رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو عقل جیسا عظیم جوہر عطا کیا تاکہ انسان اس کو صحیح طور پر استعمال کر کے اُس کی قدرت کے نشانات کو دیکھے، اُن میں غور و فکر کرے، اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر یقین لائے اور شرک کی قباحت سے اپنے آپ کو بچانے کی کوشش کرے۔

بارش کی اہمیت

ارشاد ہوتا ہے وَهُوَ الَّذِيٓ أَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً وہ وہی ذات ہے جس نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا۔ سماء کا لفظ مختلف معانی میں استعمال ہوتا ہے، آسمان کے علاوہ یہ لفظ فضا، بادل اور بلندی

کے لیے بھی استعمال ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نزولِ بارش کے لیے یہ انتظام فرمایا ہے کہ سورج کی گرمی سے سمندروں سے بخارات اٹھتے ہیں جن سے بادل بنتے ہیں اور ہوائیں انہیں اڑا کر دُور دراز علاقوں تک لے جاتی ہیں پھر جہاں اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے وہاں بادلوں سے برسنے لگتا ہے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہاں پر آسمان کا لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے کہ کہیں لوگ بادلوں پر ہی تکیہ لگا کر نہ بیٹھ جائیں بلکہ اِن بادلوں کو بھیجنے والی حقیقی ذات اللہ تعالیٰ کی ذات ہے جو آسمانوں سے حکم جاری کر کے سارے نظام کو چلا رہا ہے۔ اُس کی قدرت کا یہ بھی کمال ہے کہ بارش نازل کر کے اُسے یونہی نہیں چھوڑ دیتا بلکہ کچھ فالتو پانی کو جھیل، تالاب اور چشمے کی صورت میں جمع کر لیتا ہے اور باقی پانی کو ندی نالوں کی صورت میں آگے چلا دیتا ہے تاکہ جہاں بارش نہیں ہوئی، وہ جگہ بھی پانی سے سیراب ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ پانی کا کچھ ذخیرہ زمین کے اندر بھی جمع کر دیتا ہے جسے لوگ اپنی ضرورت کے لیے کنوئیں اور ٹیوب ویل کے ذریعے نکال لیتے ہیں۔ غرضیکہ پانی اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔ سورۃ فرقان میں ارشادِ خداوندی ہے "وَأَنزَلْنَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً طَهُورًا" اور ہم نے آسمان سے پاک پانی اتارا جو خود بھی پاک ہے اور دوسری چیزوں کو بھی پاک کرتا ہے۔ اللہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا "وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَاءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ" (انبیاء) اسی پانی سے ہم نے ہر جاندار کو حیات بخشی۔ تمام انسان، جانور، چرند، پرند، کیڑے مکوڑے پانی کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بہت بڑی نعمت ہے۔

پانی مدارِ زندگی

میڈیکل سائنس والے بتاتے ہیں کہ انسان کی رگوں میں جو خون گردش کرتا ہے اس میں اسّی ۸۰ فیصد پانی ہے اور باقی بیس ۲۰ فیصد میں سالٹ، پروٹین، وٹامن، لحمیات، نشاستہ، پنیر اور دوسری اشیائے غذائیت ہیں۔ یہ خون پورے جسم میں گردش کر کے ہر حصۂ جسم کو اُس کی مطلوبہ خوراک بہم پہنچاتا ہے چنانچہ خون کی گردش کے دوران ناخن اپنی ضرورت کی غذا حاصل کرتے ہیں۔

بال اپنی غذا، دل و دماغ اپنی اپنی ضروریاتِ حیات تلاش کر لیتے ہیں ہڈیاں حسبِ ضرورت کیلشیم حاصل کرتی ہیں اور اسی طرح جسم کے باقی اعضاء اپنی اپنی غذائیت اِسی خون سے حاصل کرتے رہتے ہیں۔ خون میں غالب مقدار چونکہ پانی کی ہوتی ہے۔ لہٰذا ہم کہ سکتے ہیں کہ انسانی زندگی کا مدار پانی پر ہے

ہوا کی ضرورت

کسی جاندار کی زندگی کے لیے جس طرح پانی ضروری ہے اِسی طرح ہوا بھی لازمی ہے بلکہ پانی کے بغیر تو جاندار کچھ عرصہ تک زندہ رہ سکتا ہے مگر ہوا کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ انسانی جسم کو آکسیجن کی ہر سانس کے ساتھ ضرورت ہوتی ہے۔ یہی وہ نسیم طیب ہے جس کے ذریعے انسانی خون صاف ہوتا رہتا ہے اور وہ جسمانی نشو و نما کے لیے اپنے کام میں مصروف رہتا ہے۔ سانس کے ذریعے انسانی جسم میں بہت سے گیس داخل ہوتے ہیں جن میں سے آکسیجن خون کو صاف کرتا ہے جس کی وجہ سے انسانی جسم کے دخانی مادے باہر آتے ہیں اور انسان تازہ دم رہتا ہے۔ اس کے علاوہ کاربن ڈائی آکسائڈ جیسی غلیظ گیس بھی جسم میں پہنچ جاتی ہے جب یہ جسم کے اندر زیادہ مقدار میں جمع ہو جاتی ہے تو انسان کو مختلف قسم کی بیماریاں لاحق ہو جاتی ہیں۔ غرضیکہ انسان کی اولین ضرورت ہوا ہے جس کے ذریعے وہ ایک منٹ میں بہت دفعہ سانس لیتا ہے اور بہتر ۷۲ دفعہ اس کی نبض تڑپتی ہے۔ انسانی سانس سوتے، جاگتے، چلتے پھرتے کسی حالت میں بھی منقطع نہیں ہوتا اور اس طرح انسان کو چوبیس گھنٹوں میں کم و بیش چوبیس ہزار نعمتیں سانس کے ذریعے حاصل ہوتی ہیں۔ انسان صرف انہی نعمتوں کا شکر ادا نہیں کر سکتا، چہ جائیکہ وہ باقی تمام نعمتوں کا حق بھی ادا کرے۔

انسانی زندگی کے لیے سب سے ضروری چیز ہوا کو اللہ تعالےٰ نے بالکل فری کر دیا۔ یہ ہر جاندار کو بالکل مفت حاصل ہوتی ہے۔ دوسری ضروری چیز پانی ہے جس پر زندگی کا دار و مدار ہے۔ قانونِ قدرت کے مطابق

یہ چیز بھی مفت حاصل ہونی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اس کا انتظام بارش کی صورت میں اور پھر ندی، نالوں اور چشموں کے ذریعے کر دیا ہے جہاں تک انسانی ہاتھوں کے ذریعے پانی کی بہم رسانی کا تعلق ہے، تو یہ بھی فری ہونی چاہیئے۔ اب یہ کارپردازانِ حکومت کا کام ہے۔ کہ وہ پانی کی بہم رسانی کو مفت اور یقینی بنائیں اس معاملے میں کسی انسان کو دقت پیش نہیں آنی چاہیے۔ جب قدرت نے پانی مفت نازل کیا ہے کہ انسانوں کا بھی فرض ہے کہ وہ قانونِ قدرت کا اتباع کرتے ہوئے کم از کم پانی پر کوئی ٹیکس عاید نہ کریں۔

اناج کی پیداوار

فرمایا، ہم نے آسمان کی طرف سے پانی نازل فرمایا فَأَخْرَجْنَا بِهِ نَبَاتَ كُلِّ شَيْءٍ اور اس کے ذریعے ہر قسم کے پودے نکالے تمام فصلیں اور باغات پانی ہی کے مرہونِ منت ہیں۔ جب بارش نہیں ہوتی تو نہ فصلیں اور سبزیاں اُگتی ہیں اور نہ درخت پھل لاتے ہیں۔ فرمایا پانی نازل کر کے فَأَخْرَجْنَا مِنْهُ خَضِرًا ہم سبزہ نکالتے ہیں اور پھر نُخْرِجُ مِنْهُ حَبًّا مُتَرَاكِبًا اُس سے تہ بر تہ دانے نکالتے ہیں۔ ہر خوشہ پہلے سبز رنگ کا ہوتا ہے، پھر پک کر سُرخ ہو جاتا ہے اور اس سے بے شمار دانے پیدا ہوتے ہیں۔ کہیں دھان پیدا ہوتے ہیں، کہیں جوار، باجرہ اور مکی اور کہیں گندم پیدا ہوتی ہے۔ ایک ایک پودے سے بیشمار دانے اللہ تعالیٰ پیدا فرماتا ہے اسی لیے فرمایا کہ پانی نازل کر کے ہم سبز پودا پیدا کرتے ہیں اور پھر اُس میں تہ بر تہ بے شمار دانے پیدا کرتے ہیں۔

[کھجور] کی [پید]اوار

عام اناج کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا وَمِنَ النَّخْلِ اور ہم پانی کے ذریعے کھجوریں بھی پیدا کرتے ہیں۔ اور اِن کی پیدائش کی صورت یہ ہے مِنْ طَلْعِهَا قِنْوَانٌ دَانِيَةٌ یہ کھجور کے درخت کی شاخوں میں گچھے ہوتے ہیں جھکے ہوئے۔ کھجور کے ایک ایک گچھے میں ڈھیروں کھجوریں ہوتی ہیں جن کے وزن کی وجہ سے شاخیں جُھک جاتی ہیں۔ کھجوروں کے درخت

مختلف قسموں کے ہوتے ہیں۔ بعض قد میں چھوٹے اور بعض بہت لمبے ہوتے ہیں۔ کھجور کا درخت بہت لمبی عمر پاتا ہے۔ شاہدرہ کے مقام پر جو کھجور کے درخت نظر آتے ہیں، یہ مغلوں کے زمانہ کے ہیں۔ یہ درخت دنیا کے گرم خطوں میں خاص طور پہ پائے جاتے ہیں۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ کھجور کے درخت کی مثال مومن جیسی ہے۔ جس طرح کھجور کا درخت بارہ مہینے سرسبز رہتا ہے اسی طرح مومن کا دِل بھی سدا بہار ہے۔ کھجور کا پھل دیرپا ہے جو جلدی خراب نہیں ہوتا، اس لیے یہ سارا سال استعمال ہوتا ہے۔ جس طرح نورِ ایمان سے منور اور اعمالِ حسنہ اور اخلاقِ حسنہ کا پیکر مومن مخلوقِ خدا کے لیے نمونہ ہوتا ہے اسی طرح کھجور کا پھل بھی مخلوقِ خدا کے لیے نہایت مفید ہوتا ہے۔ پھر یہ ہے کہ کھجور کے درخت کی جڑیں بڑی مضبوط ہوتی ہیں، اسی لیے حوادثات کی صورت میں یہ آسانی سے نہیں گرتا۔ اسی طرح مومن کے دل میں ایمان کی جڑیں بڑی مضبوط ہوتی ہیں اور وہ آسانی سے شیطان کے بہکاوے میں نہیں آتا۔ اللہ تعالےٰ مومنوں کے دلوں میں ایمان کو پختہ کر چکا ہے۔ سورۃ محمد میں موجود ہے "اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَيُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ" اگر تم اللہ کے دین کی مدد کرو گے تو وہ بھی تمہاری مدد کریگا اور تمہارے قدم مضبوط کر دے گا اور انہیں کوئی دوسری طاقت اکھیڑ نہیں سکے گی۔ اسی طرح کھجور کے درخت کی جڑیں بھی بڑی مضبوط ہوتی ہیں "وَفَرْعُهَا فِى السَّمَآءِ" اور اس کی شاخیں بھی فضا میں پھیلی ہوتی ہیں۔ ایمان والے آدمی کے اعمال بھی اسی طرح اُوپر عالمِ بالا کی طرف جاتے ہیں۔ یہ کمال حیثیت کا درخت ہے اور اسے مومن آدمی کے ساتھ یہ مطابقت حاصل ہے۔

کھجور کے درخت کو انسانی زندگی سے ایک اور بھی مطابقت اور مناسبت ہے اور وہ یہ کہ جس طرح انسان کے سر سے پانی گذر جائے تو یہ مر جاتا ہے، اسی طرح کھجور کے درخت کے سرے تک پانی پہنچ

جائے تو یہ بھی سوکھ جاتا ہے۔ انسان کی گردن کٹ جائے تو وہ ختم ہو جاتا ہے اسی طرح اس درخت کا تنا اگر اوپر سے کاٹ دیا جائے تو یہ بھی بیکار ہو جاتا ہے۔ اِس کو انسان کے ساتھ عجیب مشابہت ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں کھجور کا ذکر سب سے پہلے فرمایا ہے کہ اکثر خطوں میں اس کا پھل بطور غذا استعمال ہوتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جس گھر میں کھجوریں موجود ہیں اُس گھر کے رہنے والے بھوکے نہیں ہیں۔ کھجور ایک لذیذ اور طاقت ور غذا ہے اور انسان کے لیے نہایت مفید ہے۔

انگور غذائیت سے بھرپور

دوسرے نمبر پر اللہ تعالیٰ نے انگور کا ذکر کیا ہے وَجَنّٰتٍ مِّنْ اَعْنَابٍ انگور کے باغات بھی اللہ نے اِسی پانی کے ذریعے پیدا کیے۔ انگور بڑا شیریں اور طاقتور پھل ہے، اسے افضل الاثمار یعنی پھلوں میں سے افضل کہا جاتا ہے۔ اِسے جائز طریقے سے بھی استعمال کیا جاتا ہے اور ناجائز طریقے سے بھی۔ جن خطوں میں انگور کثرت سے پیدا ہوتا ہے، وہاں لوگ اسے غذا کے طور پر استعمال کرتے ہیں اور اس کا شربت بنا کر مشروب کے طور پر پیتے ہیں۔ حیدر آباد دکن میں انگور سے ملتا جلتا شریفہ پھل پیدا ہوتا ہے جسے فاکھۃ الغربا یعنی غریب لوگوں کا پھل کہا جاتا ہے۔ وسیع جنگلوں میں یہ وافر مقدار میں پیدا ہوتا ہے اور مفت مِل جاتا ہے اور لوگ اسے کھانے کے طور پر استعمال کرتے ہیں۔ انگور کا جائز استعمال بھی ایسا ہی ہے۔ البتہ اس سے شراب بھی کشید کی جاتی ہے جو کہ حرام ہے۔ سورۃ نحل میں موجود ہے کہ اللہ نے کھجور اور انگور جیسے عمدہ پھل پیدا کیے تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّ رِزْقًا حَسَنًا" جنہیں تم نشے اور عمدہ روزی کے طور پر استعمال کرتے ہو۔ گویا اس کا ایک ناجائز استعمال شراب کی صورت میں بھی ہے۔ بہرحال انگور ایک اچھا اور عمدہ پھل ہے

جو کہ غذائیت سے بھرپور ہے۔ کھجور کے بعد دوسرا نمبر انگور کا ہے۔

زیتون کے فوائد

اللہ تعالےٰ نے تیسرے درجے پر زیتون کا ذکر فرمایا ہے۔ وَالزَّيْتُونَ
زیتون زیادہ تر عرب اور افریقہ میں پایا جاتا ہے۔ ہمارے ملک میں بھی اس کی کاشت کے تجربات ہو رہے ہیں۔ اللہ کے نبیوں نے اس درخت کے بابرکت ہونے کی دعا فرمائی۔ شاہ عبدالعزیز محدث دہلویؒ اپنی تفسیر میں لکھتے ہیں کہ شام و فلسطین میں زیتون کے بعض درخت یونانیوں کے زمانے سے چلے آرہے ہیں جنکی عمر اڑھائی ہزار سال سے تجاوز کر چکی ہے۔ اس درخت کے متعلق حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے[1] کلوا الزیت وادھنوا بہ فانہٗ من شجرۃ مبارکۃ زیتون کا تیل کھانے میں استعمال کرو اور اس کی مالش بھی کرو کیونکہ یہ مبارک درخت کی پیداوار ہے۔ اگرچہ یہ تیل Olive Oil. مہنگا ہے مگر دنیا کے ہر خطے میں ملتا ہے۔ لوگ اسے گھی کی جگہ استعمال کرتے ہیں اور سر میں لگانے کے کام بھی آتا ہے۔ اس کا پھل بھی کھایا جاتا ہے۔ درخت کی لکڑیاں استعمال ہوتی ہیں، پتے اور چھلکہ بھی مفید ہے اور اس کی جڑیں بھی کام میں لائی جاتی ہیں۔ یہ غذا اور دوا دونوں طریقوں سے استعمال میں آتا ہے۔ اللہ نے عجیب و غریب درخت بنایا ہے۔

انار دلبہار

چوتھے نمبر پر فرمایا وَالرُّمَّانَ اللہ تعالیٰ نے پانی کے ذریعے انار بھی پیدا فرمایا ہے یہ میٹھا اور مے خوش یعنی کھٹا میٹھا پھل ہے، اس کی مختلف قسمیں ہیں جن میں قندھاری انار کے دلنے موٹے اور زیادہ لذیذ ہوتے ہیں۔ اس میں فولاد کافی مقدار میں پایا جاتا ہے جبکی وجہ سے جگر کے مریضوں کے لیے بڑا مفید ہے گرمی کو مارتا ہے اور گردوں اور جگر کو صاف کرتا ہے۔ اللہ نے اس کے موٹے موٹے دانوں کو باریک چھلکے میں عجیب طریقے سے محفوظ کیا ہے۔ احمد شاہ ابدالی محض

---

[1] ترمذی ص۲۷۷ و مظہری ص۵۲۴ ج۶ (فیاض)

اس لیے دہلی میں نہ رہ سکا کہ وہاں قندھاری انار کھانے کو نہیں ملتے تھے، کہنے لگا "ایں جا انارِ قندھار کجاست" یہاں کھانے کے لیے قندھاری انار میسر نہیں لہٰذا واپس وطن چلو۔ بہرحال یہ بھی کمال درجے کا پھل ہے اور اس کا دار و مدار بھی پانی پر ہے۔

غور و فکر کا مقام

تمام پھلوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ نے فرمایا مُشْتَبِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ یہ پھل ایک دوسرے کے مشابہ بھی ہیں اور بعض غیر مشابہ بھی۔ بعض کی شکل ملتی ہے تو ذائقہ الگ ہے۔ بعض کا ذائقہ ملتا جلتا ہے تو رنگ مختلف ہے اللہ نے سورۃ رعد میں فرمایا ہے، اللہ نے زمین میں انگور کے باغات اور کھیتی اور کھجور کے درخت پیدا کیے يُسْقٰى بِمَآءٍ وَّاحِدٍ سب کو ایک ہی پانی سے سیراب کیا جاتا ہے مگر کوئی میٹھا ہے اور کوئی کڑوا، کوئی تلخ ہے اور کوئی کسیلا، مختلف رنگ، مختلف ذائقے، مختلف شکلیں۔ کچھ آپس میں ملتے جلتے ہیں اور کچھ غیر مشابہ ہیں مگر خوراک سب کی ایک ہی پانی ہے اللہ تعالےٰ کی قدرت کا یہ کتنا بڑا کمال ہے۔ اس میں صاحبِ عقل لوگوں کے لیے بڑی نشانیاں ہیں۔ غور کیجئے، آخر یہ سب کچھ خود بخود اپنی نیچر سے ہو رہا ہے یا اسے کرنے والی کوئی ذات موجود ہے۔ یہ اُس مالک الملک کی شان ہے کہ خربوزے کے کھیت میں ایک ہی کنویں سے پانی جا رہا ہے مگر کوئی خربوزہ میٹھا ہے اور کوئی پھیکا ہے۔ یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہاں پر اللہ تعالےٰ کی قدرت تامہ اور حکمت بالغہ ہی کارفرما ہے اُس کے علاوہ کوئی ایسی ہستی نہیں جو اس قسم کے عجیب و غریب کام کر سکے۔

فرمایا اُنْظُرُوْٓا اِلٰى ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ اس پھل کی طرف دیکھو جب وہ پھل دیتا ہے وَيَنْعِهٖ اور اس کے پکنے کی طرف دیکھو۔ پہلے اس کا رنگ سبز ہوتا ہے، پھر زرد اور پھر کوئی سرخ ہو جاتا ہے اور کسی کی رنگت زرد ہی رہتی ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی

حکمت بالغہ کے ساتھ پکاتا ہے تاکہ انسان کی غذا بن سکیں فرمایا اِنَّ فِی ذٰلِكُمْ لَاٰيٰتٍ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ اِن تمام چیزوں میں اہلِ ایمان کے لیے نشانیاں ہیں۔ ایمان والے تو یہ دلائل دیکھ کر یقین کر لیتے ہیں کہ بارش کا برسانا، کھیتوں اور درخت کا پھل لانا اسی وحدہٗ لاشریک کا کام ہے مگر جو لوگ ایمان سے خالی ہیں وہ اِن واضح عقلی دلائل سے بھی نصیحت نہیں پکڑتے

شرک کی مختلف صورتیں

فرمایا ان تمام دلائل کو دیکھنے کے باوجود مشرکین کا حال یہ ہے ۔ کہ وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ شُرَكَآءَ الْجِنَّ انہوں نے جنوں کو اللہ کا شریک ٹھہرا لیا ہے وَخَلَقَهُمْ حالانکہ اسی خداوند تعالیٰ نے اُن کو پیدا کیا ہے۔ بعض نے انسانوں کو معبود بنا رکھا ہے، بعض نے پتھروں اور قبروں کو حاجت روا اور مشکل کشا سمجھ لیا ہے۔ کتنے افسوس کا مقام ہے کہ یہ لوگ ذرا غور نہیں کرتے عمارت تعمیر کرتے ہیں تو لوگ جانور ذبح کرتے ہیں تاکہ جنات نقصان نہ پہنچائیں۔ جنوں کو خدا کا شریک بنا لیا حالانکہ اُن کا خالق بھی وہی ہے۔ پھر مشرکین نے یہ بھی ظلمِ عظیم کیا وَخَرَقُوْا لَهٗ بَنِيْنَ وَبَنٰتٍ کہ اللہ تعالیٰ کے لیے بیٹے اور بیٹیاں گھڑ لیے۔ بِغَيْرِ عِلْمٍ بغیر علم کے یعنی محض جہالت کی وجہ سے۔ عیسائیوں نے مسیح علیہ السلام کو خدا کا بیٹا ٹھہرا لیا اور یہودیوں نے عزیر علیہ السلام کو بیٹا تسلیم کر لیا۔ کسی نے کہہ دیا اَلْمَلٰٓئِكَةُ بَنَاتُ اللّٰهِ یعنی فرشتے اللہ کی بیٹیاں ہیں مگر اللہ نے فرمایا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا (سورۃ الجن) اللہ کی نہ کوئی بیوی ہے اور نہ اولاد۔ وہ تو اُن چیزوں سے پاک ہے وہ صمد، غنی اور بے نیاز ہے۔ اولاد کا ہونا تو مخلوق کی صفت ہے۔ اُسے اللہ میں کیسے ثابت کرتے ہو۔ سورۃ بنی اسرائیل میں فرمایا، بڑے افسوس کی بات ہے اَفَاَصْفٰىكُمْ رَبُّكُمْ بِالْبَنِيْنَ (بنی اسرائیل) تم اپنے لیے تو بیٹے پسند کرتے ہو وَاتَّخَذَ مِنَ الْمَلٰٓئِكَةِ اِنَاثًا (بنی اسرائیل) اور فرشتوں کو اللہ کی بیٹیاں ٹھہراتے ہو۔ یعنی جو چیز اپنے لیے

پسند نہیں کرتے، وہ خدا کے لیے تجویز کرتے ہو۔ اِنَّكُمْ لَتَقُولُوْنَ قَوْلًا عَظِيْمًا ” تم اپنی زبانوں سے بہت بڑی بات کہتے ہو۔ سورۃ مریم میں فرمایا کہ اللہ کے لیے اولاد کا عقیدہ رکھنا اتنا گندہ عقیدہ ہے ” تَكَادُ السَّمٰوٰتُ يَتَفَطَّرْنَ مِنْهُ وَتَنْشَقُّ الْاَرْضُ وَتَخِرُّ الْجِبَالُ هَدًّا ۝ “ کہ قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائے، زمین شق ہو جائے یا پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں خدا کی شان میں یہ گستاخی اس کے غضب کو دعوت دینے کے مترادف ہے آخر اللہ کو بیٹے کی کیا ضرورت ہے۔ کیا اُسے نسل کشی کی ضرورت ہے یا اُسے بڑھاپے میں سہارے کی ضرورت ہے وہ تو صمد اور غنی ہے، وہ محتاج نہیں بلکہ ساری مخلوق اس کی محتاج ہے۔ تم نے جہالت کی وجہ سے اس کے بیٹے اور بیٹیاں بنا لیے ہیں۔ سُبْحٰنَهٗ اس کی ذات تو ایسی چیزوں سے پاک ہے وَتَعٰلٰى اور اس کی ذات اعلیٰ و ارفع ہے عَمَّا يَصِفُوْنَ اِن چیزوں سے جو یہ لوگ بیان کرتے ہیں۔ کوئی اس کی طرف اولاد کو منسوب کرتا ہے کوئی کسی کو علم اور تصرف میں شریک ٹھہراتا ہے اور کوئی قدرت میں شریک بناتا ہے۔ فرمایا ان تمام چیزوں سے پاک ہے، وہ تو وحدہٗ لاشریک ہے۔

بَدِيعُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ ؕ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۚ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۱﴾ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ فَاعْبُدُوْهُ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ﴿۱۰۲﴾ لَا تُدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ ۡ وَهُوَ يُدْرِكُ الْاَبْصَارَ ۚ وَهُوَ اللَّطِيْفُ الْخَبِيْرُ ﴿۱۰۳﴾

ترجمہ:- اللہ تعالیٰ ایجاد کرنے والا ہے آسمانوں اور زمین کا۔ کیسے ہو سکتا ہے اس کا بیٹا حالانکہ نہیں ہے اس کی کوئی بیوی۔ اور اس نے پیدا کی ہے ہر چیز اور وہ ہر چیز کو جاننے والا ہے (۱۰۱) یہ ہے اللہ تمہارا پروردگار۔ نہیں ہے کوئی عبادت کے لائق اس کے سوا پیدا کرنے والا ہے ہر چیز کا۔ پس تم اسی ہی کی عبادت کرو۔ اور وہ ہر چیز کا کارساز ہے (۱۰۲) نہیں پا سکتیں اس کو آنکھیں اور وہ پاتا ہے آنکھوں کو۔ اور وہ نہایت ہی باریک بین اور خبر رکھنے والا ہے (۱۰۳)

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید اور توحید کے عقلی دلائل بیان کیے۔ اگر انسان اپنی عقل کو بروئے کار لائے اور غور وفکر کرے تو اللہ کی وحدانیت سمجھ میں آسکتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا شکوہ بھی کیا کہ دیکھو انہوں

نے اللہ کے لیے شریک بنا رکھے ہیں، کسی نے جنات کو خدا کا شریک بنا لیا ہے، کوئی اللہ کی اولاد کا عقیدہ رکھتا ہے حالانکہ خدا تعالیٰ کی ذات اس کی طرف منسوب کی جانے والی ان چیزوں سے پاک ہے۔ پھر اللہ نے توحید ہی کے اثبات میں اپنی بعض صفات کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ گذشتہ درس میں نزول بارش اور اس سے پیدا ہونے والے اناج اور پھلوں کا تذکرہ ہو چکا ہے اور اللہ کی اولاد ہونے کی تردید بھی کی جا چکی ہے۔ اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی تخلیق کی طرف توجہ دلا کر اپنی بیوی اور اولاد ہونے کی نفی کی ہے اور اپنی توحید خالص کا درس دیا ہے۔

آسمان و زمین کا موجد

اللہ تعالیٰ نے اپنی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ہے بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ط وہ آسمانوں اور زمین کا ایجاد کرنے والا ہے بدیع کا معنیٰ عدم سے وجود میں لانے والا، یا نیستی سے ہستی میں لانے والا یا پیدا کرنے والا ہے۔ بدیع کا ہم معنیٰ لفظ فاطر بھی ہے۔ اللہ نے مختلف مقامات پر "فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ" بھی فرمایا ہے۔ اس کے معنی بھی کسی چیز کو کتمِ عدم سے پھاڑ کر نکالنے کے ہیں۔ گویا دونوں الفاظ کے معانی قریب قریب ایک ہی ہیں۔ ابداع ایسی چیز کو کہتے ہیں۔ جو بغیر نمونے مادہ، اور آلے کے وجود میں آئے اور بدیع اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ لفظ بدعت کا مادہ بھی یہی ہے اور اس سے مراد دین میں ایسی ایجاد ہے جس کا شریعت میں کوئی ثبوت موجود نہ ہو یعنی وہ ایجادِ بندہ ہو۔

امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ اس کائنات کو پیدا کرنے میں اللہ تعالیٰ کی چار صفات بالترتیب کام کرتی ہیں۔ سب سے پہلے ابداع، اس کے بعد خلق، اس کے بعد تدبیر اور آخر میں تدلی کی صفت[1]، اسکی تفصیل آپ نے اس طرح بیان فرمائی ہے۔

صفت ابداع

جیسا کہ پہلے عرض کیا ابداع سے مراد ایسی چیز ہے جو بغیر سابقہ نمونے،

[1] حجۃ اللہ البالغہ ص۱ ج۱ (فیاض)

مادہ اور آلہ کے وجود میں آئے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی اسی صفت کے ساتھ کائنات کو مجموعی طور پر کتم عدم سے نکالا ہے۔ اس کو شخصِ اکبر بھی کہا گیا ہے۔ مجموعہ کائنات کی ایجاد ایمان بالغیب سے تعلق رکھتی ہے اور انسان اس کی کیفیت کو سمجھنے سے قاصر ہیں۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ مبدِع (موجد) اور مبدَع (ایجاد کردہ) کے درمیان عالمِ شہادت میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جسے نظیر کے طور پر پیش کیا جا سکے۔ یعنی موجد اور ایجاد کردہ کے درمیان ایسی نسبت پائی جاتی ہے کہ اس کی کوئی مثال کائنات میں موجود نہیں۔ لہٰذا یہ نہایت ہی پوشیدہ اور غامض چیز ہے اللہ تعالےٰ نے کائنات کو کس طرح ایجاد کیا، یہ انسان کی عقل و فکر سے باہر ہے البتہ یہ ہوا ضرور ہے اور اس کی موجودگی ہی اس کا ثبوت ہے۔ مجموعی کائنات اللہ تعالیٰ کی تجلیات اور صفات کے نتیجے میں معرضِ وجود میں آئی ہے کیونکہ اس کے وجود سے پہلے نہ کوئی نمونہ تھا، نہ مادہ اور نہ ایجاد کرنے کا کوئی آلہ۔

صفتِ خلق

جب کائنات بحیثیت مجموعی وجود میں آگئی تو پھر اللہ تعالیٰ کی صفتِ خلق کارفرما ہوئی۔ یعنی ابداع کے بعد دوسرے نمبر پر صفتِ خلق نے کام کیا۔ اگر پہلے مادہ موجود ہو تو اس سے کسی چیز کو بنانا خلق کہلاتا ہے جب مجموعی کائنات بشمول زمین اور اس کی مٹی ایجاد ہوگئی تو پھر اللہ تعالےٰ نے مٹی سے آدم علیہ السلام کی تخلیق کی، جیسے فرمایا "خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ" (آل عمران) اُسے مٹی سے پیدا فرمایا۔ ابداع اور خلق میں یہی فرق ہے۔ ابداع کے ذریعے مٹی کو بغیر کسی مادہ کے ایجاد کیا اور پھر اس مٹی سے آدم علیہ السلام کو خلق کیا۔ حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمام سطح زمین سے مٹی لے کر آدم کا مجسمہ بنایا، اس کے اعضا بنائے اور پھر اس میں روح ڈالی تو انسان زندہ ہو کر کھڑا ہو گیا۔ پھر اللہ نے اس ایک

نفس سے سلسلہ تناسل کے ذریعے نسلِ انسانی کو آگے بڑھایا۔ آدم علیہ السلام کی طرح جنات کی تخلیق کے متعلق ارشاد ہے "وَخَلَقَ الْجَآنَّ مِنْ مَّارِجٍ مِّنْ نَّارٍ" (الرحمٰن) اور جنات کو آگ کے شعلے سے پیدا کیا۔ یہاں بھی آگ کا مادہ موجود ہے جس سے جنات کو خلق کیا۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ شیاطین وغیرہ کے اجسام مختلف عناصر کے گندے اور تعفن زدہ مادے سے اٹھنے والے بخارات سے پیدا کیے جاتے ہیں، پھر ان میں غلیظ قسم کی روحیں ڈالی جاتی ہیں جن کا مبنیٰ فساد ہوتا ہے۔ بہرحال خلق اللہ تعالیٰ کی وہ صفت جس کے ذریعے وہ پہلے سے موجود مادہ سے کوئی نئی چیز پیدا کرتا ہے۔

صفتِ تدبیر

جب کوئی چیز تیار ہو جاتی ہے تو اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت تدبیر کام کرتی ہے۔ پیدائش کے بعد انسان، حیوان، پرندوں اور درندوں کا بتدریج جوانی کی عمر تک پہنچنا اور پھر بڑھاپے میں اس کے اعضاء کا کمزور ہو جانا حتیٰ کہ بتدریج موت کی آغوش میں چلے جانا، اللہ تعالیٰ صفت تدبیر ہی کا کام ہے۔ اسی طرح نباتات اور درختوں کی پیدائش کے بعد انہیں بڑھانا ان میں پھل پیدا کرنا اور پھر اپنی مقررہ مدت پوری کر کے ختم ہو جانا سب اسی صفت کا کام ہے۔ کائنات میں موجود چاند، سورج اور دیگر سیاروں کو ایک مربوط نظام کے تحت چلانا، دن اور رات کا آگے پیچھے ہونا اور کبھی بڑے اور کبھی چھوٹے ہونا، بادلوں کا آنا، بارش کا برسنا، چاند اور سورج کا گہنا جانا سورج کا ہمیشہ یکساں رہنا جب کہ چاند کا بڑھتے گھٹتے رہنا، ہر ہر کام کی تدبیر اللہ تعالیٰ کی صفت تدبیر ہی کی مرہونِ منت، اس کا اپنا ارشاد ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے "يُدَبِّرُ الْأَمْرَ مِنَ السَّمَآءِ إِلَى الْأَرْضِ" (الم سجدہ) جو آسمان سے لے کر زمین تک کے تمام معاملات کی تدبیر کرتی ہے۔

ابداع اور خلق کے بعد صفتِ تدبیر تیسرے مرحلے میں کام کرتی ہے

صفتِ تدلی

شاہ صاحبؒ فرماتے ہیں کہ عرشِ الٰہی کے نیچے حظیرۃ القدس میں تمام

انسانیت کا ایک مجسم نمونہ پایا جاتا، اس کو امام نوعِ انسانی یا روحِ اعظم کہتے ہیں۔ اسی نمونے پر دنیا میں ہر انسان کی تخلیق ہوتی ہے۔ بعض احادیث میں آتا ہے کہ ماں کے پیٹ میں بچہ جب چوتھے چلے میں داخل ہوتا ہے۔ تو جو روح اس میں ڈالی جاتی ہے وہ روح اعظم کا عکس ہوتا ہے اور اس عکس میں اللہ تعالیٰ کی اس تجلی کا عکس بھی ہوتا ہے جو عرش پر پڑتی ہے اور پھر اس کا اثر حظیرۃ القدس کی معرفت روح اعظم میں بھی ہوتا ہے اور یہی اثر پھر ہر انسان کی روح میں بھی آتا ہے۔ مقصد یہ کہ ہر نومولود کی روح میں اللہ تعالیٰ کی تجلی اعظم کا عکس ضرور پایا جاتا ہے جسے تدلّی کا نام دیا گیا ہے تجلی اعظم کے عکس کے اثر کی وجہ سے ہر انسانی روح کی کشش اوپر اللہ تعالیٰ کی طرف ہوتی ہے۔ اس دنیا کے مادی دھندوں میں پھنس کر انسانی روح کی حالت ایسے نیم بیہوش شخص کی سی ہو جاتی ہے۔ جسے کلوروفارم سونگھا دیا گیا ہو۔ جس دن اس کلوروفارم کا اثر زائل ہو جائے گا تو آدمی کو ہوش آجائیگا۔ اور تجلی اعظم کا عکس انسان کو اوپر کی طرف کھینچے گا۔ پھر اگر اس نے اس دنیا میں رہ کر ایمان حاصل نہیں کیا تو اس کا اوپر جانا نہایت دشوار ہو جائیگا اور وہ اوپر کی بجائے نیچے کی طرف جائیگا جسکی وجہ سے اُسے سخت تکلیف ہو گی البتہ جس نے حظیرۃ القدس میں موجود نمونہ کے مطابق زندگی بسر کی ہو گی، اُسے تجلی اعظم کی کشش آسانی سے اوپر عالم بالا میں لے جائیگی۔ بہر حال شاہ صاحب کی حکمت کے مطابق یہ اللہ تعالیٰ کی چوتھی صفت تدلّی ہے جس کا تعلق انسان کی روح کے ساتھ ہوتا ہے۔

انسانی قلب

جس طرح انسان کی روح میں تجلی اعظم کا عکس ہوتا ہے۔ اسی طرح ہر آدمی کے قلب میں بھی تجلی اعظم کا ایک نمونہ ہوتا ہے۔ انسانی دماغ کی طرح انسانی قلب بھی بڑا پیچیدہ (COMPLICATED) عضو ہے۔ ابھی تک سائنس نے انسانی دماغ کے ۴۵ فیصد سے زیادہ کا مطالعہ نہیں کیا، اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسا غامض بنایا ہے۔ ہزاروں آپریشن اور تجربات ہو چکے ہیں مگر

انسان اس کی تہ تک نہیں پہنچ سکتا۔ اللہ نے انسانی قلب بھی عجیب وغریب چیز بنائی ہے۔ خدا پرستی کے مراکز اسی دل میں پائے جاتے ہیں۔ چنانچہ بزرگانِ دین جو خاص ترتیب کے ساتھ ذکر کراتے ہیں اُن کا مقصد انِ مراکز کی بیداری ہوتا ہے۔ مگر اس میں بعض اوقات کامیابی ہوتی ہے اور بعض اوقات ناکامی کا منہ بھی دیکھنا پڑتا ہے۔ تاہم کوئی انسان ایسا نہیں ہے جس کے قلب پر خدا کی تجلی اعظم کا عکس نہ پڑتا ہو۔ اگر وہ اس تجلی سے خاطر خواہ فائدہ اس زندگی میں نہیں اٹھائے گا تو اس کی کشش اسے بہت پریشان کرے گی۔

بہرحال یہاں پر اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ ابداع کا ذکر فرمایا کہ اُس نے اِس صنعت کے ذریعے آسمانوں اور زمین کو بغیر نمونے، مادے اور آلے کے پیدا فرمایا۔ یہ مجموعی کائنات کی ایجاد کا تذکرہ ہے کیونکہ اس سے پہلے کچھ نہیں تھا۔ پھر جب یہ چیز معرضِ وجود میں آگئی تو اللہ تعالیٰ نے باقی اشیاء اس کے مادہ سے پیدا فرمائیں۔

اولاد کی نفی

اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ ابداع کے تذکرہ کے بعد فرمایا اَنّٰی یَکُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ، جو اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خود موجد ہے اس کی اولاد کیسے ہو سکتی ہے حالانکہ اس کی بیوی بھی کوئی نہیں۔ اولاد اجسام کے قبیلے سے ہوتی ہے اور وہ اپنے باپ کے ہم جنس اور مشابہ ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ تو اجسام کے قبیلے سے ہی نہیں ہے لہٰذا اس کی اولاد اور پھر اس کے مشابہ ہونے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ "لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ" اس کی مثل تو کوئی چیز ہو ہی نہیں سکتی، لہٰذا اس کی اولاد بھی نہیں ہو سکتی۔ اولاد کی پیدائش کے لیے اللہ تعالیٰ نے ایک فطری طریقہ وضع کیا ہے، میاں اور بیوی خاص جذبات کے تحت ملتے ہیں جس کے نتیجہ میں مادہ خارج ہو کر حمل قرار پاتا ہے اور پھر اولاد پیدا ہوتی ہے۔ مگر یہاں پر واضح کر دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ تو بیوی، شہوت رانی اور انسانی جذبات

سے مبرا اور منزہ ہے اس کی طرف اولاد کی نسبت کیسے کی جاسکتی ہے
اُسے بیوی اور اولاد کی آخر ضرورت بھی کیا ہے۔ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ
وہ تو خود ہر چیز کا خالق ہے۔ کائنات اور اللہ کے درمیان خالق اور مخلوق کی
نسبت ہے۔ جو چیز مخلوق ہے وہ خالق کی اولاد کیسے ہوسکتی ہے کیونکہ اولاد
توہم جنس ہوتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی جنس سے کوئی دوسری ہستی نہیں ہے وہ
یکتا ہے اور لاشریک ہے۔ فرمایا وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ
اور وہ ہر چیز کو جاننے والا یعنی علیم کل ہے۔ اُس کی نظروں سے کوئی چیز
اوجھل نہیں۔ وہ ہر شخص کی نیت اور ارادے تک سے واقف ہے
اُس کی اولاد ثابت کرنا اُس کا شریک ٹھہرانا ہی ناقابلِ معافی جرم ہے۔

اللہ کی وحدانیت

فرمایا ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبُّكُمْ یہی اللہ تمہارا پروردگار ہے
جو تمہیں پیدا کر کے بتدریج درجہ کمال تک پہنچاتا ہے۔ لہٰذا لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اس کے
سوا کوئی معبود نہیں۔ عبادت کے لائق وہی ہو سکتا ہے جو موجد اور علیم کل ہو۔
چونکہ یہ صفات کسی دوسری ذات میں نہیں پائی جاتیں، اس لیے اُس کے
سوا معبود بھی کوئی نہیں ہو سکتا۔ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ پھر فرمایا کہ ہر چیز کا خالق
وہی اللہ ہے فَاعْبُدُوْهُ لہٰذا عبادت بھی اُسی کی کرو۔ چونکہ اللہ تعالیٰ
کے علاوہ جن، فرشتے، انبیاء وغیرہ سب مخلوق ہیں اس لیے ان میں سے
کوئی بھی معبود نہیں ہو سکتا بلکہ یہ سب اُسی کی عبادت کرنے پر مامور ہیں۔ عبادت
انتہائی درجے کی عاجزی کا نام ہے اور عاجزی کا اظہار زبان، قلب، اعضاء
اور مال سے ہوتا ہے لہٰذا ہر قسم کی زبانی، قلبی، مالی اور بدنی عبادت کے لائق
صرف وہی وحدہٗ لاشریک ہے۔ آخر اس کی عبادت اور انتہائی تعظیم کیوں
نہ کی جائے جب کہ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ وَّكِيْلٌ ہر چیز کا کارساز
بھی وہی ہے۔ بگڑی کو بنانے والا وہی ہے۔ ہر چیز کا تصرف اُسی کے
پاس ہے، لہٰذا ہر قسم کی حاجت براری کے لیے ہاتھ بھی اُسی کے سامنے

پھیلانا چاہیئے۔ سورۃ مزمل میں فرمایا "لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ فَاتَّخِذْہُ وَکِیْلًا" چونکہ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں، لہٰذا ہر کام میں کارساز بھی اسی کو پکڑو۔ وہی تمہارے کام بنائے گا اور وہی بگاڑے گا۔ یہ صفت صرف اُسی کے لیے خاص ہے باقی سب اُس کے عاجز بندے ہیں۔

رؤیت الٰہی

یہ بات عام تعلیم کے دوران بھی سمجھائی جاتی ہے کہ خدا تعالےٰ غیر مرئی ہے اس کائنات میں کوئی شخص اُس کو ان ظاہری آنکھوں سے نہیں دیکھ سکتا۔ یہاں بھی فرمایا ہے لَا تُدْرِکُہُ الْاَبْصَارُ اللہ تعالیٰ کو یہ آنکھیں دیکھنے سے قاصر ہیں۔ اِس مادی جہان میں انسانی آنکھ میں وہ صلاحیت نہیں ہے جس سے وہ اللہ تعالیٰ کا دیدار کر سکے، البتہ دوسرے جہان میں اہلِ ایمان کو رؤیت الٰہی نصیب ہوگی۔ ایک حدیث شریف کے الفاظ ہیں کُمْ تَرَوا رَبَّکُمْ حَتّٰی تَمُوْتُوا مرنے سے پہلے تم اپنے رب کو نہیں دیکھ سکتے۔ بعض لوگوں نے اس آیت سے رؤیت کا مطلق انکار کیا ہے مگر ایسا نہیں، بلکہ اس عدم رؤیت کا تعلق اِس جہان سے ہے۔ اِسی اشتباہ کی وجہ سے یہ اختلاف بھی پیدا ہوا کہ معراج کے موقع پر بھی حضور علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا دیدار نصیب ہوا تھا یا نہیں۔ اس ضمن میں شیخ ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ آخرت دو چیزوں پہ مشتمل ہے ایک زمان اور دوسری مکان ہے۔ آخرت کا زمانہ تو جب آئے گا جب قیامت برپا ہوگی، البتہ اس کا مکان عالم بالا میں ہے۔ معراج کے موقع پر حضور علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی رؤیت اِس دنیا کے مکان میں نہیں بلکہ عالمِ بالا میں ہوئی تھی۔ وہ تو حظیرۃ القدس کا مقام تھا جس کے متعلق آتا ہے "وَلَقَدْ رَاٰہُ نَزْلَۃً اُخْرٰی ۝ عِنْدَ سِدْرَۃِ الْمُنْتَہٰی" بہرحال یہ اُس جہان کا ذکر ہے، اس مادی دنیا میں رؤیت الٰہی ممکن نہیں۔

فرمایا تمہاری آنکھیں اس کو نہیں پا سکتیں وَھُوَ یُدْرِکُ الْاَبْصَارَ اور وہ آنکھوں کو پاتا ہے۔ اُس کی نظر ہر چیز پہ ہے، کوئی چیز اس کی نظروں

سے پوشیدہ نہیں۔ بعض فرماتے ہیں کہ رؤیت اور ادراک دو مختلف چیزیں ہیں۔ رؤیت سے مراد سطحی نظر سے دیکھنا بھی ہو سکتا ہے۔ جب کہ ادراک سے مراد کسی چیز کا مکمل طور پر احاطہ ہوتا ہے یہاں پہ ادراک کا لفظ استعمال ہوا ہے یعنی یہ انسانی آنکھیں اس کا پورے طور پہ احاطہ نہیں کر سکتیں اور یہ چیز تو اگلے جہان میں بھی ممکن نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات لامحدود ہے جس کا احاطہ ممکن ہی نہیں۔ البتہ اس کے نیک بندوں کو تجلی نظر آئے گی جس سے وہ لطف اندوز ہوں گے، یہی رؤیت ہوگی۔ معراج کے واقع میں بھی حضور علیہ السلام نے فرمایا رَأَیْتُ نُوْرًا فَسَجَدْتُ لَہٗ میں نے نور دیکھا اور سجدے میں گر گیا۔ بہر حال آخرت میں اللہ تعالیٰ کی تجلیات کا نصیب ہونا بھی بہت بڑی بات ہے۔ اسی کو رؤیت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

فرمایا وَھُوَ اللَّطِیْفُ الْخَبِیْرُ لطیف کے دو معنی آتے ہیں۔ یعنی مہربانی کرنے والا اور بہت زیادہ لطافت والا اور باریک بین خبیر سے مراد ہر چیز کی خبر رکھنے والا ہوتا ہے۔ یہ دونوں صفات ذات واحد رب العلمین میں پائی جاتی ہیں۔ اس کے علاوہ نہ کوئی لطیف ہے کہ اس کی نظر ہر چھوٹی سے چھوٹی اور مخفی سے مخفی چیز پر ہو اور نہ کوئی علیم کل ہے اسی طرح اس کے علاوہ نہ کوئی بدیع ہے اور نہ خالق۔ یہ تمام صفات اسی کے ساتھ خاص ہیں لہذا معبود برحق بھی وہی ہے۔

قَدۡ جَآءَكُمۡ بَصَآئِرُ مِنۡ رَّبِّكُمۡ ۚ فَمَنۡ اَبۡصَرَ فَلِنَفۡسِهٖ ۚ وَمَنۡ عَمِیَ فَعَلَیۡهَا ؕ وَمَاۤ اَنَا عَلَیۡكُمۡ بِحَفِیۡظٍ ﴿۱۰۴﴾ وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الۡاٰیٰتِ وَلِیَقُوۡلُوۡا دَرَسۡتَ وَلِنُبَیِّنَهٗ لِقَوۡمٍ یَّعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۰۵﴾ اِتَّبِعۡ مَاۤ اُوۡحِیَ اِلَیۡكَ مِنۡ رَّبِّكَ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ وَاَعۡرِضۡ عَنِ الۡمُشۡرِكِیۡنَ ﴿۱۰۶﴾ وَلَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَاۤ اَشۡرَكُوۡا ؕ وَمَا جَعَلۡنٰكَ عَلَیۡهِمۡ حَفِیۡظًا ۚ وَمَاۤ اَنۡتَ عَلَیۡهِمۡ بِوَكِیۡلٍ ﴿۱۰۷﴾

ترجمہ :- تحقیق آچکی ہیں تمہارے پاس بصیرت کی باتیں تمہارے رب کی طرف سے ۔جس نے دیکھا (بصیرت کی باتوں کو) پس اپنے نفس کے فائدے کے لیے ۔ اور جو اندھا بنا رہا ، پس اُس پر پڑے گا اُس کا وبال ۔ اور نہیں ہوں میں تم پر نگہبان ﴿۱۰۴﴾ اور اِسی طرح ہم پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں دلائل اور تاکہ یہ لوگ کہیں کہ آپ نے پڑھا ہے۔ اور تاکہ ہم بیان کر دیں اُس کو اُن لوگوں کے لیے جو دانش ور ہیں ﴿۱۰۵﴾ (اے پیغمبر) آپ پیروی کریں اُس چیز کی جو وحی کی گئی ہے آپ کی طرف آپ کے پروردگار کی جانب سے نہیں ہے کوئی عبادت کے لائق اس کے سوا

اور آپ اعراض کریں شرک کرنے والوں سے (۱۰۶) اور اگر اللہ تعالیٰ چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے ، اور نہیں بنایا ہم نے تمہیں ان پر نگہبان اور نہیں ہیں آپ اِن پر وکیل (۱۰۷)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے شرک کے ردّ میں عقلی اور نقلی دونوں قسم کے دلائل بیان فرمائے اور ان کا ذکر آگے بھی آئے گا سابقہ کُتب کا ذکر بھی ہو چکا ہے اور اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر جو مختلف قسم کے انعامات فرمائے ہیں اُن کا ذکر بھی ہو چکا ہے کائنات کی تخلیق اور اُس کے چلانے والے نظاموں کے متعلق بیان ہو چکا ہے ۔ اللہ تعالیٰ نے یہ دلائل قدرت بیان کر کے اپنی ذات و صفات کو سمجھنے کی تعلیم دی ہے ۔

اِس سے پہلے انسان کی تخلیق ، رات دِن کے اختلاف ، چاند اور سورج کی مسافرت ، ستاروں اور سیاروں کے مربوط نظام ۔ آسمان سے بارش کے نزول اور اس کے ذریعہ سبزے ، اناج اور پھلوں کی فراوانی خاص طور پر کھجور ، انگور ، زیتون ، اور انار کا تذکرہ کر کے انسان کی توجہ اِن دلائل قدرت کی طرف دلائی گئی ہے ، کہ اِن چیزوں پر غور کرنے سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت سمجھ میں آتی ہے اور انسان ایمان قبول کرنے پر آمادہ ہو جاتے ہیں ۔ مگر افسوس ہے اُن لوگوں پر جنہوں نے ان واضح دلائل کے باوجود جنوں ، فرشتوں اور انسانوں میں سے اللہ کے شریک بنا رکھے ہیں حالانکہ نیست سے ہست کرنے والا ، ذرے ذرے کا علم رکھنے والا اور ہر چیز کی تدبیر کرنے والا وہی وحدہٗ لاشریک ہے جب یہ تمام صفات اللہ تعالیٰ میں پائی جاتی ہیں تو معبود برحق بھی وہی ہے اس کے سوا کوئی معبود نہیں ہو سکتا ۔

بصیرت کی باتیں

الغرض ! اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کے دلائل بیان کرنے کے بعد فرمایا ہے ۔ قَدْ جَآءَكُمْ بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ تحقیق تمہارے پاس

تمہارے رب کی طرف سے بصیرت کی باتیں آچکی ہیں۔ بصارت آنکھ کی روشنی کو کہتے ہیں اور بصیرت سے مراد انسان کے دِل کی روشنی، علم اور یقین ہے جب کوئی شخص دِل کی آنکھوں سے کوئی چیز پا لیتا ہے تو اُسے بصیرت حاصل ہو جاتی ہے۔ یہاں بصائر سے مراد وہی عقلی اور نقلی دلائل ہیں جو پہلے بیان ہو چکے ہیں اور مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کی ہر نشانی صاحب عقل و خرد انسان کے دل میں بصیرت پیدا کر دیتی ہے جس سے وہ سمجھ جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ واقعی وحدہٗ لاشریک ہے۔ تو فرمایا تمہارے دِل کو روشن کر دینے والی بصیرت کی باتیں تمہارے پاس آچکی ہیں فَمَنْ اَبْصَرَ جس نے اِن واضح دلائل کو دِل کی آنکھوں سے دیکھ لیا فَلِنَفْسِهٖ پس یہ اُس کی اپنی بہتری کے لیے ہے۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کو تسلیم کرے گا۔ اس کا فائدہ اُسی کی ذات کو پہنچے گا، ایسا شخص اللہ تعالیٰ کی قربت کا مستحق ہو جائے گا، اِس کا شمار مقربین کے گروہ میں ہو گا، وہ بہترین سوسائٹی کا فرد اور حظیرۃ القدس کا ممبر بن جائے گا۔ جو ایمان لا کر نیکی کا اہتمام کرے گا، اُس کا فائدہ خدا تعالیٰ کو تو نہیں پہنچے گا کیونکہ وہ تو بے نیاز ہے، البتہ اس کا فائدہ خود مومن ہی کو پہنچے گا۔

دِل کا اندھا

فرمایا وَمَنْ عَمِيَ اور جو اندھا بنا رہا۔ نہ عقلی دلیل پر غور کیا اور نہ نقلی دلیل کو سمجھا، اُس نے ہر طرف سے آنکھیں بند کر لیں یعنی جو شخص دل و دماغ کو بروئے کار ہی نہ لایا، وہ اللہ کی وحدانیت کو کیسے پا سکتا ہے۔ حقیقت میں ایسے شخص کا دِل اندھا ہو چکا ہے جو سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے عاری ہے۔ سورۃ حج میں اس کی وضاحت یوں فرمائی ہے "فَاِنَّهَا لَا تَعْمَى الْاَبْصَارُ وَلٰكِنْ تَعْمَى الْقُلُوْبُ الَّتِيْ فِي الصُّدُوْرِ" دراصل بات یہ ہے کہ یہ ظاہری آنکھیں اندھی نہیں ہوتیں بلکہ سینوں میں رکھے ہوئے دِل اندھے ہوتے ہیں۔ عام طور پر علم، ایمان اور نیکی

کے بارے میں دل اندھے ہوتے ہیں۔ جب دل ہی اندھے ہو جائیں تو بصیرت کیسے آسکتی ہے۔ بصیرت تو غور و فکر، طلب اور جذبے کے نتیجہ میں پیدا ہوتی ہے مگر جس شخص نے ان چیزوں کی طرف سے آنکھیں بند کر رکھی ہیں وہ حقیقت کو نہیں پا سکتا۔ اس کی مثال ایسے ہی ہے جیسے کوئی سورج کی روشنی میں اپنی آنکھیں بند کر کے خود اندھا بن جائے۔ ایسی صورت میں اُسے کوئی چیز نظر نہیں آئیگی اور وہ ہر بھلائی سے محروم ہو کر رہ جائے گا۔ اسی لیے فرمایا، جو شخص خود اندھا بنا رہا فَعَلَیْھَا تو اس کا وبال اُسی کی ذات پر پڑے گا۔ کسی دوسرے شخص کا کچھ نہیں جائیگا۔ ایسا شخص ایمان، نیکی اور بالآخر نجات سے محروم ہو جائیگا۔

اللہ تعالیٰ نے نیکی اور بدی کا قانون اس طرح سمجھایا ہے "لَھَا مَا کَسَبَتْ وَعَلَیْھَا مَا اکْتَسَبَتْ" (البقرۃ) اگر انسان اچھے کام کرے گا تو ان کا فائدہ اسی کو پہنچے گا اور اگر بُرے کام کریگا تو نقصان بھی خود ہی اٹھائیگا ہر بُرے کام کا وبال بُرائی کرنیوالے پر ہوگا، نہ کہ کسی دوسرے شخص پر۔ امام ابو حنیفہؒ فقہ کی یوں تعریف کرتے ہیں معرفۃ النفس ما لھا وما علیھا یعنی انسان کا نفس اپنے لیے ہر مفید اور نقصان دہ چیز کو جان لے امام صاحب نے حدیث شریف کی تعریف میں فرمایا ہے معرفۃ قول الرسول و فعلہ و تقریرہ یعنی حضور علیہ السلام کے قول، فعل اور تقریر کا نام حدیث ہے تقریر اُس عمل کو کہتے ہیں جو حضور علیہ السلام کے سامنے کیا گیا ہو مگر آپ نے اُس سے منع نہ کیا ہو۔ بہر حال سمجھدار آدمی وہ ہے جو اپنی اچھائی اور برائی سے واقف ہے۔ اسی لیے یہاں بھی فرمایا کہ جو کوئی بصیرت حاصل کرے گا۔ اُس میں اسی کا فائدہ ہوگا اور جو اندھا بن جائیگا، وہ خود اپنے نقصان کا ذمہ دار ہوگا۔

تفقہ فی الدین

حدیث شریف میں آتا ہے، حضور علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ منافق آدمی میں دو چیزیں نایاب ہوتی ہیں، ایک حسن خلق اور دوسری تفقہ فی الدین جس شخص

کے اخلاق اچھے نہیں ہیں وہ بھی منافق ہے اور جسے دین کی سمجھ نہیں، وہ بھی منافق ہے۔ اعتقادی منافق تو حضور علیہ السلام کے زمانہ میں ہی تھے۔ آپ کے زمانہ میں منافق کی پہچان وحی کے ذریعے ہو جاتی تھی مگر اب اعتقادی منافق کا علم اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ خود ظاہر نہ کرے۔

البتہ عملی منافقوں سے دنیا بھری پڑی ہے۔ ہر بد اخلاق اور دین سے بے بہرہ منافق ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد[1] ہے مَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ بِہٖ خَیْرًا یُّفَقِّهْهُ فِی الدِّیْنِ جس شخص سے اللہ تعالیٰ بھلائی کا ارادہ رکھتا ہے اس کو دین میں سمجھ عطا کرتا ہے۔ ایسے شخص کو توحید، کفر، شرک، بدعت اور معصیت کی پہچان ہوتی ہے اور وہ دین کی باتوں کو اچھی طرح سمجھنے لگتا ہے تو فرمایا جو اندھا بنا رہا اس کا وبال اسی پر پڑے گا، یہ وضاحت کرنے کے بعد فرمایا، اے پیغمبر! آپ ان سے کہ دیں وَمَآ اَنَا عَلَیْکُمْ بِحَفِیْظٍ میں تم پر کوئی نگہبان نہیں ہوں۔ مجھے اللہ نے مبلغ بنا کر بھیجا ہے اور حکم دیا ہے بَلِّغْ مَآ اُنْزِلَ اِلَیْکَ مِنْ رَّبِّکَ (المائدۃ) جو کچھ آپ کے رب کی طرف سے آپ پر نازل کیا گیا ہے، اسے آگے پہنچا دیں۔ میرا کام تو تبلیغ ہے، لوگوں سے زبردستی منوانا نہیں ہے کیونکہ میں تم پر نگران بنا کر نہیں بھیجا گیا۔

اتمام حجت

فرمایا وَكَذٰلِكَ نُصَرِّفُ الْاٰیٰتِ اسی طرح ہم اپنے دلائل پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں، کبھی عقلی دلائل دیتے ہیں، کبھی نقلی دلائل پیش کرتے ہیں۔ کبھی سابقہ اقوام کے حالات بیان کر کے اور کبھی نیک آدمیوں کے واقعات سنا کر لوگوں کے لیے ترغیب کا انتظام کرتے ہیں اور بری اقوام اور برے لوگوں کے حالات بیان کر کے ترہیب کی صورت پیدا کرتے ہیں۔ غرضیکہ ہم اپنی آیات کو مختلف طریقوں سے پھیر پھیر کر بیان کرتے ہیں۔ ہمارے یہ دلائل اس قدر قوی ہوتے ہیں وَلِیَقُوْلُوْا دَرَسْتَ کہ لوگ

[1] بخاری ص۱۶ ج۱ (فیاض)

یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ اے پیغمبر! یہ باتیں آپ نے کسی سے پڑھی ہیں۔ یہ اتنی جامع باتیں ہیں کہ کسی سے سیکھے بغیر حاصل نہیں ہو سکتیں درس کا معنی پڑھنا یا سیکھنا ہوتا ہے۔ مگر حضور علیہ السلام تو اُمّی تھے۔ آپ نے کسی سکول، کالج یا یونیورسٹی میں تو تعلیم حاصل نہیں کی تھی اور یہی آپ کی صداقت کی دلیل تھی۔ ناخواندہ ہونے کے باوجود ایسی ایسی حکمت کی باتیں اللہ کا نبی ہی کہہ سکتا ہے۔ مگر وہ لوگ کہتے تھے کہ آپ کسی دوسرے شخص سے سیکھ کر آتے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کہتے تھے کہ آپ تورات، انجیل اور دیگر پرانی کتابوں سے اخذ کر کے یہ باتیں بیان کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ تمام باتیں اللہ تعالیٰ آپ کو وحی کے ذریعے سکھاتا تھا۔ بہرحال معترضین کے ایسی باتیں کرنے سے اُن پر حجت تمام ہو گئی۔ جب انہوں نے یہ کہا کہ تم کسی سے سیکھ کر آئے ہو تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اُن کو حق کی بات پہنچ گئی اور انہوں نے انکار کر دیا۔ اب کل کو یہ تو نہیں کر سکیں گے کہ ہمیں اللہ کا سچا پیغام پہنچا ہی نہیں۔

بعض اس لفظ کو دَارَسْتَ بھی پڑھتے ہیں جس کا معنی مٹ جانا یا مٹا دینا یا محو کر دینا ہوتا ہے۔ مطلب یہ کہ یہ تو پرانی محو شدہ باتیں ہیں۔ ہم اُن کو پہلے بھی سنتے آئے ہیں۔ یہ محض قصے کہانیاں ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ معترضین کا یہ کہنا بھی اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ کے احکام ان تک پہنچ گئے اور ان پر حجت تمام ہو گئی۔ اب وہ انکار نہیں کر سکیں گے۔

بہرحال فرمایا کہ ان دلائل کو پھیر پھیر کر بیان کرنے کا ایک مقصد تو یہ ہے کہ وہ لوگ کہیں کہ آپ نے یہ چیزیں کس سے سیکھی ہیں اور دوسری بات یہ ہے وَلِنُبَيِّنَهُ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ تاکہ ہم واضح کر دیں اس کو ان لوگوں کے لیے جو جانتے ہیں۔ جو لوگ عقلی اور نقلی دلائل دیکھ کر ایمان لے آتے ہیں ہم ان کی تقویت ایمان کے لیے ان دلائل کو بار بار بیان کرتے ہیں

اتباع وحی

آگے اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر اور آپ کے متبعین کو تسلی دی ہے اور فرمایا ہے اِتَّبِعْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ اے نبی علیہ السلام! تمہارے رب کی طرف سے جو کچھ تمہاری طرف وحی کی جاتی ہے، آپ اس کی پیروی کریں۔ یہ لوگ تو اعتراض کرتے رہیں گے آپ ان کی پروا کیے بغیر حکم خداوندی کا اتباع کرتے رہیں اور اپنے عقیدے، مشن، اور عمل کو جاری رکھیں۔ اور دیکھیں آپ کی طرف جو وحی نازل کی جاتی ہے، اس میں سب سے بڑی بات یہ ہے لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اللہ تعالےٰ کے سوا کوئی معبود نہیں۔ لہذا اُس کی وحدانیت کو تسلیم کرتے ہوئے اُسی کی فرمانبرداری کریں۔ اتباع وحی میں سب سے اہم بات یہی ہے، جب کوئی اتباع وحی کو ترک کر دیتا ہے تو وہ اس کی توحید کا انکار کرتا ہے اور پھر شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ جب وحدانیت کا دامن چھوٹ جاتا ہے تو پھر کفر، بدعت اور معاصی آجاتے ہیں اور انسان دور کی گمراہی میں جا پڑتا ہے۔ فرمایا آپ ان کو اللہ کی وحدانیت کی طرف دعوت دیتے رہیں۔ اگر پھر بھی یہ شرک پہ اصرار کریں وَاَعْرِضْ عَنِ الْمُشْرِكِيْنَ تو آپ ان سے اعراض فرمائیں۔ ان کے پیچھے پڑنے کی ضرورت نہیں ہے۔ انہیں اپنے حال پہ چھوڑ کر علیحدہ ہو جائیں۔

انسان فعل میں مختار ہے

فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمام دلائل کے ذریعے حق کا راستہ واضح کر دیا ہے وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَآ اَشْرَكُوْا اور اگر اللہ چاہتا تو یہ لوگ شرک نہ کرتے چاہنے سے مراد یہ ہے "وَلَوْ شَآءَ لَهَدٰىكُمْ اَجْمَعِيْنَ" (النحل) اگر اللہ چاہتا تو تمام لوگوں کو ہدایت عطا کر دیتا مگر یہ اس کی حکمت کے خلاف ہے۔ وہ کسی کو ہدایت کا راستہ قبول کرنے پہ مجبور نہیں کرتا۔ "فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ" (کہف) جس کا جی چاہے ایمان لے آئے اور جس کا دل چاہے کفر کا راستہ اختیار کر لے اُس نے اپنی حجت تمام کر دی ہے۔ اب یہ ہر آدمی کی اپنی مرضی پہ منحصر ہے کہ

وہ کونسا راستہ اختیار کرتا ہے۔ اُس رب العلمین کا قانون تو یہ ہے ۔
"لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ" (البقرۃ) کہ دین کے معاملہ میں جبر نہیں ہے
اگر اللہ تعالیٰ سب کو زبردستی دین کی طرف لے آتا تو یہ جبری ایمان ہوتا
جو اللہ تعالیٰ کو ہرگز قبول نہیں ہے۔
پھر اللہ نے وعید بھی سُنا دی کہ اگر کفر کرو گے تو آگے تمہارے لیے
جہنم بھی تیار ہے اور اگر ایمان لاؤ گے تو کامیابی کی بشارت بھی موجود ہے
"وَاِنْ تَشْکُرُوْا یَرْضَهُ لَکُمْ" (الزمر) اگر شکر کرو گے تو
اللہ تعالیٰ تم سے راضی ہو گا "وَلَا یَرْضٰی لِعِبَادِهِ الْکُفْرَ" (الزمر)
اور کفر کرنے والوں سے اللہ تعالیٰ ہرگز راضی نہیں ہوتا۔ البتہ جس طرف کوئی
جانا چاہیئے، وہ اُسکی توفیق سلب نہیں کرتا بلکہ اُس کا فرمان ہے "نُوَلِّهٖ
مَا تَوَلّٰی" (النساء) جدھر کوئی جانا چاہتا ہے ہم اُس کو اُسی طرف پھیر دیتے
ہیں۔ تاہم برائی، کفر، شرک کا انجام بُرا ہو گا۔ اُس نے اچھا اور بُرا راستہ واضح کر کے
تمہیں آزمائش میں ڈال دیا ہے۔ اور ہر قسم کے وسائل اور دلائل دے کر تمہیں چھوڑ
دیا ہے کہ جس راستے پر جانا چاہو، چلے جاؤ۔ "وَنَبْلُوْکُمْ بِالشَّرِّ
وَالْخَیْرِ فِتْنَةً" ہم تمہیں نیکی اور بدی کے ذریعے آزماتے ہیں (الانبیاء)

نبی کی ذمہ داری

فرمایا وَمَا جَعَلْنٰکَ عَلَیْهِمْ حَفِیْظًا اے پیغمبر علیہ السلام!
ہم نے آپ کو اِن لوگوں پر نگہبان نہیں بنایا۔ وَمَآ اَنْتَ عَلَیْهِمْ بِوَکِیْلٍ
اور نہ ہی آپ اُن کے ذمہ دار ہیں۔ نہ تو آپ ان کو ایمان لانے پر مجبور کر سکتے
ہیں اور نہ ہی آپ پر کوئی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ ایمان کیوں نہیں لائے
سورۃ غاشیہ میں ہے "لَسْتَ عَلَیْهِمْ بِمُصَیْطِرٍ" آپ اُن
پر کوئی داروغہ نہیں ہیں، جو پکڑ کر ایمان کی طرف لے آئیں گے۔ "مَآ اَنْتَ
عَلَیْهِمْ بِجَبَّارٍ" (ق) آپ اُن پر زبردستی کرنے والے بھی نہیں ہیں۔ ماننا
یا نہ ماننا اُن کی اپنی صوابدید پر ہے۔ آپ کا کام صرف پہنچا دینا ہے۔ یہ حضور علیہ السلام

کو تسلی دی جارہی ہے کہ آپ اُن کی طرف سے دِل برداشتہ نہ ہوں۔ وہ اپنے بُرے انجام کے خود ذمہ دار ہیں" وَلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ الْجَحِيْمِ" آپ سے اہل دوزخ کے متعلق کوئی سوال نہیں ہوگا۔ بلکہ اُن سے پوچھا جائے گا "مَا سَلَكَكُمْ فِيْ سَقَرَ" (مدثر) کہ تم جہنم میں کس وجہ سے پہنچے۔ آپ اپنا فریضہ تبلیغ ادا کرتے ہیں۔ ایمان قبول کرنا یا نہ کرنا اِن کی اپنی ذمہ داری ہے جس کے لیے یہ خود جوابدہ ہیں۔

وَلَا تَسُبُّوا الَّذِيْنَ يَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ فَيَسُبُّوا اللّٰهَ عَدْوًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍؕ كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ۪ ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۰۸﴾ وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَاؕ قُلْ اِنَّمَا الْاٰيٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ وَمَا يُشْعِرُكُمْۙ اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۰۹﴾ وَنُقَلِّبُ اَفْـِٕدَتَهُمْ وَاَبْصَارَهُمْ كَمَا لَمْ يُؤْمِنُوْا بِهٖۤ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّنَذَرُهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ﴿۱۱۰﴾ ع ۱۳/۱۰/۱۹

ترجمہ :- اور (اے اہل ایمان !) تم برا نہ کہو ان کو جن کی یہ لوگ پرستش کرتے ہیں اللہ کے سوا۔ پس وہ برا کہنے لگیں گے اللہ تعالیٰ کو تجاوز کرتے ہوئے نادانی سے ۔ اسی طرح ہم نے مزین کیا ہے ہر امت کے لیے ان کا عمل ۔ پھر ان کا اپنے رب کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے ، پس وہ بتلا دے گا ان کو جو کچھ وہ کیا کرتے تھے (۱۰۸) اور قسمیں اٹھائیں ان لوگوں نے اللہ کے نام کی پختہ قسمیں کہ اگر آئیگی ان کے پاس کوئی نشانی تو

ضرور اس پر ایمان لائیں گے۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجیے بیشک نشانیاں اللہ کے پاس ہیں اور (اے ایمان والو) تم کو کیا معلوم کہ جب وہ نشانیاں آجائیں تو یہ لوگ ایمان ہی لے آئیں گے (۱۰۹) اور ہم پلٹتے ہیں اُن کے دلوں کو اور اُن کی آنکھوں کو اس طرح کہ جس طرح وہ نہیں ایمان لائے اس پر پہلی مرتبہ۔ اور ہم چھوڑتے ہیں اُن کو، وہ اپنی سرکشی میں بھٹک رہے ہیں (۱۱۰)

ربطِ آیات

گذشتہ دروس میں شرک کی تردید اور توحید کے اثبات میں عقلی اور نقلی دلائل پیش ہوئے۔ پھر فرمایا کہ اِن دلائل کی وجہ سے انسان میں جو بصیرت پیدا ہوتی ہے وہ تمہارے پاس پہنچ چکی ہے جو اُسے دیکھے گا تو اُسی کی بہتری ہے اور جو خود آنکھیں بند کر کے اندھا بن جائے گا۔ اُس کا وبال اُسی پر پڑے گا۔ یہ اللہ کے پیغمبر کی ذمہ داری نہیں ہے کہ کسی کو بُرائی سے زبردستی منع کرے یا کسی کے دِل میں لازماً ایمان ڈال دے البتہ اتمام حجت تمام انبیاء اور اُن کے متبعین کی ذمہ داری میں شامل ہے انہوں نے تمام دلائل بیان کر کے ہدایت کا سامان کر دیا ہے انہوں نے ہر چیز کو وضاحت کے ساتھ بیان کر دیا ہے، اب اگر کوئی شخص نہیں مانتا تو وہ بُرے نتائج کا خود ذمہ دار ہے۔ نبی اُس پر وکیل یا داروغہ نہیں کہ اُسے زبردستی منائے، فرمایا، نبی کا کام یہ ہے کہ وہ اتباع وحی کرے جس میں اہم ترین بات اللہ کی وحدانیت ہے اس کو لازم پکڑیں اور مشرکین کو زیادہ خاطر میں نہ لائیں۔ اگر اللہ تعالیٰ سب کو جبراً ہدایت دینا، تو وہ دے سکتا تھا مگر یہ اُس کی حکمت کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کو قویٰ ظاہرہ اور باطنہ عطا کیے ہیں عقل و فہم عطا کیا ہے اور پھر اُس کو اختیار دیا ہے۔ اب یہ اُس کی مرضی ہے کہ ایمان قبول کرتا ہے یا کفر کا راستہ اختیار کرتا ہے وہ جو بھی فیصلہ کرے گا، اُس کا بھگتان خود کرے گا۔ آپ کا کام صرف پہنچا دینا اور

سمجھا دینا ہے۔ یہ لوگ اگر ضد، عناد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کر رہے ہیں، کفر شرک اور بدعقیدگی میں مبتلا ہیں تو اس کی ذمہ داری آپ پر عاید نہیں ہوتی۔

اخلاقی تعلیم

فریضہ تبلیغ کی ادائیگی میں بعض اوقات بحث مباحثہ بھی کرنا پڑتا ہے اور کفار سے مناظرہ کی نوبت بھی آتی ہے مگر اللہ نے فرمایا ہے کہ غصے یا ناراضگی میں آکر کفار کے معبودوں یا مقتداؤں کو بُرا بھلا نہ کہیں، کیوں ایسے کرنے سے وہ لوگ ضد اور عناد کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہیں تمہارے معبودِ برحق کو بُرا بھلا نہ کہنے لگیں۔ فرمایا عین ممکن ہے کہ یہ لوگ جہالت اور نادانی کی وجہ سے واجب التعظیم خدا تعالیٰ کی شان میں گستاخی کرنے لگیں یا انبیائے کرام اور بزرگانِ دین کی بے ادبی کے مرتکب ہوں۔ لہٰذا آپ اُن کے معبودانِ باطلہ کے حق میں بھی بُرے الفاظ استعمال نہ کریں۔ دوسرے مقام پر جہاں تبلیغ کے اصول بیان کیے گئے ہیں وہاں بھی یہی نصیحت کی گئی ہے کہ کسی دوسرے کو بات سمجھانے کے لیے نرمی کا طریقہ اختیار کریں۔ اگر آپ سختی کریں گے تو اِن میں چڑ پیدا ہو گی اور وہ مزید دور ہو جائیں گے۔ چنانچہ سورۃ نحل میں ارشاد ہوتا ہے "اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ" آپ حکمت اور دانشمندی کے ساتھ اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دیں۔ اور اگر بحث مباحثہ اور مناظرہ بھی کرنا پڑے "وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ" تو بہتر طریقہ اختیار کریں اور اخلاق کا دامن ہاتھ سے نہ چھوڑیں اُن کے معبودانِ باطلہ کو بُرا بھلا نہ کہیں کہ اس کا کوئی خراب نتیجہ برآمد نہ ہو۔

بُرا بھلا کہنے کی ممانعت

ارشاد ہوتا ہے وَلَا تَسُبُّوا الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ اور نہ بُرا بھلا کہیں اُن کو جن کی مشرکین اللہ کے سوا پرستش کرتے ہیں۔ اَلَّذِیْنَ سے معبودانِ باطلہ مراد ہیں۔ جن کو یہ مشکل کشائی اور حاجت روائی کے لیے پکارتے ہیں۔ فرمایا اگر اِن کو بُرا بھلا کہا گیا، تو یہ لوگ چڑ جائیں گے اور ضد اور عناد کا مظاہرہ کریں گے فَیَسُبُّوا اللّٰہَ پس وہ اللہ تعالیٰ کو بُرا بھلا کہیں گے

جو کہ معبود برحق سے عَدْوًا حد سے تجاوز کرتے ہوئے بِغَیْرِ عِلْمٍ نادانی اور جہالت کی وجہ سے۔ چنانچہ مشرکین مکہ اپنی جہالت کی وجہ سے قرآن پاک، جبرائیل علیہ السلام، حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حتیٰ کہ خدا تعالیٰ کی ذات پر بھی دشنام طرازی کے مرتکب ہوتے تھے اسی لیے حکم ہوا کہ ان کے باطل خداؤں کو بھی برا بھلا نہ کہو مکی زندگی کے دوران چونکہ مشرکین کا غلبہ تھا اس لیے وہ ہر حیلے بہانے سے اہل ایمان کو تنگ کرتے تھے۔ ان کے شر سے بچاؤ کے لیے اللہ تعالیٰ نے نماز کی قرأت کے متعلق بھی فرمایا وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذَٰلِكَ سَبِيلًا" (بنی اسرائیل) آپ نہ تو اتنی بلند آواز سے تلاوت کریں کہ مشرکین کی طرف سے شر کا خطرہ ہو اور نہ اتنا آہستہ پڑھیں کہ اپنے ساتھی بھی نہ سن سکیں، فرمایا ان دونوں حالتوں میں اعتدال کی راہ اختیار کریں۔ غرضیکہ اللہ تعالیٰ نے معبودانِ باطلہ کو برا بھلا کہنے سے منع فرمایا، البتہ کفر و شرک جیسے قبیح جرم کی تردید کا فریضہ انجام دیتے رہنے کی تلقین فرمائی کہ توحید کی دعوت آپ کا فریضہ منصبی ہے۔

ترکِ مباح کی اجازت

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ معبودانِ باطلہ کو برا بھلا کہنا نہ تو فرض واجب ہے اور نہ ہی ناجائز، بلکہ مباح ہے۔ اور اگر مباح چیز کو اختیار کرنے میں بڑی قباحت پیدا ہونے کا احتمال ہو تو مباح کا ترک کر دینا بھی روا ہے مطلب یہ کہ اگر معبودانِ باطلہ کو برا بھلا کہنے سے خدا تعالیٰ یا انبیاء کی گستاخی کا پہلو نکلتا ہو تو پھر اس مباح کو ترک کر دینا چاہیے۔ البتہ فرض اور واجب کو کسی صورت میں بھی ترک نہیں کیا جا سکتا توحید کی اشاعت ہر حالت میں لازم ہے مگر اس کے لیے کوئی ایسا طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیئے جس سے کفار اپنے معبودوں کی تحقیر کا پہلو نکال سکتے ہوں۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے سببیت کا مسئلہ بھی بیان فرمایا ہے ارشاد ہے مَلْعُونٌ مَنْ سَبَّ وَالِدَيْهِ جو شخص اپنے والدین کو گالی دیتا ہے وہ ملعون ہے

صحابہ کرامؓ نے تعجب کیا حضور! ایسا شخص کون ہوگا جو اپنے ماں باپ کو گالی دے فرمایا، جب تم کسی کے والدین کو گالی دو گے تو وہ تمہارے والدین کو گالی دے گا ______ اپنے ماں باپ کو گالی دینے کا سبب تم خود بنے اور تم ہی اپنے والدین کے خلاف دشنام طرازی کا باعث بنے یہی اپنے والدین کو گالی دینا ہے۔ اسی اصول کے تحت اس مقام میں معبودانِ باطلہ کے متعلق ایسی ویسی بات کرنے سے منع کیا گیا ہے جس کے جواب میں مشرکین کی طرف سے خدائے لم یزل کی شان میں گستاخی کی جا سکتی ہے۔

سببیت ہی کے ضمن میں بیت اللہ شریف کی تعمیر کا مسئلہ بھی آتا ہے حضور علیہ السلام کے دعوئے نبوت سے پہلے مشرکین نے بیت اللہ شریف کی تعمیر ابراہیمی بنیادوں پر کرنے کی بجائے اس کا کچھ حصہ چھوڑ دیا تھا جو اب بھی حطیم کی صورت میں موجود ہے۔ حضور علیہ السلام نے ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے فرمایا[1] لولا قومك حديث عهد بكفر اگر تیری قوم نئی نئی کفر سے نہ نکلی ہوتی تو میں ضرور اسے گرا کر ابراہیمی بنیادوں پر تعمیر کرتا، مگر لوگ نئے نئے اسلام میں داخل ہوئے ہیں، ان میں بدظنی پیدا ہونے کا خطرہ ہے نیز یہ کہ میرے پاس خرچہ بھی نہیں ہے، لہٰذا میں نے بیت اللہ شریف کی تعمیرِ نو کا ارادہ ترک کر دیا ہے۔ آپ کے زمانہ مبارک کے بعد حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے اصل ابراہیمی بنیادوں پر بیت اللہ کی تعمیر کی تھی مگر مروانیوں نے اس کو قبول نہ کیا اور دوبارہ اُسے حضور علیہ السلام کے زمانہ کی تعمیر کے مطابق کر دیا۔ خانہ کعبہ کی چھت اور فرش تو تبدیل ہوتا رہا ہے۔ مگر اس کے مسقف رقبہ میں کوئی کمی بیشی نہیں ہوئی اور حطیم والا حصہ آج تک بدستور کمرے سے باہر ہے۔ بہر حال اس کے بعد علمائے کرام نے بھی یہی فتویٰ دیا کہ خانہ کعبہ کی تعمیر میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے۔ یہ فتویٰ اس

[1] بخاری صـ ۲۱۵ ج ۱ (فیاض)

سبب سے تھا کہ اگر ایک دفعہ اس کی تعمیر نو کی اجازت دے دی گئی تو پھر خلفاء اور سلاطین اس کو کھیل بنالیں گے اور تعمیر آئے دن تبدیل ہوتی رہے گی چنانچہ خانہ کعبہ کی موجودہ تعمیر انہی پتھروں اور انہی جگہ پر ہوتی رہی ہے۔

اپنے عمل کی پسندیدگی

آگے اللہ تعالیٰ نے ایک عام طبعی رجحان کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ ہر شخص، قوم اور فرقہ اپنے اعمال کو ہی بہترین سمجھتا ہے قطع نظر اس کے کہ اس میں واقعی کوئی خوبی ہے یا وہ سراسر باطل ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

كَذٰلِكَ زَيَّنَّا لِكُلِّ اُمَّةٍ عَمَلَهُمْ اسی طرح ہم نے ہر امت کے لیے اس کا عمل مزین کر دیا ہے۔ ہر قوم اپنے اعتقادات اور رسم و رواج کو ہی بہتر سمجھتی ہے۔ مشرکین کے نزدیک شرک بھی ایک بہت اچھا کام ہے۔ بدعتی بدعت کے کام پر نازاں ہے۔ کافر اپنے معبودانِ باطلہ کی پوجا کر کے خوش ہے غرضیکہ ہر امت کا یہ دستور چلا آرہا ہے کہ وہ اپنے اپنے اعمال کو اچھا خیال کر کے اس پر عمل پیرا رہتے ہیں۔ پہلے اس سورۃ میں بھی گزر چکا ہے "وَزَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" ظاہر اسباب کے سلسلے میں شیطان نے ان کے اعمال کو بڑا مزین کر کے دکھلایا ہے۔ کوئی جوا کھیلتا ہے، لہو و لعب میں مصروف ہے، شراب نوشی کرتا، بدعات پر عمل پیرا ہے، قبروں پر گنبد بناتا ہے۔ چادریں چڑھاتا ہے شیطان کہتا ہے تم بالکل ٹھیک کر رہے ہو، ایسے ہی کرتے جاؤ۔ ہر فرقہ اپنے قبیح اعمال کو بھی نہایت اچھے اعمال سمجھ کر انجام دے رہا ہے اور نہیں سمجھتا کہ شیطان نے اس کے اعمال پر ڈاکہ ڈال رکھا ہے شرک کی جتنی اقسام ہیں، سب نیکی اور کارِ ثواب سمجھ کر انجام دی جاتی ہیں فرمایا دنیا میں اسی طرح ہوتا رہے گا۔ "وَلَا يَزَالُوْنَ مُخْتَلِفِيْنَ" اختلاف مٹنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی، یہ اسی طرح چلتے رہیں گے۔ سورۃ حج میں فرمایا اَللّٰهُ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا

كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ" قیامت کے دن اللہ تعالیٰ قطعی فیصلہ کر دے گا اُس چیز میں جس میں یہ اختلاف کرتے ہیں۔ البتہ اتنی بات ضرور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے دینِ حق اور اس کے دلائل کو بالکل واضح کر دیا ہے جو شخص منصف مزاج ہو گا، وہ ذرا سا بھی غور کریگا تو حقیقت کو پا لے گا۔ سورۃ بقرہ میں موجود ہے "قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ" نیکی اور بدی میں امتیاز ہو چکا ہے، لہٰذا کسی کو اشتباہ باقی نہیں رہنا چاہیے حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم سے فرمایا تھا۔

خوب اچھی طرح سن لو، اب کوئی بات مخفی نہیں رہنی چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ نے خود حضور علیہ السلام کی زبان مبارک سے کہلوایا "عَلٰى بَصِيْرَةٍ اَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِيْ" (سورۃ یوسف) میں بھی بصیرت پر ہوں اور میرے پیروکار بھی بصیرت پر ہیں۔ اب کوئی شک و شبہ باقی نہیں رہا۔ ہمیں یقین ہے کہ ہمارا عقیدہ، عمل اور طور طریقہ بالکل برحق ہے۔ ہم اندھیرے میں نہیں بلکہ بصیرت پر ہیں تاہم ہر مذہب اور فرقہ یہی دعوےٰ کرتا ہے کہ وہ حق پر ہے خواہ وہ کفر و شرک پر ہو یا بدعات کا پیروکار۔ ہر امت کے ذہن میں ان کے اعمال مزین ہوتے ہیں۔

پھر کیا ہو گا، فرمایا "ثُمَّ اِلٰى رَبِّهِمْ مَّرْجِعُهُمْ" سب کو اپنے رب کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے اُسی کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے "فَيُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" پس وہ جتلا دے گا وہ باتیں، جو وہ کیا کرتے تھے۔ سب لوگوں کے اعمال اُن کے سامنے رکھ دیے جائیں گے۔ اور کہا جائے گا یہ ہیں تمہارے اعمال جنہیں ہم نے گن کر رکھا ہوا ہے۔ اب اِن کا بھگتان کرو۔ تو جسطرح انسان کی پیدائش اور اس کا اپنا وجود قطعی ہے اسی طرح جزائے عمل بھی لازم ہے۔ اس امتحان سے ہر ایک کو گزرنا ہو گا، کوئی بچ نہیں سکے گا۔

معجزات کی فرمائش

آگے مشرکین کے مطالبے کا ذکر فرمایا کہ وہ اپنی مرضی کی نشانی دیکھنا چاہتے ہیں اور اس سلسلے میں وَاَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اللہ کے نام کی بڑی پختہ قسمیں اٹھا کر کہتے ہیں۔ لَئِنْ جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا اگر ان کے پاس کوئی نشانی آجائے تو وہ ضرور ایمان لے آئیں گے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کی خواہش کے مطابق معجزہ پیش کیا جائے۔ کہتے تھے۔ جس طرح موسیٰ علیہ السلام نے عصا کا معجزہ پیش کیا، عیسیٰ علیہ السلام نے مردوں کو زندہ کر دکھایا اور صالح علیہ السلام نے پتھر سے اونٹنی نکالی، اگر اسی طرح کی کوئی نشانی ظاہر ہو، تو ایمان قبول کر لیں گے۔ مومن لوگ بھی چاہتے تھے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مرضی کا کوئی معجزہ ظاہر فرما دے۔ تو شاید یہ لوگ اسلام میں داخل ہو جائیں اور ہر روز کا جھگڑا ہی ختم ہو جائے۔ مشرکین کا مطالبہ تھا کہ صفا پہاڑی کو سونے کا بنا دیا جائے۔ ان کا ایک مطالبہ یہ بھی تھا کہ مکے کی سرزمین کو ہموار کر دیا جائے، یہاں پر نہریں جاری ہوں اور کھیتی باڑی ہونے لگے۔ مسند احمد کی حدیث میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام نے بعض مطالبات کی منظوری کے لیے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں درخواست بھی پیش کی۔ تو مالک الملک نے جواباً فرمایا کہ آپ چاہیں تو صفا پہاڑی کو سونے کا بنا دیا جائے گا، تاہم اگر انہوں نے پھر بھی انکار کیا تو پھر میں فوری طور پر سخت سے سخت سزا دوں گا۔ اللہ نے یہ بھی فرمایا کہ اگر آپ پسند کریں تو ان کی فرمائش پوری کرنے کی بجائے ان پر توبہ کا دروازہ کھلا رکھتا ہوں تاکہ کبھی نہ کبھی ایمان لے آئیں اس پر حضور علیہ السلام نے عرض کیا، مولا کریم! مجھے یہ بات پسند ہے کہ ان کی منہ مانگی فرمائش پورا کرنے کی بجائے ان پر توبہ کا دروازہ کھلا رکھ۔ سورۃ مائدہ میں بھی اس قسم کا تذکرہ آپ پڑھ چکے ہیں۔ نزول مائدہ کی فرمائش پر اللہ نے فرمایا کہ میں یہ فرمائش پوری کرتا ہوں اور اگر یہ پھر بھی ایمان نہ لائے فَاِنِّیْٓ اُعَذِّبُهٗ عَذَابًا لَّآ

اُعَذِّبُهٗٓ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ" تو ایسی سزا دونگا کہ دنیا میں کسی کو ایسی سزا نہ ملی ہو۔ چنانچہ مائدہ نازل کرنے کے بعد بھی جن لوگوں نے نافرمانی کی، انہیں اللہ تعالےٰ نے فوری سزا میں مبتلا کیا، اُن کی شکلیں مسخ کر دی گئیں اور پھر وہ ہلاک کر دیے گیے۔

ایمان کی قبولیت

فرمایا یہ لوگ پختہ قسمیں اُٹھا کر کہتے ہیں کہ معجزات پا کر فوراً ایمان لے آئیں گے۔ قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے اِنَّمَا الْاٰیٰتُ عِنْدَ اللّٰهِ بیشک نشانی کا ظاہر کرنا تو اللہ تعالیٰ کی مشیت پر موقوف ہے۔ اُس نے اس سے پیشتر سینکڑوں معجزات ظاہر کیے ہیں مگر فرمائشیں پوری نہیں کیں کیونکہ اللہ تعالیٰ اس بات کا پابند نہیں ہے کہ ہر خواہش مند کی خواہش کے مطابق نشانی ظاہر کر دے۔ البتہ وہ اپنی حکمت کے مطابق جب ضرورت ہوتی ہے کوئی نہ کوئی معجزہ ظاہر کر دیتا ہے مگر وَمَا يُشْعِرُكُمْ تم حقیقت حال سے واقف نہیں ہو۔ تم سمجھتے ہو کہ نشانی دیکھ کر فوراً ایمان قبول کرلیں گے ایسا نہیں ہے، اللہ ان کے باطنی حالات کو خوب جانتا ہے تمہیں کیا معلوم ہے اَنَّهَآ اِذَا جَآءَتْ لَا يُؤْمِنُوْنَ کہ جب وہ نشانیاں آجائیں تو یہ لوگ ایمان ہی لے آئیں گے۔ اگرچہ یہاں پر الفاظ لَا يُؤْمِنُوْنَ ہے مگر مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ لا زائد ہے اور اس کو لا صلہ کہتے ہیں۔ اس لیے اس کا یہ معنی کرتے ہیں کہ تمہیں کیا معلوم کہ نشانی دیکھ کر وہ ضرور ایمان لے آئیں گے اس کی مثال اس طرح ہے "وَحَرٰمٌ عَلٰى قَرْيَةٍ اَهْلَكْنٰهَآ اَنَّهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ" (انبیاء) جس بستی کو ہم نے ہلاک کیا، حرام ہے کہ وہ لوٹ کر آئیں۔ یہاں بھی لا زائد ہے۔

بعض فرماتے ہیں کہ یہاں پر اَنَّ کا لفظ لَعَلَّ کے معنی میں آیا ہے۔ عربی زبان میں ایسا بھی ہوتا ہے۔ اگر اَنَّهَا کے یہ معنی لیے جائیں تو مفہوم ہوگا تم کو کیا معلوم شاید یہ لوگ نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہ لائیں۔ عدی بن زید مشہور عربی شاعر ہوا ہے۔ نعمان شاہِ عراق اُس کا بہنوئی تھا۔ کسی وجہ سے

اُس سے ناراض ہو کر عدی کو جیل میں ڈال دیا۔ زمانہ جاہلیت میں اُس نے کہا تھا۔

اعاذل ما یدریک ان منیتی ؎

فی ساعۃِ الیوم او فی ضحی الغد

تمہیں کیا معلوم شاید کہ میری موت آج کے دن ——— واقع ہو جائے یا کل دوپہر سے پہلے مقصد یہ ہے کہ یہاں بھی اَنّ شاید کے معنوں میں استعمال ہوا ہے اور عربی زبان میں یہ معانی بھی ہوتے ہیں۔

بہر حال اس آیت میں اہل ایمان کو تسلی دی گئی ہے۔ تم یہ نہ خیال کرو کہ نشانیاں دیکھ کر یہ ایمان لے آئیں گے۔ حقیقت یہ ہے وَنُقَلِّبُ اَفۡئِدَتَھُمۡ وَاَبۡصَارَھُمۡ ہم ان کے دلوں اور آنکھوں کو پلٹیاں دیتے ہیں۔ جب کوئی شخص ضد اور ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے دل اور آنکھوں کو اس طرح پلٹ دیتا ہے کہ وہ نہ تو صحیح بات سمجھ سکتا ہے اور نہ آنکھوں سے دیکھ سکتا ہے۔ اور اگر دیکھتا بھی ہے تو نظر انداز کر دیتا ہے۔ دِل کے پلٹ دینے کے متعلق حضور علیہ السلام نے یہ دُعا بھی سکھلائی ہے[1] یَامُقَلِّبَ الۡقُلُوۡبِ ثَبِّتۡ قَلۡبِیۡ عَلٰی دِیۡنِکَ اے دلوں کے پلٹنے والے، میرے دِل کو اپنے دین کی طرف پلٹ دیں قرآن پاک میں دوسری جگہ موجود ہے کہ برائی کرنے کے بعد مطمئن ہو کر نہ بیٹھ جاؤ۔ ہو سکتا ہے کہ خدا تعالیٰ دِل ہی پلٹ دے "وَاعۡلَمُوۡٓا اَنَّ اللّٰہَ یَحُوۡلُ بَیۡنَ الۡمَرۡءِ وَقَلۡبِہٖ" (انفال) بیشک اللہ تعالیٰ انسان اور اس کے دل کے درمیان رکاوٹ ڈال دیتا ہے۔ پھر دِل نیکی کی طرف جا ہی نہیں سکتا۔ ہر وقت محتاط رہنا چاہیے کہ کہیں اللہ تعالیٰ دِل کو ایسا پلٹ دے کہ وہ نیکی کی طرف آ ہی نہ سکے اور ظاہر ہے کہ جو ہٹ دھرمی کرے گا، اللہ تعالیٰ اُس کے دِل کو پلٹ دیگا۔ اسی لیے فرمایا کہ جو لوگ نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لاتے ہم اُن کے دلوں کو اور آنکھوں کو پلٹ دیتے ہیں جس کی وجہ سے وہ نیکی سے اس طور محروم ہو جاتے ہیں۔ کَمَا لَمۡ

[1] ترمذی ص ۵۰۰ (فیاض)

يُؤْمِنُوا بِهِ أَوَّلَ مَرَّةٍ جیسا کہ وہ پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے تھے جس طرح ابتداء میں انہوں نے اسلام قبول نہ کیا، اب نشانیاں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ اِن کو چاہیئے تھا کہ جب پہلی دفعہ قرآن پیش کیا گیا تھا تو فوراً ایمان لے آتے، مگر انہوں نے ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کیا جس کی وجہ سے ہم نے ان کے دلوں کو پلٹ دیا ہے اور اب یہ ہر بار انکار ہی کرتے رہیں گے۔ اسی چیز کے متعلق سورۃ بقرہ کی ابتداء میں آچکا ہے "خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ" اللہ تعالیٰ نے اِن کے دلوں پر ٹھپے لگا دیے ہیں۔ سورۃ مطففین میں ہے "كَلَّا بَلْ سكتہ رَانَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ" اِن کے دلوں پر زنگ چڑھ گیا ہے۔ کہیں فرمایا "بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ" (نساء) اُن کے کفر کی وجہ سے اللہ نے اُن کے دلوں پر مہر لگا دی ہے۔ اب یہ راہِ راست پر نہیں آسکتے۔ اُن کا ٹھکانا اب جہنم ہے کیونکہ یہ پہلی دفعہ ایمان نہیں لائے۔ اِن سے نشانیاں دیکھ کر ایمان لانے کی اُمید نہ رکھیں۔ وَنَذَرُهُمْ اور ہم ان کو چھوڑتے ہیں فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ یہ اپنی سرکشی میں ہی بھٹکتے رہے ہیں۔ اللہ نے فرمایا ہم نے منکرین کو اسی حالت میں چھوڑ دیا ہے یہ بھٹکتے رہیں گے۔ اے پیغمبر! آپ اپنا فریضہ ادا کرتے رہیں۔ اِن کو تبلیغ کرتے رہیں، اِن سے ہمدردی اور خیر خواہی کا سلوک کریں مگر اِن کی طرف سے مسلسل انکار سے دِل برداشتہ نہ ہوں، اللہ تعالیٰ خود اِن سے نپٹ لیگا۔

وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِيُؤْمِنُوْٓا اِلَّآ اَنْ يَّشَآءَ اللّٰهُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ يُوْحِيْ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ؕ وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۱۲﴾ وَلِتَصْغٰٓى اِلَيْهِ اَفْـِٕدَةُ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ وَلِيَرْضَوْهُ وَلِيَقْتَرِفُوْا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُوْنَ ﴿۱۱۳﴾

ترجمہ:- اور اگر نازل کریں ہم اُن کی طرف فرشتوں کو اور کلام کریں اُن سے مرنے والے، اور زندہ کر کے دکھائیں ہم ہر چیز کو اُن کے سامنے، نہیں ایمان لائیں گے یہ لوگ مگر یہ کہ اللہ چاہے، لیکن اکثر ان میں سے جاہل ہیں ﴿۱۱۱﴾ اور اسی طرح ہم نے بنایا ہے ہر نبی کے لیے دشمن شیاطین انسانوں اور جنوں میں وہ سکھاتے ہیں بعض بعض کو ملمع کی ہوئی بات اور فریب دینے والی بات اور اگر چاہے تیرا پروردگار نہ کریں یہ اس بات کو۔ پس

چھوڑ دیں اِن کو اور اِن باتوں کو جن کو یہ افتراء کرتے ہیں (۱۱۲) اور تاکہ مائل ہوں اُس کی طرف اُن لوگوں کے دِل جو نہیں ایمان رکھتے آخرت پر تاکہ اُس کو پسند کریں اور تاکہ وہ کمائیں جو کچھ وہ کمانے والے ہیں (۱۱۳)

ربطِ آیات

یہ آیات بھی گذشتہ آیات کے ساتھ مربوط ہیں گذشتہ درس میں اللہ تعالےٰ نے فرمایا کہ مشرکین پختہ قسمیں کھا کر کہتے ہیں کہ اگر ہماری مرضی کے مطابق کوئی نشانی آجائے تو ہم مان جائیں گے اور تصدیق کر دیں گے پہلے تو اللہ نے اس کا ردّ فرمایا کہ آپ کہہ دیں کہ نشانیاں لانا میرے بس کی بات نہیں، یہ تو اللہ کے اختیار میں ہے پھر اہل ایمان سے خطاب کیا کہ تمہیں کیا معلوم کہ نشانی آجانے پر یہ ضرور ہی ایمان لے آئیں گے۔ فرمایا جس طرح یہ پہلی دفعہ کلمۂ حق سن کر ایمان نہیں لائے، اسی طرح آئندہ بھی ان سے ایمان لانے کی توقع نہ رکھیں۔ اللہ تعالیٰ دلوں کو پلٹتا ہے، سرکشی کرنے والوں کو مہلت دیتا ہے مگر وہ اسی میں بھٹکتے رہتے ہیں ان لوگوں میں شقاوتِ قلبی آچکی ہے، یہ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔

نزولِ ملائکہ کا مطالبہ

مشرکین کا ایک اعتراض یہ بھی تھا کہ اگر آپ اللہ کے سچے نبی ہیں تو پھر لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ مَلَكٌ آپ پر فرشتے کیوں نہیں اترتے۔ ہمارے سامنے آسمان سے فرشتے نازل ہوں وہ اپنے ساتھ کتاب لائیں اور تصدیق کریں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں۔ تو پھر ہم آپ پر ایمان لے آئیں گے۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَلَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَآ اِلَيْهِمُ الْمَلٰٓئِكَةَ اگر ہم ان پر فرشتے بھی نازل کر دیں تو پھر بھی یہ لوگ ایمان نہیں لائیں گے۔ اِس سورۃ کی ابتداء میں بھی گزر چکا ہے کہ ان کے سامنے فرشتوں کا نزول ممکن نہیں ہے۔ وجہ یہ ہے کہ اگر فرشتے اصل شکل میں نازل ہوں تو ان کے لیے قابلِ برداشت نہیں ہوگا، اور یہ ہلاک ہو جائیں گے۔ اس جہان میں انسان کے لیے فرشتوں کا دیکھنا ممکن نہیں،

البتہ اگلے جہان میں پہنچ کر ایسا ہو سکے گا، اللہ نے پردہ ڈال رکھا ہے۔ اور فرشتوں پر ایمان بالغیب رکھنا ہی ضروری ہے۔ اور اگر فرشتے انسانی شکل میں نازل ہوں تو یہ لوگ اُن کو فرشتے ماننے کے لیے تیار نہیں ہوں گے اس کے بجائے "لَلَبَسْنَا عَلَیْهِم مَّا یَلْبِسُونَ" یہ اشتباہ میں ہی پڑے رہیں گے، لہٰذا ان کی فرمائش کے مطابق اگر ہم فرشتے بھی نازل کر دیں، تب بھی یہ ایمان نہیں لائیں گے۔

مُردوں سے ہمکلامی

اللہ نے فرمایا کہ مشرکین، ضد اور عناد میں اس قدر بڑھ چکے ہیں کہ اگر ہم ان پر فرشتے نازل کر دیں وَكَلَّمَهُمُ الْمَوْتَىٰ اور مردے اِن سے ہمکلام ہوں۔ مشرکین کہتے تھے کہ اگر تم اس بات میں سچے ہو کہ ہم مرنے کے بعد پھر زندہ ہو جائیں گے "فَأْتُوا بِآبَائِنَا إِن كُنتُمْ صَادِقِينَ" (الدخان) تو پھر ہمارے آباؤ اجداد کو اٹھا لاؤ، ہم بھی دیکھ لیں کہ ایسا ممکن ہے۔ اس اعتراض کے جواب میں اللہ نے یہاں فرمایا ہے کہ اگر اِن کے مردے زندہ ہو کر اِن سے ہم کلام بھی ہو جائیں تو یہ لوگ اتنے عنادی ہیں کہ پھر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ فرمایا مُردوں کے علاوہ وَحَشَرْنَا عَلَيْهِمْ كُلَّ شَيْءٍ قُبُلًا ہم ہر چیز اِن کے سامنے لاکر اکھٹی کر دیں، تو یہ پھر بھی تسلیم نہیں کریں گے۔ قُبُلًا کا معنی سامنے ہوتا ہے۔ قُبُلًا قبیل کی جمع بھی ہے یعنی فوج در فوج۔ اور یہ معنی بھی ہو سکتا ہے کہ اگر ہم مختلف اشیاء کو گروہ در گروہ بھی لاکر کھڑا کر دیں پھر بھی یہ اپنی ہٹ دھرمی پر قائم رہیں گے۔ اور مَا كَانُوا لِيُؤْمِنُوا اور اللہ کی وحدانیت، آپ کی رسالت اور کتاب الٰہی پر ایمان لانے کے لیے تیار نہیں ہوں گے۔

فرمایا ایک صورت میں یہ لوگ ایمان لا سکتے ہیں إِلَّا أَن يَشَاءَ اللَّهُ اگر اللہ چاہے تو ایسا ہو سکتا ہے کیونکہ وہ تو قادرِ مطلق ہے۔ وہ کسی کو ایمان لانے پر مجبور بھی کر سکتا ہے، اُسکی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں مگر یہ بات اسکی

حکمت کے خلاف ہے۔ گذشتہ رکوع میں گزر چکا ہے "وَلَوْ شَآءَ اللّٰہُ مَآ اَشْرَکُوْا" اگر اللہ چاہتا تو یہ شرک نہ کرتے مگر ایسا نہیں ہے۔ ایمان اُس کا مقبول ہے جو خود اپنی مرضی سے قبول کرے۔ اور ساتھ ہی اپنے نبی سے فرمایا۔ آپ اُن کی ضد کی وجہ سے دل برداشتہ نہ ہوں "وَمَا جَعَلْنٰكَ عَلَيْهِمْ حَفِيْظًا" ہم نے آپ کو اُن پر کوئی نگہبان تو نہیں بنایا۔ آپ بالکل فکرمند نہ ہوں۔ اگر ایمان قبول کرتے ہیں تو ٹھیک ہے، ورنہ ہم خود ان سے نپٹ لیں گے۔ یہاں بھی فرمایا، کہ اگر اللہ چاہے تو وہ ایمان قبول کر لیں مگر حقیقت یہ ہے وَلٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ يَجْهَلُوْنَ ان میں سے اکثر لوگ نادان اور بے سمجھ ہیں۔ حق بات انکی سمجھ میں نہیں آتی اور یہ تعصب اور عناد کی وجہ سے مخالفت پر تلے بیٹھے ہیں۔ بہر حال یہاں پر ایمان کے ضمن میں توحید اور رسالت دونوں چیزیں آگئی ہیں۔ کیونکہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لائے گا وہ رسالت کو بھی تسلیم کرے گا۔ بلکہ توحید کی دعوت اُسے رسُول کی معرفت ہی ملیگی۔ لہٰذا جب تک دونوں چیزوں پر ایمان نہیں لائیگا، اس کا ایمان مکمل نہیں ہوگا۔

یہاں پر یہ اشارہ موجود ہے۔

دشمنانِ انبیاء

اب آگے رسالت کی بات ہو رہی ہے۔ فرمایا وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَدُوًّا اور اسی طرح ہم نے ہر نبی کے دشمن بنائے۔ شاید ہی اللہ کا کوئی نبی ہو گا جس کا کوئی دشمن نہ ہو۔ اس میں حضور علیہ السلام کے لیے تسلی کا پہلو ہے کہ ہر نبی کے ساتھ عناد رکھنے والے لوگ ہمیشہ موجود رہے ہیں لہٰذا آپ کے ساتھ دشمنی کوئی انوکھی بات نہیں ہے۔ نزول وحی کے پہلے دِن ہی حضور علیہ السلام کے ساتھ ایسا واقعہ پیش آیا۔ جب آپ غارِ حرا سے لرزتے کانپتے گھر پہنچے اور پھر کچھ دیر بعد آپ کو افاقہ ہوا، تو ام المؤمنین حضرت خدیجہؓ آپ کو اپنے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے گئیں۔ اس سے گفتگو ہوئی تو وہ کہنے لگا، کاش اُس وقت میں زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو اس شہر سے نکال دے گی۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو تعجب ہوا کہ میری کسی کے ساتھ عداوت نہیں، میں کسی پر زیادتی نہیں کرتا، پھر یہ لوگ مجھے کیوں نکال دیں گے، ورقہ نے کہا۔ یہ سلسلہ ایسے ہی چلتا رہا ہے۔ وہ پہلی کتابوں کا عالم تھا، کہنے لگا جس نے بھی ایسی چیز پیش کی جو تم کر رہے ہو، تو اس کے ساتھ دشمنی ہی کی گئی افسوس کہ ورقہ کو مہلت نہ ملی اور وہ تین دن بعد فوت ہو گیا۔ حضرت خدیجہؓ نے حضور علیہ السلام سے دریافت کیا کہ ورقہ کا کیا حال ہے۔ اگرچہ اُسے مکمل ایمان لانے کا موقع تو نہ ملا مگر وہ آپ کی تصدیق تو کر گیا تھا۔ حضور علیہ السلام نے فرمایا، میں نے ورقہ کو خواب میں سفید لباس میں دیکھا ہے جس سے میں اس کے بارے میں اچھی توقع رکھتا ہوں۔ بہرحال ہر نبی کے ساتھ اس کے دشمن بھی پیدا ہوتے رہے ہیں اور اسی طرح نبی آخر الزمان کو بڑے ذلیل قسم کے دشمنوں سے واسطہ پڑا۔ آگے اللہ نے دشمنوں کی تفصیل بھی بیان کی ہے کہ وہ کون ہیں؟

انسان اور جن شیاطین

شَيٰطِيْنَ الْاِنْسِ وَالْجِنِّ وہ شیاطین ہیں جو انسانوں میں سے بھی ہیں اور جنوں میں سے بھی ہیں۔ جنات میں سے تو ظاہر ہے کہ ابلیس اور اس کی ذریت ہر اہل ایمان کی صریح دشمن ہے۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ موجود ہے اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ کہ وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔ سورۃ کہف میں فرمایا اَفَتَتَّخِذُوْنَهٗ وَ ذُرِّيَّتَهٗۤ اَوْلِيَآءَ مِنْ دُوْنِيْ کیا تم شیطان اور اس کی ذرّیت کو میرے سوا دوست بناتے ہو؟ اس کے کہنے پر چلتے ہو؟ حالانکہ وہ تمہارا ازلی دشمن ہے۔ اس نے تمہیں بہکانے کی قسم کھا رکھی ہے وہ انسان کے آخری دم تک کوشش کرتا ہے کہ وہ ایمان سے خالی ہو جائے۔ وہ چاہتا ہے کہ سب لوگ اس کے پیچھے لگ جائیں اور وہ سب کو اپنے ساتھ جہنم میں لے جائے اِنَّمَا يَدْعُوْا حِزْبَهٗ لِيَكُوْنُوْا مِنْ اَصْحٰبِ السَّعِيْرِ (فاطر) وہ تو اپنی پارٹی بڑھانا چاہتا ہے۔ دعوت دیتا ہے کہ آؤ! میرے

ساتھ لگ جاؤں تاکہ سب کو اپنے ساتھ دوزخ میں لے جاؤں۔ غرضیکہ شیطان تو انسان کا ہر صورت میں دشمن ہے۔ البتہ بعض انسانوں میں سے بھی شیطان کے ایجنٹ ہوتے ہیں۔ خود بھی شیطانی کام انجام دیتے ہیں اور دوسروں کو بھی ترغیب دیتے ہیں۔ شیطان کا مقصد لڑائی جھگڑا اور دنگا فساد کرانا ہوتا ہے۔ جو انسان یہ کام کرتے ہیں۔ بلاشبہ وہ بھی شیطان ہیں جو ہر نبی کے ساتھ بھی دشمنی کرتے رہے ہیں۔ کسی انسان کی بدبختی کی سب سے بڑی نشانی یہ ہے کہ وہ اللہ کے نبیوں کا دشمن ہو۔ اللہ کے نبی تو توحید اور ہدایت کا راستہ بتاتے ہیں، اللہ کی مرضیات پر چلتے ہیں اور دوسرے انسانوں کو بھی اسی راستے پر چلانا چاہتے ہیں مگر شیطان اسی وجہ سے ان کا دشمن ہے۔ ایک حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا، سب سے سخت عذاب اس شخص کے لیے ہے۔ جو اللہ کے نبی کو قتل کرے یا اللہ کا نبی اسے قتل کرے۔ ظاہر ہے کہ نبی کا قاتل نہایت ہی شقی آدمی ہوگا۔ لہٰذا اس سے بڑا بدبخت کون ہو سکتا ہے۔ اسی طرح جس شخص کو نبی جیسا سراپا رحمت قتل کر دے وہ بھی بڑا ہی بدباطن ہوگا۔

جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو زمین پر اتارا تو فرمایا جاؤ "بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ" (البقرہ) تم ایک دوسرے کے دشمن ہو گے، تمہاری اولاد میں سے بھائی بھائی کا دشمن ہوگا۔ باپ اور بیٹے میں دشمنی ہوگی۔ قوم اور برادری ایک دوسرے کے خلاف برسرِپیکار ہوگی۔ پارٹیوں اور فرقوں میں دشمنی ہوگی۔ اولاد آدم میں ایک دوسرے کے خلاف عام دشمنی ہوگی مگر سب سے بڑی بدبختی یہ ہے کہ اللہ کے نبیوں کے ساتھ عداوت رکھی جائے۔

فرمایا ہر نبی کے دشمن ہوئے ہیں اور اسی طرح آپ کے بھی ہیں، یہ انسان اور جن شیاطین يُوحِي بَعْضُهُمْ إِلَىٰ بَعْضٍ ایک دوسرے کی طرف وحی کرتے ہیں۔ یعنی منصوبہ بندی کرتے ہیں اور پھر لوگوں کے دلوں میں وسوسے پیدا کرتے ہیں۔ حضرت مالک بن دینارؒ فرماتے ہیں

کہ شیطان چونکہ انسانوں اور جنوں دونوں انواع سے ہیں اس لیے میں ہمیشہ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰہِ پڑھتا ہوں یا تعوذ کرتا ہوں تو جنات کی نوع کے شیطان تو بھاگ جاتے ہیں مگر انسانی شیطان ہمیشہ ساتھ رہتے ہیں اور ہمیشہ آدمی کو گناہ کی طرف مائل کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ اور پھر یہ ہے کہ انسانی شیطان جناتی شیطانوں سے زیادہ خطرناک ہوتے ہیں جناتی شیطان تو نظروں سے اوجھل رہتے ہیں مگر انسانی شیطان ظاہراً شیطانی کام کرتے رہتے ہیں حتیٰ کہ آدمی کو معاصی میں مبتلا کر دیتے ہیں۔ یُوْحِیْ کا لفظی معنیٰ اشارہ کرنا ہے اور اس کا دوسرا معنیٰ تیزی سے بات کرنا بھی آتا ہے۔ چنانچہ وحی الٰہی میں مخفی اشارہ ہوتا ہے جو اللہ کی جانب سے فرشتے کے ذریعے پیغمبر کے قلب پر نازل ہوتا ہے۔ یہاں پر وحی سے مراد القا کرنا ہے جو ایک دوسرے پر وسوسے وغیرہ ڈالتے ہیں اور لوگوں کو برائی کی طرف مائل کرتے ہیں۔

ملمع شدہ باتیں

فرمایا شیطان ایک دوسرے کی طرف وحی کرتے ہیں زُخْرُفَ الْقَوْلِ ملمع کی ہوئی بات۔ زُخْرُف اس چیز کو کہتے ہیں جس کا ظاہر اچھا ہو اور باطن خراب ہو۔ اس کی مثال حضرت علیؑ علیہ السلام کا قول ہے۔ جسے شیخ ابوطالب مکیؒ نے اپنی کتاب قوت القلوب میں بیان کیا ہے۔ فرماتے ہیں، علمائے سوء کی مثال گندی نالی کی سی ہے جس میں بظاہر تو سیمنٹ لگا ہوتا ہے مگر اس کے اندر گندگی ہوتی ہے۔ تو یہ شیطان بھی انسانوں کے دلوں میں ایسی بات ڈالتے ہیں جو بظاہر تو بڑی خوبصورت ہوتی ہے مگر اس کے نتائج ہمیشہ خراب نکلتے ہیں ایک تو ملمع والی بات ڈالتے ہیں اور دوسری غُرُوْرًا دھوکے والی بات کرتے ہیں۔ یہ شیطان انسانوں کے دلوں میں بھی وسوسے ڈالتے ہیں اور خود ایک دوسرے کو بُرا خیال کرتے ہیں۔ ایسی بنا سنوار کر بات کرتے ہیں جو دین، اخلاق اور حق کے خلاف ہوتی ہے اور لوگ اس سے دھوکا کھا جاتے ہیں۔

اسلام دشمن طاقتوں کا اسلام کے ساتھ رویہ بھی ایسا ہی ہے۔ وہ بظاہر تو

بڑی ہمدردی اور خیر خواہی کا اظہار کرتے ہیں مگر درپردہ ان کے عزائم نہایت مکروہ ہوتے ہیں جن کے ذریعے وہ اسلام اور اہلِ اسلام کو نقصان پہنچاتے رہتے ہیں۔ روس، امریکہ اور یورپین قومیں بظاہر دوستی کا دم بھرتی ہیں اور امداد کی پیش کش کرتی ہیں مگر اُن کا اصل مقصد مسلمانوں کو غلام بنانا اور اُن کی تہذیب و تمدن کو مٹانا ہوتا ہے۔ بڑی بڑی پارٹیوں اور لیڈروں کا بھی یہی حال ہے۔ بڑے بڑے سبز باغ دکھاتے ہیں، ملمع شدہ بات کرتے ہیں، جھوٹے وعدے کرتے ہیں۔ مگر مقصد محض حصولِ اقتدار ہوتا ہے۔ پھر جب وہ منزلِ مراد کو پا لیتے ہیں، تو اُن کے تمام وعدے جھوٹ کا پلندہ ثابت ہوتے ہیں، تعلیم کے نام پہ، پیری مریدی کے پردے ہیں اور انعامی سکیموں کی آڑ میں لوگوں کے ساتھ ملمع سازی کی جاتی ہے اور دھوکا دیا جاتا ہے۔ بڑے بڑے مصنف بھی ایسا ہی کرتے ہیں اُن کی تصانیف بظاہر بڑی اچھی اور خوش کن ہوتی ہیں مگر اندر زہر بھرا ہوتا ہے بھولے بھالے لوگ خوبصورت الفاظ کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ قرآن صاحبِ قرآن اور دین کے خلاف کتنی بڑی سازش ہو رہی ہے۔ پہلے اسی سورۃ میں گزر چکا ہے۔ "زَيَّنَ لَهُمُ الشَّيْطٰنُ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ" شیطان اُن کے اعمال کو مزین کر کے دکھاتا ہے جس سے وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بہت اچھا کام کر رہے ہیں حالانکہ وہ ہلاکت کی طرف جا رہے ہوتے ہیں۔ بُرے اعمال بظاہر بڑے خوبصورت معلوم ہوتے ہیں۔ یہی ملمع سازی ہے جو شیطان انجام دیتے ہیں۔ اور لوگوں کو دھوکے میں ڈالتے ہیں۔

اسلامی قانونِ عدل

انسانی شیاطین کا ایک کارنامہ آپ نے کل اخبارات میں پڑھا ہوگا۔ اسلامی قانونِ شہادت کے مطابق دو عورتوں کی گواہی ایک مرد کے برابر ہے۔ اس قانون کے خلاف عورتوں نے مظاہرہ کیا ہے۔ شیطان نے ایسی پٹی پڑھائی ہے کہ یہ قانون عورتوں کے ساتھ ظلم ہے، اُن کے حقوق غصب کیے جا رہے

ہیں۔ گویا اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر ظلم کیا ہے۔ بظاہر تو یہ عورتوں کے حقوق کی بات ہو رہی ہے مگر درپردہ کمیونسٹ عورتیں اسلام کے خلاف بغاوت کر رہی ہیں اور عورتوں کو دین سے برگشتہ بنا رہی ہیں۔ شیاطین نے ملمع سازی کے ذریعے عورتوں کو ورغلا لیا ہے۔ آخر ہماری حکومت ایسی کھلی بغاوت کا کیوں نوٹس نہیں لیتی۔ حکومت باطل باتوں کے لیے تو طاقت استعمال کرتی ہے مگر حق کے لیے اپنی ذمہ داری کیوں نہیں پوری کرتی۔ اگر پہلے دن سے اسلام کو ملحوظ نہیں بنایا ہوتا اور اس کا نفاذ سختی کے ساتھ کرتے تو اس قسم کی پیچیدگیاں نہ پیدا ہوتیں۔ اگر مارشل لا کے ضابطے طاقت کے بل پر لاگو کیے جا سکتے ہیں تو اسلام کی دفعات کیلئے کیوں حیل و حجت کی جاتی ہے اصل بات یہ ہے کہ اسلام کے لیے نیت میں خلوص نہیں ہے اب اگر اسلام کا قانون شہادت منظور نہیں ہے تو کل کو یہ بھی مطالبہ پیش ہو سکتا ہے کہ زنا کے مقدمہ میں چار مردوں ہی کی گواہی کیوں ہے، اس حق سے عورتوں کو کیوں محروم کیا گیا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کا نازل کیا ہوا قانون ہے، وہی اس کی مصلحت کو جانتا ہے، لہٰذا خدائی قوانین میں دخل اندازی کر کے اس کے غضب کو دعوت دیتا ہے۔

جھوٹے وعدے

زندگی کے ہر شعبے میں ملمع سازی داخل ہو چکی ہے۔ ذرا ان نام نہاد لیڈروں کے دعوے دیکھو، کوئی غربت ختم کرنے کا دعویٰ کرتا ہے تو کوئی تعلیم کا جھانسہ دیتا ہے۔ کوئی اسلام کا نام لیتا ہے اور کوئی معیشت کی بات کرتا ہے۔ کوئی زمین الاٹ کرنے کا وعدہ کرتا ہے اور مکان دینے کا جھانسہ دیتا ہے۔ حقیقت میں بات کچھ بھی نہیں سب جھوٹے وعدے ہیں جو کہ مسندِ اقتدار تک پہنچنے کا ذریعہ ہیں۔ یہ سب زُخْرُفَ الْقَوْلِ غُرُوْرًا ہے۔ ملمع سازی، دھوکہ اور فریب ہے جو شیاطین انجام دے رہے ہیں۔

فرمایا وَلَوْ شَآءَ رَبُّكَ مَا فَعَلُوْهُ اگر تمہارا رب چاہتا تو یہ ایسا نہ کر

پاتے۔ مگر اللہ تعالیٰ کسی سے جبراً کوئی کام نہیں کروانا چاہتا ہے۔ اس لیے فرمایا فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ اے پیغمبر! آپ ان کو ان کی حالت پر چھوڑ دیں اور جو کچھ وہ افترا کرتے ہیں، انہیں کرنے دیں۔ وَلِتَصْغَىٰ إِلَيْهِ أَفْئِدَةُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ تاکہ ان لوگوں کے دِل اِن کی طرف مائل ہوں جو آخرت پر ایمان نہیں رکھتے۔ ظاہر ہے کہ جو آخرت پر ایمان رکھنے والے ہیں وہ تو شیطان کے بہکاوے میں نہیں آئیں گے۔ انہیں تو آخرت کی فکر ہو گی کہ اللہ کی بارگاہ میں پیش ہو کر حساب دینا ہے۔ البتہ جنہیں آخرت کے محاسبے پر یقین نہیں ہے۔ وہی ایسی ملمع شدہ باتوں کی طرف مائل ہوتے ہیں۔ وَلِيَرْضَوْهُ اور تاکہ وہ ایسے دھوکے فریب کی باتوں کو ہی پسند کرتے رہیں۔ انہیں اِس طرف لگا رہنے دیں وَلِيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُّقْتَرِفُونَ اور وہ جو کچھ بُرا بھلا کماتے ہیں، انہیں کمانے دیں۔ قیامت کے دِن ان کی ساری کمائی سامنے آ جائیگی اور انہیں ہر بات کا جواب دینا پڑے گا۔ اللہ نے نبی علیہ السلام کو تسلی دی کہ زیادہ دِل برداشتہ نہ ہوں، انہیں اُن کے حال پہ رہنے دیں۔

أَفَغَيْرَ اللَّهِ أَبْتَغِي حَكَمًا وَهُوَ الَّذِي أَنزَلَ إِلَيْكُمُ الْكِتَابَ مُفَصَّلًا ۚ وَالَّذِينَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتَابَ يَعْلَمُونَ أَنَّهُ مُنَزَّلٌ مِّن رَّبِّكَ بِالْحَقِّ ۖ فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِينَ ﴿١١٤﴾ وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ صِدْقًا وَعَدْلًا ۚ لَّا مُبَدِّلَ لِكَلِمَاتِهِ ۚ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ ﴿١١٥﴾ وَإِن تُطِعْ أَكْثَرَ مَن فِي الْأَرْضِ يُضِلُّوكَ عَن سَبِيلِ اللَّهِ ۚ إِن يَتَّبِعُونَ إِلَّا الظَّنَّ وَإِنْ هُمْ إِلَّا يَخْرُصُونَ ﴿١١٦﴾ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ مَن يَضِلُّ عَن سَبِيلِهِ ۖ وَهُوَ أَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِينَ ﴿١١٧﴾

ترجمہ :- کیا میں اس کے علاوہ کسی دوسرے کو فیصلہ کرنے والا تلاش کروں ۔ حالانکہ وہی اللہ ہے جس نے آپ کی طرف ایک مفصل کتاب نازل فرمائی اور وہ لوگ جن کو ہم نے کتاب دی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ اُتاری ہوئی ہے تیرے رب کی طرف سے حق کے ساتھ ۔ پس نہ ہوں آپ شک کرنے والوں میں (۱۱۴) اور پوری ہو گئی ہے بات تیرے پروردگار کی سچائی اور انصاف کے ساتھ ۔ نہیں ہے کوئی تبدیلی کرنے والا اُس کے کلمات

کو۔ اور وہ سُننے والا اور جاننے والا ہے (115) اور اگر آپ اطاعت کریں گے اُن لوگوں کی جو اکثر ہیں زمین میں تو بہکا دیں گے آپ کو اللہ کے راستے سے اور نہیں اتباع کرتے وہ (اکثر لوگ) مگر گمان کی۔ اور نہیں وہ مگر اٹکل دوڑاتے (116) بیشک تیرا پروردگار خوب جانتا ہے اُس شخص کو جو بہک گیا ہے اُس کے راستہ سے اور وہ خوب جانتا ہے راہ راست پر چلنے والوں کو (117)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے شرک اور مشرکین کی تردید کے ساتھ ساتھ رسالت کا ذکر بھی کیا۔ اس کے ساتھ توحید کا ذکر بھی مختلف انداز میں کیا اور انسانی اور جناتی شیطانوں کا بیان بھی فرمایا۔ اور یہ بھی کہ جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے وہ شرکیہ باتوں میں ملوث ہو جاتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کر دیتے ہیں اور پھر اللہ کے انبیاء کے متعلق بھی بیہودہ باتیں کرتے ہیں۔ اللہ نے ان سب کی تردید فرمائی اور اب آج کے درس میں مشرکین کے ایک سوال کا جواب دیا ہے۔ قریش مکہ حضور علیہ السلام کی رسالت کے منکر تھے اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب کا بھی انکار کرتے تھے۔ بعض لوگ کہتے تھے کہ اگر آپ اللہ کے رسول ہیں تو ہماری مرضی کی نشانیاں پیش کریں۔ اس کا جواب پہلے دیا جا چکا ہے کہ نشانی کا اظہار مشیتِ ایزدی پر موقوف ہے، وہ جب چاہے نشانی ظاہر کر دیتا ہے۔ یہ بات پیغمبر کے اختیار میں نہیں ہے۔ پھر اہل ایمان کو تسلی بھی دی گئی کہ آپ ان کی ہٹ دھرمی کو خاطر میں نہ لائیں آپ سمجھتے ہیں کہ اپنی مرضی کی نشانی پا کر یہ لوگ مان جائیں گے مگر تمہیں کیا معلوم، یہ ایسے عنادی لوگ ہیں کہ نشانی دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائیں گے۔ لہٰذا انہیں ایسے ہی بھٹکنے دیں۔

شانِ نزول

مشرکین مکہ نے حضور علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لانے کے متعلق ایک اور تجویز پیش کی تھی۔ کہتے تھے کہ اگر آپ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں کہ آپ اللہ

کے برحق رسول ہیں، تو اس کا فیصلہ کسی معتبر آدمی سے کروا لیتے ہیں۔ پھر جو وہ فیصلہ کرے ہم دونوں فریق اُسے تسلیم کر لیں۔ اس کام کے لیے وہ ولید ابن مغیرہ کا نام تجویز کرتے تھے جو کہ بڑا تجربہ کار، دولت مند اور دشمن رسول شخص تھا یہ حضرت خالدؓ بن ولید کا باپ تھا۔ بڑا جہاں گشت اور جہاں دیدہ آدمی تھا۔ بڑے بڑے لوگوں سے ملاقات رکھتا تھا۔ لوگ اکثر اپنے معاملات کے فیصلے اُس سے کرواتے تھے۔ مشرکینِ مکہ طائف کے بڑے سردار مسعود کا نام بھی پیش کرتے کہ اُسے حکم تسلیم کر لیں۔ وہ یہ بھی کہتے کہ اگر یہود و نصاریٰ کا کوئی بڑا عالم آپ کی نبوت کی تصدیق کر دے تو ہم پھر بھی مان جائیں گے۔ صاحب تفسیر روح المعانی علامہ سیّد محمود آلوسی بغدادیؒ نے بھی لکھا ہے۔ کہ مشرکینِ مکہ تصدیقِ رسالت کے لیے یہود و نصاریٰ کے علماء کی بات ماننے کے لیے بھی تیار تھے۔ مقصد یہ کہ وہ لوگ آپ کی رسالت کی تصدیق کسی دوسری شخصیت یا جماعت سے چاہتے تھے اور حضور علیہ السلام کے دعویٰ نبوت اور اللہ کی کتاب کو ماننے کے لیے تیار نہ تھے آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے اسی بات کا جواب دیا ہے۔

غیر اللہ کی حکمیت

ارشاد ہوتا ہے۔ کہ اے پیغمبر! آپ ان کے سوال کا جواب یہ دیں۔ اَفَغَیۡرَ اللّٰہِ اَبۡتَغِیۡ حَکَمًا کیا میں اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کو حکم منصف یا پنچ تلاش کر لوں؟ کیا میں اس کے فیصلے کا انتظار کروں کہ میں اللہ کا رسول ہوں یا نہیں اور مجھ پر نازل ہونے والی کتاب برحق ہے یا نہیں؟ فرمایا میں کسی ایسے جج کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں۔ میری صداقت کا گواہ تو خود اللہ تعالیٰ ہے۔ وَهُوَ الَّذِیۡۤ اَنۡزَلَ اِلَیۡكُمُ الۡكِتٰبَ مُفَصَّلًا حالانکہ اللہ تعالیٰ تو وہ ہے جس نے تمہاری طرف بڑی واضح کتاب نازل فرمائی ہے۔ اس کتاب میں عقاید، احکام، دلائل اور واقعات بڑی تفصیل کے ساتھ بیان کر دیے گئے ہیں۔ اور بعض آیات کی تفصیل اللہ کے نبی کی زبان سے کرا دی گئی ہے۔ تو ایسی عظیم کتاب کو چھوڑ کر کسی دوسرے کو حکم

بنانا تو ناممکن بات ہے۔ ہر مومن اللہ کی رضا پر راضی ہوگا اور وہ اسی نازل کردہ کتاب اور اس کے بھیجے ہوئے پیغمبر کو اپنا فیصل بنائے گا۔ جب وہ مالک الملک اَحْكَمُ الْحَاكِمِينَ ہے تو پھر دوسرا کون حکم بن سکتا ہے؟

کتاب الٰہی کی تصدیق

فرمایا تم یہود و نصاریٰ کے علماء کو حکم بنانا چاہتے ہو، ان کی حالت یہ ہے وَالَّذِينَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے یعنی قرآن پاک سے پہلے یہودیوں کو تورات دی اور نصاریٰ کو انجیل عطا کی۔ يَعْلَمُوْنَ اَنَّهٗ مُنَزَّلٌ مِّنْ رَّبِّكَ بِالْحَقِّ وہ خوب جانتے ہیں کہ یہ قرآن پاک تیرے رب کی طرف سے نازل ہوا ہے ٹھیک۔ وہ یہ بھی جانتے ہیں کہ آپ اللہ کے سچے نبی ہیں۔ دوسرے پارہ میں موجود ہے يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ وہ اللہ کے آخری نبی کو اسی طرح پہچانتے ہیں جس طرح اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں۔ اپنی کتابوں میں بیان کردہ نشانیوں کی بناء پر انہیں یقین ہے کہ حضور علیہ السلام اللہ کے آخری نبی ہیں مگر بغاوت، سرکشی خود غرضی اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے انکار کرتے ہیں۔ یہاں پر بھی فرمایا کہ اہل کتاب کو یقین ہے کہ قرآن پاک وہی کتاب ہے جس کا وعدہ اللہ نے پہلے نبیوں سے کیا تھا۔ تورات میں موجود ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا میں تیرے بھائی بندوں یعنی بنی اسماعیل میں سے تیرے جیسا عظیم رسول اٹھاؤں گا اور اس کے منہ میں اپنا کلام ڈالوں گا۔ یہ وہی کلام ہے جو اللہ نے حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل فرمایا ہے۔ فرمایا فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ پس نہ ہوں آپ شک کرنے والوں میں، مطلب یہ کہ اس کتاب کے منزل من اللہ ہونے میں کسی قسم کا شک و شبہ نہیں ہونا چاہیئے۔ ظاہر ہے کہ حضور علیہ السلام کو تو کوئی تردد نہیں ہو سکتا تھا۔ کیونکہ خود ان پر کتاب نازل ہو رہی تھی، تاہم باقی مومنوں کو یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ یہ اللہ کا سچا کلام ہے۔ اس کا فیصلہ آخری فیصلہ ہے لہٰذا کسی سردار یا عالم یا

دانشور کو اس معاملہ میں منصف نہیں بنایا جا سکتا۔ دوسری جگہ یہ بھی آتا ہے۔ کہ اگر یہ لوگ اللہ کی کتاب کا انکار کرتے ہیں تو کرتے رہیں، خود اللہ تعالیٰ تو اس بات کا گواہ ہے کہ یہ کتاب اُس نے نازل کی ہے۔ اس میں مومنین کے لیے تسلی کا پہلو بھی ہے۔

صدق اور عدل

اللہ نے اس کلامِ برحق کے متعلق فرمایا وَتَمَّتْ كَلِمَتُ رَبِّكَ اور تیرے رب کے کلمات پورے ہو گئے ہیں یعنی تیرے رب کا کلام مکمل ہو گیا ہے صِدْقًا وَّعَدْلًا صدق اور عدل کے ساتھ، یعنی سچائی اور انصاف کے ساتھ۔ امام رازیؒ چھٹی صدی کے عظیم مفسر قرآن ہوئے ہیں۔ آپ اسلام کے خادم، منطقی اور فلاسفر تھے، وہ فرماتے ہیں کہ تکمیل کلمہ کے لیے دو لفظ صدق اور عدل آئے ہیں اور اِن دونوں کا مصداق الگ الگ ہے۔ قرآنِ پاک میں ماضی اور مستقبل کے متعلق بہت سی خبریں دی گئی ہیں، جہاں تک اِن خبروں کا تعلق ہے یہ صدق یعنی سچائی پر مبنی ہیں۔ اس لحاظ سے یہاں پہ صدق کا لفظ استعمال ہوا ہے۔ قرآن پاک کا ایک معتدبہ حصہ احکام پر مشتمل ہے اور ہر انسان اِن احکام کا مکلف ہے، اس کے لیے فرمایا کہ یہ احکام عدل پر مبنی ہیں لہذا اِن پر عمل پیرا ہونے میں کسی قسم کا تردد نہیں کرنا چاہیئے یہ احکام اللہ نے اپنی کمال حکمت کے ساتھ بنی نوعِ انسان کی بہتری کے لیے نازل فرمائے ہیں۔ اِن میں عدل کا پہلو واضح ہے

ناقابل تحریف قرآن

پھر فرمایا لَا مُبَدِّلَ لِكَلِمٰتِهٖ اللہ تعالیٰ کے کلمات کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآنِ پاک کے حقائق کو کوئی شخص غلط ثابت نہیں کر سکتا۔ یہ الگ بات ہے کہ اپنا ہی دماغ ٹیڑھا ہو تو ہر چیز ٹیڑھی نظر آئے اور اس طرح قرآنِ پاک میں کجی تلاش کرتا پھرے وگرنہ یہ تو بالکل برحق کلام ہے۔ جس طرح بھینگے آدمی کو ایک کی بجائے دو چیزیں نظر آتی ہیں یا صفراوی آدمی کو ہر چیز زرد نظر آتی ہے، اسی طرح

قلب و ذہن کے مریض کو اللہ کے کلام میں خامی نظر آتی ہے، حقیقت میں اس میں کوئی خامی نہیں۔ دوسری بات یہ ہے کہ سابقہ کتب سماویہ میں تحریف ہو چکی ہے اور وہ اپنی اصل حالت پر قائم نہیں رہ سکیں۔ تورات و انجیل میں بے شمار تبدیلیاں ہو چکی ہیں۔ ان کے احکام بدل کر ان میں کفر و شرک کی آمیزش کر دی گئی ہے۔ انجیل ایک سے ایک سو بیس اور پھر ایک سو بیس سے چار ہوئیں اور چار سے پانچ ہو گئیں۔ اللہ نے صاف فرمایا "یُحَرِّفُوْنَ الْکَلِمَ عَنْ مَّوَاضِعِہٖ" یہود و نصاریٰ نے احکام کو تبدیل کر دیا۔ بائیبل کا ہر نیا ایڈیشن پہلے سے مختلف ہوتا ہے۔ بعض احکام نکال کر نئی چیزیں شامل کر دی جاتی ہیں۔ مگر یہ شرف صرف قرآن پاک کو حاصل ہے کہ اس میں ذرہ برابر بھی کمی بیشی نہیں ہوئی کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ تعالیٰ نے لے رکھا ہے "اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّکْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ" ہم نے ہی اس کتاب کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔ اسی لیے یہاں فرمایا ہے کہ اس کے کلمات کوئی تبدیل نہیں کر سکتا۔

انگریزی سازشیں

انگریزوں اور یہودیوں نے قرآن پاک میں تحریف کرنے کی بڑی کوشش کی ہے مگر کامیاب نہیں ہو سکے۔ ابھی کچھ عرصہ پہلے یہودیوں نے تحریف شدہ قرآن کے نسخے چھپوا کر افریقی ممالک میں بھجوائے۔ مصر کے صدر ناصر مرحوم کو پتہ چلا تو انہوں نے صوت الاسلام کے نام سے ریڈیو اسٹیشن قائم کیا جس کے ذریعے یہودیوں کی ناپاک سازش کا پردہ چاک کیا گیا اور افریقی باشندوں کو اس ناپاک حرکت سے آگاہ کیا گیا۔ اس کے علاوہ قرآن پاک کے لاتعداد نسخے نہایت صحت کے ساتھ طبع کرا کے افریقہ اور ساری دنیا میں بھجوائے اور اس طرح یہودی سازش کا کامیاب مقابلہ کیا۔ یہ نسخہ یہاں ہمارے پاس بھی موجود ہے

انگریزوں نے بھی قرآن پاک کے خلاف بڑا زبردست پراپیگنڈا کیا ہے ملکہ وکٹوریہ کے زمانے میں وزیر اعظم گلیڈسٹون نے قرآن پاک کا نسخہ ہاتھ میں

اٹھا کر کہا تھا کہ جب تک یہ کتاب دنیا میں موجود ہے لوگ مہذب نہیں ہو سکتے۔ وجہ یہ ہے کہ یہ ایسی کتاب ہے جو شراب اور جوئے پر پابندی عائد کرتی ہے، زانی کے لیے سخت سزا تجویز کرتی ہے، کسی کی حق تلفی کی اجازت نہیں دیتی۔ قوموں کو غلام بنانے کے خلاف ہے، لہذا اسے دنیا سے ناپید ہونا چاہیئے، اس کی موجودگی میں امریکہ، برطانیہ، فرانس اور جرمنی کی تہذیب پروان نہیں چڑھ سکتی۔ انگریز اپنے مقصد میں تو کامیاب نہیں ہو سکے البتہ ان کی اپنی سلطنت جس پر کبھی سورج غروب نہیں ہوتا تھا، آج ایک دو جزیروں تک محدود ہو کر رہ گئی ہے۔ قرآنِ پاک کی حفاظت کا ذمہ خود اس کو نازل کرنے والے نے لے رکھا ہے۔

ہندوستان میں یوپی کا گورنر ولیم میور پادری تھا۔ اس نے اعلان کیا تھا کہ دنیا میں انسانیت کی دشمن دو چیزیں ہیں، ایک محمد کی تلوار اور دوسرا اس کا قرآن۔ اِس شخص نے "لائف آف محمد" کے نام سے حضور علیہ السلام کی سوانح عمری بھی لکھی۔ بہرحال اس نے یہ فقرہ کہا تھا جسے سُن کر سر سیدؒ بھی تڑپ اٹھا اور اُسے انسانیت کا دشمن قرار دیا۔ بہرحال آج بھی یورپی ممالک میں اسلام اور قرآن کے خلاف برابر سازشیں ہو رہی ہیں؟ ان کی مقرر کردہ کمیٹیاں برابر کام کر رہی ہیں۔ اس معاملے میں مشرقی علوم کا ذوق رکھنے والے مغربی دانشور جنہیں مستشرقین کہا جاتا ہے، وہ بھی اسلام کے خلاف بھرپور کردار ادا کر رہے ہیں۔ کوئی قرآن پر ریسرچ کر رہا ہے اور کوئی حدیث پر، پھر اپنے زیر اثر لوگوں اور یورپی یونیورسٹیوں میں پڑھنے والے مشرقی طالب علموں کو ریسرچ کے نتائج سے آگاہ کرتے ہیں اور اس طرح اپنے باطل افکار اہلِ اسلام کے اذہان میں منتقل کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ دنیا میں لوگوں کے دلوں سے قرآن کی عظمت کو ختم کیا جا سکے۔

پاکستان میں فتنہ پردازیاں

پاکستان میں بھی اس قسم کے فتنے اٹھتے رہتے ہیں۔ ایوب خان کے

زمانے میں فضل الرحمٰن نے یہ بیان دیا تھا کہ قرآن پاک کا کچھ حصہ خدا تعالیٰ کا کلام ہے، کچھ جبریل علیہ السلام کا اور کچھ حضور علیہ السلام کا۔ اس پہ پاکستان میں سخت احتجاج ہوا جس کے نتیجے میں فضل الرحمٰن کو اس کے عہدے سے ہٹانا پڑا۔ اس کا باپ دیوبند کا فاضل بڑا جید عالم تھا مگر یہ انگریزی سازشوں کا شکار ہو گیا۔ پرویز بھی یہی کچھ کہہ رہا ہے۔ یہ انگریزی حکومت میں سپرنٹنڈنٹ تھا، اس نے بھی مغربی افکار کو قرآن پاک کی تعلیم میں داخل کرنے کی کوشش کی ہے عجیب بات ہے کہ یہ دشمن قرآنِ پاک کی ایسی تفسیر بیان کر رہا ہے جسے سلف صالحین بھی نہ سمجھ سکے۔ یہ سب انگریزوں کی سازش کے تحت مستشرقین کے کارنامے ہیں۔

مرزائیت کا پودا بھی انگریزوں نے اسی سازش کے تحت لگایا ہمارے اس اسلامی ملک پاکستان میں اب بدعات سرکاری طور پہ منائی جا رہی ہیں یہ خدا کے غضب کو دعوت دینے والی بات ہے حکومت ایسی چیزوں کی سرکاری سرپرستی اس لیے کرتی ہے تاکہ انہیں زیادہ سے زیادہ دوام حاصل ہو سکے۔ افسوس کی بات ہے کہ بدعات کو تو رواج دیا جا رہا ہے مگر حق بات کہنے کی کسی کو توفیق نہیں ہوتی۔ اس مملکت خداداد میں خدا کا قانون اور نبی کا فرمان ذاتی خواہشات کی وجہ سے پسِ پشت ڈالا جا رہا ہے۔ تاہم حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر زمانے میں ایسے لوگ پیدا کرتا رہے گا جو غالیوں کی طرف سے دین میں تحریف کو عام لوگوں کے سامنے آشکارا کرتے رہیں گے۔ اللہ کے یہ بندے ہر تحریف، بدعت اور نفس پرستی کے خلاف آواز بلند کرتے رہیں گے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک کی حفاظت کا انتظام کر دیا ہے۔ اب کوئی شخص لفظی تحریف تو نہیں کر سکتا۔ تاہم معنوی تحریف کے خلاف بھی اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو کھڑا کرتا رہے گا۔ غرضیکہ فرمایا کہ خدا تعالیٰ کے کلمات کو کوئی تبدیل نہیں کر سکتا، اس کی حفاظت کا ذمہ اس

نے خود لے رکھا ہے۔ وَهُوَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وہ ہر بات کو سننے والا اور ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ اُس کی قدرت سے کوئی چیز باہر نہیں ہے

قلتُ کثرت کا مسئلہ

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قلت وکثرت (MAJORITY/MINORITY) کا مسئلہ بھی بیان فرمایا ہے ارشاد ہوتا ہے۔ وَاِنْ تُطِعْ اَكْثَرَ مَنْ فِي الْاَرْضِ اگر آپ زمین میں موجود اکثریت کا کہنا مانیں گے يُضِلُّوكَ عَنْ سَبِيلِ اللّٰهِ وہ آپ کو اللہ کے راستے سے بہکا دیں گے۔ محض اکثریت کی بنیاد پر حق و باطل کی پہچان نہیں کی جا سکتی کیونکہ اکثریت کا حال یہ ہے اِنْ يَّتَّبِعُوْنَ اِلَّا الظَّنَّ وہ تو محض گمان کا اتباع کرتے ہیں اٹکل پچو باتیں کرتے ہیں۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ گمان دو قسم کا ہوتا ہے ایک تو حسن ظن یعنی اچھا گمان ہے کہ اس کی بنیاد کسی دلیل پر نہیں ہوتی بلکہ محض اٹکل دوڑانے والی بات ہوتی ہے۔ البتہ گمان کی دوسری قسم وہ ہوتی ہے جس کی بنیاد دلیل پر ہوتی ہے۔ مجتہدین اسی گمان کے تحت مسائل کا حل پیش کرتے ہیں، اُن کا ہر فتویٰ مستند الی دلیل ہوتا ہے۔ وہ ہر حل صحیح دلیل سے اخذ کر کے بتاتے ہیں۔ اس کے برخلاف کفر، شرک، بدعت وغیرہ اٹکل پچو باتوں سے رائج کیے جاتے ہیں۔ اسمبلیوں میں قوانین کثرت رائے سے منظور ہوتے ہیں جو کہ حق کے سراسر خلاف ہے۔ یہ بھی محض گمان ہوتا ہے جس کی کوئی قطعی دلیل نہیں ہوتی۔ جو اکثریت نے کہہ دیا، کر لیا، خواہ اس میں کتنی قباحت ہو وَاِنَّ الظَّنَّ لَا يُغْنِيْ مِنَ الْحَقِّ شَيْئًا (النجم) اس قسم کا گمان حق کے مقابلے میں کچھ فائدہ نہیں دیتا۔

غور فرمائیں، آج دنیا میں جتنے بھی نظریات سامنے آ رہے ہیں سب کی بنیاد گمان محض پر ہے۔ کوئی ایرانیوں کا فلسفہ ہو یا انگریزوں کا، ڈارون کا نظریہ ہو یا آئن سٹائن کا۔ اشتراکیوں کی بڑ ہو یا سرمایہ پرستوں کی، سب کے سب محض عقل کی تخلیق ہیں۔ اس میں سے کسی کا استناد بھی وحی الٰہی کی

طرف نہیں ہے۔ کارل مارکس نے سرمایہ داری کے خلاف کتاب لکھی تھی کہ مزدوروں کے مسائل کیا ہیں اور ان کا حل کیا ہے، ان کی اجرت کا تعین کیسے ہو اور انہیں کون کونسی دیگر سہولتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ یہ محض حساب کتاب کی بات ہے مگر لوگ اسے انجیل کی طرح مانتے ہیں۔ یہ سب انسانی دماغ کی اختراع اور گمان ہے۔ مارشل لاء کے ضابطے، انگریز کی طرز پر اسمبلیوں کا نظام محض اٹکل پچو بات ہے۔ جب تک اللہ کی کتاب یا نبی کا فرمان کسی بات کی تصدیق نہیں کرتا کوئی قانون درست ثابت نہیں ہوسکتا۔

۱۹۲۲ء میں امریکی اسمبلی میں شراب نوشی کے خلاف بل پیش ہوا اس کے خلاف دلائل دیے گئے کہ فضول خرچی ہے اور انسانی ذہن کو ماؤف کرتی ہے چنانچہ بل پاس ہوگیا اور شراب نوشی ممنوع قرار پائی۔ اکثریت نے فیصلہ دے دیا بمشکل چار سال تک اس قانون پر عملدرآمد ہوا اور اس کے بعد لوگوں نے چوری چھپے شراب کی کشید شروع کر دی اور پینے پلانے لگے۔ معاملہ پھر اسمبلی میں پیش ہوا۔ پھر اس کے حق میں دلائل دیے گئے اور اسمبلی نے اس کو دوبارہ جائز قرار دیدیا۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جو قانون محض اکثریت کے بل بوتے پر بنا تھا اُسے پھر اکثریت نے ہی مسترد کر دیا، حالانکہ شراب کی قباحت نہ پہلے کم تھی نہ بعد میں۔ ۱۹۶۰ء کے بعد برطانوی اسمبلی نے دو بالغ مردوں کی باہمی رضامندی سے ہم جنسی کو جرائم کی فہرست سے خارج کر دیا تھا۔ یہ بھی کثرت رائے کا فیصلہ تھا۔ بہرحال کثرت کے فیصلے تو ایسے ہی ہوتے ہیں کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال قرار دے دیا جائے۔ اصل بات وہی ہے جو وحی الٰہی کے ذریعے حاصل ہو اور جس میں تغیر و تبدل کی کوئی گنجائش نہیں ہوتی۔

آج دنیا کے پانچ ارب نفوس میں دیکھ لیں کہ کثرت کن کو حاصل ہے ہر جگہ کفر و شرک کو اکثریت حاصل ہے۔ ظالم، فاسد اور بدعقیدہ لوگ اکثریت میں ہیں۔ حرام خور اور انسانیت کے دشمن ہر جگہ غالب ہیں، تو کیا

حق و صداقت کا یہی معیار ہے؟ ڈاکٹر اقبال مرحوم نے کہا تھا۔
"از مغز دو صد خر فکر انسانے نمی آید" یعنی ایک انسان کے مقابلے میں دو سو گدھوں کی فکر کو قبول نہیں کیا جا سکتا، کثرت و قلت کا یہی مسئلہ ہے جب تک جاہل اکثریت کو عالم اقلیت پر غلبہ رہیگا، دنیا کا نظام درست نہیں ہو سکتا۔ اسی لیے فرمایا کہ نہیں پیروی کرتے یہ لوگ مگر گمان کی وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ اور نہیں وہ مگر اٹکل دوڑاتے۔ یہ سب اٹکل پچو کام ہوتے ہیں۔ اس میں حقیقت کو کوئی دخل حاصل نہیں ہے

گمراہ اور ہدایت یافتہ

فرمایا اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ مَنْ يَّضِلُّ عَنْ سَبِيْلِهٖ بیشک تیرا پروردگار خوب جانتا ہے جو اس کے راستے سے بہک گیا ہے۔ وَهُوَ اَعْلَمُ بِالْمُهْتَدِيْنَ اور وہ اللہ کے راستے پر چلنے والوں کو بھی خوب جانتا ہے۔ لہٰذا آپ اپنا کام کرتے جائیں۔ کسی شخص کو حکم نہ بنائیں اللہ کے فیصلے پر راضی رہیں۔ قرآن کو اپنا حکم تصور کریں اور اسی کے احکام پر عمل کرتے رہیں۔ اللہ نے مفصل کتاب نازل کر دی ہے۔ اب کسی پادری یا سردار کے فیصلے کی ضرورت نہیں ہے۔ اللہ تعالےٰ نے مشرکین کے اعتراض کا یہ جواب دیا۔

فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ إِنْ كُنْتُمْ بِآيٰتِهِ مُؤْمِنِينَ ﴿١١٨﴾ وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ ۗ وَإِنَّ كَثِيرًا لَيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِمْ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۗ إِنَّ رَبَّكَ هُوَ أَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِينَ ﴿١١٩﴾ وَذَرُوا ظَاهِرَ الْإِثْمِ وَبَاطِنَهُ ۚ إِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ ﴿١٢٠﴾ وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ۗ وَإِنَّ الشَّيٰطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ لِيُجَادِلُوكُمْ ۖ وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ ﴿١٢١﴾ ع

ع ١٤ / ١١

ترجمہ :- پس کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہے اگر تم اُس کی آیتوں پر ایمان رکھنے والے ہو ﴿١١٨﴾ اور کیا ہے تم کو کہ تم نہیں کھاتے اُس چیز کو جس پر اللہ کا نام ذکر کیا گیا ہے ۔ اور تحقیق و تفصیل سے بیان کیا ہے اُس نے تمہارے لیے اُن

چیزوں کو جو اُس نے تم پہ حرام قرار دی ہیں مگر جب تم مجبور کر دیے جاؤ اس چیز پر۔ اور بیشک بہت سے لوگ البتہ گمراہ کرتے ہیں اپنی خواہشات کے ساتھ بغیر علم کے۔ بیشک تیرا پروردگار خوب جانتا ہے اُن لوگوں کو جو تعدی کرنے والے ہیں (۱۱۹) اور چھوڑ دو کھلے گناہ کو اور چھپے ہوئے گناہ کو۔ بیشک جو لوگ کماتے ہیں گناہ عنقریب اُن کو بدلہ دیا جائے گا اُس کا جو وہ کماتے ہیں (۱۲۰) اور نہ کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام نہیں ذکر کیا گیا۔ اور بیشک یہ فسق ہے اور بیشک شیاطین البتہ ڈالتے ہیں اپنے دوستوں کی طرف (ایسے باطل خیالات) تاکہ وہ جھگڑا کریں تمہارے ساتھ۔ اور اگر تم اُن کی بات مانو گے تو بیشک تم بھی البتہ شرک کرنے والے بن جاؤ گے (۱۲۱)

ربط آیات

گذشتہ درس میں اللہ کے علاوہ دوسروں کو حکم تسلیم کرنے سے منع کیا گیا تھا، نیز نبی علیہ السلام کو خبردار کیا گیا تھا کہ اگر آپ اکثریت کا کہا مانیں گے تو آپ سیدھے راستے سے بہک جائیں گے، کیونکہ لوگوں کی اکثریت محض گمان پر چلتی ہے اور ان کے پاس حق بات نہیں ہوتی۔ اب آج کی آیات میں ایسے لوگوں کی ایک مثال بیان کی گئی ہے اور وہ یہ ہے کہ مشرک لوگ اہل ایمان پہ اعتراض کرتے تھے کہ یہ اپنے ہاتھ کا مارا ہوا جانور یعنی ذبح شدہ جانور حلال سمجھتے ہیں اور اُس کا گوشت کھا لیتے ہیں، جب کہ خدا کا مارا ہوا یعنی طبعی موت مرا ہوا جانور حرام جانتے ہیں۔ وہ لوگ اس بات کو بعید از قیاس خیال کرتے تھے۔ بعض مشرکین یہ بھی کہتے تھے کہ مسلمان جب جانور یا پرندے کو لوہے، لکڑی، پتھر وغیرہ سے مار لیتے ہیں، اُس کو تو کھا لیتے ہیں مگر جس جانور کو خدا تعالیٰ سنہری تلوار سے مارتا ہے اُس کو نہیں کھاتے، بلکہ حرام سمجھتے

ہیں۔ اِن آیات میں اللہ تعالیٰ نے اِس قسم کے باطل خیالات کا ردّ فرمایا ہے کیونکہ کافر لوگ اِس قسم کی باتیں کر کے مسلمانوں میں اشتباہ پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اہل ایمان کو اِن کے باطل نظریات کی طرف توجہ نہیں دینی چاہیئے بلکہ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو بخوشی استعمال کرنا چاہیئے اور حرام کردہ اشیاء سے اجتناب کرنا چاہیئے۔

اللہ کے نام پر ذبیحہ

مشرکین وکفار کے اعتراض کا جواب دیتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فَكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ اے ایمان والو کھاؤ اس میں سے جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے یعنی ذبح کرتے وقت جس جانور پر بسم اللہ اللہ اکبر پڑھا گیا ہے اس کا گوشت کھاؤ جب کہ وہ حلال جانور ہو۔ إِنْ كُنْتُمْ بِآيَاتِهِ مُؤْمِنِينَ اگر اللہ کی نازل کردہ آیات پر تمہارا ایمان مکمل ہے۔ تو ایسے ذبیحہ کا گوشت کھانے میں جھجک محسوس نہ کرو پھر اسی بات کو تاکیداً فرمایا وَمَا لَكُمْ أَلَّا تَأْكُلُوا مِمَّا ذُكِرَ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ اور تمہیں کیا ہے کہ تم نہیں کھاتے وہ چیز جس پر اللہ کا نام لیا گیا ہے۔ ایسی چیز تو حلال اور طیب ہے۔ اور تمہیں حلال وحرام کی تمیز کرنے میں کوئی دقت پیش نہیں آنی چاہیئے۔ کیونکہ وَقَدْ فَصَّلَ لَكُمْ مَا حَرَّمَ عَلَيْكُمْ تمہارے سامنے اُن چیزوں کی تفصیل بیان ہو چکی ہے جو تم پر حرام ہیں۔ سورۃ بقرہ اور سورۃ نحل میں اللہ تعالیٰ نے حرام کردہ اشیاء کی تفصیل بیان کر دی ہے لہذا اس کی روشنی میں شرعی طریقہ سے ذبح شدہ حلال جانور کا گوشت بصد شوق کھا سکتے ہو۔

اسی طرح تمہارے لیے حرام چیزوں سے پرہیز بھی لازمی ہے إِلَّا مَا اضْطُرِرْتُمْ إِلَيْهِ سوائے اُس کے کہ جس کی طرف تم مجبور کر دیئے گئے ہو۔ مجبوری کی حالت میں حرام چیز کھانے کی بھی اجازت ہوتی ہے۔ جب جان جانے کا خطرہ ہو تو اُس وقت شراب، خنزیر اور نذر لغیر اللہ بھی کھائی جا سکتی ہے

اور ایسی حالت میں استعمال کنندہ پہ کوئی جرم عائد نہیں ہوتا۔ البتہ اگر وہ مجبوری کی حالت میں کھائے بغیر مر جائے تو اللہ تعالیٰ کی گرفت میں آجائے گا کیونکہ اس کے لیے جان کی حفاظت لازم تھی۔ مجبوری کی حالت میں حرام چیز کی حرمت اٹھ جاتی ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ جن جانوروں کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔ اُن کا گوشت انسانی صحت کے لیے مضر ہے۔ بعض حرام کردہ اشیاء سے جسمانی صحت خراب ہوتی ہے اور بعض اشیاء سے روحانی صحت ضائع ہوتی ہے حرام اشیاء کی حرمت میں یہی حکمت ہے کہ وہ کسی نہ کسی صورت میں انسان کے لیے مضر ہیں۔ اسی طرح جن جانوروں کا گوشت انسانی جسم کے لیے مفید ہے اُن کو اللہ نے حلال قرار دیا ہے۔ چنانچہ آگے اسی سورۃ میں اُن حلال مویشیوں کی تفصیل آرہی ہے۔ جو گھاس کھاتے ہیں، پالتو ہونے کی وجہ سے لوگوں کے قریب رہتے ہیں اور انسانوں سے مانوس ہوتے ہیں۔ لوگ ان کا دودھ پیتے ہیں، اُون استعمال کرتے ہیں اور گوشت بھی کھاتے ہیں۔ یہی جانور کھیتی باڑی اور باربرداری کے کام بھی آتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کو حلال قرار دیا ہے

اختیاری ذبح کا طریقہ

البتہ گوشت استعمال کرنے کے لیے ایک ضروری شرط یہ ہے کہ جانور شرعی طریقے کے مطابق ذبح کیا گیا ہو۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ ملتِ ابراہیمیہ کا یہ مسلمہ اصول ہے کہ حلال جانور کو حلق سے ذبح کیا جائے اور ذبح کے لیے لوہے، پتھر یا شیشے وغیرہ کا تیز دھار آلہ استعمال کیا جائے ذبح کیلئے گلے کی چار رگیں، مری، سانس کی نالی اور دو خون کی رگیں کاٹی جاتی ہیں کم از کم تین رگوں کا کاٹنا ضروری ہے تاکہ جسم کا سارا خون بہہ جائے۔ گلے کے علاوہ اگر کسی دوسری جگہ سے ذبح کیا جائے۔ تو جانور کا گوشت مکروہ تحریمی ہو گا۔ کیونکہ ایسا ذبح مسلمہ اصول کے خلاف ہو گا۔ برطانیہ میں مشینی ذبح کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے جانور کے ماتھے میں گولی مار کر اُسے بے حس کر دیا جاتا ہے پھر اُوپر سے مشین چلا کر ذبح کر دیا

جاتا ہے۔ جو کہ درست نہیں ہے۔ بہرحال جب آدمی کو ذبح پر مکمل اختیار ہو تو مذکورہ طریقے سے ذبح کرنا لازمی ہوگا۔

اضطراری ذبح

ہاں مجبوری کی حالت میں جب کہ آدمی جانور تک پہنچنے کی قدرت نہ رکھتا ہو تو ذبح کے مقررہ طریقے کے خلاف کیا جا سکتا ہے۔ مثلاً اونٹ بھاگ گیا ہے اور کسی طرح قابو میں نہیں آرہا ہے، کوئی جانور کنویں میں گر گیا ہے اور مر جانے کا خطرہ ہے۔ تو ایسی صورت میں اگر کسی چیز سے ران پر بھی زخم لگ گیا تو جانور حلال ہوگا ایسی صورت میں گلا کٹنا ضروری نہیں ہوتا۔ اس کے متعلق ترمذی شریف میں روایت موجود ہے کہ پوچھنے والے نے پوچھا کہ اس قسم کی اضطراری حالت میں ذبح کا کیا حکم ہے تو حضور علیہ السلام نے فرمایا ولو طعنت فخذها ——— اگر نیزہ یا کسی دوسرے تیز دھار آلہ سے زخم لگا دیا جائے جس سے خون نکل جائے تو جانور حلال ہو جائے گا۔ پرندوں کے شکار کا بھی یہی حکم ہے۔ اُن کو پکڑ کر ذبح کرنا مشکل ہوتا ہے لہذا اگر تیر یا نیزہ چلاتے وقت اللہ کا نام لے لیا گیا تو جانور حلال ہو جائے گا۔ کبھی شکار کے پیچھے کتا، باز یا شکرا وغیرہ چھوڑنا پڑتا ہے۔ ایسا کرتے وقت بھی اللہ کا نام لینا ضروری ہے۔ مقصد یہ کہ اضطراری حالت میں اگر ذبح کے مسلمہ اصول کو ترک کر دیا جائے تو اس کی اجازت ہے۔ تاہم اختیاری حالت میں حلق کاٹنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر درست نہیں ہوگا۔

ذبح کی دو شرائط

بہرحال شرعی ذبح کے لیے دو شرائط کا پایا جانا لازمی ہے۔ ایک ذبح اور دوسرا اللہ کا نام، جب تک یہ دو شرائط پوری نہ ہوں ذبح درست نہیں ہوگا۔ امام ابوحنیفہ رح کا یہی مسلک ہے۔ اگر ذبح کرتے وقت اللہ کا نام جان بوجھ کر نہیں لیا تو جانور حرام ہوگا۔ البتہ اگر بسم اللہ اللہ اکبر کہنا بھول گیا تو معاف ہے کیونکہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ ہر مومن کے دل میں اللہ کا نام ہوتا ہے جس طرح بھول کر کھا لینے سے روزہ نہیں ٹوٹتا اس طرح اگر بوقت ذبح اللہ

کا نام لینا بھول جائے تو جانور کی حلت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ ہاں اگر دانستہ اللہ کا نام نہیں لیا تو شرط پوری نہ ہوئی اور جانور حرام ہو گیا۔ اس مسئلہ میں دوسرا پہلو یہ ہے کہ اگر اللہ کا نام لینے کی بجائے کسی پیر، فقیر، پیغمبر، جن یا فرشتے کا نام لے لیا تو جانور مردار ہو گیا۔ امام غزالیؒ اور امام رازیؒ فرماتے ہیں کہ ذبح میں دم مسفوح کا نکل جانا بھی ضروری ہے ذبح کرتے وقت جو خون نکلتا ہے وہ حرام ہے فرماتے ہیں کہ اگر یہ خون جانور کے جسم میں ہی رہ جائے تو اس کا گوشت مضر ہوتا ہے کیونکہ اس میں ایسے جراثیم ہوتے ہیں جو انسانی صحت کیلئے مضر ہوتے ہیں لہذا خون کا نکل جانا ہی صحت کے لیے مفید ہے۔ جب یہ خون جسم سے نکل جاتا ہے تو گوشت پاک اور قابل استعمال ہو جاتا ہے۔ اسی لیے شریعت نے مضر صحت اشیاء کو حلال قرار نہیں دیا۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ موضح القرآن میں لکھتے ہیں کہ اس بارے میں کئی آیات نازل ہوئی ہیں کہ کفار اعتراض کرتے تھے کہ مسلمان اپنے ہاتھ سے مارے ہوئے جانور کا گوشت کھا جاتے ہیں مگر اللہ تعالیٰ کا مارا ہوا نہیں کھاتے فرماتے ہیں کہ اس قسم کی باتیں شیطان لوگوں میں اشتباہ پیدا کرنے کے لیے سکھاتے ہیں۔ لہذا یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہیئے کہ حلت وحرمت میں صرف اللہ تعالیٰ کا قانون چلتا ہے۔ اس میں محض عقلی ڈھکو سلے کام نہیں دیتے۔ اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر بیان کر دیا ہے کہ ہر جاندار کو مارنے والا اللہ ہی ہے مگر جو جانور اس کے نام پر ذبح کیا جاتا ہے اس میں برکت اور پاکیزگی آجاتی ہے، اس میں طہارت اور پاکیزگی کا قانون بھی کارفرما ہے اسی طرح جو جانور اللہ کا نام لیے بغیر ذبح ہوتا ہے، وہ طہارت سے خالی ہوتا ہے۔

فرمایا حلت وحرمت کا مسئلہ تمہیں تفصیل کے ساتھ سمجھا دیا گیا ہے

وَإِنَّ كَثِيرًا لَّيُضِلُّونَ بِأَهْوَائِهِم بِغَيْرِ عِلْمٍ

بیشک بہت سے لوگ محض اپنی خواہشات کے ساتھ بغیر علم کے گمراہ کرتے ہیں۔ مشرکین کا یہ پراپیگنڈا کہ مسلمان اپنا مارا ہوا کھاتے ہیں اور خدا کا مارا ہوا نہیں کھاتے اسی سلسلہ کی کڑی ہے۔ وہ ایسے اعتراضات کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ فرمایا اِنَّ رَبَّكَ هُوَ اَعْلَمُ بِالْمُعْتَدِيْنَ بیشک تیرا پروردگار زیادتی کرنے والوں کو خوب جانتا ہے۔ جو اس قسم کی بیہودہ باتیں کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ ان کو ضرور گرفت کرے گا۔

ظاہری اور باطنی گناہ

آگے اللہ تعالیٰ نے ہر ظاہر اور باطن گناہ کی ممانعت فرمائی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَذَرُوا ظَاهِرَ الْاِثْمِ وَبَاطِنَهٗ ظاہری اور باطنی گناہ کو ترک کر دو۔ ظاہری گناہ تو وہ ہے جو سرِعام کیا جائے اور باطنی وہ جو چھپ کر پوشیدہ طور پر کیا جائے۔ خدائی قانون اور انسان کے وضع کردہ قانون میں یہ بنیادی فرق ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر ظاہر و پوشیدہ برائی سے منع فرماتا ہے جب کہ اس زمانے کا انگریزی قانون ظاہری طور پر کی جانیوالی برائی کو تو قابلِ مؤاخذہ گردانتا ہے اور پوشیدہ طور پر انجام دیے جانے والے گناہ کا کوئی نوٹس نہیں لیتا۔ چنانچہ جب کوئی پبلک سکینڈل بن جاتا ہے تو قانون حرکت میں آجاتا ہے اور اگر زنا اور لواطت جیسے قبیح جرائم چوری چھپے باہمی رضامندی سے کیے جائیں تو کوئی حرج نہیں۔ زنا کے متعلق تو اللہ نے فرمایا ہے "اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَآءَ سَبِيْلًا" (النساء) یہ تو سخت بے حیائی کا کام ہے مگر انگریزی قانون میں اگر باہمی رضامندی سے کیا جائے تو یہ بھی جائز ہے۔ یہ تو اللہ کے غضب کو دعوت دینے والی بات ہے۔ اسلام کا قانون یہ ہے کہ گناہ ہر حالت میں گناہ اور قابلِ تعزیر ہے خواہ وہ ظاہراً کیا جائے یا چھپ کر اور باہمی رضامندی سے ایسے قبیح فعل سے اخلاق تباہ ہو جاتا ہے روحانیت بگڑ جاتی ہے اور انسان کا دین ضائع ہو جاتا ہے۔ لہٰذا اسلام نے ہر ظاہری اور باطنی گناہ سے منع فرمایا ہے۔

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ ظاہری گناہ وہ ہے جو اعضاء و جوارح یعنی آنکھ، کان، ہاتھ وغیرہ سے کیا جائے اور باطنی گناہ وہ ہے جس کا تعلق انسان کے دل کے ساتھ ہو۔ برا عقیدہ اور بری نیت دل میں پیدا ہوتی ہے اس لحاظ سے یہ باطنی گناہ شمار ہوتے ہیں۔ اسی طرح حسد، کینہ، بغض، نفرت وغیرہ روحانی امراض ہیں جن کا تعلق باطن سے ہے۔ اللہ نے فرمایا، ظاہری گناہ بھی چھوڑ دو اور باطنی گناہ سے بھی باز آجاؤ۔ ساتھ یہ بھی تبلا دیا۔ اِنَّ الَّذِينَ يَكْسِبُونَ الْإِثْمَ جو لوگ گناہ کماتے ہیں سَيُجْزَوْنَ بِمَا كَانُوا يَقْتَرِفُونَ انہیں ان کی کمائی کے مطابق بدلہ دیا جائے گا۔ گناہ کا ارتکاب کر کے کوئی شخص اللہ کی گرفت سے بچ نہیں سکتا۔ اُسے ضرور اس کا خمیازہ بھگتنا ہوگا۔

حکمِ حرمت

آگے پھر مشرکین کے اُسی اعتراض کا جواب دوسرے انداز میں دیا۔ پہلے فرمایا تھا کہ جس جانور پر اللہ کا نام لیا جائے اُسے کھاؤ۔ اب ارشاد ہے وَلَا تَأْكُلُوا مِمَّا لَمْ يُذْكَرِ اسْمُ اللَّهِ عَلَيْهِ جس پر اللہ کا نام ذکر نہیں کیا گیا، اُس کو مت کھاؤ، وہ حرام ہے۔ جس طرح اللہ کا نام لینے سے ذبیحہ حلال ہو جاتا ہے اسی طرح غیر اللہ کا نام لینے سے حرام ہو جاتا ہے۔ "مَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ" کی تفسیر مختلف سورتوں میں بیان ہو چکی ہے، جو چیز اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کے تقرب کے لیے اُس کے نام پر نامزد کی جائیگی، وہ حرام ہوگی۔ اس میں صرف جانور ہی نہیں بلکہ دودھ، مٹھائی، فروٹ وغیرہ ہر چیز آجاتی ہے۔ بہر حال جس ذبیحہ پر عمداً اللہ کا نام نہیں لیا گیا وہ بھی حرام ہے اور جس چیز پر غیر اللہ کا نام لیا گیا وہ بھی حرام ہے۔ فرمایا وَإِنَّهُ لَفِسْقٌ ایسا جان بوجھ کر کرنا فسق ہے فسق کا معنیٰ اطاعت سے نکل جانا ہے اور اس میں کفر، شرک، بدعت اور چھوٹے موٹے سب گناہ آجاتے ہیں۔ فرمایا وَإِنَّ الشَّيَاطِينَ لَيُوحُونَ إِلَىٰ أَوْلِيَائِهِمْ شیاطین ایسی باتیں اپنے دوستوں کے دلوں میں

ڈالتے ہیں تاکہ وہ بہک کر مردار کھانے لگیں یا غیر اللہ کی نذر و نیاز دینے لگیں۔ شیطان لوگوں کو باور کراتے ہیں کہ ایسا کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے غیر اللہ کا نام لینے سے چیز کی پاکیزگی میں کوئی فرق نہیں پڑتا، لہٰذا جو چاہو کرتے جاؤ، حالانکہ اس سے چیزوں میں روحانی نجاست پیدا ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے حرام ہو جاتی ہیں۔

فرمایا شیطان اس لیے وسوسہ اندازی کرتے ہیں لِيُجَادِلُوكُمْ تاکہ وہ تمہارے ساتھ جھگڑا کریں۔ فرمایا وَإِنْ أَطَعْتُمُوهُمْ اگر تم ان شیاطین کی بات مان لوگے۔ ان کے بہکاوے میں آجاؤ گے إِنَّكُمْ لَمُشْرِكُونَ تو بیشک تم مشرک بن جاؤ گے۔ شرک صرف غیر اللہ کی پرستش کا نام ہی نہیں بلکہ اگر اللہ کے مقابلے میں دوسروں کا حکم بھی اسی طرح مانا جائے جس طرح اللہ کا حکم مانا جاتا ہے تو یہ بھی شرک میں داخل ہے۔ فرمایا خوب سمجھ لو کہ غیر اللہ کی اطاعت سے تمہارا شمار بھی مشرکین میں ہوگا۔

اَوَ مَنْ كَانَ مَيْتًا فَاَحْيَيْنٰهُ وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا يَّمْشِيْ بِهٖ فِي النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ؕ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا ؕ وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ ؘؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ ؕ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ ۢ بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ ﴿۱۲۴﴾

وقف لازم
وقف منزل

ترجمہ:- بھلا وہ شخص جو مردہ تھا، پھر ہم نے اس کو زندہ کیا (ایمان کی دولت عطا کی) ہم نے اس کو روشنی دی۔ اس روشنی کے ساتھ وہ چلتا ہے لوگوں میں تو کیا وہ شخص اسکی طرح ہوگا جو اندھیروں میں ہو گا اور نہیں وہ نکلنے والا ان اندھیروں سے۔ اسی طرح مزین کیا گیا ہے کافروں کے لیے جو وہ کرتے ہیں ﴿۱۲۲﴾ اور اس طرح ہم نے بنا دیے ہیں ہر بستی میں اس کے بڑے مجرم تاکہ وہ

مکاریاں کریں اس میں ۔ اور نہیں وہ مکاری کرتے مگر اپنے نفسوں
کے ساتھ ، اور وہ سمجھتے نہیں (۱۲۳) اور جب آجاتی ہے اُن
کے پاس کوئی نشانی تو کہتے ہیں کہ ہرگز ایمان نہیں لائیں گے
ہم یہاں تک کہ ہمیں بھی دی جائے وہ چیز جو اللہ کے رسولوں
کو دی گئی ہے ۔ اللہ خوب جانتا ہے کہ کس موقع پہ وہ اپنے
پیغام کو رکھتا ہے عنقریب پہنچے گی اُن لوگوں کو جنہوں نے جرم
کیے ، ذلت اللہ کے نزدیک اور عذاب شدید اس وجہ سے
کہ وہ مکر کرتے تھے (۱۲۴)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے شرک کی تردید اور توحید و رسالت کا ذکر فرمایا شیاطین کے اغوا سے خبردار کیا ، قرآن پاک کی حقانیت کا تذکرہ کیا ، اکثریت اور اقلیت کا مسئلہ بیان کیا کہ انسانوں کی اکثریت محض گمان پر چلتی ہے اور اٹکل پچو باتیں کرتی ہے ۔ اس ضمن میں ایک مثال بھی بیان فرمائی کہ مشرک اہل ایمان پر اعتراض کرتے ہیں کہ مؤخر الذکر اپنے ہاتھ کا مارا جانور تو کھا لیتے ہیں مگر خدا تعالیٰ کا مارا ہوا حرام سمجھتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اس کو محض شیطانی خیال اور غلط قسم کا پراپیگنڈہ قرار دیا اور فرمایا کہ جس جانور پر بوقت ذبح اللہ کا نام لے لیا جائے اُس میں برکت اور پاکیزگی پیدا ہو جاتی ہے ، اور جو جانور شرعی طریقہ سے ذبح نہ کیا جائے وہ اِن چیزوں سے خالی ہوتا ہے لہٰذا جس جانور پر اللہ کا نام نہ لیا گیا ہو وہ اہلِ اسلام کے نزدیک مردار کا حکم رکھتا ہے فرمایا کہ شیاطین اللہ کے حکم کے خلاف اپنے دوستوں کے ذہن میں وسوسہ اندازی کرتے ہیں ، جس کی وجہ سے لوگ گمراہ ہو کر جھگڑے پر اُتر آتے ہیں اللہ نے خبردار کیا کہ اگر تم نے بھی ایسے لوگوں کا اتباع کیا تو مشرکین میں سے ہو جاؤ گے ۔

اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے نور اور ظلمت یعنی مردہ اور زندہ کا موازنہ کر کے سمجھایا ہے کہ ہدایت یافتہ اور گمراہ شخص برابر نہیں ہو سکتے ۔ پھر اللہ نے مجرمین

کی حیلہ سازیوں اور اُن کے انجام کا حال بیان فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اَوَمَنْ
كَانَ مَيْتًا بھلا وہ شخص جو مُردہ تھا۔ یہاں پہ مُردہ کا لفظ بطور استعارہ
استعمال کیا گیا ہے۔ اور اس سے حقیقی مُردہ مراد نہیں بلکہ ایسا شخص ہے جو کفر،
شرک اور گمراہی میں مبتلا ہو۔ فرمایا بھلا وہ شخص جو گمراہی کے اندھیروں میں بھٹک رہا
تھا فَاَحْيَيْنٰهُ پھر ہم نے اُس کو زندہ کیا یعنی گمراہی سے نکلنے اور ایمان قبول
کرنے کی توفیق بخشی۔ ظاہر ہے کہ کفر، شرک کی وجہ سے انسان پر مُردنی چھائی رہتی
ہے جب کہ ایمان قبول کرنے سے روحانی حیات پیدا ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے
قرآن پاک کو روح کا نام دیا ہے "كَذٰلِكَ اَوْحَيْنَآ اِلَيْكَ رُوْحًا مِّنْ
اَمْرِنَا" (الشوریٰ) ہم نے اپنے حکم سے آپ کی طرف ایک روح نازل کی
یعنی قرآنِ پاک۔ جس طرح انسانی جسم میں روح داخل ہوتی ہے تو انسان کو مادی حیات
نصیب ہوتی ہے۔ اسی طرح اہلِ ایمان کے قلب و ذہن میں جب قرآن پاک
داخل ہوتا ہے تو اُسے روحانی حیات میسّر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی مثال
اپنے ذکر سے متعلق بھی دی ہے[1] مَثَلُ الَّذِیْ یَذْکُرُ اللّٰهَ وَالَّذِیْ لَا یَذْکُرُ
کَمَثَلِ الْحَیِّ وَالْمَیِّتِ (حدیث) اللہ تعالیٰ کا ذکر کرنے والے اور ذکر نہ
کرنے والے شخص کی مثال زندہ اور مردہ کی ہے۔ جو شخص خدا تعالیٰ کا ذکر نہیں کرتا
وہ مردہ جسم کی طرح بالکل نکما اور بے سود ہے۔ ذکرِ الٰہی سے روحانی زندگی نصیب
ہوتی ہے اور کفر و شرک سے مُردنی چھائی رہتی ہے

مینارۂ نور

فرمایا جو شخص مردہ یعنی گمراہ تھا، اُس کو ہم نے زندہ کر دیا یعنی نورِ ایمان عطا فرمایا
وَجَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا ہم نے اُس کے لیے روشنی کا انتظام کر دیا۔ مفسرین کرام
فرماتے ہیں کہ ایمان، اسلام اور قرآن مینارۂ نور ہیں۔ اِن کے ذریعے انسان کے
قلب و دماغ میں شعور کی روشنی پیدا ہوتی ہے۔ برخلاف اس کے کفر، شرک
اور دوسرے درجے میں معاصی کے ذریعے قلب و ذہن میں تاریکی آتی ہے اور دِل
پر زنگ چڑھ جاتا ہے جس کی وجہ سے انسان حق و باطل میں تمیز نہیں کر سکتا۔ اس

[1] بخاری ص ۹۴۸ ج ۲ (فیاض)

سے صحیح اور غلط کی پہچان اُٹھ جاتی ہے۔ اسی طرح سنت ایک روشنی ہے
اور بدعت اندھیرا ہے۔ جس کی وجہ سے انسان راہِ راست سے بھٹک جاتا ہے
علم اور جہالت کو بھی نور اور ظلمت سے تشبیہ دی گئی ہے علم منبع نور ہے۔ جبکہ
جہالت سراسر تاریکی۔ علم ہی انسان کو اچھائی اور بُرائی میں تمیز سکھاتا ہے۔ قرآن پاک
اور ایمان بھی روشنی ہے جن سے مومن کا دِل منور ہوتا ہے اور وہ صراطِ مستقیم
کو پالیتا ہے اللہ تعالیٰ نے نور اور ظلمت کو سورۃ بقرہ میں اس طرح بیان
فرمایا ہے۔ "اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ
اِلَی النُّوْرِ" اللہ تعالیٰ ایمان والوں کا کارساز اور رفیق ہے، وہ اُن کو اندھیروں
سے نکال کر روشنی کی طرف لے جاتا تھا۔ اسی طرح قرآن پاک کے متعلق اللہ نے
فرمایا کہ ہم نے آپ پر قرآنِ پاک نازل فرمایا "لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ
الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ" (سورۃ ابراھیم) تاکہ آپ لوگوں کو تاریکی سے
نکال کر روشنی کی طرف لائیں۔

تاریکی اور روشنی

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے الظلم ظلمٰت یوم
القیمۃ ہر ظلم یعنی شرک، کفر، قتل ناحق، حق تلفی، زیادتی قیامت کے دن اندھیروں
کی شکل میں نمودار ہوں گے۔ حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ انسان کے گناہ اور
برائیاں اس کے لیے قبر میں تاریکی کا باعث ہوں گے۔ ایسے لوگوں کے لیے
پل صراط پر بھی سخت اندھیرا ہوگا جب کہ اہل ایمان کے لیے وہاں روشنی
ہوگی۔ اللہ نے فرمایا کہ اہل ایمان کو پلصراط سے گزرتے وقت اُن کا ایمان
روشنی عطا کرے گا اور وہ وہاں سے بخیر وخوبی گزر جائیں گے۔ سورۃ تحریم
میں موجود ہے۔ "نُوْرُھُمْ یَسْعٰی بَیْنَ اَیْدِیْھِمْ وَبِاَیْمَانِھِمْ"
اُن کا نور اُن کے آگے اور دائیں طرف ہوگا۔ یہ نورِ ایمان اور نورِ ہدایت
ہوگا جو اُن کی راہنمائی کرے گا۔ مومنین کا نورِ ایمان عالمِ برزخ میں بھی اُن کے لیے
راحت کا ذریعہ ہوگا۔ جب کہ کافر اور مشرکین اندھیروں میں سرگرداں ہوں گے

فرمایا جو آدمی گمراہی میں مبتلا تھا، اس کو ہم نے نورِ ہدایت عطا فرمایا یَمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ جس کے ذریعے وہ لوگوں کے درمیان چلتا ہے۔ ایسا شخص لوگوں کے درمیان رہ کر کفر، شرک اور معاصی سے بچتا ہے بدعت کے گڑھے میں نہیں گرتا، مزاروں پر سجدہ ریز نہیں ہوتا، رسوماتِ باطلہ میں ملوث نہیں ہوتا کیونکہ اس کے پاس ہدایت کی روشنی ہے۔ اس کے پاس نورِ ایمان ہے اور قرآنِ پاک کا سورج چمک رہا ہے جس کے پاس ایمان کی روشنی نہیں ہے، اس کے پاس روشنی کا کوئی سامان نہیں ہے، نہ اس کے پاس علم ہے اور نہ کتاب۔ وہ قومی اور خاندانی رسم و رواج میں پس رہا ہے۔ کھیل تماشے میں محو ہے اور معاصی کے اندھیروں میں بھٹک رہا ہے۔ كَمَنْ مَّثَلُهٗ فِی الظُّلُمٰتِ لَیْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا تو کیا وہ شخص اسکی طرح ہوگا جو اندھیروں میں ہوگا اور نہیں وہ نکلنے والا ان اندھیروں سے

فرمایا كَذٰلِكَ زُیِّنَ لِلْكٰفِرِیْنَ مَا كَانُوْا یَعْمَلُوْنَ اسی طرح مزین کیا گیا ہے کافروں کے لیے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ ہر بُرے سے بُرا کام کرنے والا بھی اپنے فعل کو اچھا سمجھتا ہے۔ بُت پر چڑھاوا چڑھانے والا ہندو سمجھتا ہے کہ وہ بہترین کام کر رہا ہے۔ اسی طرح قبر پر سجدہ کرنے والا اپنے لیے بڑی سعادت سمجھتا ہے۔ شیطان نے اُن کے بُرے افعال کو ایسا مزین کر کے دکھایا ہے کہ وہ اسی پر خوش ہیں۔ کھیل تماشہ ہو یا رسوماتِ باطلہ، ڈھول ڈھمکا ہو یا گانا بجانا۔ نذر و نیاز ہو یا چادر پوشی سارے کام اچھا سمجھ کر کیے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اگر کوئی شخص ان کو اچھا نہیں سمجھے گا تو کریگا کیوں؟ یہ سب شیطانی بہکاوا ہے۔ شیطان ورغلاتا ہے کہ تمہاری عزت شادی کی رسوم پر بے دریغ روپیہ خرچ کرنے میں ہے۔ لوگ کہیں گے فلاں تاجر نے فلاں حاجی نے، فلاں چوہدری نے بڑی دھوم دھام سے ولیمہ کیا ہے، چاہیے غریبوں اور پڑوسیوں کو پوچھا تک نہ ہو۔ کھیلوں میں حصہ لینے سے بڑی شہرت حاصل ہوتی ہے۔ فلمی ستارے بڑے مشہور ہوتے ہیں۔ یہ سب اندھیرے کے کام ہیں۔ جنہیں شیطان مزین کر کے دکھاتا ہے اور لوگ اسی

میں لگے رہتے ہیں۔

ایمان کی علامات

اس کے برخلاف حضور علیہ السلام نے ایمان کی علامت یہ بیان فرمائی ہے
اِذَا سَرَّتْكَ حَسَنَتُكَ وَسَاءَتْكَ سَيِّئَتُكَ فَاَنْتَ مُؤْمِنٌ
جب تمہیں نیکی اچھی لگے اور برائی سے نفرت پیدا ہو تو سمجھ لو کہ تمہارے دِل میں ایمان کی روشنی موجود ہے۔ اگر کسی کو برائی کا کام اچھا معلوم ہوتا ہے تو وہ شخص ایمان سے خالی ہے مومن آدمی ہمیشہ ایمان اور نیکی کی بات سے محبت کرتا ہے اور برائی سے نفرت کرتا ہے۔ اور پھر اگلا قدم یہ ہے کہ مومن برائی کو مٹانے کی کوشش کرتا ہے۔ اگر صاحب اختیار ہے تو اس کو طاقت سے مٹاتا ہے، اگر مبلغ اور واعظ ہے تو اس کو زبان اور قلم سے روکتا ہے اور پھر اس کا آخری درجہ یہ ہے کہ دل میں ہی نفرت پیدا ہوتی ہے۔ اگر برائی کے خلاف دِل میں بھی نفرت پیدا نہ ہو تو پھر حضور نے فرمایا وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ حَبَّةُ خَرْدَلٍ مِّنَ الْاِيْمَانِ تو انسان میں رائی کے دانے کے برابر بھی ایمان باقی نہیں رہتا۔ وہ سر سر گمراہی میں چلا جاتا ہے جس طرح ایمان والا نیکی کی باتوں سے محبت کرتا ہے اسی طرح کافر لوگ شیطان کے بہکاوے میں آکر کفر، شرک اور رسومِ باطلہ کو اچھا سمجھتے ہیں

اکابر مجرمین

فرمایا حق اور باطل ہمیشہ برسرِ پیکار رہے ہیں۔ یہ کوئی نئی بات نہیں ہے
وَكَذٰلِكَ جَعَلْنَا فِيْ كُلِّ قَرْيَةٍ اَكٰبِرَ مُجْرِمِيْهَا
اور اسی طرح ہم نے بنائے ہیں ہر بستی میں بڑے بڑے مجرم۔ اکابر اکبر کی جمع ہے۔ لِيَمْكُرُوْا فِيْهَا تاکہ وہ اس بستی میں حیلہ سازیاں اور مکاریاں کرتے رہیں۔ ایسے مجرمین ہر گاؤں، شہر اور ملک میں پیدا ہوتے رہے ہیں اور پیدا ہوتے رہیں گے۔ یہ لوگ سب سے پہلے ایمان کے خلاف عیاری کرتے ہیں۔ مشرکین مکہ اہلِ اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی مخالفت میں بڑی بڑی مخفی تدبیریں کرتے تھے کہ کسی طرح اللہ کا رسول اپنے مشن میں ناکام ہو جائے اور

ہماری سیادت اور رسم و رواج چلتے رہیں۔ قرآن پاک میں جگہ جگہ موجود ہے کہ انبیاء کی مخالفت اکثر سرمایہ داروں اور جاگیرداروں ہی نے کی تاکہ ان کی چودھراہٹ قائم رہ سکے اللہ کا نبی تو حلال و حرام کی تمیز سکھاتا ہے اور کہتا ہے "کُلُوا مِمَّا فِی الْاَرْضِ حَلٰلًا طَیِّبًا" زمین میں حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔ "کُلُوا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰکُمْ" ان پاک چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں بطور رزق عطا کی ہیں۔ "وَاعْمَلُوا صَالِحًا" اور نیک کام انجام دو سارے انبیا کی یہی تعلیم رہی ہے۔ یہ چیز ابوجہل، عتبہ اور ولید جیسے اکابر مشرکین کے مزاج کے خلاف تھی لہٰذا وہ اللہ کے نبی کی مخالفت کرتے تھے اور آپ کے مشن کو ناکام بنانا چاہتے تھے۔ اور اپنی من مانیوں کو جاری رکھنا چاہتے تھے۔

اقتصادی انقلاب

آج بھی ہدایت کے راستے میں سب سے بڑی رکاوٹ یہی سرمایہ پرست لوگ ہیں۔ حلت و حرمت اور حقوق العباد کے احکامات کا رخ لانے داروں، وڈیروں اور سرمایہ داروں کے راستے میں رکاوٹ ہوتے ہیں لہٰذا وہ ہمیشہ ان کی مخالفت کرتے ہیں۔ پھر جب بالآخر لوگ ان کی چکی میں پستے ہیں تو انقلاب آتے ہیں۔ روس میں ایسا ہوا۔ جب عوام سرمایہ داروں کے خلاف ہو گئے تو ۱۹۱۷ء کے انقلاب میں پونے دو کروڑ انسان مارے گئے۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ ضرورت کے وقت غریب کی حمایت کی بجائے سرمایہ پرستوں کی پشت پناہی کی جاتی ہے، حتیٰ کہ مذہبی قائدین بھی دولتمندوں کی حمایت کرتے ہیں۔ مفتیان انہی کے حق میں فتوے دیتے ہیں اور اس طرح انہیں مزید ظلم و ستم کرنے اور غریبوں کا خون چوسنے کا موقع مل جاتا ہے۔ مولانا سندھیؒ فرماتے ہیں کہ روس کے اشتراکی پروگرام میں ابتداً مذہب کو نہیں چھیڑا گیا تھا بلکہ محض اقتصادی پروگرام تھا مگر بعد میں انہوں نے یہ نظریہ قائم کر لیا کہ خدا تعالیٰ کا عقیدہ محض ایک وہم ہے، دین ایک افیون ہے جسے سرمایہ دار لوگ افیون کے طور پر استعمال کر کے عوام الناس کو نشے کی حالت میں رکھتے ہیں اور اپنا کام

چلاتے رہتے ہیں۔ چنانچہ آج روس کے منشور میں دین کا کوئی تصور نہیں اور اس کی حمایت جرم سمجھا جاتا ہے۔ وہاں کوئی شخص یہودیت، علیسائیت ہندومت یا اسلام کی تبلیغ نہیں کر سکتا۔ البتہ کسی بھی دین کے خلاف جو چاہے زہر اگلتا رہے۔ وہ جائز ہے۔ بہرحال جب کمزور لوگ سرمایہ داروں کے ہاتھوں بالکل پس گئے تو پھر وہ اٹھ کھڑے ہوئے اور انہوں نے سرمایہ داروں کے پاؤں میں رسیاں باندھ کر تین تین میل تک گھسیٹا اور انہیں کتوں کی طرح ہلاک کیا۔ مشرقی ممالک میں بھی اگر سرمایہ داروں نے اپنی ذمہ داری کو محسوس نہ کیا تو ایسا ہی ردعمل بعید از قیاس خیال نہیں کیا جا سکتا۔

اسلام ایسے ہی تظالم کو روکنا چاہتا ہے۔ اللہ کا فرمان ہے اِنّی حَرَّمْتُ ظُلْمَ عَلٰی نَفْسِی میں نے ظلم کو اپنے آپ پر حرام کر لیا ہے، اے لوگو! تم بھی ایک دوسرے پر ظلم نہ کیا کرو۔ ایمان کے بعد غرباء پروری اہم ترین فریضہ ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے "وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰی حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ" قرابتداروں اور مسکینوں کا حق ادا کرو مگر دولتمند یہ حق غصب کر لیتے ہیں جس کی وجہ سے بے چینی پیدا ہوتی ہے اور پھر انقلابات آتے ہیں۔ "بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ" کے مصداق یہ ان کے اپنے اعمال کا نتیجہ ہوتا ہے۔

فرمایا یہ سرمایہ دارانہ ذہنیت کے لوگ بڑی بڑی تدبیریں کرتے ہیں کہ کس طرح غریبوں کے حق کو دبائے رکھیں وَمَا يَمْكُرُوْنَ اِلَّا بِاَنْفُسِهِمْ اور وہ نہیں مکاری کرتے مگر اپنے ہی نفسوں کے ساتھ وَمَا يَشْعُرُوْنَ اور سمجھتے بھی نہیں۔ ان کی تمام تدبیریں انہی کے خلاف باقی ہیں اور وہ اپنے مذموم عزائم میں کامیاب نہیں ہوتے۔ ابوجہل کی تمام تدابیر اور منصوبے چند ہی سال میں ناکام ہو گئے اور بالآخر حق ہی کامیاب ہوا۔ باطل ہمیشہ کے لیے نامراد ہو گیا۔ اس کے باوجود اہل باطل ہمیشہ اپنے طریقے کو ہی اچھا سمجھتے ہیں اور آخرکار

اس کا نتیجہ پا لیتے ہیں۔

رسالت کی خواہش

فرمایا ایسے لوگ حق کو کبھی بھی تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتے وَاِذَا جَآءَتْهُمْ اٰيَةٌ اور جب اُن کے پاس کوئی واضح نشانی آجاتی ہے قَالُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ تو کہتے ہیں، ہم ہرگز ایمان نہیں لائیں گے حَتّٰى نُؤْتٰى مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ رُسُلُ اللّٰهِ یہاں تک کہ ہمیں بھی وہی چیز دی جائے جو اللہ کے رسولوں کو دی گئی ہے۔ یعنی جس طرح اللہ کے رسولوں کے پاس وحی آتی ہے، صحیفے آتے ہیں، فرشتے نازل ہوتے ہیں، اسی طرح ہمیں بھی ایسی چیزیں ملنی چاہئیں۔ ان کے بغیر ہم ایمان لانے کے لیے ہرگز تیار نہیں۔ خالدؓ کا باپ ولید بڑا امیر کبیر آدمی تھا۔ دس بیٹے اور وسیع مال و دولت تھا سوسائٹی میں بڑا وقار حاصل تھا، کہتا تھا، یہ سب کچھ میرے پاس ہے، وحی تو مجھ پہ آنی چاہیئے تھی، رسالت مجھے ملنی چاہیئے تھی، یہ محمد کو کیسے مل گئی۔ کہتے تھے لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ (الزخرف) یہ قرآن پاک مکے اور طائف کے بڑے آدمیوں پہ کیوں نہیں آیا۔ نبوت ایک غریب شخص کو کیسے مل گئی، مگر اللہ تعالیٰ نے اس کا اجمالی جواب دیدیا اَللّٰهُ اَعْلَمُ حَيْثُ يَجْعَلُ رِسَالَتَهٗ اللہ خوب جانتا ہے کہ اُس نے پیغام رسالت کہاں رکھنا ہے۔ وہ خالق اور باصلاحیت آدمی کو جانتا ہے جو اس کا بوجھ اُٹھا سکے۔ رسالت کی تقسیم نہ مال و دولت پہ ہے اور نہ قوم اور برادری پہ یہ تو اللہ تعالیٰ کی عنایت ہے جس پہ کر دے۔ یہ کس تکبر میں مبتلا ہیں۔ ہر آدمی اس قابل نہیں ہے کہ اُس پہ وحی نازل کی جائے یہ تو اللہ تعالیٰ کے انتخاب پہ منحصر ہے

مجرمین کے لیے سزا

فرمایا جو لوگ بڑا بننے کی کوشش کرتے ہیں سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ اَجْرَمُوْا صَغَارٌ عِنْدَ اللّٰهِ مجرم لوگ عنقریب اللہ کے ہاں ذلت پائیں گے۔ اللہ فرمائے گا کیا تم اپنے آپ کو اس قابل سمجھتے تھے کہ تم پہ جبرائیل

نازل ہوا اور اسی لیے اللہ کے رسول کی بات کو ٹھکراتے تھے۔ خدا کی تدبیر کا مقابلہ کرتے تھے کَانُوْٓا اَشَدَّ مِنْكُمْ قُوَّةً وَّ اَكْثَرَ اَمْوَالًا وَّ اَوْلَادًا (توبہ) اُن کے پاس مال بھی بہت تھا اور اولاد بھی زیادہ تھی، لہذا نبوت پر بھی اپنا حق جتاتے تھے، اللہ نے فرمایا اِن کے لیے ذلت ناک عذاب تیار کیا گیا ہے۔ حضور کا یہ بھی فرمان ہے کہ قیامت والے دن يُحْشَرُ الْمُتَكَبِّرُوْنَ كَاَمْثَالِ الذَّرِّ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ قیامت والے دن متکبر لوگ چیونٹیوں کی شکل میں چھوٹے چھوٹے اٹھائے جائیں گے، اُن کو غرور کرنے کی وجہ سے ذلیل کیا جائے گا۔ اللہ نے ان کو دولت کی نعمت عطا کی مگر انہوں نے اُس کا شکر کرنے کی بجائے تکبر کیا۔ توحید و رسالت کا انکار کیا اور انبیاء کی تعلیم کا مقابلہ کیا۔ دنیا میں اندھیروں میں بھٹکتے رہے مگر اپنے آپ کو بڑا سمجھتے رہے۔ انہیں اللہ کی بارگاہ میں ذلت اٹھانی پڑے گی وَعَذَابٌ شَدِيْدٌ سخت عذاب سے بھی دوچار ہوں گے بِمَا كَانُوْا يَمْكُرُوْنَ اس واسطے کہ حق کے خلاف سازشیں کرتے تھے بڑی چالیں چلتے تھے۔ اسلام کے خلاف منصوبے بناتے تھے۔ اُس کی اشاعت میں روڑے اٹکاتے تھے۔ لہذا اِن پر ذلت کی مار پڑے گی اور سخت عذاب کا شکار ہوں گے۔

فَمَنْ يُّرِدِ اللّٰهُ اَنْ يَّهْدِيَهٗ يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ ۚ وَمَنْ يُّرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا كَاَنَّمَا يَصَّعَّدُ فِي السَّمَآءِ ۚ كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۲۵﴾ وَهٰذَا صِرَاطُ رَبِّكَ مُسْتَقِيْمًا ؕ قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۲۶﴾ لَهُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّهِمْ وَهُوَ وَلِيُّهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۷﴾

ترجمہ :- پس وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ اس کو راہِ راست دکھائے، کھول دیتا ہے اُس کے سینے کو اسلام کے لیے اور وہ شخص کہ اللہ تعالیٰ ارادہ کرتا ہے کہ اُس کو گمراہ کردے، کر دیتا ہے اُس کے سینے کو تنگ، بہت زیادہ تنگ گویا کہ وہ شخص چڑھتا ہے آسمان پر اس طریقے سے اللہ تعالیٰ کر دیتا ہے گندگی اُن لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے ﴿۱۲۵﴾ اور یہ راستہ ہے تیرے رب کا سیدھا۔ تحقیق ہم نے تفصیل کے ساتھ بیان کی ہیں آیات اُن لوگوں کے لیے جو نصیحت حاصل کرتے ہیں ﴿۱۲۶﴾ اِن لوگوں کے لیے سلامتی کا گھر ہے ان کے ربّ کے پاس اور وہی ان کا کارساز ہے اسوجہ سے جو کچھ وہ اعمال کرتے ہیں ﴿۱۲۷﴾

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے دو شخصوں کی مثال بیان فرمائی ایک وہ شخص جس کے پاس ایمان اور ہدایت کی روشنی ہے اور وہ اس روشنی کے ذریعے لوگوں میں چلتا پھرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کی تعریف کی ہے۔ دوسرا وہ شخص ہے جس کے پاس ایمان، قرآن اور ہدایت کی روشنی نہیں ہے اور وہ اندھیروں میں بھٹک رہا ہے، ایسے لوگوں کی اللہ نے قباحت بیان فرمائی۔ اللہ نے ہر بستی اور شہر میں اکابر مجرمین کی موجودگی کا ذکر کیا۔ اور فرمایا کہ ان میں سے اکثر و بیشتر سرمایہ دار اور صاحب اقتدار لوگ ہوتے ہیں جو حق کی مخالفت پر کمربستہ رہتے ہیں۔ اس سلسلہ میں اللہ نے اپنے پیغمبر اور اس کے متبعین کو تسلی بھی دی ہے کہ اگر آج کے بڑے بڑے مجرم نیکی کے راستے کو روکنا چاہتے ہیں، تو ایسا تو پہلے بھی ہوتا رہا ہے اور آیندہ بھی ہوتا رہے گا۔ اللہ نے بعض متکبرین کا ذکر بھی کیا جو کہتے ہیں کہ جس طرح نبیوں پر فرشتہ، کتاب اور وحی آتی ہے اسی طرح ہم پر بھی آنی چاہیئے۔ انہوں نے غرور میں آکر بہت بڑی بات کی اور اپنے آپ کو وحی الٰہی کا اہل سمجھا۔ ایسے لوگ اللہ کے دربار میں پہنچ کر سخت ذلت اور عذاب شدید میں مبتلا ہوں گے، وجہ ظاہر ہے کہ وہ اس دنیا میں مکاریاں اور حیلہ سازیاں کرتے تھے۔ حق تعالیٰ کی توحید اور نبی برحق کی رسالت کے خلاف منصوبے بناتے تھے لہٰذا وہ دونوں طرح کی سزا کے مستحق ہوں گے۔

شرح صدر انعام الٰہی ہے

مشرکین کی طرف سے نشانیاں طلب کرنے کا ذکر گذشتہ کئی دروس میں ہو چکا ہے، وہ زبان سے کہتے تھے لَئِن جَاءَتْهُمْ ءَايَةٌ لَّيُؤْمِنُنَّ بِهَا "اگر کوئی نشانی ہماری مرضی کے مطابق آئے گی تو ایمان لے آئیں گے۔ مگر اللہ نے فرمایا کہ اے اہلِ ایمان! ان سے یہ توقع نہ رکھنا کہ نشانی دیکھ کر ضرور ہی ایمان لے آئیں گے اِن کی نیت خراب ہے۔ اِن کو ہدایت نصیب نہیں ہو سکتی۔ اللہ تعالیٰ ہدایت اُس شخص کو عطا کرتا ہے جو اس کا طلبگار ہو فَمَن يُرِدِ اللَّهُ أَن يَهْدِيَهُ پھر جسے اللہ تعالیٰ ہدایت دینے

کا ارادہ کرتا ہے يَشْرَحْ صَدْرَهٗ لِلْإِسْلَامِ اس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ شرح صدر اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔ اگر کسی شخص کے دل میں اسلام، دین اور ایمان کا فہم پیدا ہو جائے اور وہ اسلام کو قبول کرے تو یہ اللہ کا بہت بڑا احسان ہے مگر اس کا انحصار بھی انسان کی طلب پر ہی ہے۔ فرمایا "وَالَّذِيْنَ جَاهَدُوْا فِيْنَا لَنَهْدِيَنَّهُمْ سُبُلَنَا" (عنکبوت) جو لوگ ہماری طرف آنا چاہتے ہیں، ہم اُن کے سامنے ہدایت کے راستے کھول دیتے ہیں اور جو لوگ اس جذبہ سے خالی ہوتے ہیں انہیں ہدایت نصیب نہیں ہوتی اور وہ محروم ہی رہتے ہیں۔ ایسے لوگ اپنی صلاحیت اور عقل کو بروئے کار نہیں لاتے جسکی وجہ سے اُن کے لیے ہدایت کا راستہ واضح نہیں ہوتا۔ دوسری جگہ یہ بھی موجود ہے۔ "اَنِيْبُوْا اِلٰى رَبِّكُمْ وَاَسْلِمُوْا لَهٗ" (الزمر) اپنے رب کی طرف رجوع کرو۔ جو آدمی اللہ تعالیٰ سے صراطِ مستقیم کی طلب کریگا۔ یقیناً اُنکے سامنے راستہ واضح کر دیا جائے گا۔ اس کے برخلاف جو شخص مغرور ہے، محاسبے کی فکر نہیں رکھتا، اہل ایمان کو کمزور اور حقیر جانتا ہے، دنیا کے جاہ و اقتدار کو پسند کرتا ہے، ایسے لوگ ہدایت کے مستحق نہیں ہوتے۔

شرحِ صدر کی علامات

حدیث شریف میں آتا ہے کہ حضور علیہ السلام سے دریافت کیا گیا کہ جس شخص کا سینہ اللہ تعالیٰ کھول دے اُس کی علامات کیا ہیں فرمایا اَلْاِنَابَةُ اِلٰى دَارِ الْخُلُوْدِ وَالتَّجَافِيْ عَنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ وُرُوْدِ الْمَوْتِ یہ تین نشانیاں بیان فرمائیں کہ جب شخص کو شرح صدر حاصل ہو جائے وہ آخرت کی طرف رُخ کرتا ہے، ہر وقت متفکر رہتا ہے کہ اُسے بارگاہ رب العزت میں پیش ہونا ہے اور دوسری نشانی کہ وہ دھوکے کے گھر یعنی اس دنیا سے حتی الامکان کنارہ کش رہتا ہے۔ دنیا میں زیادہ منہمک نہیں ہوتا۔ حضور علیہ السلام نے زہد کی بھی ایسی ہی تعریف فرمائی ہے۔ لَا يَكُوْنُ مِمَّا فِيْ يَدَيْكَ اَوْثَقُ مِمَّا فِيْ يَدِ اللّٰهِ یعنی

زہد اس چیز کا نام ہے کہ تمہیں اس چیز پر اعتماد نہ ہو جو تمہارے ہاتھ میں ہے بلکہ اُس چیز پر زیادہ اعتماد ہو۔ جو اللہ کے پاس ہے یقیناً وہی پائدار ہے۔ اس دُنیا میں ہمارے پاس جو وسائل ہیں وہ تو عارضی ہیں۔ ان پہ کیسے بھروسہ کیا جا سکتا ہے ے

کل نعیم لا محالۃ زائل وانت عن مقیلک عنقریب راحل

دنیا کی تمام نعمتیں زائل ہو جائیں گی اور تمہیں عنقریب یہاں سے کوچ کر جانا ہے۔

دار الغرور یعنی اس دنیا کو دار الامتحان بھی کہا جاتا ہے۔ جو شخص اس عارضی قیامگاہ کو مستقل سمجھ لے اور دار الخلود یعنی ہمیشگی کے گھر کو فراموش کر دے تو وہ ناکام ہو جائیگا۔ جس کا سینہ اسلام کے لیے کھل جاتا ہے، وہ آخرت کے گھر کی طرف رجوع رکھتا ہے اور حتی المقدور اس دھوکے والے گھر سے کنارہ کشی اختیار کرتا ہے۔ حضور علیہ السلام دُعا میں فرمایا کرتے تھے[1] اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلِ الدُّنْيَا اَكْبَرَ هَمِّنَا وَلَا مَبْلَغَ عِلْمِنَا اے اللہ! صرف دنیا کو ہماری منزلِ مقصود نہ بنا دے اور نہ ہی ہمارے علم کو اس دنیا تک محدود کر دے بلکہ ہمارا رُخ آخرت کی طرف پھیر دے۔ کافر اور مشرک کا منتہائے مقصود صرف دنیا ہوتا ہے جب کہ مومن دنیا اور آخرت دونوں کا طلب گار ہوتا ہے چنانچہ یہ دُعا خود قرآنِ پاک نے سکھلائی ہے "رَبَّنَا اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً" (البقرہ) اے اللہ ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بہتری عطا فرما۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ بیان القرآن میں فرماتے ہیں کہ حسنہ سے مراد محض دنیا کی خوشحالی نہیں کیونکہ یہ تو کفار و مشرکین اور ملحدوں کو بھی میسّر ہے، بلکہ حسنہ سے ایسی حالت مراد ہے جو اللہ کے نزدیک بہتر ہو۔ ظاہر ہے کہ بہتر حالت وہی ہے جس میں نجات حاصل ہو جائے، چنانچہ ایک مومن اسی کا طالب ہوتا ہے۔

معاش اور معاد

غرضیکہ مومن کے پیشِ نظر دو مقاصد ہوتے ہیں فرمایا ھم المعاش وھم المعاد یعنی دنیا میں اچھی گزران اور آخرت میں نجات۔ دنیا کی زندگی

[1] ترمذی ص ۵۰۲ (فیاض)

میں اچھی معیشت ہر انسان کی بنیادی ضرورت ہے۔ ہر شخص حیاتِ طیبہ کا خواہشمند ہوتا ہے۔ اللہ کے نزدیک محنت کرنے والا مزدور اور کسان اچھی معیشت کا حامل ہوتا ہے حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کے نزدیک اس غلام کی حالت بہت اچھی ہے۔ جو اپنے مجازی مالک کا حق بھی ادا کرتا ہے اور حقیقی مالک کے حقوق کی بھی پاسداری کرتا ہے۔ یعنی اپنے آقا کی خدمت میں بھی کوئی کسر اٹھا نہیں رکھتا اور اللہ مالک الملک کی عبادت میں بھی منہمک رہتا ہے۔ ایسا غلام دہرے اجر کا مستحق ہوتا ہے ایک غریب مزدور کی حالت اس امیر کبیر کارخانے دار سے بدرجہا اچھی ہے۔ جس کی دولت عیاشی، فحاشی اور رسوماتِ باطلہ پر خرچ ہوتی ہے۔ مقصد یہ کہ اچھی معیشت محض دنیوی آسودگی کا نام نہیں بلکہ اللہ کے ہاں پسندیدہ حالت مراد ہے۔ اور یہ کیفیت اسی وقت پیدا ہوگی، جب انسان اپنے فرائض اور مخلوقِ خدا کے حقوق ادا کرے گا۔ امام شاہ ولی اللہ محدثِ دہلوی کے نزدیک ارتفاقاتِ معاشیہ کو صحیح طور پر انجام دینا ایک مومن کے لیے لازمی ہے۔ ایسا شخص جائز وسائل آمدنی اختیار کرتا ہے اور حرام راستوں سے بچتا ہے مصارف کے معاملہ میں بھی وہ حدِ اعتدال کو قائم رکھتا ہے نہ کنجوسی کرتا ہے اور نہ اسراف کا مرتکب ہوتا ہے، نہ تو ناجائز ذرائع سے مال حاصل کرتا ہے اور نہ ہی محنت، مزدوری، تجارت یا صنعت سے کمایا ہوا مال بینڈ باجے، آتش بازی اور ویلیے کی پر تکلف دعوتوں پر اڑاتا ہے وہ نہ تو پختہ قبریں بناتا ہے اور نہ ان پر چادریں چڑھاتا ہے، نہ وہ عرس اور قوالی کراتا ہے اور نہ ختم دلواتا ہے۔ یہ سب اضاعتِ مال ہے جس سے اللہ کے رسول نے منع فرمایا ہے۔ حرام کی کمائی کو ترقی کا نام دینا دھوکے کا سامان ہے۔ رشوت، سود، بیمہ، کھیل تماشے کی آمدنی ناجائز ذرائع میں سے ہے۔ گانے، بجانے، تصویر سازی اور بلیک مارکیٹنگ کی کمائی پر خوش نہیں ہونا چاہیئے۔ یہ آخرت میں وبالِ جان بن جائے گی۔ اس کی بجائے جائز ذرائع سے کماؤ اور جائز مصارف

پر خرچ کرو کہ اسی میں عافیت ہے اور اسی میں نجات ہے۔

بہر حال شرح صدر کی دوسری علامت یہ ہے کہ حتی الامکان دنیا سے دل نہ لگایا جائے۔ اس کا مطلب یہ نہیں کہ دنیا کو بالکل ہی ترک کر دیا جائے۔ کیونکہ لا رھبانیۃ فی الاسلام اسلام میں ترک دنیا کا کوئی تصور نہیں تاہم دنیا سے بچنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔ اس کو عارضی قیام گاہ ہی سمجھنا چاہیئے اور توجہ ہمیشہ دارالخلود یعنی ہمیشہ رہنے والے گھر کی طرف ہی ہونی چاہیئے۔ اور شرح صدر کی تیسری علامت یہ ہے کہ ایسا شخص موت کے وارد ہونے سے پہلے اس کی تیاری میں لگا رہتا ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے[1]۔ اکثروا ذکر ھاذم اللذات یعنی لذتوں کو ختم کر دینے والی چیز موت کا کثرت سے ذکر کیا کرو۔ اس سے دل میں صفائی پیدا ہوتی ہے۔ جو شخص قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے اور موت کو کثرت سے یاد کرتا ہے۔ اُس کے دل پر زنگ نہیں چڑھے گا۔ اور اگر قرآن پاک کی بجائے ناول ہی پڑھتے رہوگے، گانے سنوگے تو دل پر زنگ چڑھ جائے گا۔ اور وہ سیاہ ہو جائے گا، اس کے نتیجے میں موت بھول جائے گی۔ انگریزی اور یورپی تمدن اسی نہج پر آکر آخرت اور خدا تعالیٰ کو فراموش کر بیٹھا ہے۔ نہ خدا کا تصور اور نہ آخرت کی فکر۔ اُن کے پیش نظر ایک ہی چیز ہے۔

بابر بعیش کوش کہ عالم دوبارہ نیست

بہر حال فرمایا کہ شرح صدر کی تیسری علامت یہ ہے کہ انسان موت سے پہلے موت کی تیاری کرتا ہے۔

دل کی تنگی

دل کی کشادگی کے ذکر کے بعد اللہ تعالیٰ نے دل کی تنگی کے متعلق فرمایا ہے وَمَنْ يُرِدْ اَنْ يُّضِلَّهٗ اور جس کو اللہ گمراہ کرنے کا ارادہ کرتا ہے يَجْعَلْ صَدْرَهٗ ضَيِّقًا حَرَجًا اُس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے تنگی والا حرج اُس درخت کو کہتے ہیں جو بہت سے گھنے درختوں کے

[1] ترمذی ص۳۳۵ (فیاض)

جھنڈ کے اندر واقع ہو اور وہاں تک کوئی چیز آسانی سے نہ پہنچ سکے، سینے کی تنگی کا بھی یہی مطلب ہے کہ اس میں کوئی کارِ خیر، ایمان یا ہدایت داخل نہیں ہو سکتی۔ اور اس کی مثال ایسی ہے کَاَنَّمَا یَصَّعَّدُ فِی السَّمَآءِ گویا وہ آسمان کی طرف چڑھنا چاہتا ہے مگر چڑھ نہیں سکتا۔ اسی طرح تنگ دل میں نیکی کی کوئی بات داخل نہیں ہو سکتی۔

دل کا تنگ ہو جانا بلاوجہ نہیں ہوتا بلکہ اس کے بھی اسباب ہوتے ہیں۔ قدرت نے سبب اور مسبب یا علت اور معلول کا سلسلہ قائم کر رکھا ہے۔ جو لوگ اپنے دل کا شیشہ صاف رکھتے ہیں، اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں اور ہدایت کے طلبگار ہوتے ہیں، اللہ تعالیٰ یقیناً ان کے سامنے راہِ راست کو واضح کر دیگا اس کے برخلاف جو شخص اللہ تعالیٰ کی طرف رجوع ہی نہیں کرتا، جسے محاسبے کی فکر ہی نہیں ہے، اللہ کے ہادیوں کو حقیر سمجھتا ہے۔ دنیا سے محبت کرتا ہے اور جاہ پسند ہے، ایسے لوگوں کے دلوں کو اللہ تعالیٰ تنگ کر دیتا ہے اور پھر وہ ہدایت کو قبول کرنے کی صلاحیت ہی کھو بیٹھتے ہیں۔ ایسے لوگوں کے متعلق اللہ نے فرمایا "صُمٌّ الْبُكْمُ الَّذِيْنَ لَا يَعْقِلُوْنَ" (انفال) ایسے لوگ اندھے اور بہرے ہو جاتے ہیں، اِن کے دِل تنگ ہو جاتے ہیں۔ پھر نہ وہ عقل کو صحیح طور پر استعمال کرتے ہیں اور نہ انہیں راہِ راست میسر آتا ہے۔

فرمایا كَذٰلِكَ يَجْعَلُ اللّٰهُ الرِّجْسَ عَلَى الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ اسی طرح اللہ ڈال دیتا ہے گندگی اُن لوگوں پر جو ایمان نہیں لاتے، رجس کے مختلف معنی آتے ہیں۔ گندگی کے علاوہ اس لفظ کا معنی عذاب بھی ہے۔ یہ معنی بھی صادق آتا ہے کہ جس شخص کا سینہ تنگ ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو عذاب میں مبتلا کر دیتا ہے۔ رجس شیطان پر بھی بولا جاتا ہے۔ یعنی ایسے لوگوں پر اللہ تعالیٰ شیطان کو مسلط کر دیتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ شیطان تو بذاتِ خود گندا ہے، اُس کی فکر گندی ہے اور وہ گندگی ہی کی تعلیم دیتا ہے۔ اِسی لیے

حضور علیہ السلام نے تعلیم دی ہے کہ بیت الخلا میں جاتے وقت یہ دعا پڑھ لیا کرو۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَائِثِ یعنی میں نر اور مادہ شیاطین سے خدا کی پناہ مانگتا ہوں۔ ایسا کہنے والا شیطان کے شر سے محفوظ رہتا ہے، وگرنہ حضور نے فرمایا کہ شیطان انسان کے اعضائے مستورہ کے ساتھ بیت الخلاء میں کھیلتے رہتے ہیں۔

صراط مستقیم

فرمایا وَھٰذَا صِرَاطُ رَبِّکَ مُسْتَقِیْمًا یہ ہے تیرے رب کا سیدھا راستہ جس پر اللہ کا آخری پیغمبر اور اس کے پیروکار چل رہے ہیں اور جس کے اصول و ضوابط اللہ نے اس کتاب قرآن پاک میں نازل فرما دیے ہیں۔ پھر جہاں ضرورت تھی، اللہ کے نبی نے اُن کی تشریح بھی بیان کر دی ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا ھٰذَا صِرَاطٌ عَلَیَّ مُسْتَقِیْمٌ (الحجر) یہی میری طرف سیدھا راستہ ہے آگے فرمایا قَدْ فَصَّلْنَا الْاٰیٰتِ لِقَوْمٍ یَّذَّکَّرُوْنَ ہم نے تفصیل کے ساتھ نشانیاں معجزات، دلائل، احکام اور اصول وغیرہ بیان کر دیے ہیں۔ یہ نشانیاں اللہ تعالیٰ کی معرفت کا ذریعہ ہیں۔ اُس کی وحدانیت، قدرت تامہ اور حکمت بالغہ کو واضح کرتی ہیں۔ اور یہ اُس قوم کے لیے ہیں جو نصیحت پکڑتے ہیں۔ جو لوگ نصیحت کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے اُن کے لیے کوئی دلیل اور نشانی مفید نہیں ہو سکتی۔ سورۃ غاشیہ میں ہے فَذَکِّرْ قف اِنَّمَآ اَنْتَ مُذَکِّرٌ آپ لوگوں کو نصیحت کریں کیونکہ آپکا کام نصیحت کرنا ہی ہے۔ سورۃ اعلیٰ میں ہے "سَیَذَّکَّرُ مَنْ یَّخْشٰی" نصیحت وہ آدمی پکڑتا ہے جس کے دل میں خوف ہو، جس کے دل میں آخرت اور محاسبے کا خوف جاگزیں ہوگا۔ وہ اللہ کی بیان کردہ نشانیوں سے ضرور نصیحت پکڑے گا۔ سورۃ اعراف میں آتا ہے وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ "اپنے دل میں رب کا ذکر کرو" بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ "یعنی صبح و شام" وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغٰفِلِیْنَ "اور غافلوں میں نہ ہو جانا۔ سورۃ یوسف میں ہے" وَکَاَیِّنْ مِّنْ

بخاری ص۹۳۶ ج ۲ (فیاض)

اٰیَۃٍ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ یَمُرُّوْنَ عَلَیْھَا وَھُمْ عَنْھَا مُعْرِضُوْنَ" زمین و آسمان میں اللہ کی قدرت کی کتنی ہی نشانیاں موجود ہیں۔ جن پر سے لوگ گزر جاتے ہیں مگر اُن کی طرف توجہ ہی نہیں کرتے بہرحال فرمایا کہ ہم نے نصیحت پکڑنے والوں کے لیے اپنی نشانیاں تفصیل کے ساتھ بیان کر دی ہیں۔ صراطِ مستقیم کو واضح کر دیا ہے، اب جو چاہے اس راستے کو اختیار کر کے منزلِ مقصود تک پہنچ جائے اور جو چاہے اس سے اعراض کر کے گمراہی کے اندھیروں میں بھٹکتا پھرے۔

دار السلام

فرمایا جو لوگ ہماری نشانیوں سے نصیحت پکڑ لیتے ہیں لَھُمْ دَارُ السَّلٰمِ عِنْدَ رَبِّھِمْ اُن کے لیے سلامتی کا گھر ہے اُن کے رب کے پاس دار السلام سے مراد جنت ہے۔ جیسے دعا کی جاتی ہے اے مولا کریم! اَدْخِلْنَا فِیْ دَارِ السَّلَامِ ہم سب کو سلامتی کے گھر میں داخل فرما۔ جنت سلامتی کا گھر اس لیے ہے کہ وہاں کوئی دکھ تکلیف نہ ہو گی۔ نہ کوئی بیمار ہو گا اور نہ پریشان ہو گا ہر طرف سے سلامتی کی آوازیں آئیں گے۔ سورۃ زمر میں ہے کہ جب فرشتے جنتیوں کو گروہ در گروہ جنت کی طرف لے جائیں گے تو اُن کے لیے دروازے کھول دیئے جائیں گے تو اُن سے کہا جائیگا "سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ طِبْتُمْ فَادْخُلُوْھَا خٰلِدِیْنَ" (الزمر) تم پر سلامتی ہو۔ تم بہت اچھے رہے اب اس میں ہمیشہ کے لیے داخل ہو جاؤ خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے سلام آئے گا۔ سَلٰمٌ قَوْلًا مِّنْ رَّبٍّ رَّحِیْمٍ" (یٰسین) مومن بھی ایک دوسرے کو سلام کریں گے اور فرشتے بھی اہلِ جنت کو سلام کریں گے۔ اسی کے متعلق فرمایا کہ صراطِ مستقیم پر چلنے والوں کے لیے اُن کے رب کے پاس سلامتی کا گھر ہے جس میں وہ ہمیشہ رہیں گے۔

فرمایا وَھُوَ وَلِیُّھُمْ اور وہی اللہ ان کا کارساز ہے جو لوگ اللہ کی رضا کے طالب ہیں، جن کا سینہ اللہ نے کھول دیا ہے، جو صراطِ مستقیم

کے مسافر ہیں اور جو آخرت کے محاسبے سے ڈرتے ہیں، اللہ اُن کا کارساز اور نگہبان ہے۔ اور یہ انعام ان کو اس بدلے میں حاصل ہوگا بِمَا كَانُوا يَعْمَلُونَ جو کچھ وہ اس دنیا میں کرتے رہے ہیں۔ انہوں نے اس دنیا کی زندگی میں ایمان حاصل کیا اور نیک کام انجام دیے، اب اس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہو جائے گا، اُن کا کارساز ہوگا اور اس طرح وہ کامیابی کی منزل تک پہنچ جائیں گے

وَيَوۡمَ يَحۡشُرُهُمۡ جَمِيۡعًا ۚ يٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ قَدِ اسۡتَكۡثَرۡتُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ‌ ۚ وَقَالَ اَوۡلِيٰٓـُٔهُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ رَبَّنَا اسۡتَمۡتَعَ بَعۡضُنَا بِبَعۡضٍ وَّبَلَغۡنَاۤ اَجَلَنَا الَّذِىۡۤ اَجَّلۡتَ لَنَا‌ ؕ قَالَ النَّارُ مَثۡوٰٮكُمۡ خٰلِدِيۡنَ فِيۡهَاۤ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ‌ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۲۸﴾ وَكَذٰلِكَ نُوَلِّىۡ بَعۡضَ الظّٰلِمِيۡنَ بَعۡضًۢا بِمَا كَانُوۡا يَكۡسِبُوۡنَ ﴿۱۲۹﴾ ع

ترجمہ :- اور اُس دِن کا خیال کرو جس دِن اکٹھا کرے گا اللہ ان سب کو اور فرمائیگا اے جنات کے گروہ ! تحقیق تم نے بہت زیادہ گھیر لیے گمراہ انسان ، اور کہیں گے ان کے رفیق انسانوں میں سے ، اے ہمارے پروردگار فائدہ اٹھایا ہمارے بعض نے بعض سے اور پہنچے ہم اس مدت تک جو تو نے ہمارے لیے مقرر فرمائی تھی - اللہ فرمائے گا کہ دوزخ کی آگ تمہارا ٹھکانا ہے وہ اس میں ہمیشہ رہنے والے ہوں گے مگر جو اللہ چاہے بیشک تیرا پروردگار حکمت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے ﴿۱۲۸﴾ اور اس طرح ہم ملا دیں گے بعض ظالموں کو بعض کے ساتھ اس وجہ سے جو کچھ وہ اعمال کرتے تھے ﴿۱۲۹﴾

ربط آیات

گذشتہ دروس میں یہ بیان آچکا ہے۔ کہ جسے اللہ تعالیٰ راہِ راست کی طرف ہدایت دینا چاہتا ہے اُس کا سینہ اسلام کے لیے کھول دیتا ہے۔ اور جس کو گمراہی میں رکھنا چاہتا ہے اس کے سینے کو تنگ کر دیتا ہے اور اس میں ایمان اور اسلام جیسی اعلیٰ چیز داخل نہیں ہو سکتی اور پھر اُس شخص کی حالت ایسی ہو جاتی ہے جیسے اُس کو آسمان پر چڑھنا پڑے۔ جس طرح کوئی شخص اس مادی جسم کے ساتھ آسمان پر نہیں چڑھ سکتا اسی طرح تنگدل شخص ہدایت کے راستے پر گامزن نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ کفر شرک کرنے والے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نجاست ڈال دیتا ہے۔ جو ایمان سے محروم ہوتے ہیں، ضد اور عناد کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن پر شیطان مسلط کر دیتا ہے جو کہ بجائے خود ایک گندگی ہے۔ وہ انسان کے دل و دماغ میں ناپاک خیالات ڈالتا ہے جس کی بناء پر ایسا شخص صراطِ مستقیم سے مزید دُور ہو جاتا ہے۔ اب آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے شیطان اور انسان کے باہمی تعلق کو بیان فرمایا ہے۔ جب محاسبے کا وقت آئیگا تو انسان اقرار کریں گے کہ ہم نے شیطان سے اور شیطان نے ہم سے فائدہ اٹھایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ جنوں اور انسانوں کو جہنم کی سزا کا حکم سنائیں گے۔

جنوں اور انسانوں کا محاسبہ

ارشاد ہوتا یَوۡمَ یَحۡشُرُہُمۡ جَمِیۡعًا اُس دن کو دھیان میں لاؤ جس دن اللہ رب العزت، پروردگارِ عالم اور معبودِ برحق سب کو اکٹھا کر یگا۔ اور محاسبے کا عمل شروع کر یگا۔ جنات سے خطاب ہو گا یٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ اے جنات کے گروہ! قَدِ اسۡتَکۡثَرۡتُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ تم نے انسانوں میں سے بہت سے لوگ اپنے پیچھے لگا لیے یعنی اُن کو گمراہ کر دیا۔ وَقَالَ اَوۡلِیٰٓؤُہُمۡ مِّنَ الۡاِنۡسِ اور انسانوں میں سے اُن کے دوست کہیں گے یعنی اقرار کریں گے کہ بیشک جنوں نے ہم میں سے کثیر تعداد کو بہکا کر راہِ راست سے گمراہ کر دیا۔ جس طرح یہاں پر جنات سے خطاب ہے اسی طرح سورۃ یٰس میں انسانوں

سے بھی اللہ نے خطاب فرمایا ہے "اَلَمْ اَعْهَدْ اِلَيْكُمْ يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّيْطٰنَ" اے بنی آدم! کیا میں نے تمہیں حکم نہیں دیا تھا کہ شیطان کی پرستش نہ کرنا۔ اللہ کے علاوہ کسی بھی غیر کی پرستش شیطان ہی کی پوجا ہے۔ غیر اللہ کی عبادت شیطان ہی کے اغوا، اضلال اور وسوسہ اندازی سے ہوتی ہے۔ بہر حال اس آیت میں جنات کا ذکر فرمایا ہے کیونکہ انسان اور جن دونوں مکلف ہیں اور قیامت کے دن محاسبے کے عمل سے گزریں گے۔ انسانوں کی آبادی سے پہلے اس زمین میں جن آباد تھے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام کی پیدائش سے دو ہزار سال پہلے جن یہاں آباد تھے، پھر جب انہوں نے فتنہ و فساد کا بازار گرم کیا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں یہاں سے بھگا دیا اور یہ خوفناک جنگلوں، پہاڑوں اور جزیروں کی طرف چلے گئے۔ اس طرح زمین ان سے پاک ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی تخلیق کر کے آپ کی نسل کو چلایا۔ مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں۔ کہ انسانوں کی طرح جنوں میں بھی نیک اور بد ہوتے ہیں۔ بعض کافر، بعض مشرک، بعض منافق اور بعض مومن اور موحد ہوتے ہیں۔ جس طرح انسانوں میں مختلف فرقے پائے جاتے ہیں اسی طرح جن بھی مختلف فرقوں میں تقسیم ہیں۔ بہر حال جن اور انسان اللہ کے قانون کے پابند ہیں۔ اگلے رکوع میں اسکی مزید تفصیل آئیگی۔

ایک دوسرے سے استفادہ

فرمایا جس دن اللہ تعالیٰ جنوں اور انسانوں کو اکٹھا کریگا اور جنوں سے فرمائیگا کہ تم نے بہت سے انسانوں کو گمراہ کیا، تو شیطان کے دوست انسان کہیں گے کہ پروردگار! تیرا فرمان برحق ہے۔ ہم واقعی شیطان کا اتباع کرتے رہے اور سیدھے راستے سے بھٹک گئے۔ اور یہ بھی عرض کریں گے رَبَّنَا اسْتَمْتَعَ بَعْضُنَا بِبَعْضٍ، ہم میں سے بعض نے بعض کے ساتھ فائدہ اٹھایا یعنی جنات انسانوں سے مستفید ہوتے رہے اور انسان جنات سے استفادہ کرتے رہے۔ جنات کا انسان سے فائدہ اٹھانا اس طرح ہے کہ جنات نے انسانوں کے دلوں میں وسوسہ اندازی کر کے ان کو گمراہ کیا۔ جیساکہ

سورۃ جن میں موجود ہے فَزَادُوْهُمْ رَهَقًا جب جنات نے دیکھا، کہ انسان اُن سے ڈرتے ہیں اُن کی نذر نیاز کرتے ہیں، اُن کی پناہ میں آتے ہیں تو اُن کے غرور و تکبر اور اکڑ میں اضافہ ہوگیا۔ اور اس طرح انہوں نے انسانوں سے فائدہ اٹھایا۔ انسانوں کے مستفید ہونے کی صورت یہ ہے کہ انہیں شیطان کے بتائے ہوئے عقائدِ باطلہ میں لطف و سرور حاصل ہونے لگا۔ طرح طرح کی مشرکانہ رسوم سے لطف اندوز ہونے لگے۔ اہلِ بدعت کو بدعات کے کاموں میں لطف آنے لگا اور وہ ان میں مزید منہمک ہو گئے۔ کسی کو قبر پہ حاضری سے اطمینانِ قلب حاصل ہو گیا، اور کسی کو نذر لغیر اللہ سے کامیابی ہوگئی۔ کسی نے جھنڈیاں لگا کر اور کسی نے جلوس نکال کر اور کسی نے نعرے بازی کر کے اپنے دِل کو مطمئن کر لیا۔ اُدھر شیطان بھی خوش ہو گیا کہ اُس کا حربہ کامیاب رہا ہے اور لوگ گمراہی کی طرف چل نکلے ہیں، اس طرح گویا جنوں اور انسانوں نے ایک دوسرے سے استفادہ حاصل کیا جس کا ذکر اس آیتِ کریمہ میں ہوا ہے۔

انسانوں کا اعترافِ حقیقت

اللہ کے دربار میں انسان بھی اس حقیقت کا اعتراف کریں گے کہ وہ قیامت کے منکر تھے، توحید کا انکار اور شرک میں مگن رہے مگر ہمارا خیال غلط نکلا، ہمارا عقیدہ باطل ثابت ہوا وَبَلَغْنَآ اَجَلَنَا الَّذِیْٓ اَجَّلْتَ لَنَا اور تو نے ہمارے لیے جو وقت مقرر کر رکھا تھا ہم اُس تک پہنچ گئے اور قیامت آ گئی۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انس و جن کے لیے ایک وقت مقرر کر رکھا ہے جب اُس کی موت واقع ہو جاتی ہے اور پھر پوری کائنات کے لیے بحیثیت مجموعی بھی ایک وقت معین ہے جب قیامت برپا ہو جائیگی۔ تو انسان کہیں گے مولا کریم! ہم نے اِس دِن کا انکار کیا، شیطان کا اتباع کرتے رہے، اُس نے ہم سے اپنی باتیں منوائیں، ہم کفر اور شرک میں مبتلا رہے، بدعات کو ہی دین سمجھتے رہے اور اصل دین سے غافل ہو گئے اور آخر کار اُس وقت تک پہنچ گئے جو تو نے ہمارے لیے مقرر کر رکھا تھا۔

جہنم میں داخلہ

اس اعتراف حقیقت یا اقبالی بیان کے بعد اللہ تعالیٰ فرمائیگا قَالَ النَّارُ مَثْوٰىكُمْ اب جہنم کی آگ تمہارا ٹھکانا ہے۔ انسان ہو یا جن جس نے بھی غرور و تکبر کیا، شرک، کفر اور بدعات میں مبتلا رہا، رسومات باطلہ کے پیچھے لگا رہا، اللہ کی وحدانیت سے انکار کیا، اُس کا ٹھکانا جہنم کی آگ کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اور پھر یہ بھی کہ جہنم کی سزا عارضی نہیں ہوگی کہ مدت پوری ہونے پر وہاں سے نکال لیے جائیں گے بلکہ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اسی میں رہیں گے اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ مگر یہ کہ جو اللہ چاہے۔ مشیت الٰہی کی صورت یہ ہے کہ وہ کسی کو توبہ کی توفیق دے دے، حقیقت اسکی سمجھ میں آجائے تو وہ توحید کا اقرار کر کے دوزخ سے بچ جائے۔ اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ایک اور مطلب بھی ہو سکتا ہے قرآن پاک میں مذکور ہے کہ جہنمی جب جہنم میں جلیں گے تو پانی طلب کریں گے۔ پھر اُن کو پانی کی طرف لے جایا جائیگا جو کہ کھولتا ہوا ہوگا۔ اگرچہ اس سے دوزخیوں کو کوئی خاص فائدہ تو نہ ہوگا مگر اتنی دیر تک آگ میں جلنے سے تو افاقہ رہے گا۔ اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰهُ کا یہ بھی مطلب ہے کہ اللہ تعالیٰ یہ سزا اپنی مشیت اور ارادے سے دیگا، وہ چاہے تو کسی سے سزا موقوف کر دے۔ وہ تو خود مختار ہے، وہ سزا دینے پر مجبور تو نہیں ہے، لہٰذا جس کی چاہے سزا معاف بھی کر سکتا ہے اعمال انسانی کا طبعی تقاضا تو یہی ہے کہ اُسے اعمال کے مطابق سزا یا جزا دی جائے مگر اللہ تعالیٰ اس کے لیے پابند بھی نہیں، کہ وہ کسی کو ضرور ہی سزا دے یا کسی کو ضرور ہی معاف کر دے۔ اگرچہ اُس کا اپنا فیصلہ ہے کہ وہ کسی کافر اور مشرک کو نہیں چھوڑے گا مگر وہ ایسا کرنے پر قادر ہے۔ اس میں کوئی شک و شبہ نہیں۔ فرمایا اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ تیرا رب حکیم ہے، وہ ہر کام اپنی حکمت تامہ کے ساتھ انجام دیتا ہے۔ اُس کا سزا اور جزا کا ہر فیصلہ حکمت پر مبنی ہوتا ہے کیونکہ وہ علیم بھی ہے اور کوئی چیز اس کے احاطہ علم سے باہر نہیں۔ اُس کا ہر فیصلہ شک و شبہ سے بالا کامل علم پر ہوتا ہے۔

ایک دوسرے کی رفاقت

جنوں اور انسانوں کے محاسبے کے تذکرے کے بعد اللہ تعالیٰ نے آخرت میں مختلف لوگوں کی آپس میں رفاقت کا ذکر کیا ہے۔ جن لوگوں کی سزا کا بیان ہوا ہے، اُن کے متعلق فرمایا وَكَذٰلِكَ نُوَلِّي بَعْضَ الظّٰلِمِيْنَ بَعْضًا اور اسی طرح ہم ملا دیں گے، بعض ظالموں کو بعض کے ساتھ یعنی دوزخ میں جانے والے ایک دوسرے کے ساتھی ہوں گے۔ نولی کے معنی قریب کرنے کے بھی ہوتے ہیں۔ چنانچہ حضرت سعید ابن جبیرؒ، حضرت قتادہؒ اور حضرت عمر فاروقؓ اور بعض دیگر مفسرین نے اس آیت میں قریب کا معنی ہی لیا ہے۔ اور پورا مطلب اس طرح بیان کیا ہے کہ اس طرح ہم بعض ظالموں کو بعض دوسرے ظالموں کے قریب کر دیں گے۔ یعنی اُن کو ایک دوسرے کی رفاقت حاصل ہوگی۔ سورۃ تکویر میں آخرت میں تمام لوگوں کے متعلق فرمایا ہے "وَاِذَا النُّفُوْسُ زُوِّجَتْ" جب ہر قسم کے لوگوں کو ملا دیا جائے گا مفسرین اس سے یہی مراد لیتے ہیں کہ ہر قسم کے لوگوں کے علیحدہ علیحدہ گروہ بنا دیے جائیں گے۔ حشر کے میدان میں نیکوں کی قطاریں الگ ہوں گی اور بروں کی الگ ہونگی۔ پھر یہ بھی ہے کہ اعمال اور جرائم کے اعتبار سے بھی الگ الگ قطاریں ہوں گی، سب سے اچھے اعمال انجام دینے والے اور سو فیصد نمبر حاصل کرنے والے ایک قطار میں ہوں گے اور اس سے کم نوے نمبر والے اور پھر پچاس نمبر حاصل کرنے والے علیحدہ علیحدہ قطاروں میں کھڑے ہوں گے۔ جس درجے کی کسی نے نیکی یا برائی کی ہے۔ وہ اُسی گروپ میں شامل ہوگا۔ اسی طرح ظالم ظالموں کیساتھ مل جائیں گے، شرک کرنے والے مشرکوں کے ساتھ ہوں گے اور توحید پرست موحدین کے گروہ میں شامل ہوں گے، جس طرح دنیا میں

"کند ہم جنس باہم جنس پرواز
کبوتر با کبوتر باز با باز"

کا مقولہ ہے، اس طرح آخرت میں بھی ایک دوسرے کی رفاقت حاصل ہوگی۔

حتیٰ کہ چور چوروں کے ساتھ ہوں گے اور عبادت گزار عبادت گزاروں کے ساتھ۔ جس طرح دنیا میں لوگ اچھی سوسائٹی کی تلاش میں رہتے ہیں، اسی طرح آخرت میں بھی ان کو بہتر سوسائٹی نصیب ہوگی اور جو لوگ اس دنیا میں بری سوسائٹی میں رہتے تھے، آخرت میں بھی انہیں ویسی ہی رفاقت میسر آئیگی۔ وہ سزا کے دوران بھی ایک دوسرے کے قریب ہی ہوں گے اور ایک دوسرے کو دیکھتے ہوں گے۔ آیت کریمہ کا یہ مفہوم بھی قرآن وحدیث سے ثابت ہے۔

ایک دوسرے پر تسلط

تولّی کا ایک معنی مسلط کر دینا بھی ہے۔ اس کے علاوہ ولایت بمعنی مدد اور نصرت کے بھی آتا ہے۔ اس سے حکومت اور سلطنت بھی مراد ہوتا ہے اسی لیے متولی وہ ہوتا ہے جو نگرانی اور حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ اگر نُوَلِّیْ کا معنیٰ مسلط کر دینا لیا جائے تو اس کا معنیٰ یہ ہوگا کہ ہم بعض ظالموں کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ جو لوگ ایمان نہیں لاتے توحید کی بجائے شرک کا راستہ اختیار کرتے ہیں اور قرآنِ پاک سے اعراض کرتے ہیں اُن کی گردنوں پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے، ان کا ساتھی بن جاتا ہے اور پھر اُن کو گمراہ کر کے چھوڑتا ہے۔ سورۃ زخرف میں ارشاد ہوتا ہے "وَمَنْ يَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَيِّضْ لَهٗ شَيْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِيْنٌ" جو شخص قرآن سے اعراض کرتا ہے اس کی گردن پر شیطان مسلط ہو جاتا ہے اور اس کا ساتھی بن جاتا ہے اللہ کے دین سے منہ موڑنے والے ظالم ہیں اور ان پر شیطان ظالم کو مسلط کر دیا جاتا ہے۔ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ یہ اس وجہ سے کہ جو کچھ وہ عمل کرتے ہیں اور کماتے ہیں۔

جیسی رعایا ویسے حاکم

اس تسلط سے ایک دوسرا عام فہم معنیٰ بھی لیا جا سکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے قانون کے مطابق ایک ظالم پر دوسرے بڑے ظالم کو مسلط کر دیتا ہے۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کما تکونون یومر علیکم او کذلک یولّی علیکم یعنی اے لوگو! جس

طرح کے تم خود ہوگے اسی طرح کے تم پر حاکم مقرر کر دیے جائیں گے۔ اگر تم اچھے عادات و خصائل کے مالک ہو، اللہ اور اس کے بندوں کے حقوق ادا کرتے ہو۔ نیکی کا حکم کرتے ہو اور برائی سے روکتے ہو تو تمہارے حاکم بھی رحم دل اور خدمت کا جذبہ رکھنے والے ہوں گے۔ اور اگر تم ظلم و جور کے عادی ہوں گے، کمزوروں پر ظلم کرو گے، غریبوں کی حق تلفی کرو گے تو اللہ تعالیٰ تم پر حاکم بھی ایسے مسلط کر دیگا جو تمہیں ظلم کا نشانہ بنائیں گے اور تمہیں ذلیل و خوار کر کے رکھ دیں گے۔

ایک دوسری حدیث میں آتا ہے من اعان ظالما سلط اللہ علیہ ظالما جو شخص ظالم کی اعانت کریگا، اللہ تعالیٰ اس پر ایک بڑا ظالم مسلط کر دیگا جو اسے ذلیل کر یگا۔ دنیا میں جہاں کہیں لوگوں میں ظلم و ستم کا دور دورہ ہو، ان پر حاکم بھی ایسے ہی مسلط ہوتے ہیں جو ان کی سرکوبی کرتے رہیں۔ اور یہ سب کچھ ان کی اپنی کمائی کا بدلہ ہوتا ہے۔ جو سلوک وہ اپنے سے کم تر لوگوں کے ساتھ کرتے ہیں۔ وہی سلوک ان کے ساتھ بھی کیا جاتا ہے۔ جب کوئی قوم عدل و انصاف کی بجائے ظلم کو پسند کرتی ہے تو خدا تعالیٰ ان پر کسی ظالم کو ہی مسلط کر دیتا ہے۔ تو بہر حال اسی طرح ہم بعض کو بعض پر مسلط کر دیتے ہیں۔ اور انسانوں پر شیطانوں کا مسلط ہونا انسانوں کے اپنے اعمال کی وجہ سے ہوتا ہے۔ اصل میں یہ بیان تو کفر و شرک اور شیطان کے تسلط کا تھا تاہم اس کا اطلاق ایک انسان کا دوسرے انسان پر بھی ہوتا ہے اور یہ بھی اللہ تعالیٰ کا قانون ہے۔ کہ وہ ایک ظالم کو دوسرے ظالم کے ذریعے دفع کر دیتا ہے اور پھر یہ بھی بیان ہوگیا کہ جس طرح دنیا میں ایک طرح کی سوجھ بوجھ کے آدمی ایک گروہ میں شامل ہوتے ہیں۔ اسی طرح آخرت میں ہر شخص اپنے اپنے اعمال اور عقیدے کے مطابق اپنے اپنے گروہ میں شامل ہوگا۔

درس سی ونہ ۳۹ — آیت ۱۳۰ تا ۱۳۵

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَآءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ؕ قَالُوْا شَهِدْنَا عَلٰٓى اَنْفُسِنَا وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ؕ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۳۲﴾ وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ ؕ اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ ﴿۱۳۳﴾ اِنَّ مَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ ۙ وَّمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ ﴿۱۳۴﴾ قُلْ يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا عَلٰى مَكَانَتِكُمْ اِنِّيْ عَامِلٌ ۚ فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ ۙ مَنْ تَكُوْنُ لَهٗ عَاقِبَةُ الدَّارِ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۱۳۵﴾

ترجمہ :- (اللہ فرمائیگا) اے جنوں اور انسانوں کی جماعت

کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس رسول تم میں سے جو

بیان کرتے تھے تم پر میری آئیتیں اور ڈراتے تھے تم کو اس
دِن کی ملاقات سے ، تو کہیں گے وہ (جواب میں) ہم
گواہی دیتے ہیں اپنے نفسوں پر (کہ ہم مجرم ہیں) اور دھوکہ
دیا ان کو دنیا کی زندگی نے اور وہ گواہی دیں گے اپنے نفسوں
پر کہ بیشک وہ کفر کرنے والے تھے (۱۳۰) یہ (رسولوں کا بھیجنا)
اس وجہ سے ہے کہ نہیں ہے تیرا پروردگار ہلاک کرنے والا
بستیوں کو ظلم کے ساتھ درآنحالیکہ وہاں کے رہنے والے لوگ
غافل ہوں (۱۳۱) ہر ایک کے لیے درجہ ہے اُس سے جو
اُس نے عمل کیا اور نہیں ہے تیرا رب غافل اُن کاموں
سے جو یہ کرتے ہیں (۱۳۲) اور تیرا پروردگار بےنیاز اور رحمت
والا ہے ۔ اگر چاہے تو تمہیں لے جائے اور تمہارا جانشین
بنائے تمہارے بعد جس کو چاہے جیساکہ اُس نے اٹھایا ہے
تم کو دوسری قوم کی اولاد سے (۱۳۳) بیشک وہ چیز جس کا
تم سے وعدہ کیا گیا ہے ضرور آنے والی ہے اور تم عاجز
کرنے والے نہیں ہو (۱۳۴) اے پیغمبر ! آپ کہہ دیجئے ، اے لوگو
عمل کرو اپنی جگہ پر ، میں بھی عمل کرنے والا ہوں پس
عنقریب تم جان لو گے کہ کس کے لیے ہے آخرت کا
گھر ۔ بیشک یہ (یقینی بات ہے) کہ نہیں فلاح پاتے ظلم
کرنے والے (۱۳۵)

ربط آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے جنوں اور انسانوں کے مکلف ہونے کا ذکر کیا اور قیامت کو جزائے عمل کا حال بیان کیا۔ اور اس سلسلے میں قیامت میں پیش آنے والے سوال وجواب کا تذکرہ کیا۔ قرآن کریم میں ایسے واقعات

سے مشرکوں اور کافروں کی تنبیہ مراد ہے تاکہ اگر وہ بچنا چاہیں تو بچ سکیں۔ گذشتہ آیات میں جنوں سے خطاب تھا کہ سب کو اکٹھا کر کے اللہ تعالیٰ فرمائے گا کہ تم نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر کے اپنے ساتھ ملا لیا ہے، تو انسان بھی اس کے جواب میں کہیں گے کہ ہم میں سے بعض نے بعض سے فائدہ اٹھایا۔ جنات نے اپنی سیادت قائم رکھی اور اپنی بات انسانوں سے منوائی جب کہ انسان نے باطل عقائد اور باطل اعمال پر خوشی کا اظہار کیا اور انہی سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ پھر جب وہ اپنی مدت تک پہنچ جائیں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا، اب تمہارا ٹھکانا جہنم میں ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ظالموں کو ایک دوسرے کے قریب کر دے گا۔ اور جو لوگ اس دنیا میں ظلم و تعدی کرتے ہیں ان کی سرکوبی کے لیے اللہ تعالیٰ دوسرے ظالموں کو ان پر مسلط کر دیتا ہے۔

جن وانس سے مکالمہ

جب قیامت کا دن آئے گا تو اللہ تعالیٰ فرمائے گا یٰمَعۡشَرَ الۡجِنِّ وَالۡاِنۡسِ اے جنوں اور انسانوں کے گروہ اَلَمۡ یَاۡتِکُمۡ رُسُلٌ مِّنۡکُمۡ کیا نہیں آئے تھے تمہارے پاس رسول تم میں سے۔ یَقُصُّوۡنَ عَلَیۡکُمۡ اٰیٰتِیۡ جو تم پر میری آیتیں بیان کرتے تھے وَیُنۡذِرُوۡنَکُمۡ لِقَآءَ یَوۡمِکُمۡ ہٰذَا ؕ اور اس دن کی ملاقات سے تمہیں ڈراتے تھے اللہ تعالیٰ کا یہ خطاب جنات اور انسانوں دونوں گروہوں سے ہوگا کیونکہ دونوں ہی اللہ تعالیٰ کے احکام کے پابند یعنی مکلف ہیں۔ اللہ فرمائیگا کیا میرے رسولوں نے تمہیں نہیں بتایا کہ ایکدن اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے اور وہاں پہ اعمال کی باز پرس بھی ہوگی۔ اس کے جواب میں تمام جن اور انسان کہیں گے قَالُوۡا شَہِدۡنَا عَلٰۤی اَنۡفُسِنَا ہم اپنے نفسوں پر گواہی دیتے ہیں، کہ اے مولا کریم! بلاشبہ تیرے رسول ہمارے پاس آئے۔ انہوں نے ہمیں سمجھایا، تبلیغ کی مگر ہم ہی قصوروار ہیں کہ ہم نے اُن کی باتوں پہ دھیان نہ دیا جسکی وجہ سے آج مجرموں کے کٹہرے میں کھڑے ہیں۔

جنات کے رسول یا منذر

مفسرین کرام اس بارے میں اختلاف رکھتے ہیں کہ جنات کے پاس بھی اللہ کے رسُول آئے ہیں یا نہیں۔ انسانوں میں رسولوں کی آمد تو یقینی ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضور خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم تک ہزاروں انبیا اور رسُل اللہ نے بھیجے۔ اُن پر کتابیں اور صحیفے بھی نازل فرمائے، بعض کو مستقل شریعت دی اور بعض کو مستقل کتاب و شریعت عطا نہیں کی۔ البتہ جنات کے بارے میں بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ یہاں پر مِنْکُمْ کی ضمیر اس بات پہ دلالت کرتی ہے کہ جنوں میں بھی رسول آتے رہے ہیں۔ بعض دوسرے مفسرین فرماتے ہیں کہ جنات میں رسُول نہیں آتے رہے بلکہ صرف مُنذِر آتے رہے ہیں جو ان کو آخرت کے انجام سے ڈراتے تھے اور خبردار کرتے تھے۔ اور یہ انسانی دور سے قبل کی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ ملائکہ کے توسط سے جنوں کی طرف اپنے منذر بھیجتا رہا۔ مگر مستقل رسول نہیں بھیجے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے واقعہ میں ذکر فرمایا ہے کہ آپ ایک مقام پہ نماز میں تلاوت قرآن پاک کر رہے تھے تو وہاں جنات کا ایک گروہ آیا، انہوں نے قرآن سُنا اور ایمان لائے۔ "وَلَّوْا اِلٰى قَوْمِهِمْ مُّنْذِرِيْنَ" (احقاف) پھر وہ اپنی قوم کی طرف منذر یعنی ڈرانے والے بن کر گئے۔ انہوں نے جو کچھ سُنا تھا، اپنی قوم جنات میں اُس کی تبلیغ کی۔

بعض مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ جنوں میں بھی رسول آتے رہے ہیں، اُن کا استدلال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا" (بنی اسرائیل) ہم کسی قوم کو اس وقت تک سزا نہیں دیتے۔ جب تک اُن میں رسُول نہ بھیج لیں۔ جنات کے لیے بھی یہی اصول ہے لہٰذا اگر جنات میں بھی رسول آئے ہوں تو یہ بعید از قیاس نہیں ہے۔ البتہ یہ ہے کہ انسانی دور سے پہلے جنات میں رسولوں کا آنا زیادہ

قرینِ قیاس ہے اس کے بعد مستقل رسول نہیں آئے۔ اب جنات انسانوں کے تابع ہیں۔ ان میں بھی کافر، مشرک اور مؤمن ہیں۔ جس طرح انسانوں میں مختلف فرقے ہیں۔ اسی طرح جنوں میں بھی پائے جاتے ہیں۔

جنات کے صحیفے

تفسیر مظہری مولانا قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ کی دس جلدوں میں مشہور تفسیر ہے جو کہ آپ نے اپنے پیر و مرشد خواجہ مظہر جانِ جاناں شہیدؒ کے نام پر منسوب کی۔ آپ عالمگیرؒ کے خالہ زاد بھائی اور اپنے زمانے کے بڑے بزرگ اور اولیاء اللہ میں سے تھے، آپ کو شیعوں نے شہید کیا تھا۔ تو حضرت پانی پتیؒ فرماتے ہیں۔ کہ ہندو مت میں نبوت و رسالت کا کوئی تصور نہیں، البتہ ان کا نظریہ یہ ہے کہ جب خدا تعالیٰ نے دنیا کو پیدا کیا تو چار آدمیوں کو منتخب کر کے ان کو چار کتابیں عطا کر دیں۔ یہ کتابیں رہتی دنیا تک لوگوں کے لیے کار آمد رہیں گی۔ اِن کتابوں کے علاوہ کوئی اور کتاب نہیں آئیگی، یہ کتابیں ان کے چار مشہور وید ہیں مگر انکی صحیح تاریخ معلوم نہیں ہو سکی کہ یہ کب نازل ہوئیں بعض اِن کا نزول ہزاروں سال پہلے بتاتے ہیں اور بعض اس مدت کو لاکھوں سال پر محمول کرتے ہیں۔ قاضی ثناء اللہؒ فرماتے ہیں کہ ہو سکتا ہے کہ یہ چار کتابیں جنات کے صحیفے ہوں جو انسانی دور سے پہلے جنات کی طرف نازل کیے گیے اور جنات کے ذریعے یہ انسانوں تک بھی پہنچے۔ فرماتے ہیں کہ بعض انسان جنوں کے ساتھ نسل میں بھی وابستہ ہیں۔ بعض جنیوں کا نکاح انسانوں کے ساتھ ہوا، اُن سے اولاد پیدا ہوئی اور اس طرح یہ چار کتابیں جنوں سے انسانوں تک پہنچیں۔ یہ محض خیال ہے، اس کا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ بہر حال ان کتابوں میں جو باتیں قرآن و سنت کے مطابق ہیں۔ وہ قابلِ قبول ہیں، اور جو قرآن و سنت سے مطابقت نہیں رکھتیں، انہیں شیطانی عمل دخل سمجھا جائے گا۔ تورات و انجیل کے متعلق بھی یہی نظریہ ہے۔ قاضی صاحب نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ہو سکتا ہے ایسی بات ہو تاہم یقین کے ساتھ کچھ نہیں کہا جا سکتا۔

دنیوی زندگی کا دھوکا

جب لوگ اپنے گنہگار ہونے کا اقرار کریں گے تو اللہ تعالیٰ فرمائیں گے وَغَرَّتْهُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا اُن کو دُنیا کی زندگی نے دھوکے میں ڈال دیا۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا انکار کیا، قیامت کا انکار کیا۔ غلط کاروں کے پیچھے چلتے رہے، سچے لوگوں کی بات کو تسلیم نہ کیا، ایمان سے محروم رہے۔ دنیا کی ظاہری شان و شوکت میں محو رہے اور اسی کو اول و آخر سمجھ لیا، چنانچہ زندگی کے انہی لوازمات نے انہیں دھوکے میں ڈال دیا۔ اکثر لوگ اسی طرح دنیا کے دھوکے میں آتے رہے ہیں حالانکہ انبیاء علیہم السلام انہیں بار بار تنبیہ کرتے رہے ہیں۔ لَا تَغُرَّنَّكُمُ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا (فاطر) دیکھنا تمہیں دنیا کی زندگی کہیں دھوکے میں نہ ڈال دے۔ بہرحال اللہ رب العزت کے دربار میں لوگ اپنی غلطی کا اعتراف کریں گے وَشَهِدُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ اور اپنے خلاف خود گواہی دیں گے اَنَّهُمْ كَانُوْا كٰفِرِيْنَ کہ بیشک وہ کفر کیا کرتے تھے۔ انبیاء کی تعلیم کا انکار کیا، دنیا کی لذات و شہوات میں مگن رہے اور احکم الحاکمین کے حکم کی پرواہ نہ کی۔

حشر کا دن بہت لمبا دن ہو گا اور اس میں مختلف قسم کے مواقع آئیں گے بعض مواقع ایسے بھی آئیں گے کہ جب کفار و مشرکین سے باز پرس ہو گی کہ تم نے ایسا کام کیوں کیا تو وہ انکار کرنے کی کوشش بھی کریں گے۔ مگر بعض مواقع پر اپنے جرموں کا صاف طور پر اقرار بھی کریں گے اور عرض کریں گے کہ باری تعالیٰ اگر ہمیں ایک دفعہ دنیا میں واپس بھیج دیا جائے تو ہم تیرے فرمانبردار بندے بن کر رہیں گے اور کوئی غلط کام نہیں کریں گے مگر اللہ فرمائیگا کہ اب کسی کو موقع نہیں دیا جائے گا۔ اس آیت میں جس بات کی طرف اشارہ ہے۔ اس میں بھی مجرم لوگ اپنے جرم کا اعتراف کریں گے کہ بیشک وہ دنیا میں کفر ہی کرتے رہے۔

عذاب سے پہلے تنبیہ

اللہ تعالیٰ کا یہ قانون ہے کہ پہلے وہ انسان کی راہنمائی کے لیے پورے

وسائل مہیا کرتا ہے، انبیاء کو مبعوث فرماتا ہے، کتاب اور شریعت نازل فرماتا ہے اور پھر اس پہ ایمان لانے اور عمل کرنے کی مہلت دیتا ہے اس کے بعد اگر کوئی قوم اُس کے احکام کی خلاف ورزی کرتی ہے، تو پھر وہ ان کو سزا میں بھی مبتلا کرتا ہے۔ اس مقام پہ بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "ذٰلِكَ اَنْ لَّمْ يَكُنْ رَّبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى بِظُلْمٍ وَّاَهْلُهَا غٰفِلُوْنَ" تیرا پروردگار بستیوں کے رہنے والوں کو ظلم کے ساتھ تو ہلاک نہیں کرتا جب کہ وہ غافل ہوں۔ مقصد یہ کہ اللہ تعالیٰ کسی قوم کو بلا اطلاع اور پہلے سے تنبیہ کیے بغیر سزا میں مبتلا نہیں کرتا۔ پہلے وہ تبلیغ و انذار کے تمام تقاضے پورے کرتا ہے۔ رسولوں کو بھیجتا ہے، مبلغین خبردار کرتے ہیں، اس کے باوجود اگر وہ راہ راست پر نہیں آتے تو پھر اُن کو ہلاکت میں ڈال دیتا ہے۔

فرمایا وَلِكُلٍّ دَرَجٰتٌ مِّمَّا عَمِلُوْا ہر شخص کے اعمال کے مطابق اُس کا درجہ ہے۔ عمل جتنا اچھا اور زیادہ ہوگا، اُسی کے مطابق اعلیٰ سے اعلیٰ جزا ملے گی۔ ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ جنت کے سو درجات ہیں اور ان میں سے ہر درجہ دوسرے درجے سے اتنا بلند ہے جتنا زمین سے آسمان بلند ہے۔ اللہ تعالیٰ ایمان اور اعمال صالحہ اختیار کرنیوالوں کو اعلیٰ درجات عطا کرتا ہے اس کے برخلاف جس شخص کا جتنا بڑا جرم ہوگا۔ اُس کو اسی کے مطابق کم یا زیادہ سزا دی جائیگی۔ اسی لیے فرمایا کہ ہر ایک کے لیے اُس کے اعمال کے مطابق درجات ہیں۔ وَمَا رَبُّكَ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ اور آپ کا رب غافل نہیں ہے جو کچھ وہ کرتے ہیں۔ یعنی اللہ تعالیٰ ہر ایک کے اعمال سے خوب واقف ہے اور ان اعمال کے مطابق ہی جزا یا سزا کے درجات مقرر کریگا۔

فرمایا انبیاء کی بعثت اور کتب کے نزول کا یہ مقصد ہرگز نہیں کہ اللہ تعالیٰ تمہاری عبادت و ریاضت کا محتاج ہے وَرَبُّكَ الْغَنِيُّ بلکہ تیرا رب تو

بے نیاز ہے، اُسے کسی کی عبادت کی ضرورت نہیں، کوئی نیکی کرتا ہے یا نہیں
اللہ تعالیٰ اس سے بے پرواہ ہے۔ وہ تو ذُوالرَّحْمَةِ رحمت والا ہے
وہ اپنی رحمت اور مہربانی سے انسانوں کی راہنمائی کے لیے اپنے رسول بھیجتا
ہے اور کتابیں نازل فرماتا ہے تاکہ لوگ ہدایت کے راستے پر گامزن ہو کر اپنے
نفع اور نقصان کو پہچان لیں اور نقصان سے بچ جائیں۔ یہ تو اللہ تعالیٰ کی
خاص رحمت ہے کہ اس نے انسانوں کی ہدایت کا سامان مہیا کر دیا ہے ورنہ
وہ کسی کی نیکی کا محتاج نہیں ہے، نہ ہی کسی کی برائی کرنے سے اس پر کوئی اثر
پڑتا ہے۔ وہ تو بے نیاز ہے۔

محاسبہ لازمی ہے

فرمایا اِنْ يَّشَاْ يُذْهِبْكُمْ اگر وہ چاہے تو تم کو لے جائے
یعنی تمہیں اس دنیا سے نابود کر دے وَيَسْتَخْلِفْ مِنْۢ بَعْدِكُمْ مَّا يَشَآءُ
اور تمہارے بعد تمہاری جگہ جس کو چاہے قائم کر دے۔ اور یہ اسی طرح ممکن ہے
كَمَآ اَنْشَاَكُمْ مِّنْ ذُرِّيَّةِ قَوْمٍ اٰخَرِيْنَ جس طرح تمہیں
پہلی قوم کی اولاد سے پیدا کیا۔ دیکھو! تمہارے آباؤ اجداد جن کی تم اولاد ہو،
اب اس زمین پر موجود نہیں ہیں۔ ان کا دور ختم ہو چکا ہے اور اب تمہارا دور ہے
تمہارے بعد تمہاری اولادوں کا زمانہ آئے گا۔ حضور علیہ السلام نے اس دنیا سے
رخصت ہونے سے ایک ماہ قبل فرمایا تھا کہ آج کے دن روئے زمین پر
جتنے انسان ہیں سو سال بعد ان میں سے کوئی نہیں رہیگا، یہ قرن ختم ہو کر دوسرا
قرن آجائے گا۔ فرمایا یاد رکھو! اِنَّمَا تُوْعَدُوْنَ لَاٰتٍ جس چیز کا تم سے
وعدہ کیا گیا ہے، یعنی قیامت اور جزائے عمل کا تو وہ آنے والی ہے۔ اگر تم نافرمانی
اور سرکشی اختیار کرو گے وَمَآ اَنْتُمْ بِمُعْجِزِيْنَ تو تم عاجز نہیں کر سکتے
یعنی خدا تعالیٰ کی تدبیر کو ناکام نہیں بنا سکتے۔ اور نہ ہی محاسبے کے عمل سے بچ سکتے
ہو۔ اللہ تعالیٰ نے جو کچھ فرمایا ہے وہ بالکل برحق ہے اور ہو کر رہیگا۔

اچھا اور برا انجام

فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ واضح طور پر فرما دیں يٰقَوْمِ اعْمَلُوْا

عَلٰی مَکَانَتِکُمْ اے میری قوم کے لوگو! جو کچھ تم نے کرنا ہے اپنی جگہ پر کرتے چلے جاؤ اِنِّیْ عَامِلٌ میں بھی عمل کر رہا ہوں مطلب یہ ہے کہ اگر تم ایمان کا راستہ اختیار کرنے کی بجائے اپنی من مانی کارروائی ہی کرنا چاہتے ہو، تو کرتے رہو۔ تم اپنی مرضی اور طریقے کے مطابق چلو اور میں اس راستے پر چل رہا ہوں جس پر مجھے اللہ تعالیٰ نے چلایا ہے۔ ہمارے اور تمہارے راستے جدا جدا ہیں مگر فَسَوْفَ تَعْلَمُوْنَ تمہیں عنقریب پتہ چل جائے گا۔ مَنْ تَکُوْنُ لَہٗ عَاقِبَۃُ الدَّارِ کہ آخرت کا گھر کس کے حصے میں آتا ہے۔ یہ دنیا کی زندگی تو عارضی اور قلیل ہے مگر آخرت کا گھر دائمی ہے۔ آخرت کی بہتری ہی اصل کامیابی ہے بس موت آنے کی دیر ہے، پھر پتہ چل جائے گا کہ تمہارا انجام اچھا ہے یا ہمارا انجام۔ اہلِ ایمان کامیاب ہوں گے یا کفر اور شرک کرنے والے۔

فرمایا اصول کے طور پر یہ بات یاد رکھو اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ظلم کرنے والے کبھی فلاح نہیں پاتے۔ ظلم میں پہلے نمبر پر کفر اور شرک ہے جس نے ان جرائم کا ارتکاب کیا وہ سب سے بڑا ظالم ہے اس کے بعد بدعات، اعمالِ سیئہ، حقوق اللہ اور حقوق العباد کا اتلاف سب ظلم کی تعریف میں آتے ہیں۔ اور اللہ تعالیٰ کا یہ واضح قانون ہے کہ ظلم کرنے والے کبھی کامیابی سے ہمکنار نہیں ہوں گے۔ انبیاء علیہم السلام کا بھی یہی اصول رہا ہے سورۃ یوسف میں موجود ہے، جب اس عورت نے حضرت یوسف علیہ السلام کو برائی پر آمادہ کرنا چاہا اور دروازے بند کر لیے تو یوسف علیہ السلام نے یہی کہا تھا کہ میں ایسا ظلم نہیں کر سکتا، کیونکہ اِنَّہٗ لَا یُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ اللہ تعالیٰ ظالموں کو کبھی فلاح نصیب نہیں کرتا بہرحال اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محاسبے کی منزل آنے والی ہے، پھر تمہیں معلوم ہو جائے گا کہ جس قیامت کا تم انکار کرتے رہے اور اس کے متعلق شبہات کا اظہار کرتے رہے، وہ آ کر رہی۔

وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ نَصِيْبًا فَقَالُوْا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَآئِنَا ۚ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ اِلٰى شُرَكَآئِهِمْ ؕ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ ﴿۱۳۶﴾ وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ لِيُرْدُوْهُمْ وَلِيَلْبِسُوْا عَلَيْهِمْ دِيْنَهُمْ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۷﴾

ترجمہ :- اور ٹھہرایا اِن لوگوں نے اللہ کے لیے اُس میں سے جو پیدا کیے ہیں اللہ نے کھیتی اور مویشی ایک حصہ پھر انہوں نے کہا یہ اللہ کا حصہ ہے اپنے خیال سے اور یہ ہمارے شریکوں کے لیے ہے پس وہ حصہ جو اُن کے شریکوں کا ہوتا ہے ، پس وہ نہیں پہنچتا اللہ کی طرف ۔ اور جو اللہ کا حصہ ہوتا ہے پس وہ پہنچتا ہے اُن کے شریکوں کی طرف ۔ بہت بُرا ہے جو وہ فیصلہ کرتے ہیں ﴿۱۳۶﴾ اور اسی طرح مزین کیا ہے بہت سے مشرکین کے لیے اُنکی اولادوں کا قتل کرنا اُن کے شریکوں نے تاکہ اُن کو ہلاک کر دیں اور تاکہ اُن پر التباس ڈال دیں اُن کے دین میں ۔ اور اگر اللہ

چاہتا تو یہ لوگ یہ کام نہ کرتے پس چھوڑ دیں آپ ان کو اور ان باتوں کو جن کو یہ افتراء کرتے ہیں (۱۳۷)

ربط آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین کا رد اور قیامت کے محاسبے کا ذکر فرمایا تھا اور یہ کہ جنوں اور انسانوں سے باز پرس ہو گی اور انہیں جواب دینا پڑے گا۔ پھر یہ بھی فرمایا کہ اچھا انجام ایمان اور نیک اعمال پر منحصر ہوتا ہے، اور ظالم لوگ کبھی فلاح نہیں پا سکتے۔ چونکہ ظلم میں سرفہرست کفر اور شرک ہے، اس لیے اللہ نے اس سورۃ مبارک میں کفر و شرک کی خاص طور پر تردید فرمائی ہے گذشتہ درس میں اعتقادی شرک کی تردید کی گئی تھی اور اب اس درس میں عملی شرک کی مذمت بیان کی گئی ہے زمانہ جاہلیت میں مشرکوں نے بہت سے شرکیہ اعمال وعقائد وضع کر لیے تھے جن پر وہ عمل پیرا تھے۔ ان میں سے بعض رسوماتِ جاہلیت کی تردید کی گئی ہے۔

اللہ اور شرکاء کا حصہ

ارشاد ہوتا ہے وَجَعَلُوْا لِلّٰهِ اور ٹھہرایا ہے ان مشرکین نے اللہ کے لیے ـــــــ مِمَّا ذَرَاَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْاَنْعَامِ اس میں سے جس کو اللہ نے پیدا کیا ہے کھیتی اور مویشیوں میں سے۔ نَصِيْبًا ایک حصہ کھیتی بھی اللہ کی پیدا کی ہوئی ہے اور مویشی بھی اسی نے پیدا کیے ہیں۔ تخلیق صرف اللہ جل جلالہ کا کام ہے۔ اناج، پھل، سبزیاں، ہر قسم کی نباتات پیدا کرنے والی وہی ذات ہے امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ انسانی معاش اور ارتفاق کی یہ صورت عام ہے اور اللہ نے اس کی مثالیں قرآن پاک میں بکثرت بیان فرمائی ہیں۔ مثلاً "وَاَنْزَلْنَا مِنَ السَّمَآءِ مَآءً" اور ہم نے آسمان سے پانی نازل فرمایا (مومنون) سورۃ عبس میں ہے "اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ○ ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ○ فَاَنْۢبَتْنَا فِيْهَا حَبًّا ○ وَّعِنَبًا وَّقَضْبًا ○ وَّزَيْتُوْنًا وَّنَخْلًا ○ وَّحَدَآئِقَ غُلْبًا ○ وَّفَاكِهَةً وَّاَبًّا ○" ہم نے کس طرح آسمان سے پانی بہایا پھر زمین کو ہم

نے پھاڑا، پھر ہم نے اس میں اناج اگایا، اور انگور اور ترکاریاں اور زیتون اور کھجوریں، گھنے باغ اور میوے اور چارا پیدا کیا۔ یہ سب چیزیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کی ہیں۔ اور آگے اسی سورۃ میں انعام یعنی مویشیوں کا ذکر بھی آگیا کہ وہ بھی اللہ نے پیدا فرمائے ہیں۔ فرمایا اللہ کی پیدا کردہ ان اشیا میں سے مشرک لوگ ایک حصہ اللہ کے لیے ٹھہراتے ہیں یعنی اُس کی نیاز کے طور پر الگ کرتے ہیں فَقَالُوا اور زبان سے یہ کہتے ہیں ھٰذَا لِلّٰہِ بِزَعْمِھِمْ یہ حصہ اللہ کے لیے ہے۔ یہاں پر لفظ بِزَعْمِھِمْ خاص طور پر قابل توجہ ہے۔ اس کا معنی یہ ہے کہ وہ اپنے خیال سے ایسا کہتے ہیں کہ یہ اللہ کا حصہ ہے۔ کسی حکم خداوندی یا قاعدے قانون کی رُو سے نہیں بلکہ محض اپنے پروہتوں اور کاہنوں کے بنائے ہوئے تخیل کی بنا پر اللہ کا حصہ الگ کرتے ہیں اور اللہ کی نیاز اس لیے نکالتے تھے کہ مشرک لوگ بھی اللہ تعالیٰ ہی کو بڑا مانتے تھے۔ تاہم وہ مخلوق میں سے بھی بعض کو معبود مانتے تھے کہ یہ خدائے برحق کے ماتحت ہوتے ہوئے یہ بھی ہماری حاجت روائی اور مشکل کشائی کرتے ہیں۔ اور اسی مقام پر آکر شرک کی دلدل میں پھنس جاتے ہیں جس سے نکلنا محال ہو جاتا ہے۔

بہر حال اپنی کھیتی اور مویشیوں کی پیداوار میں سے ایک حصہ تو اللہ کی نیاز کا نکالتے تھے اور کہتے تھے کہ یہ اللہ کا حصہ ہے اور دوسرے حصے کے متعلق کہتے وَھٰذَا لِشُرَکَآئِنَا یہ ہمارے شریکوں یعنی دوسرے معبودوں کا حصہ ہے۔ اور ان شرکاء میں کسی کا لات تھا اور کسی کا مناۃ، کسی کا ہبل تھا اور کسی کا عزیٰ تھا۔ ہر مشرک اپنے معبودِ باطل کی نیاز کا حصہ علیحدہ کرتا تھا۔ غرضیکہ مشرکین اللہ کی نیاز بھی دیتے تھے اور شرکاء کی نیاز بھی۔ مگر وہ لوگ اللہ کی نیاز کی نسبت غیر اللہ کی نیاز کا زیادہ خیال رکھتے تھے۔ اور اس کے لیے زیادہ اہتمام کرتے تھے اور پھر اس نیاز کی تقسیم اس طرح تھی کہ جو حصہ اللہ تعالیٰ کی نیاز کا ہوتا تھا، وہ غریبوں مسکینوں اور محتاجوں میں تقسیم

کر دیتے تھے اور جو حصہ غیر اللہ کا ہوتا تھا وہ اُن بتوں اور استھانوں پر موجود کاہنوں اور پروہتوں کے سپرد کر دیتے تھے۔

انسانوں کے خادم مویشی

انعام سے مراد وہ جانور ہیں جنہیں عام طور پر لوگ پال لیتے ہیں اور وہ انسانوں سے مانوس ہوتے ہیں۔ یہ آٹھ جوڑے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے حلال فرمائے ہیں۔ یعنی اونٹ، گائے، بھیڑ، بکری، یہ تمام جانور نر اور مادہ ہر دو حلال ہیں۔ بھینس بھی گائے ہی کی ایک قسم ہے تاہم یہ مرطوب جگہوں پہ پائی جاتی ہے۔ عرب چونکہ خشک خطہ ہے، اس لیے وہاں بھینس نہیں ہوتی اور باقی جانور پائے جاتے ہیں۔ یہ مویشی اللہ نے خاص طور پہ انسان کی خدمت کے لیے پیدا فرمائے ہیں۔ لوگ ان کا دودھ، گوشت، گھی، کھال اور اون استعمال کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ کا یہ خاص انعام ہے کہ اُس نے انہیں انسان کا مطیع بنا دیا ہے بڑے طاقتور ہونے کے باوجود یہ انسان کے اشارے پر چلتے ہیں اور انہیں ہر قسم کی خدمت مہیا کرتے ہیں۔ ان جانوروں کو خوراک کے طور پہ استعمال کرنے کے علاوہ اونٹ سے سواری اور باربرداری کا کام لیا جاتا ہے عرب کے خشک اور وسیع ریگستانوں میں اونٹ ہی سواری اور باربرداری کا کام دیتا ہے۔ اس کے علاوہ میدانی علاقوں میں اونٹ اور بھینس سے کھیتی باڑی کا کام بھی لیا جاتا ہے۔ ان کے ذریعے کنوئیں سے پانی نکالا جاتا ہے اور ہل میں بھی جوتتے ہیں۔ غرضیکہ یہ جانور انسان کے قریبی دوست اور اعلیٰ قسم کے خادم ہیں۔ اللہ نے انہیں انسانوں کے لیے مسخر کر دیا ہے۔ ان کے دلوں میں یہ ڈال دیا ہے کہ تمہیں ہر صورت میں انسان کی خدمت کرنا ہے سو اونٹ کی قطار ہو تو ایک دس سال کا بچہ نکیل پکڑ کر سب کو اپنے پیچھے چلا لیتا ہے، ورنہ جنگلی جانور بڑے خطرناک ہوتے ہیں اور ایک ہی وار میں آدمی کا کام تمام کر دیتے ہیں۔ جنگلی جانوروں کے شکار کے لیے انسان کو بڑی محنت کرنی پڑتی ہے جب جا کر وہ قابو میں آتے ہیں اور پھر انہیں باندھ کر یا پنجرے

میں بند کر کے رکھنا پڑتا ہے۔ مگر یہ انعام ایسے جانور ہیں جو اللہ نے انسان کی محض خدمت کے لیے مامور کر دیے ہیں۔

شرکاء کے حصے کی اہمیت

بہر حال مشرکین عرب اپنی پیداوار میں سے اللہ کا حصہ بھی نکالتے تھے اور شرکاء کا حصہ بھی۔ البتہ وہ شرکاء کے حصے کو اللہ کے حصے کی نسبت زیادہ اہمیت دیتے تھے اور اُس کا زیادہ خیال رکھتے تھے۔ ارشاد ہے۔ فَمَا كَانَ لِشُرَكَآئِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللّٰهِ جو حصہ اُن کے معبودوں کا ہوتا تھا، وہ اللہ کی طرف نہیں پہنچتا تھا۔ وَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَىٰ شُرَكَآئِهِمْ ط اور جو حصہ اللہ کا ہوتا تھا وہ اگر اُن کے معبودوں کی طرف پہنچ جاتا تو کتنے کوئی بات نہیں۔ اللہ کو کس چیز کی کمی ہے۔ وہ غنی ہے۔ بر خلاف اس کے معبودانِ باطلہ کے حصے میں سے اگر ایک دانہ بھی دوسری طرف چلا جاتا تو فوراً واپس کر دیتے۔ اس طرح وہ غیر اللہ کے حصے کو اللہ کے حصے کی نسبت زیادہ اہمیت دیتے۔ یہاں بھی وہ حماقت کا اظہار کرتے تھے جب وہ اپنے معبودوں کو بے نیاز نہیں سمجھتے تھے، تو پھر اُن کے نام کی نیاز کیوں دیتے تھے نیاز تو صرف اُس کو سزاوار ہے جو بے نیاز ہے۔ ادھر اللہ کو بے نیاز سمجھتے ہیں مگر اُس کو اہمیت نہیں دیتے۔ فرمایا سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ کتنا بُرا فیصلہ ہے جو وہ کرتے ہیں۔ وہ رب العزت جس نے کھیتی اگائی اور مویشی پیدا کیے۔ اس کی نیاز کو کچھ اہمیت نہیں دیتے اور معبودانِ باطلہ جو عاجز اور محتاج ہیں ان کے لیے بہت زیادہ اہتمام کرتے ہیں۔

آج بھی رسومات کے پجاری پرانے مشرکین کے نقشِ قدم پر ہی چل رہے ہیں نماز اور زکوٰۃ کی تو چنداں فکر نہیں ہوتی مگر پیرانِ پیر کی گیارہویں کے لیے بڑا اہتمام کرتے ہیں کہ کہیں وہ نہ رہ جائے۔ ہر سال عرس کے لیے فکر مند رہتے ہیں۔ عید میلاد کے لیے جھنڈیاں اور بلب لگانے کے لیے سارا سال پیسے جمع کرتے ہیں۔ امام جعفرؓ کے کونڈے خاص شرائط کے تحت بھرے جاتے

ہیں کہ گھر سے باہر نہیں نکلنا، چھت کے نیچے ہو اور پھر طلوعِ آفتاب سے پہلے پہلے کام ختم ہو جانا چاہیئے، مزاروں پر چادریں چڑھانے اور عرس منانے کے لیئے بڑی تگ و دو ہوتی ہے۔ بڑے بڑے پروگرام بنتے ہیں، خوب سجاوٹ ہوتی ہے۔ قبروں کو عرقِ گلاب سے غسل دیا جاتا ہے۔ سونے کا دروازہ لگایا جاتا ہے۔ آخر یہ سب کچھ کس حکم خداوندی کے تحت کیا جاتا ہے؟ افسوس کا مقام ہے کہ اب حکومت بھی ایسی بدعات میں شامل ہو گئی ہے عرس کا افتتاح اور رسمِ چادر پوشی کسی وزیر یا مشیر سے کرائی جاتی ہے قیمتی چادریں زیبِ قبر کی جاتی ہیں۔ خواجہ معین الدین چشتی اجمیریؒ نے ساری عمر اپنے لیے جھونپڑی تک بنانا پسند نہ کیا مگر آج ہماری حکومت دو لاکھ روپے مالیت کی چادر اُن کی قبر پر چڑھانے کے لیئے سینکڑوں افراد پر مشتمل سرکاری وفد کے ذریعے بھیجتی ہے۔ کیا دین اور اسلام کا یہی کام رہ گیا ہے؟ آخر وہ فرائض واجبات، سنن اور مستحبات کہاں گئے جن کو اِن بزرگوں نے زندگی بھر سینے سے لگائے رکھا۔ آج ہم سب کچھ بھول کر اُن کی محبت میں بدعات کو رواج دے رہے ہیں اور پھر اُن سے محبت کے دعوے بھی کر رہے ہیں۔ بہر حال اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے اِسی بات کی طرف اشارہ فرمایا ہے۔ کہ وہ لوگ اللہ کے حصے یعنی اس کے احکام کی تو کچھ پروا نہیں کرتے تھے۔ مگر غیر اللہ کی نیاز کا بڑا اہتمام کرتے تھے وہ بھی خود ساختہ بدعات کے عاشق اور احکامِ الٰہی سے روگرداں تھے۔

ہمارے ہاں فوتیدگی کی رسومات کا بھی یہی حال ہے شریعت کے احکام کی طرف کوئی توجہ نہیں دی جاتی، بدعات کی بھرمار ہے۔ تیسرا، ساتواں اور چالیسواں بڑے اہتمام سے ادا کیا جاتا ہے۔ برادری اکٹھی ہوتی ہے۔ اور مرنے والے کے مال کو خوب اڑایا جاتا ہے۔ پوچھو تو کہیں گے کہ ایصالِ ثواب ہو رہا ہے اللہ کے بندو! اگر میت کے ساتھ واقعی ہمدردی ہے اور ایصالِ ثواب مطلوب ہے تو وہی طریقہ اختیار کرو جو اللہ کے رسول نے بتایا ہے۔ اس کے لیئے کسی

دن اور تاریخ کی قید نہیں۔ حلال مال سے غریبوں اور محتاجوں کو کھانا کھلاؤ، کپڑے پہناؤ، اُن کی دوسری حاجت برآری کرو، تو مرنے والے کو بھی فائدہ ہوگا۔ محض رسم کی شکل میں صرف رشتے داروں اور دوستوں کو کھلا دینے سے کتنا ثواب ہوگا؟ ان بدعات کی ترویج اور رسومات باطلہ کو اختیار کرنے سے ثواب کی بجائے گناہ کا زیادہ احتمال ہے۔

بچوں کی قربانی

شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ مشرک لوگ اپنے مویشیوں کے بچوں میں سے معبودانِ باطلہ کی نیاز نکالتے تھے۔ انہوں نے تعداد مقرر کر رکھی تھی کہ جب مادہ کے اتنے بچے پیدا ہو جائیں گے تو اُن میں سے ایک بچہ بتوں کے نام پر قربان کر دیا جائے گا۔ انہیں قربانی کا محتاج بھی سمجھتے تھے اور پھر اُن سے مدد کے طالب بھی ہوتے تھے، کتنی جہالت کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اسی غلط تقسیم کا رد فرمایا ہے۔ مشرکین ایک اور حماقت یہ بھی کرتے تھے کہ معبودانِ باطلہ کے نام پر اچھی چیز وقف کرتے تھے جب کہ خدا تعالیٰ کے نام پر کم تر چیز پر اکتفا کر لیتے تھے۔ اُن کے اس عملی شرک کا بیان آگے بھی اسی سورۃ میں آئے گا۔

فرمایا وَكَذٰلِكَ زَيَّنَ لِكَثِيْرٍ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ قَتْلَ اَوْلَادِهِمْ شُرَكَآؤُهُمْ اسی طرح اُن کے شرکاء نے بہت سے مشرکین کے لیے اُن کی اولادوں کے قتل کو مزین کر رکھا تھا۔ یہاں پر شرکاء سے مراد وہ پروہت کاہن اور مولوی ہیں جو انسانی بچوں کی قربانی کو اُن کے سامنے بڑا خوبصورت بنا کر پیش کرتے تھے۔ انہیں بتاتے تھے کہ بتوں کے نام پر بچوں کو قربان کرنے کا کتنا بڑا فائدہ حاصل ہوگا، اور وہ جاہل لوگ اِن کا کہا مان کر اپنے بچوں جیسی عزیز متاع کو معبودانِ باطلہ کے نام پر قربان کر دیتے تھے۔ فرمایا اُن کے پروہتوں کا مقصد یہ ہوتا تھا لِيُرْدُوْهُمْ تاکہ وہ اپنے پیروکاروں کو ہلاک کر سکیں انہیں پھلنے پھولنے کا موقع نہ مل سکے اور وہ اس طرح اُن کے

دستِ نگر بن کر رہیں۔ اور دوسری وجہ یہ تھی وَلِیَلْبِسُوا عَلَیْهِمْ دِیْنَهُمْ اور تاکہ اُن پر اُن کے دین کو متلبس کر دیں، یعنی دین کے معاملات کو اس قدر غلط ملط کر دیا جائے کہ انہیں حق و باطل کی پہچان ہی نہ ہو سکے اور وہ لوگ اس طرح اندھیرے میں بھٹکتے رہیں اور ہر معاملہ میں انہی کے محتاج بن کر رہیں۔

قتل اولاد کی کئی صورتیں قرآن پاک میں مذکور ہیں۔ مشرکین عرب اور بعض دوسری قومیں بھی بچی کو پیدا ہوتے ہی قتل کر دیتی تھیں۔ لڑکی کی پیدائش کو وہ باعث ننگ تصور کرتے تھے کہ بڑی ہوگی تو اس کا نکاح کرنا پڑے گا، پھر ہمارا داماد بنے گا وغیرہ وغیرہ۔ وہ ظالم نہیں سمجھتے تھے۔ کہ آخر وہ بھی تو کسی ماں ہی کے بطن سے پیدا ہوئے ہیں اور کسی کے داماد بنے ہیں۔ اگر بچیوں کو زندہ نہ چھوڑا ہوتا تو خود وہ کیسے پیدا ہوتے اور آئندہ نسل انسانی کیسے بڑھے گی۔ اس کے علاوہ وہ اقتصادی مسئلہ کا سہارا بھی لیتے تھے۔ کہ بچی جوان ہو جائیگی تو اس کی شادی کے لیے جہیز کہاں سے لائیں گے۔ اگر خرچ کریں گے تو مال میں کمی آ جائیگی۔ وہ بچوں کی پیدائش کو اپنے آرام و راحت میں مخل بھی سمجھتے تھے یہ مطلقاً قتلِ اولاد اسی فلسفے پر مبنی تھا۔ کہ اولاد ہوگی تو ان کی پرورش کا کیا بندوبست ہوگا۔ ان کے لوازمات زندگی کے حصول کے لیے سخت محنت کرنی پڑیگی، لہٰذا ان کا ابتدا میں ہی خاتمہ کر دیا جاتا۔

جیسا کہ پہلے عرض کیا نسل کشی کا ایک طریقہ بچوں کی قربانی بھی تھا۔ بتوں کو خوش کرنے کے لیے بچوں کو ان کی بھینٹ چڑھایا جاتا تھا۔ شیطان نے یہ سبق پڑھا دیا تھا۔ کہ آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی تو اپنے لختِ جگر کو قربانی کے لیے پیش کر دیا تھا، لہٰذا یہ بہت بڑا عمل اور فوز و فلاح کا ذریعہ سمجھا جاتا تھا۔ اس قسم کا زعم ہندوستان کے ہندوؤں میں بھی پایا جاتا تھا۔ کلکتے والی کالی دیوی کے نام پر انسانی بچوں کو قربان کیا جاتا تھا۔ ہزاروں لاکھوں بچے اس بت کی بھینٹ چڑھ گئے۔ مثال کے طور پر جس شخص کے دس بچے

پیدا ہو جاتے وہ ایک بچے کو بت کے نام پر قتل کر دیتا یا پانی میں غرق کر دیتا اور اسے بہت بڑی عبادت سمجھتا۔ اِس زمانے میں بھی اِس قسم کے اکا دکا واقعات پیش آتے ہیں کہ کسی شخص نے کہا کہ مجھے خواب آیا ہے کہ بچے کو قربان کر دوں اور پھر اُس نے ایسا کر دیا۔ فرمایا کہ اُن کے نام نہاد متبوع اُن کو پٹی پڑھاتے ہیں کہ ایسا کرنے میں بہت بڑا فائدہ ہے لہٰذا سادہ لوح لوگ اُن کے جھانسے میں آ کر کر گزرتے ہیں۔ یہ نہایت قبیح اور ظالمانہ عقیدہ ہے۔ ایسا کرنے والے اللہ کے ہاں صریح قتل ناحق کے مجرم ہیں۔ اِن کا بچہ بھی ضائع ہو جاتا ہے اور وہ اخلاقی طور پر بھی تباہ ہو جاتے ہیں۔ اگلی آیات میں اللہ نے اس مسئلہ کی مزید وضاحت فرمائی ہے۔

رسومات باطلہ

رسومات باطلہ کی ترویج کے لیے وسیع پراپیگنڈا کیا جاتا ہے جھوٹی کہانیاں سُنا کر لوگوں کو شرک، کفر اور بدعات پر آمادہ کیا جاتا ہے۔ لالچی پیر اور مولوی لوگوں کو باطل رسومات میں اُلجھائے رکھتے ہیں تاکہ صحیح دین ان تک نہ پہنچ سکے کیونکہ اگر صحیح بات واضح ہو جائیگی تو باطل کے اندھیرے چھٹ جائیں گے جَآءَ الْحَقُّ وَزَهَقَ الْبَاطِلُ ایک مسلمہ اصول ہے۔ جب حق آجاتا ہے تو باطل اس کے مقابلے میں قدم نہیں جما سکتا۔ لہٰذا پیٹ پرست دین کے ٹھیکیدار لوگوں کو غلط باتیں مزیّن کر کے دکھاتے ہیں، انہیں اپنے مکر و فریب کے جال میں پھنسائے رکھتے ہیں۔ اور دین کو خلط ملط کر کے پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی ہے اور فرمایا ہے وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا فَعَلُوْهُ اگر اللہ چاہتا تو وہ ایسا نہ کرتے۔ اللہ تعالیٰ ہر چیز پر قادر ہے۔ وہ بُرائی اور مکر و فریب کی قوت ہی سلب کر سکتا ہے مگر یہ بات اس کی حکمت کے خلاف ہے وہ ہر شخص کے سامنے حق و باطل کے راستے واضح کر کے انہیں اُن کی اپنی صوابدید پر چھوڑ دیتا ہے اور کسی پر جبر نہیں کرتا کیونکہ اُسے جبری ایمان قبول نہیں ہے۔

فرمایا اے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) فَذَرْهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ آپ اِن کو بھی چھوڑ دیں اور جو کچھ یہ افترا کرتے ہیں اس کو بھی چھوڑ دیں۔ آپ اِن کی اسلام دشمنی اور بے دینی کی وجہ سے زیادہ فکرمند نہ ہوں۔ یہ جو کچھ غلط عقائد رکھتے ہیں اور باطل رسومات کے پیچھے لگے ہوئے ہیں۔ انہیں من مانی کرنے دیں۔ ایک وقت آنے والا ہے جب اُن کا محاسبہ ہوگا اور پھر یہ خود اپنے جرموں کا اقرار کریں گے، اُس وقت ہم خود اِن سے نپٹ لیں گے، آپ دِل برداشتہ نہ ہوں۔

وَقَالُوْا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ ۖ لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا وَاَنْعَامٌ لَّا يَذْكُرُوْنَ اسْمَ اللّٰهِ عَلَيْهَا افْتِرَآءً عَلَيْهِ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ بِمَا كَانُوْا يَفْتَرُوْنَ ﴿۱۳۸﴾ وَقَالُوْا مَا فِيْ بُطُوْنِ هٰذِهِ الْاَنْعَامِ خَالِصَةٌ لِّذُكُوْرِنَا وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓى اَزْوَاجِنَا ۚ وَاِنْ يَّكُنْ مَّيْتَةً فَهُمْ فِيْهِ شُرَكَآءُ ؕ سَيَجْزِيْهِمْ وَصْفَهُمْ ؕ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۳۹﴾ قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًۢا بِغَيْرِ عِلْمٍ وَّحَرَّمُوْا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ افْتِرَآءً عَلَى اللّٰهِ ؕ قَدْ ضَلُّوْا وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ﴿۱۴۰﴾ ع

الربع

ترجمہ :- اور کہا (مشرکوں نے) یہ مویشی اور کھیتی ممنوع ہیں ۔ نہیں کھائے گا اس کو مگر وہ جس کو ہم چاہیں اپنے خیال کے مطابق ۔ اور کچھ مویشی ہیں جن کی پشتوں پر سواری کو حرام قرار دیا گیا ہے ۔ اور کچھ مویشی ایسے ہیں کہ جن پر وہ اللہ کا نام نہیں ذکر کرتے ، اللہ پر افتراء کرتے ہوئے

ضرور اُن کو بدلہ دیگا اللہ اُن باتوں کا جو کچھ وہ جھوٹ باندھتے تھے (۱۳۸) اور کہا انہوں نے، جو ان جانوروں کے پیٹ میں ہے وہ خالص ہے ہمارے مردوں کے لیے اور حرام ہے ہماری عورتوں پر۔ اور اگر وہ مُردہ ہو پس وہ سب اس میں شریک ہوتے ہیں۔ ضرور اللہ بدلہ دیگا اُن کو اُن کے اس بیان کا، بیشک وہ حکمت والا اور سب کچھ جاننے والا ہے (۱۳۹) تحقیق نقصان میں پڑے وہ لوگ جنہوں نے قتل کیا اپنی اولادوں کو بیوقوفی سے بغیر علم کے۔ اور انہوں نے حرام ٹھہرایا اس چیز کو جو اللہ نے اُن کو دی تھی افترا کرتے ہوئے اللہ تعالےٰ پر۔ تحقیق گمراہ ہوئے وہ لوگ اور نہیں ہیں وہ ہدایت پانے والے (۱۴۰)

ربطِ آیات

گذشتہ آیات کی طرح یہ آیات بھی شرک ہی سے متعلق ہیں ان آیات میں بھی عملی شرک ہی کا بیان ہے۔ مشرکین عرب نے جو رسومات باطلہ ایجاد کر رکھی تھیں اللہ تعالیٰ نے ان کا ردّ فرمایا ہے، وہ لوگ دو طرح کی نذر و نیاز دیتے تھے، ایک اللہ کے نام پر اور دوسری معبودان باطلہ کے نام پر اور پھر اللہ کے حصے کی زیادہ پرواہ نہیں کرتے تھے مگر غیر اللہ کی نذر کے لیے خاص اہتمام کرتے تھے اور اُس پر کسی قسم کی کمی نہیں آنے دیتے تھے۔ اس کے ساتھ ساتھ قتلِ اولاد کا ذکر بھی ہو چکا ہے۔ کہ وہ لوگ اولاد کو مختلف حیلوں سے قتل کر دیتے تھے۔ کبھی ننگ و ناموس کے نام پر اور کبھی معاشی تنگدستی کے پیش نظر مگر سب سے بڑی قباحت یہ تھی کہ وہ بچوں کو معبودان باطلہ کی بھینٹ چڑھا دیتے تھے اور اُن کی خوشنودی کیلئے بچوں کو قتل کر دیتے تھے اللہ تعالیٰ نے ایسی تمام قبیح رسوم کا ردّ فرمایا ہے

اب آج کی آیات میں بھی عملی شرک کی بعض صورتوں کا تذکرہ ہے۔ وہ اپنی پیداوار کا کچھ حصہ خاص لوگوں کے لیے رکھ لیتے تھے اور اس میں سے اُن کی مرضی کے خلاف کسی کو کھانے کی اجازت نہیں ہوتی تھی۔ بعض جانوروں کی سواری ممنوع قرار دیتے تھے اور بعض جانوروں کا گوشت مردوں کے لیے حلال اور عورتوں کے لیے حرام قرار دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اُن کی اس خود ساختہ شریعت کی تردید فرمائی ہے۔

ممنوع مویشی اور کھیتی

ارشاد ہوتا ہے وَقَالُوا هٰذِهٖٓ اَنْعَامٌ وَّحَرْثٌ حِجْرٌ اور مشرکوں نے کہا کہ یہ کچھ مویشی ہیں اور کچھ کھیتی ہے جو کہ ممنوع ہے، ہم نے اس کو روک رکھا ہے لَّا يَطْعَمُهَآ اِلَّا مَنْ نَّشَآءُ بِزَعْمِهِمْ اس کو کوئی نہیں کھا سکتا سوائے اس کے کہ جسے ہم اپنے خیال کے مطابق چاہیں یہ رسم انہوں نے اپنے مذہبی راہنماؤں کے ایما پر قائم کر رکھی تھی کیونکہ ایسی چیزیں صرف انہی کے لیے مخصوص ہوتی تھیں۔ عام آدمی، غریب، محتاج یا فقیر اُس کو استعمال نہیں کر سکتا تھا۔ یہ صرف گدی نشینوں کا حق تصور کیا جاتا تھا۔ اس قسم کی رسوم مشرکین عرب کے علاوہ بعض دوسری اقوام میں بھی پائی جاتی تھیں۔ یہاں ہندوؤں میں بھی اس قسم کے عقائد پائے جاتے ہیں کہ بعض چیزیں صرف برہمن ہی استعمال کر سکتے ہیں، کوئی دوسرا اُن کو ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ ان کی دیکھا دیکھی یہ چیزیں مسلمانوں میں بھی آ گئی ہیں، چنانچہ دہلی والے حضرت بی بی فاطمہؓ کی صحنک کے نام سے نیاز دیتے ہیں۔ اس کا ذکر حضرت مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ نے اپنی کتاب تقویۃ الایمان میں بھی کیا ہے۔ فرماتے ہیں کہ بی بی کی صحنک پر یہ پابندی ہے۔ کہ اُسے نہ تو مرد کھا سکتے ہیں، نہ لونڈی اور نہ دوخصمی عورت۔ یہ بالکل ویسی ہی پابندی ہے۔ جیسے مشرکین عرب نے از خود قائم کر رکھی تھی۔ اسی طرح ۲۲ رجب کو امام جعفر صادقؒ کے نام پر پکائے جانے والے کونڈوں پر بھی بعض پابندیاں عائد ہیں مثلاً یہ کہ اس کا کھانا سورج نکلنے سے پہلے پہلے ضروری ہے

اور یہ چھت کے نیچے ہونا چاہیئے، کھلی جگہ پر کھانا درست نہیں ہے۔ اور اس کھانے کو گھر سے باہر بھی نہیں نکال سکتے۔ بلکہ جس کسی کو کھلانا مقصود ہے اُسے گھر بلا کر کھلانا ضروری ہے۔ یہ سب خود ساختہ پابندیاں ہیں اور اُن مشرکین کا اتباع ہے جن کا ذکر اس آیتِ کریمہ میں کیا گیا ہے۔

سواری کی ممانعت

مشرکین نے جس طرح بعض اشیاء کا کھانا اپنے اوپر حرام کر رکھا تھا اس طرح بعض جانوروں پر سواری بھی نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ ارشاد ہے وَاَنْعَامٌ حُرِّمَتْ ظُهُوْرُهَا اور بعض جانوروں کی پشتوں پر سواری حرام قرار دے رکھی تھی۔ وہ بھی نیاز کے جانور ہوتے تھے جن پر سواری نہیں کرتے تھے سورۂ مائدہ میں اس کا تفصیل سے ذکر آچکا ہے "مَا جَعَلَ اللّٰهُ مِنْ بَحِيْرَةٍ وَّلَا سَآئِبَةٍ وَّلَا وَصِيْلَةٍ وَّلَا حَامٍ" یعنی اللہ تعالیٰ نے کوئی بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام مقرر نہیں کیے بلکہ یہ مشرکین کی اپنی ذہنی اختراع ہے۔ بحیرہ اُس مادہ جانور کو کہتے تھے جس کا دودھ نذر کے طور پر وقف کر دیتے تھے اور اُس کو کوئی عام مرد و زن نہیں پی سکتا تھا۔ سائبہ وہ اونٹ یا بیل وغیرہ ہوتا تھا جسے معبودانِ باطلہ کی نذر کے طور پر آزاد کر دیا جاتا تھا۔ اس جانور پر نہ تو سواری کرتے تھے اور نہ کسی دیگر کام میں لاتے تھے۔ یہ اپنی مرضی سے حسبِ خواہش چلتا پھرتا رہتا تھا اور جہاں سے چاہے کھاتا رہتا تھا، کوئی اس کو روکتا ٹوکتا نہ تھا کیونکہ وہ نیاز کا سانڈھ کہلاتا تھا۔ اس قسم کا وہم ہندوؤں میں بھی پایا جاتا ہے۔ وہ بھی بھوانی دیوی کے نام بیل کو کھلا چھوڑ دیتے ہیں اور کوئی شخص اُس سے تعرض نہیں کرتا۔ وصیلہ ایسے مادہ جانور کو کہتے تھے جو ایک مقررہ تعداد میں لگاتار مادہ بچے جنے۔ جب وہ تعداد پوری ہو جاتی تھی تو اُسے نیاز کے طور پر کھلا چھوڑ دیتے تھے اور اس سے کوئی کام نہیں لیتے تھے۔ حام کا معنیٰ بچانے والا ہوتا ہے اور اس سے مراد یہ ہوتی تھی کہ اُس جانور نے اپنی پشت کو سواری سے بچا لیا ہے اب کوئی شخص اس پر سواری نہیں کر سکتا۔ مثلاً جس اونٹ کی جفتی سے دس بچے

پیدا ہو جائیں، اُس کے بعد اُس کو سواری کے لیے استعمال نہیں کرتے تھے۔ اس آیت کریمہ میں بھی یہی ہے کہ وہ کہتے تھے کہ بعض جانوروں پہ سواری حرام قرار دے دی گئی ہے۔

اللہ کی بجائے غیر اللہ کا نام

فرمایا وَاَنۡعَامٌ لَّا یَذۡکُرُوۡنَ اسۡمَ اللّٰہِ عَلَیۡہَا بعض جانور ایسے تھے کہ مشرکین اُن پر اللہ کا نام نہیں لیتے تھے۔ نہ دودھ دوہتے وقت اللہ کا نام لیتے تھے، نہ سواری کرتے وقت اور نہ ہی ذبح کرتے وقت البتہ غیر اللہ کا نام ضرور لیتے تھے جیسے لات، مناۃ، عزیٰ وغیرہ یعنی یہ اُن کی نذر و نیاز ہے۔ ہندوستان میں بھی اس قسم کا تخیل پایا جاتا ہے جیسے شیخ سدھو کا بکرا مشہور ہے۔ حضرت سالار مسعود غازیؒ بڑے بزرگ ہوئے ہیں، جہاد کرتے ہوئے شہید ہوئے تھے، اُن کے مزار پر ان کے نام کی گائے نذر کی جاتی ہے اسی طرح پیران پیر کی گیارہویں کو بہت زیادہ شہرت حاصل ہوئی ہے۔ اِن کے نام پہ دودھ، کھانا، جانور وغیرہ، اُن کے تقرب اور خوشنودی کے لیے دیا جاتا ہے تاکہ کسی ممکنہ نقصان سے بچ جائیں۔ اگر یہ نیاز نہ دی تو کھیتی یا پھلوں یا مویشیوں میں نقصان ہو جانے کا خطرہ محسوس کیا جاتا ہے اور یہی شرک ہے، کہ نفع نقصان کا مالک اللہ کی بجائے اِن بزرگوں کو سمجھ لیا جاتا ہے اور پھر اُنکی رضا کے لیے ان کے نام پہ نیاز دی جاتی ہے۔

بڑے افسوس کا مقام ہے کہ جن چیزوں کو پیدا کرنے والا اللہ وحدہٗ لاشریک ہے اُن چیزوں پہ اُسی کا نام لینے سے بچتے تھے اور غیر اللہ کا نام لیتے تھے۔ اور اس سے بڑا ظلم یہ تھا کہ وہ اِس چیز میں اللہ کی رضا کے دعویدار تھے۔ گویا اللہ کی بجائے غیر اللہ کا نام لینے کا حکم خود خدا تعالیٰ نے دیا ہے اِفۡتِرَآءً عَلَیۡہِ یہ تو اللہ تعالیٰ پہ بہت بڑا افترا ہے۔ اُس نے تو ایسا حکم نہیں دیا اور نہ وہ اِن باتوں سے راضی ہوتا ہے بلکہ یہ تو صریحاً شرک ہے جس کی عدم معافی کا اللہ نے واضح اعلان فرما دیا ہے ایسے شرکیہ عقائد کو اللہ کی طرف

منسوب کرنے والا مفتری ہے۔ اللہ نے فرمایا سَیَجْزِیْھِمْ بِمَا کَانُوْا یَفْتَرُوْنَ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ضرور سزا دیگا جو اس پر افترا باندھتے ہیں۔ اُس کے نام پر جھوٹی باتیں منسوب کرتے ہیں۔ یہ تو خدا تعالیٰ کی ناراضگی کا موجب ہے۔ مذہبی راہنماؤں نے سادہ لوح لوگوں کو اس قسم کے توہمات میں جکڑا ہوا ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کو ضرور عذاب میں مبتلا کریگا۔

کھانے میں زن و مرد کی تخصیص

آگے اللہ نے مشرکین کا ایک اور خود ساختہ مسئلہ بھی بیان فرمایا وَقَالُوْا وہ کہتے ہیں۔ مَا فِیْ بُطُوْنِ ھٰذِہِ الْاَنْعَامِ خَالِصَۃٌ لِّذُکُوْرِنَا یعنی اِن جانوروں کے پیٹ میں جو کچھ ہے وہ خالص ہمارے مردوں کے لیے ہے۔ وَمُحَرَّمٌ عَلٰٓی اَزْوَاجِنَا اور ہماری عورتوں کے لیے حرام ہے اور وہ خاص جانور وہ ہوتے تھے جنہیں بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام وغیرہ کی صورت میں آزاد کر دیا جاتا تھا۔ ان سے پیدا ہونے والے بچوں کا گوشت صرف مرد کھا سکتے تھے، عورتوں کے لیے ممنوع تھا۔ ہاں البتہ اتنی رعایت دے رکھی تھی وَاِنْ یَّکُنْ مَّیْتَۃً اگر مردہ بچہ پیدا ہوتا فَھُمْ فِیْہِ شُرَکَآءُ تو اس کی حلت میں مرد و زن سب شریک ہوتے۔ یہ بھی ایسی ہی پابندی تھی جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہرگز نہ تھی اور نہ اس میں اُس کی رضا شامل تھی، بلکہ یہ محض مشرکین کی خود ساختہ شریعت کا حصہ تھا۔ اکثر رسومات باطلہ اور بدعات اسی قبیل سے ہوتی ہیں۔ اللہ نے فرمایا سَیَجْزِیْھِمْ وَصْفَھُمْ ہم انہیں اس بیان کا ضرور بدلہ دیں گے۔ انہوں نے از خود نئی شریعت وضع کی ہے۔ غلط رسوم کو رواج دیا ہے اور اللہ پر جھوٹ باندھا، انہیں اُسکی لازماً سزا ملیگی۔ اللہ نے تو فرمایا ہے۔ کہ اللہ کا نبی اور مؤمن "عَلٰی بَصِیْرَۃٍ" بصیرت پر ہیں، مگر انہوں نے اپنی طرف سے بغیر ماخذ اور سند کے اختراعات ایجاد کر لی ہیں۔ انہیں اس دیدہ دلیری کا مزہ چکھنا پڑے گا۔ اسی سورۃ میں آگے بھی آرہا ہے "ھَلْ

عِندَکُم مِّنْ عِلْمٍ فَتُخْرِجُوهُ کنا، کیا تمہارے پاس کوئی ایسا علم ہے جسکی بنا، پر شریعت نکالتے ہو۔ علم کا قطعی ذریعہ تو وحی الٰہی ہے جو انبیاء کی معرفت حاصل ہوتی ہے۔ کیا تمہارے پاس کوئی ایسی دلیل ہے۔ یا تم نے کسی صاحبِ عقل آدمی سے کوئی چیز حاصل کی ہو۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی اختراعات کے پیچھے دلیل نہیں ہوتی۔ نہ قرآن و سنّت سے ماخوذ ہوتی ہیں اور نہ یہ ائمہ مجتہدین کی کسی دلیل پر مبنی ہوتی ہیں۔ فقہ کے ماخذ تو چار ہی ہیں قرآن، سنت اور اجماع اور قیاس جب پہلے تین ماخذ سے کوئی مسئلہ حل نہیں ہوتا تو پھر اہلِ علم قیاس کے ذریعے اس کا حل بتاتے ہیں اور ساتھ وہ آیت یا حدیث رسول بھی بتاتے ہیں جس سے وہ دلیل پکڑتے ہیں۔ مگر تمہاری رسومات اور بدعات تو بلا دلیل اور خود ساختہ ہیں یہ محض آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کے سوا کچھ نہیں۔ تم کہتے ہو وَجَدْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ہم نے اپنے آباؤ اجداد کو ایسا ہی پایا، مگر اللہ تعالیٰ نے بھی جواب دیا اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ شَيْئًا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ (البقرہ) اگر ان کے آباؤ اجداد بے عقل اور راہِ ہدایت سے محروم ہوں۔ اس سے زیادہ بے وقوفی کی کیا بات ہو سکتی ہے کہ محض آباؤ اجداد کے افعال کو دلیل پکڑا جائے۔ فرمایا اللہ تعالیٰ ایسے لوگوں کو ان کے اس بیان کی وجہ سے ضرور سزا دے گا۔ اِنَّهٗ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ وہ حکیم ہے۔ حکمت کے ساتھ مہلت دیتا ہے اور جلدی گرفت نہیں کرتا۔ وہ علیم بھی ہے۔ اس کو علم ہے کہ کون شخص کیا کرتا ہے۔ وہ ہر باطل رسوم کے پجاری اور غیر اللہ کی نذر و نیاز کے حامی کو جانتا ہے۔ اس سے کوئی چیز پوشیدہ نہیں ہے۔

قتلِ اولاد کا نقصان

قتل اولاد کا ذکر گذشتہ درس میں ہو چکا ہے۔ کہ مشرکین کے مذہبی پروہت اسے مزین کر کے دکھاتے تھے جسکی وجہ سے وہ اولاد کو معبودانِ باطلہ کے نام پر قربان کر دیتے تھے۔ اس کے متعلق اللہ کا ارشاد ہے قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ قَتَلُوْٓا اَوْلَادَهُمْ سَفَهًاۢ بِغَيْرِ عِلْمٍ نقصان میں پڑے وہ

لوگ جنہوں نے اپنی اولاد کو قتل کیا بیوقوفی سے اور بغیر علم کے۔ ننگ و ناموس کی خاطر بچیوں کا زندہ درگور کرنا یا معاشی بنیاد پر بچوں کا مطلقاً قتل یا اُن کو معبودانِ باطلہ کے نام پر بھینٹ چڑھا دینا انتہا درجے کی بیوقوفی اور علم سے بے بہرگی کا نتیجہ تھا۔ اس کا نقصان بالکل واضح ہے۔ اولاد سے محرومی ظاہری دنیا میں عظیم نقصان ہے اور دوسرا نقصان یہ ہے کہ ایک غلط کام اچھا اور نیکی سمجھ کر کر رہے ہیں۔ ایسے کاموں سے اللہ تعالیٰ خوش کیوں ہوگا؟ وہ تو سخت ناراض ہوتا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ایسے لوگ خسارے میں پڑ گئے۔ ایک اور نقصان یہ بھی ہے وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ جو رزق اللہ نے اُنہیں دیا ہے اُسے اپنے آپ پر حرام قرار دے لیا ہے۔ اللہ کی عطا کی ہوئی روزی سے محروم رہنا بھی کتنی بڑی بدنصیبی اور کتنا بڑا نقصان ہے، اسی لیے فرمایا کہ یہ لوگ گھاٹے میں پڑ گئے۔

برتھ کنٹرول اور تقسیم رزق

بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ وَحَرَّمُوا مَا رَزَقَهُمُ اللّٰهُ سے اولاد بھی مراد لی جاسکتی ہے۔ یعنی جو اولاد اللہ تعالیٰ کسی شخص کو دیتا ہے یا دینا چاہتا ہے اس کو اپنے آپ پر حرام قرار دے لیتے ہیں اور اولاد کی پیدائش میں رکاوٹ بننے کی کوشش کرتے ہیں۔ یہ انفرادی سطح پر بھی ہوتا ہے اور اجتماعی سطح پر بھی برتھ کنٹرول کے لیے بڑے بڑے منصوبے بنائے جاتے ہیں اور اس طرح اللہ تعالیٰ سے عطا ہونے والی اولاد کو لینے سے انکار کیا جاتا ہے۔ امام شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص اللہ تعالیٰ کی کسی سکیم کا مقابلہ کرتا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ اور ملاءِ اعلیٰ کی لعنت کا مستحق ٹھہرتا ہے۔ پیدائش روکنے کے لیے طرح طرح کے حربے استعمال کیے جاتے ہیں۔ کبھی عورت کو مانع حمل گولیاں کھلا کر اور کبھی بچہ دانی کا آپریشن کر کے حمل کو روکنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ عمل ایک طرف اس آیت کریمہ کی زد میں آتا ہے اور دوسری طرف بے حیائی کو فروغ دیتا ہے۔ خاندانی منصوبہ بندی کا جواز یہ پیش کیا جاتا ہے کہ کثیر آبادی کی خوراک کی ضروریات پوری نہیں کی جاسکتیں، حالانکہ رزق کے تمام ذرائع اللہ تعالیٰ نے اپنے قبضے میں

رکھے ہیں۔ اِن پر کسی کو تصرف کا اختیار نہیں دیا۔ سورۃ الذٰریٰت میں ارشاد ہے "اِنَّ اللّٰہَ ھُوَالرَّزَّاقُ ذُوالْقُوَّۃِ الْمَتِیْنُ" مضبوط طاقت کا مالک وہی رزاق ہے۔ تمہارا فرض یہ ہے کہ اس کے دیئے ہوئے رزق کو صحیح طریقے سے خرچ کرو۔ اِدھر ایک طرف تو برتھ کنٹرول کی ترغیب دی جاتی ہے اور دوسری طرف دن میں چھ چھ مرتبہ جانوروں کی طرح بے تحاشا کھایا جاتا ہے۔ تم اللہ کی گدی پر بیٹھ کر رزاقیت کے مالک بنتے ہو اور سمجھتے ہو کہ ہماری جاری کردہ سکیموں کے ذریعے رزق حاصل ہو گا۔ یہ تو حماقت ہے تمہارے پاس جو کچھ ہے اُسے منصفانہ طریقے سے تقسیم تو کرو اور پھر دیکھو کہ وسائل رزق کس طرح مہیا ہوتے ہیں۔ اچھی تعلیم اور اچھی ملازمتیں بڑے لوگوں کے لیے مخصوص کر دی جائیں۔ سائنس اور ٹیکنالوجی سے غریب طلبا کو محروم کر دیا جائے۔ باصلاحیت بچوں کے داخلے پر قدغن لگا دی جائے تو روزگار کا بہاؤ نیچے کی طرف کیسے آسکتا ہے۔ یہ اسی امتیازانہ سلوک کا نتیجہ ہے کہ امیروں کے بدکار بچے ڈگریاں حاصل کر کے اعلیٰ عہدوں پر فائز ہو جاتے ہیں اور غریب آدمی کو مزدوری تک نہیں ملتی۔ یہ سب غیر منصفانہ تقسیم کا نتیجہ ہے۔ اللہ نے تو واضح طور پر فرما دیا ہے "وَکَاَیِّنْ مِّنْ دَآبَّۃٍ لَّا تَحْمِلُ رِزْقَھَا" کتنے جانور ہیں جو اپنا رزق اپنی پشت پر اٹھائے نہیں پھرتے ہیں؟ حقیقت یہ ہے۔ "اَللّٰہُ یَرْزُقُھَا" (عنکبوت) ان کو رزق اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوتا ہے۔ دیکھیں یہ چرند، پرند، درند، کیڑے مکوڑے کہاں سے روزی حاصل کرتے ہیں، اللہ نے سب کے لیے انتظام کر رکھا ہے اور تمہاری روزی کے اسباب بھی وہی پیدا فرماتا ہے۔

جہاں تک قتلِ اولاد کا تعلق ہے، اللہ تعالیٰ نے صاف فرما دیا ہے "وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَکُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ" (الانعام) اپنی اولاد کو رزق کی کمی کی وجہ سے قتل نہ کرو۔ حقیقت یہ ہے "نَحْنُ

نَرْزُقُكُمْ وَإِيَّاهُمْ (الانعام) رزق ان کو بھی لازمی ہم دیتے ہیں اور تمہیں بھی لہٰذا اس بناء پر اولاد کو قتل کرنا یا اولاد کی پیدائش میں رکاوٹ ڈالنا اللہ تعالیٰ کے تصرف میں دخل اندازی کے مترادف ہے۔ اللہ جل جلالہ اپنی حکمت کے مطابق ہر ذی جان کو رزق پہنچاتا ہے کسی کو کم دیتا ہے اور کسی کو زیادہ عطا کرتا ہے وَلَوْ بَسَطَ اللّٰهُ الرِّزْقَ لِعِبَادِهٖ لَبَغَوْا فِي الْاَرْضِ (الشوریٰ) اگر سب کا رزق اللہ تعالیٰ کشادہ کر دیتا تو یہ سب دنیا میں فتنہ و فساد کا بازار گرم کرتے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے کہ کسی کو رزق میں وسعت دیتا ہے اور کسی کا روک لیتا ہے تاکہ دنیا میں امن و امان قائم رہ سکے۔

فرمایا انہوں نے اللہ تعالیٰ کی عطا کردہ چیز کو اپنے آپ پر حرام قرار دے لیا اِفْتِرَاءً عَلَى اللّٰهِ اللہ تعالیٰ پر افتراء کرتے ہوئے۔ بچوں کی بھینٹ کو خدا تعالیٰ کی خوشنودی پر محمول کرتے تھے جو کہ اللہ پر جھوٹ باندھنے کے مترادف ہے۔ فرمایا قَدْ ضَلُّوْا یہ گمراہ ہو گئے وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ اور یہ ہرگز ہدایت پر نہیں ہیں بلکہ گمراہی میں پھنسے ہوئے ہیں آگے چل کر ان کو ان کی کارکردگی کا ضرور بدلہ مل جائیگا۔

وَهُوَ الَّذِيٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ؕ كُلُوْا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ ۖ وَلَا تُسْرِفُوْا ؕ اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ ﴿۱۴۱﴾ وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً وَّفَرْشًا ؕ كُلُوْا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۱۴۲﴾

ترجمہ :- اور اللہ تعالیٰ کی ذات وہی ہے جس نے پیدا کیے ہیں باغات جن کو چھتریوں پر چڑھایا جاتا ہے اور وہ جو چھتریوں پر نہیں چڑھائے جاتے اور پیدا کیا اُس نے کھجوروں اور کھیتی کو جن کے پھل مختلف ہیں اور زیتون اور انار کو جو ایک دوسرے کے ساتھ ملتے جلتے ہیں ۔ اور ایک دوسرے کے ساتھ نہیں ملتے ۔ اس کے پھل سے کھاؤ جس وقت کہ وہ پھل دے اور اس کا حق ادا کرو اس کے کاٹنے کے دن ۔ اور اسراف مت کرو ، بیشک وہ (اللہ تعالیٰ) نہیں پسند کرتا اسراف کرنے والوں کو (۱۴۱) اور (اُس نے پیدا کیے ہیں) مویشیوں میں سے باربرداری کرنے والے اور زمین کے ساتھ لگے ہوئے

کھاؤ اُس چیز میں سے جو اللہ نے تم کو رزق دیا ہے
اور نہ پیروی کرو ، شیطان کے قدموں کی ، بیشک وہ تمہارے
لیے کھلا دشمن ہے (۱۴۲)

ربطِ آیات

گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ نے اُس مشرکانہ رسم کا رد فرمایا جسکی رُو سے مشرک لوگ اپنے جانوروں اور کھیتی کی پیداوار میں سے غیر اللہ کی نیاز نکالتے تھے اس کے ساتھ ساتھ قتلِ اولاد کی قباحت کا بھی ذکر کیا۔ فرمایا مشرکانہ افعال کو اللہ تعالےٰ کی طرف منسوب کرنا اللہ پر افترا باندھنا ہے۔ بعض لوگ اللہ کے پیدا کردہ جانوروں کو خود اپنے آپ پر حرام ٹھہرا لیتے ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ کی ناشکری کرنے کے مترادف ہے ، اس سے بچنا چاہیئے اور اللہ کی عطا کردہ نعمتوں سے فائدہ اٹھانا چاہیئے آج کے درس میں بھی اللہ تعالیٰ نے اناج ، پھل اور جانوروں جیسی نعمت کو کھانے کی ترغیب دی ہے۔ البتہ فضول خرچی سے منع فرمایا ہے۔ اور ساتھ ساتھ شیطان کی پیروی سے بھی منع فرمایا ہے۔

باغات کی پیداوار

ارشاد ہوتا ہے۔ وَهُوَ الَّذِيٓ خدا کی ذات وہ رحیم ، کریم اور مہربان ہے اَنْشَاَ جس نے پیدا کیے ہیں جَنّٰتٍ باغات۔ اور باغات کی آگے دو قسمیں بیان فرمائیں مَّعْرُوْشٰتٍ جن کو چھپروں پر چڑھایا جاتا ہے۔ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ اور جن کو چھپروں پر نہیں چڑھایا جاتا۔ بعض پھل تو بڑے بڑے درختوں پر لگتے ہیں البتہ بعض پھل اور سبزیاں بیلوں میں پیدا ہوتی ہیں۔ اِن بیلوں میں سے کچھ ایسی ہیں جنہیں معروشات کہتے ہیں یعنی انہیں زمین سے اُوپر اٹھا کر رکھنا پڑتا ہے۔ ایسی بیلیں لکڑی کی ٹٹیاں بنا کر اُن پر چڑھا دی جاتی ہیں یا دیواروں کے ساتھ لٹکا دی جاتی ہیں یا پھر درختوں پر چڑھا دی جاتی ہیں۔ مثلاً انگور کی بیل کو لازماً اُوپر اٹھا کر رکھنا پڑتا ہے ورنہ وہ بیل پھل نہیں دیتی۔ سبزیوں میں توری کی بیل ہے۔ جڑی بوٹیوں میں گلو ہے۔ غیر معروشات

بیلوں میں ہمارے ہاں خربوزہ اور تربوز کی بیلیں ہیں یا ٹنڈا اور کدو کی بیلیں ہیں جو زمین پہ پڑے پڑے عمدہ پھل دے جاتی ہیں۔ ان کو اوپر چڑھانے کی ضرورت نہیں ہوتی بہرحال یہاں معروشات اور غیر معروشات کا ذکر فرمایا کہ اللہ نے اپنی کمال قدرت کے ساتھ انہیں پیدا کیا ہے۔

اس کے علاوہ فرمایا وَالنَّخْلَ اللہ نے کھجور کو پیدا فرمایا ہے۔ اس کے گچھے بڑے بڑے درختوں پہ لگتے ہیں اور پکنے پہ اتار لیے جاتے ہیں۔ انسانی استعمال کے لیے نہایت مفید چیز ہے۔ اسے تفریح طبع کے لیے بطور پھل بھی استعمال کیا جاتا ہے اور بعض ریگستانی علاقوں میں اسے غذا کے طور پہ بھی کھایا جاتا ہے۔ اس کی بیشمار قسمیں ہیں جو چھوٹے یا بڑے درختوں پر پیدا ہوتی ہیں۔ صحیحین اور دیگر کتب حدیث میں یہ روایت موجود ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کھجور کا درخت مومن آدمی کی مانند ہے۔ جس طرح ایک مومن آدمی نور ایمان اور نورِ توحید سے لبریز رہتا ہے۔ اس کے اخلاق و اعمال بہترین ہوتے ہیں اور وہ ہمیشہ تر و تازہ رہتا ہے اسی طرح کھجور کا درخت بھی نہایت مفید ہے اس میں نہایت ہی کار آمد پھل آتا ہے جو ظاہری اور باطنی حسن سے مالامال ہوتا ہے اور درخت بارہ مہینے ہرا بھرا رہتا ہے۔ یہ بڑا ہی بابرکت درخت ہے۔ فرمایا وَالزَّرْعَ اللہ نے مختلف قسم کی کھیتیاں بھی پیدا کی ہیں۔ جن کے ذریعے مختلف الانواع غلہ پیدا ہوتا ہے جو انسان کی خوراک کا کام دیتا ہے اناج کی ہر قسم کا اپنا رنگ، ذائقہ اور غذائیت ہوتی ہے۔ اللہ نے انسان کی غذا کے لیے کئی قسم کا غلہ پیدا کیا تاکہ ایک ہی چیز کو ہمیشہ استعمال کرکے تنگ نہ آجائے بلکہ حسب خواہش کبھی گندم، کبھی مکئی، کبھی باجرہ، کبھی چاول اور دوسری اجناس استعمال کر سکے۔ یہ اللہ کا بہت بڑا انعام ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ اللہ نے کھیتیاں پیدا فرمائیں مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ جن کے پھل مختلف اقسام کے ہیں۔

اس کے علاوہ وَالزَّيْتُوْنَ اللہ نے زیتون پیدا کیا۔ یہ بھی بڑا مفید

درخت ہے۔ یہ پورا درخت، اس کے پتے، چھال اور پھل نہایت کارآمد ہیں اس کا تیل ساری دنیا میں گھی کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک[1] ہے کلوا لزیت وادھنوا بہ فانہ من شجرۃ مبارکۃ زیتون کا تیل کھاؤ اور اس کی مالش کرو کہ اللہ نے اسے بڑے بابرکت درخت سے پیدا فرمایا ہے۔ اس کا پھل ویسے بھی کھایا جاتا ہے اور اس کا اچار بھی بناتے ہیں۔ اس کی ٹہنیاں تک دواؤں میں استعمال ہوتی ہیں۔ اس کے علاوہ فرمایا وَالرُّمَّانَ اللہ نے انار بھی پیدا فرمایا ہے۔ اس کے پھل کے مختلف ذائقے ہوتے ہیں۔ کوئی میٹھا، کوئی ترش اور کوئی کھٹا میٹھا۔ اس کے بعض اقسام کے دانے چھوٹے ہوتے ہیں اور بعض کے موٹے۔ اس کا سارا ہی پھل کارآمد ہے۔ میٹھا پھل فوراً ہی کھا لیا جاتا ہے یا اس کا شربت بنا کر پیتے ہیں۔ ترش پھل کا انار دانہ بنا لیا جاتا ہے۔ جو مصالحہ میں استعمال ہوتا ہے۔ بہرحال یہ پھل انسانی جسم کی نشوونما کے لیے مفید ہے۔

فرمایا یہ تمام پھل مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ایک دوسرے کے مشابہ اور غیر مشابہ ہیں یعنی بعض ایک دوسرے سے ملتے ہیں اور بعض نہیں ملتے۔ پھر یہ بھی ہے کہ بعض ظاہری طور پر آپس میں ملتے جلتے ہیں مگر معنوی طور پر نہیں ملتے بعض رنگ میں ملتے ہیں اور بعض ذائقہ میں۔ بعض کی ظاہری شکل ایک جیسی ہوتی ہے مگر ذائقہ مختلف۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے یہ تمام پھل انسان کے فائدے کے لیے پیدا کیے ہیں۔ اسی لیے فرمایا كُلُوا مِنْ ثَمَرِهٖٓ اِذَآ اَثْمَرَ جب یہ درخت اور پودے پھل دینے لگیں تو ان کے پھل کھاؤ اور ان کو خود بخود اپنے آپ پر حرام نہ قرار دے لو۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو کہ اس نے تمہارے لیے ایسی ایسی نعمتیں پیدا کی ہیں۔ ان کے کھانے سے انکار کر کے اللہ کی ناشکری نہ کرو۔ دوسری بات یہ ہے کہ انہیں اللہ کے نام پر دو، غیر اللہ کی نیاز کے لیے انہیں استعمال نہ کرو۔ کیونکہ یہ بھی حد درجے

[1] ترمذی ص۲۷۷ (فیاض)

کی ناشکری اور شرک ہوگا

پیداوار کا حق

باغات اور پھلوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک چیز کا حکم دیا ہے اور ایک چیز سے منع فرمایا ہے۔ کرنے والی بات یہ ہے وَاٰتُوْا حَقَّهٗ يَوْمَ حَصَادِهٖ فصل یا پھل کٹنے کے دن اُس کا حق ادا کرو۔ اس حق کی تشریح میں مفسرین کرام کے دو مختلف اقوال پائے جاتے ہیں۔ یعنی بعض مفسرین اس حق سے صرف صدقہ خیرات مراد لیتے ہیں جب کہ بعض دوسرے اسے زکوٰۃ اور عشر پر محمول کرتے ہیں۔ جو حضرات اسے صرف صدقہ پر محمول کرتے ہیں اُن کی دلیل یہ ہے کہ زکوٰۃ و عشر کی تفصیلات مدنی زندگی میں نازل ہوئیں جب کہ یہ سورۃ مکی ہے، لہٰذا اس حق سے زکوٰۃ و عشر مراد نہیں لیا جاسکتا۔ صدقہ و خیرات کرنے کا حکم بھی قرآن پاک میں مذکور ہے "فِيْٓ اَمْوَالِهِمْ حَقٌّ مَّعْلُوْمٌ لِّلسَّآئِلِ وَالْمَحْرُوْمِ" (معارج) یعنی تمہارے اموال میں سائل اور محتاجوں کا حق ہے۔ یہ حق کبھی واجب ہوتا ہے اور کبھی سنّت یا نفل۔ بہرحال اللہ نے اہل ثروت کے مال میں غریبوں اور محتاجوں کا حق رکھا ہے۔ اسی لیے فرمایا جب کھیتی یا پھل پک جائیں تو اس کا حق ادا کرو۔ یعنی جب فصل کاٹی جائے یا پھل درختوں سے اتارا جائے تو اسے گھر لاتے وقت مسکینوں، یتیموں اور بیواؤں کو بھی کچھ نہ کچھ حصہ ادا کرو۔

امام ابن کثیرؒ اور امام ابوبکر ابن عربیؒ فرماتے ہیں کہ زکوٰۃ مکی زندگی میں ہی فرض ہوگئی تھی، تاہم اس کی مقدار مدینے میں جاکر مقرر ہوئی لہٰذا مکی دور میں بھی بطور زکوٰۃ کچھ نہ کچھ ادا کرنا پڑتا تھا اس کی دلیل سورۃ مزمل کی آیت کریمہ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ جس میں نماز کے ساتھ زکوٰۃ کا بھی حکم ہے جب کہ یہ سورۃ مکی زندگی کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی۔ چنانچہ بعض مفسرین اور امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ یہاں پر وَاٰتُوْا حَقَّهٗ سے مراد زمین کی پیداوار سے عشر کی ادائیگی ہے۔ جس کی تشریح ۲ ھ میں

مدینہ منورہ میں مکمل ہوئی اور جس کے مطابق سونے چاندی میں سے چالیسواں حصہ زکوٰۃ مقرر ہوئی۔ مویشیوں میں سے پانچ اونٹوں کے بدلے ایک بکری۔ ہر تیس گائے بھینس میں سے ایک اور چالیس بھیڑ بکریوں میں سے ایک بکری یا بھیڑ زکوٰۃ مقرر ہوئی۔ زمین کی پیداوار پر عشر اور نصف عشر کا اطلاق ہوا۔ چنانچہ جس زمین کی آبپاشی محنت کے ذریعے یعنی نہر، کنویں یا پانی باہر سے لاکر کی جاتی ہے اُس زمین کی پیداوار میں بیسواں حصہ اور جو زمین بارانی ہے اسکی پیداوار میں سے دسواں حصہ (عشر) بطور زکوٰۃ مقرر ہوا البتہ زمینی پیداوار کے نصاب کے متعلق آئمہ کرام میں کچھ اختلاف پایا جاتا ہے۔ عام فقہائے کرام پیداوار کا نصاب پانچ وسق کے برابر قرار دیتے ہیں یعنی اس سے کم پیداوار پر عشر عائد نہیں ہوتا، البتہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک زمینی پیداوار کا کوئی نصاب مقرر نہیں لہٰذا زمینی پیداوار کی ہر قلیل یا کثیر مقدار پر عشر واجب الادا ہوتا ہے جو کہ دسواں یا بیسواں حصہ ہے۔ امام شوکانیؒ فرماتے ہیں کہ امام صاحب کا فتویٰ غربا و مساکین کے حق میں زیادہ بہتر ہے کیونکہ اس میں غریب پروری کا زیادہ خیال رکھا گیا ہے۔ اور یہ فتوےٰ سورۃ بقرہ میں موجود احکام الٰہی کے ساتھ زیادہ مطابقت رکھتا ہے جن میں فرمایا گیا ہے کہ "یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِنْ طَیِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَ مِمَّاۤ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ" اے اہل ایمان! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے بھی اللہ کے راستے میں خرچ کرو اور اس چیز میں سے بھی جو ہم نے تمہارے لیے زمین سے پیدا کی ہے۔ غرضیکہ زمین کی پیداوار سے انفاق فی سبیل اللہ کے لیے کوئی تحدید (LIMIT) نہیں ہے۔ لہٰذا اس آیت کریمہ میں بھی حکم ہے کہ فصل کٹتے وقت یا پھل اترتے وقت اس کا حق ادا کرو۔

اسراف کی ممانعت

دوسری چیز جس سے اللہ نے منع فرمایا ہے، وہ ہے وَلَا تُسْرِفُوْا یعنی فضول خرچی نہ کرو۔ مال کو بلا ضرورت یا ضرورت سے زاید خرچ نہ کرو۔ اگر کوئی کام تھوڑے خرچہ سے پورا ہو سکتا ہے تو اس کے لیے زیادہ خرچ نہ

کرو، یہی اسراف ہے۔ سورۃ اعراف میں موجود ہے "كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا" کھاؤ، پیو مگر فضول خرچی نہ کرو۔ کیونکہ "اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ" اللہ تعالیٰ فضول خرچ کرنے والوں کو پسند نہیں کرتا۔ ہر ناجائز کام مثلاً عیاشی فحاشی اور رسوم باطلہ پر خرچ کرنا اسراف و تبذیر میں آئے گا۔ روپیہ پیسہ ہو یا اناج اور پھل، ضرورت سے زائد استعمال کرنا فضول خرچی کے زمرہ میں آئے گا۔ اسراف و تبذیر ہماری سوسائٹی کا روگ بن چکا ہے کھانے کے علاوہ مکان کی شان و شوکت اور اس میں سامان بھرنے کی دوڑ شادی اور غمی کی رسومات اور جھوٹی آن کی آڑ میں کس قدر فضول خرچی کی جاتی ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے "اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ" (بنی اسرائیل) یعنی فضول خرچ شیطان کے بھائی ہیں۔ یہ لوگ انسانی بھلائی کے کام کرنے کی بجائے فضولیات میں مال اڑاتے ہیں اور اس طرح شیطان کی خوشنودی حاصل کرتے ہیں۔ اللہ نے فرمایا کہ اسکی عطا کردہ نعمتیں کھاؤ پیو مگر فضول خرچی نہ کرو۔ جب کھیتی پک جائے اور درختوں کا پھل اتار لو تو اس میں غریبوں اور مسکینوں کا حق ادا کرو۔

جانوروں کے فوائد

کھیتی اور پھلوں کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بعض جانوروں کے فوائد بھی ذکر کیے ہیں فرمایا "وَمِنَ الْاَنْعَامِ حَمُوْلَةً" جانوروں میں سے بعض ایسے ہیں جو بار برداری کا کام کرتے ہیں۔ ان میں اونٹ، بیل، خچر، گدھے وغیرہ ہیں جو انسان کے لیے بڑے مفید کام انجام دیتے ہیں اللہ تعالیٰ نے انہیں انسان کا خادم بنا دیا ہے۔ فرمایا بوجھ اٹھانے والے جانوروں کے علاوہ "وَفَرْشًا" بعض جانور ایسے ہیں جو زمین سے لگے ہوئے ہیں یعنی پست قد ہیں۔ ان میں بھیڑ بکریاں اور دیگر چھوٹے جانور ہیں، یہ بھی انسان کے لیے بڑے مفید ہیں۔ امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ ان کو "فرشًا" اس لیے کہا گیا ہے کہ ان کے چمڑے اور بالوں سے مصلیٰ وغیرہ بنا کر زمین

بچھایا جاتا ہے۔ بالوں سے کپڑا بنا کر کمبل کے طور پر لیا جاتا ہے اور پہننے کے کام بھی آتا ہے۔ کھال کو رنگ کرنے کے بعد فرش پر بچھایا جاتا ہے اس کے علاوہ چونکہ یہ جانور بوقت ذبح زمین پر لٹا دیے جاتے ہیں، لہذا فرشاً کی یہ بھی توجیہہ ہو سکتی ہے۔ دنیا میں ہر روز لاکھوں، کروڑوں بھیڑ بکریاں ذبح کر دی جاتی ہیں جو کہ انسان کے لیے نہایت مقوی غذا کا کام دیتی ہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا انعام ہے۔

فرمایا كُلُوا مِمَّا رَزَقَكُمُ اللّٰهُ جو رزق تمہیں اللہ نے دیا ہے۔ اُسے کھاؤ۔ یہ رزق خواہ کھیتی کی شکل میں ہو یا پھلوں کی صورت میں یا جانوروں کی شکل میں اسے استعمال کرو۔ کیونکہ یہ چیزیں اللہ نے تمہارے لیے پیدا فرمائی ہیں۔ البتہ ان کے کھانے میں اور دیگر ضروریات میں فضول خرچی نہ کرو۔

شیطان کے نقشِ قدم پر

فرمایا اِن انعامات کے جائز استعمال پر کوئی پابندی نہیں، البتہ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو۔ امام شاہ ولی اللہؒ کی اصطلاح میں شیطان کے نقشِ قدم پر چلنا خدا تعالیٰ کے قانون کی پابندی کو چھوڑ دینا ہے۔ جو شخص قانونِ خداوندی پر عمل کرنے کی بجائے اپنی خواہش کی پیروی کرتا ہے، رسم و رواج کے پیچھے چلتا ہے وہ حقیقت میں شیطان کا اتباع کرتا ہے ترقی کی منازل تک پہنچنے کے لیے قانون کی پابندی لازمی ہے۔ جو شخص اس کی پرواہ نہیں کرتا وہ حظیرۃ القدس اور جنت میں نہیں پہنچ سکتا۔ اس ضمن میں حلت و حرمت کے قانون کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اللہ نے فرمایا حلال اور پاکیزہ چیزیں کھاؤ اور حرام کے قریب نہ جاؤ۔ حرام خوری شیطانی کام ہے۔ وہ تمہیں ہر وقت بہکاتا رہتا ہے اور ناجائز امور کی ترغیب دیتا ہے۔ یاد رکھو! اس کی بات نہ ماننا کیونکہ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ وہ تمہارا کھلا

دشمن ہے، وہ تمہیں غلط مشورہ ہی دیگا اور تمہاری عاقبت کو خراب
کرنے کی کوشش کریگا۔ وہ انسان کو غرغرہ کی حالت تک بہکانے کی کوشش
کرتا ہے۔ وہ تمہیں ایمان سے دور کر کے ضلالت و گمراہی کے گڑھے
میں دھکیلنا چاہتا ہے، اس سے ہمیشہ بچ کر رہو کیونکہ وہ تمہارا صریح
دشمن ہے۔ تمہیں ورغلانے کے لیے اس نے قسم اٹھا رکھی ہے۔
لہٰذا یہ تمہارا کام ہے کہ اس سے بچ نکلو۔

ثَمٰنِيَةَ اَزْوَاجٍ ۚ مِنَ الضَّاْنِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ نَبِّـُٔوْنِيْ بِعِلْمٍ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۴۳﴾ وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ ؕ قُلْ ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ ؕ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰىكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا لِّيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۴﴾ ع

ترجمہ :۔ آٹھ جوڑے (اللہ نے تمہارے فائدے کے لیے پیدا کیے ہیں) بھیڑوں میں سے دو (نر اور مادہ) اور بکریوں میں سے دو (نر اور مادہ)۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے (ان لوگوں سے) کیا اللہ نے دونوں حرام قرار دیے ہیں یا دونوں نر و مادہ یا جس پر مادہ کا رحم مشتمل ہے ؟ مجھے علم کے ساتھ بتلاؤ اگر تم سچے ہو ﴿۱۴۳﴾ اور (اس نے پیدا کیا) اونٹوں میں سے دو (نر اور مادہ) اور گائے (بھینس)

میں سے دو (نر اور مادہ) آپ کہہ دیجئے کیا اللہ نے دونوں نر حرام قرار دیے ہیں یا دونوں مادہ یا جس پر مادہ کا رحم مشتمل ہے ؟ یا تم حاضر تھے جب اللہ نے تم کو اس کا حکم دیا تھا، پس کون زیادہ ظالم ہو گا اس سے جس نے افترا باندھا اللہ پر جھوٹ تاکہ گمراہ کرے لوگوں کو بغیر علم کے ۔ بیشک اللہ تعالیٰ نہیں ہدایت دیتا اُن لوگوں کو جو ظلم کرنے والے ہیں ۔ (۱۴۴)

ربط آیات

گذشتہ دروس میں مختلف اقسامِ شرک کی تردید بیان ہو چکی ہے بعض لوگ اللہ کے علاوہ دوسروں کی نذر و نیاز بھی نکالتے تھے۔ بعض نے ایسی رسوماتِ باطلہ ایجاد کر رکھی تھیں جن کی رُو سے وہ بعض حلال اور طیب چیزوں کو از خود اپنے اُوپر حرام قرار دے دیتے تھے، اللہ نے اُن کا بھی ردّ فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات کے سلسلے میں پھلوں اور کھیتی کا تذکرہ فرمایا اور حکم دیا کہ ان کو استعمال کرو اور میری ان نعمتوں کا شکر ادا کرو۔ اللہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب کھیتی اور پھل پک جائے تو اُس میں سے اس کا حق ادا کرو یعنی غربا، اور مساکین کو بھی کچھ دے دیا کرو ۔ اور اسراف نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ مسرفین کو ہرگز پسند نہیں فرماتا اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے مویشیوں کی بعض اقسام کا ذکر کیا اُن میں سے کچھ بوجھ اٹھانے والے ہیں اور کچھ زمین سے لگ کر چلتے ہیں یعنی یا تو اُن کی پشتیں ہر وقت زمین کے ساتھ لگی رہتی ہیں ۔ یا وہ زمین کے قریب پست قد ہوتے ہیں اس لیے ان کو فرشاً کہا گیا ہے۔ اس کی توجیہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اُن کی کھالوں کو فرش پر بچھایا جاتا ہے ۔ بہر حال فرمایا کہ اللہ کی دی ہوئی روزی میں سے کھاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم پر نہ چلو یعنی غیر اللہ کی نیاز نہ دو اور نہ انہیں معبودانِ باطلہ کے نام سے منسوب کرو۔

آٹھ حلال مویشی

جن آٹھ مویشیوں کو اللہ تعالیٰ نے حلال قرار دیا اِن آیات میں اُن کی

تشریح بیان کی گئی ہے۔ ارشاد ہے ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ یہ آٹھ جوڑے ہیں جن میں سے بعض باربرداری کا کام دیتے ہیں اور بعض زمین سے لگ کر چلتے ہیں اللہ نے فرمایا کہ یہ تم پر خاص انعام ہے۔ انہیں صحیح طریقے پر استعمال کرو اور اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرو۔ اُس کے ساتھ کسی کو شریک نہ بناؤ۔ نہ غیر اللہ کی نیاز دو اور نہ بیہودہ اور فضول رسمیں ادا کرو۔

گذشتہ درس میں حَمُولَةً اور فرشًا کے دو الفاظ آئے تھے، یعنی بعض جانور باربرداری کے کام آتے ہیں اور بعض پست قد ہیں جو اگرچہ باربرداری کے کام تو نہیں آتے مگر ان کا گوشت بہرحال انسانی استعمال میں آتا ہے۔

مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ آج کی آیت میں ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ انہی جانوروں کی تفصیل ہے یعنی جن دو قسم کے جانوروں کا ذکر ہوا ہے ان میں یہ آٹھ جانور شامل ہیں۔ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ لفظ "آٹھ جوڑے" کُلُوْا کا مفعول بھی ہو سکتے ہیں۔ گذشتہ درس میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان گزر چکا ہے "کُلُوْا مِمَّا رَزَقَکُمُ اللّٰہُ" یعنی جو رزق اللہ نے تمہیں دیا ہے اُسے کھاؤ۔ تو فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے جس رزق کے کھانے کا حکم دیا ہے وہ یہی آٹھ جانور ہیں بعض مفسرین یہ بھی فرماتے ہیں کہ ثَمٰنِیَةَ اَزْوَاجٍ سے پہلے اَنْشَاَ وَ اَوْجَدَ کا فعل محذوف ماننا پڑے گا۔ اور پورا معنی یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے فائدے کے لیے بنائے ہیں۔ اور ایجاد کیے ہیں "آٹھ جوڑے"۔ یہ سب ترکیبیں درست ہیں اور صحیح معنی دیتی ہیں۔

اب ان آٹھ جوڑوں کی تفصیل یہ ہے مِنَ الضَّاْنِ اثْنَیْنِ بھیڑوں میں سے دو، نر بھی اور مادہ بھی، یعنی بھیڑ بھی اور چھترا بھی۔ وَمِنَ الْمَعْزِ اثْنَیْنِ اور بکریوں میں سے دو یعنی بکرا اور بکری دونوں حلال ہیں۔ دونوں اقسام میں سے ہر نر اور مادہ کو حلال قرار دے کر اللہ نے مشرکین کے بعض باطل عقائد کا رد فرمایا ہے۔ مشرکین بعض جانوروں کو بحیرہ، سائبہ

وصیلہ اور حام کے نام پر چھوڑ دیتے تھے اور انہیں اپنے آپ پر حرام قرار دے لیتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی تردید فرمائی ہے۔ مشرکین کا ایک اور باطل عقیدہ یہ بھی تھا کہ اِن مادہ جانوروں کے پیٹ سے اگر زندہ بچہ پیدا ہوتا تو کہتے کہ یہ مردوں کے لیے حلال ہے اور عورتوں کے لیے حرام ہے اور اگر مردہ بچہ پیدا ہوتا تو کہتے کہ یہ سب کے لیے حلال ہے۔ اللہ نے ایسے تمام غلط عقائد کی تردید فرمائی اور واضح طور پر بتلا دیا کہ بھیڑ اور بکری کا ہر نر اور مادہ بلا تخصیص سب کے لیے حلال ہے۔ انہیں کسی خود ساختہ شریعت کے تحت حرام نہیں قرار دیا جاسکتا۔ زمانۂ جاہلیت میں بعض جانوروں کو سانڈھ کے طور پر کھلا چھوڑ کر اپنے اوپر حرام کر لیا جاتا تھا۔ بعض کا دودھ نہیں پیتے تھے، تو ان تمام عقائد باطلہ کا اللہ نے ردّ فرما دیا ہے۔ بعض اُن نر جانوروں کی سواری اور گوشت خود پر حرام کر لیتے تھے جن کی جفتی سے مقررہ تعداد میں بچے پیدا ہو جاتے تھے مگر اللہ نے فرمایا، اُن کی کچھ حقیقت نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں سب کے لیے حلال قرار دیا ہے۔ اِن پر سواری بھی کر سکتے ہو اور ان کا گوشت بھی کھا سکتے ہو اُن کے بال بھی استعمال میں لائے جاسکتے ہیں اور دباغت کے بعد کھال بھی کام میں لائی جاسکتی ہے۔

شانِ نزول

قاضی ثناء اللہؒ پانی پتی تفسیر مظہری میں رقمطراز ہیں کہ مشرکین میں سے ایک شخص مالک ابن عوف جشمی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے ملاقاتی ہوا اور عرض کیا کہ معلوم ہوا ہے کہ آپ ہمارے بزرگوں کی طرف سے مروجہ غیر اللہ کی نیاز کی مخالفت کرتے ہیں اور اسے حرام قرار دیتے ہیں حالانکہ یہ طریقہ ہمارے آباؤ واجداد سے چلا آرہا ہے۔ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اُس شخص سے جوابی سوال کیا کہ تم جانوروں کو از خود اپنے آپ پر حرام قرار دیتے ہو اور کہتے ہو کہ یہ فلاں کی نذر ہے، تو بتلاؤ کہ یہ حرمت نر کی وجہ سے ہے یا مادہ کی وجہ سے۔ اگر نر ہونے کی بنا پر انہیں حرام قرار دیتے ہو تو سارے کے

سارے نر حرام ہونے چاہئیں۔ پھر تم نے بعض کو حلال اور بعض کو حرام کیسے بنا لیا۔ اور اگر اُن کی حرمت مادہ ہونے کی وجہ سے ہے تو پھر سارے مادہ جانور حرام ہونے چاہئیں۔ اور تیسری صورت یہ ہے کہ اگر تم نے یہ حرمت رحم یعنی بچہ دانی کی وجہ سے عائد کی ہے تو پھر نر اور مادہ سب کے سب حرام ہیں آخر تم نے حلّت و حرمت کا کون سا اصول اپنایا ہے اور اس کے لیے تمہارے پاس کیا دلیل ہے۔ اس شخص سے کوئی جواب نہ بن آیا تو کہنے لگا حضور! میرے پاس تو اس کا کوئی جواب نہیں ہے، اب آپ بولیں ہم سنتے ہیں۔ قاضی صاحب فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضور علیہ السلام کے مالک بن عوف کے ساتھ تکلم کو اِن آیات کی صورت میں نازل فرما دیا۔

حلت و حرمت کا اختیار

حضرت مولانا امام شاہ ولی اللہ محدث دہلوی اپنی معرکۃ الآرا کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ دراصل کسی چیز پر حلت و حرمت کا حکم لگانا اللہ تعالیٰ کا منصب ہے اور اس معاملہ میں اُس کا کوئی شریک نہیں تحلیل و تحریم کائنات میں تکوین نافذ کا نام ہے کہ فلاں کام کرو۔ اگر نہیں کرو گے تو جوابدہ ہو گے، اور فلاں کام نہ کرو، اگر کرو گے تو مجرم ٹھہرو گے۔ شاہ صاحب فرماتے ہیں کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کا کام ہے اور فرض، واجب، سنت اور مستحب وغیرہ تمام امور کا حکم اللہ تعالیٰ نے اپنے عرش عظیم سے دیا ہے۔ جب کسی آیت کریمہ یا حدیث نبوی میں حلت و حرمت کی نسبت نبی کی طرف کی جاتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ یہ چیز قطعی طور پر حلال یا حرام ہے اور اس کا حکم اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور نبی نے اس کو امت تک پہنچایا ہے بعض معاملات میں مجتہدین بھی حلت و حرمت کا حکم لگاتے ہیں مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ وہ اپنی طرف سے کسی چیز کو حلال یا حرام ٹھہراتے ہیں بلکہ وہ تو صرف اِس امر کی وضاحت کرتے ہیں کہ قرآن پاک کی فلاں آیت یا حضور علیہ السلام کی فلاں حدیث سے حلت و حرمت کا اظہار ہوتا ہے۔

اسی طرح نبی بھی اپنی طرف سے ایسا کوئی حکم نہیں لگاتا بلکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حلال اور حرام کردہ اشیا کی وضاحت کرتا ہے۔ اللہ کے علاوہ اگر کوئی دوسرا شخص اپنی طرف سے حلت و حرمت کا حکم لگائے گا تو وہ مشرک بن جائے گا کیونکہ اس نے خدائی اختیارات کو اپنے ہاتھ میں لینے کی کوشش کی ہے۔ غرضیکہ مشرکین کو یہ سمجھانا مقصود ہے کہ تمہاری طرف سے بعض چیزوں کو حلال اور بعض کو حرام قرار دے لینا شرک ہے۔ یہود و نصاریٰ کے احبار اور رہبان اپنی طرف سے جو حلت اور حرمت کا فتویٰ دیتے تھے، اُن کا یہ فعل خدائی معاملات میں مداخلت کے مترادف تھا اور شرک تھا۔ حلت و حرمت کا اختیار اللہ کے سوا کسی کو نہیں ہے۔

حلت و حرمت کی دلیل

بہرحال بھیڑوں اور بکریوں کی حلت کا قانون بتانے کے بعد اللہ نے فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ ان سے دریافت کریں ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ کیا اللہ تعالیٰ نے دونوں نر (بکرا اور چھترا) حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ (بکری اور بھیڑ) اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ یا جس پر مادہ کا رحم مشتمل ہے یعنی پیٹ میں نر یا مادہ جو کچھ بھی ہے، وہ حرام ہے۔ اس کی وضاحت کرو۔

فرمایا نَبِّئُوْنِيْ بِعِلْمٍ مجھے علم کے ساتھ بتلاؤ یعنی کوئی علمی دلیل پیش کرو اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ اگر تم حلت و حرمت کے دعوے میں سچے ہو بتاؤ کہ تم نے ازخود بعض جانوروں کو اپنے اوپر کیسے حرام قرار دے لیا ہے۔

آٹھ میں سے دو چھوٹے جانوروں (بھیڑ بکری) کے تذکرہ کے بعد اللہ نے باقی دو بڑے جانوروں کا ذکر بھی اسی طرح کیا ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ نے ان مویشیوں کو بھی تمہارے فائدے کے لیے پیدا کیا ہے اور تمہارے لیے حلال قرار دیا ہے، وہ ہیں وَمِنَ الْاِبِلِ اثْنَيْنِ اونٹوں میں سے بھی دو ہیں یعنی اونٹ اور اونٹنی وَمِنَ الْبَقَرِ اثْنَيْنِ

اور گائے بھینس میں سے بھی دو یعنی بیل اور گائے یا بھینسا اور بھینس یہاں پر بقرہ گائے اور بھینس دونوں پر محمول کیا گیا ہے کیونکہ دونوں دراصل ایک ہی نسل سے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ گائے ہر قسم کی آب و ہوا میں پرورش پاسکتی ہے جب کہ بھینس کے لیے گرم مرطوب آب و ہوا کی ضرورت ہوتی ہے۔ اسی لیے بھینس صرف میدانی گرم مرطوب علاقوں میں پائی جاتی ہے جب کہ گائے کی نسل دنیا کے ہر خطے میں موجود ہے۔ بہر حال گائے اور بھینس کے لیے قربانی میں بھی ایک ہی حکم ہے اور اس کا دودھ، گھی، گوشت اور چمڑا بھی یکساں طور پر قابلِ استعمال ہے۔ تو اللہ نے فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ ان سے دریافت کریں ءٰٓالذَّكَرَيْنِ حَرَّمَ اَمِ الْاُنْثَيَيْنِ کیا اللہ نے اس نسل یعنی اونٹ اور گائے بھینس کے دونوں نر حرام کیے ہیں یا دونوں مادہ اَمَّا اشْتَمَلَتْ عَلَيْهِ اَرْحَامُ الْاُنْثَيَيْنِ یا وہ چیز جس پر مادہ کا رحم مشتمل ہے۔ یعنی مادہ کے پیٹ میں جو بھی نر یا مادہ ہے، وہ حرام ہے۔ آخر تمہارے پاس حلت و حرمت کی کیا دلیل ہے۔ اگر مادہ کے پیٹ سے پیدا ہونے والا ہر بچہ حرام ہے تو پھر یہ تخصیص کیوں کرتے ہو کہ اگر زندہ پیدا ہوا تو مردوں کے لیے حلال اور عورتوں کے لیے حرام ہوگا اور مردہ پیدا ہوا تو سب کے لیے حلال ہوگا۔

فرمایا اگر تمہارے پاس حلت و حرمت کی کوئی عقلی دلیل موجود نہیں ہے تو اس کے لیے نقلی دلیل لاؤ۔ نقلی دلیل کا ماخذ وحی الٰہی ہوتا ہے جو نبی کی وساطت سے حاصل ہوتا ہے مگر نبوت پر تمہارا ایمان ہی نہیں ہے۔ جیسا کہ گذشتہ آیات میں گزر چکا ہے کہ مشرکین نبوت کا سرے سے انکار کرتے تھے اور کہتے تھے کہ خدا تعالیٰ نے کسی انسان کو نبی نہیں بنایا۔ اب اگر یہ دلیل بھی تمہارے پاس موجود نہیں ہے تو کس طرح ثابت کرو گے کہ حلت و حرمت کا تمہارا قانون برحق ہے۔ دلیل کے بغیر تو یہی

سمجھا جائے گا کہ تمہارے حلت و حرمت کے قانون کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور یہ محض آباؤ اجداد کی رسومات پر مبنی ہے۔ البتہ ایک تیسری صورت یہ رہ جاتی ہے اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ اِذْ وَصّٰكُمُ اللّٰهُ بِهٰذَا کیا تم خود وہاں موجود تھے جب اللہ تعالیٰ نے حلت و حرمت کا یہ فیصلہ کیا تھا۔ اب اس بات کا دعویٰ بھی کون کر سکتا ہے۔ کہ اُس کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ نے کوئی حکم دیا تھا۔ تو معلوم ہوا کہ تمہارے تمام دعوے بلا دلیل ہیں، لہٰذا ناقابلِ قبول ہیں۔

افترا علی اللہ

آگے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے جھوٹ کی ایک دفعہ پھر تردید فرمائی ہے فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اس سے بڑا ظالم کون ہو سکتا ہے جو اللہ تعالیٰ پر جھوٹ باندھتا ہے یعنی اُس کی طرف غلط بات منسوب کرتا ہے اللہ نے تو ایسا کوئی حکم جاری نہیں کیا جس پر یہ مشرکین عمل پیرا ہیں ایسے رسم و رواج کو اللہ کی طرف منسوب کرنا تو بہت بڑا ظلم ہے اور اس سے بڑھ کر یہ بھی کہ مشرکین کہتے ہیں کہ ہمارے ان بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام سے اللہ خوش ہوتا ہے اللہ تعالیٰ پر شرکیہ افعال کی خوشنودی کا الزام بھی لگاتے تھے، العیاذ باللہ۔ فرمایا یہ اللہ پر بہتان ہے۔ اُس نے کوئی ایسا حکم نہیں دیا۔ لہٰذا اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کو استعمال کرو اور اس کا شکریہ ادا کرو۔ فرمایا، اللہ پر اس قسم کا بہتان لگانا اس وجہ سے ہے لِيُضِلَّ النَّاسَ بِغَيْرِ عِلْمٍ تاکہ لوگوں کو بغیر علم کے گمراہ کیا جا سکے۔ نہ عقلی دلیل ہے اور نہ نقلی دلیل ہے تو پھر اسے گمراہی کے سوا کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ فرمایا اِنَّ اللّٰهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ اللہ تعالیٰ بہتان طرازی کرنے والے ظالموں کو کبھی ہدایت نصیب نہیں کرتا۔ اللہ کا قانون یہ ہے کہ ہدایت اس وقت نصیب ہوگی جب ظلم کو ترک کرکے ہدایت کا طالب ہوگا وگرنہ اللہ تعالیٰ

کسی کو زبردستی ہدایت نہیں دیتا۔ دوسرے مقام پر آتا ہے اِنَّ اللّٰہَ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ۔ اللہ تعالیٰ کفر کرنے والوں کو ہدایت نہیں دیتا۔ ایسے لوگ کفر کی حالت میں ہی مریں گے اور ہمیشہ کے لیے نامراد ہوں گے، اللہ تعالیٰ کا فیصلہ ہے "نُوَلِّهٖ مَا تَوَلّٰی" جدھر کوئی جانا چاہتا ہے ہم اُدھر ہی توفیق دے دیتے ہیں۔ کسی کو ایمان قبول کرنے پر مجبور نہیں کیا جاتا۔ بلکہ ایمان تو اس کو نصیب ہوتا ہے جس میں اس کے لیے تڑپ موجود ہو۔ اگر ایسا نہیں ہے تو پھر اس کا اخیر جہنم ہے وہ بچ نہیں سکتا۔

قُل لَّآ اَجِدُ فِیۡ مَآ اُوۡحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطۡعَمُہٗۤ اِلَّاۤ اَنۡ یَّکُوۡنَ مَیۡتَۃً اَوۡ دَمًا مَّسۡفُوۡحًا اَوۡ لَحۡمَ خِنۡزِیۡرٍ فَاِنَّہٗ رِجۡسٌ اَوۡ فِسۡقًا اُہِلَّ لِغَیۡرِ اللّٰہِ بِہٖ ۚ فَمَنِ اضۡطُرَّ غَیۡرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَاِنَّ رَبَّکَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۴۵﴾

ترجمہ :- اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے نہیں پاتا میں اس چیز میں جو وحی کی گئی ہے میری طرف کسی چیز کو حرام، کھانے والے پر جو اس کو کھائے مگر یہ کہ وہ مردار ہو یا بہتا ہوا خون ہو یا خنزیر کا گوشت ہو پس بیشک وہ ناپاک ہے ۔یا وہ ناجائز اور گناہ ہو جس پر پکارا گیا ہو اللہ کے سوا کسی اور کا نام ۔پس جو شخص مجبور ہو گیا اس حال میں کہ نہ وہ سرکشی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا ۔پس بیشک تیرا پروردگار بخشش کرنے والا اور مہربان ہے ﴿۱۴۵﴾

ربطِ آیات

گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے اُن محرمات کا ذکر فرمایا تھا جن کو مشرکین نے اپنے اعتقادِ فاسد کے ساتھ مشرکانہ طریقے سے از خود حرام قرار دے رکھا تھا۔ اللہ نے اِن باطل عقائد کی تردید فرمائی اور پھر مویشیوں میں سے آٹھ قسم کے مویشیوں کی حلت کا ذکر کیا ۔ اور فرمایا اگر تم اِن میں سے بعض کو حرام سمجھتے ہو تو اس

کے لیے کوئی عقلی یا نقلی دلیل پیش کرو۔ اور اگر اس کے لیے کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے تو پھر یہ اللہ تعالیٰ پر جھوٹ بولنے کے مترادف ہے۔ اور بغیر علم اور تحقیق کے لوگوں کو گمراہ کرنے والی بات ہے۔ ایسا کرنا بڑا ظلم ہے اور اللہ تعالیٰ ظالموں کو کبھی صراطِ مستقیم کی طرف ہدایت نہیں کرتا۔ اب آج کی آیت میں اللہ تعالیٰ نے حقیقی محرمات کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان کے کھانے میں جو خرابیاں پائی جاتی ہیں ان کو بیان فرمایا ہے۔

چار بنیادی حرام چیزیں

آج کے درس میں جن محرمات کا ذکر ہے وہ چار بنیادی چیزیں ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے مختلف سورتوں میں بیان فرمایا ہے۔ انہی چار چیزوں کا بیان سورۃ بقرہ کے رکوع ۲۱ میں ان الفاظ میں آچکا ہے "اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللّٰهِ" بیشک اللہ تعالیٰ نے تم پر حرام قرار دیا ہے، مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ چیز جس پر اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام پکارا گیا ہو۔ پھر یہی مضمون سورۃ مائدہ کے پہلے رکوع میں بھی بیان ہوا ہے۔ طرزِ بیان ذرا مختلف ہے "حُرِّمَتْ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةُ وَالدَّمُ وَلَحْمُ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ" اسی طرح اب اس آیت میں بھی انہی چار چیزوں کی حرمت کا تذکرہ ہے البتہ یہاں طرزِ بیان بالکل مختلف ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ لَّآ اَجِدُ فِیْ مَآ اُوْحِیَ اِلَیَّ مُحَرَّمًا عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ یَّكُوْنَ مَیْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِیْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَیْرِ اللّٰهِ بِهٖ حضور نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام سے خطاب ہے کہ آپ کہہ دیں کہ جو چیز میری طرف وحی کی گئی ہے۔ میں اس میں ان چیزوں کے علاوہ اور کسی چیز کو حرام نہیں پاتا یعنی مردار، بہتا

ہوا خون، خنزیر کا گوشت کہ یہ ناپاک ہے اور گناہ کی یہ بات ہے کہ اللہ کے سوا کسی دوسرے کا نام پکارا گیا ہو۔

اشکال حصر اور اس کا جواب

اس آیت کریمہ میں محرمات کے ضمن میں حصر کا تاثر پایا جاتا ہے یعنی صرف یہی چار چیزیں اللہ نے حرام کی ہیں، اِن کے علاوہ اور کوئی حرام نہیں ہے کیونکہ طرز بیان اس طرح کا ہے کہ اِن کے علاوہ میں کسی چیز کو حرام نہیں پاتا۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ حصر کا یہی تاثر اشکال کا باعث بن رہا ہے کیونکہ سورۃ مائدہ میں اِن چاروں کی حرمت کے ساتھ بعض دوسری چیزوں کا بھی ذکر ہے "وَالْمُنْخَنِقَةُ وَالْمَوْقُوذَةُ وَالْمُتَرَدِّيَةُ وَالنَّطِيحَةُ وَمَآ اَكَلَ السَّبُعُ اِلَّا مَا ذَكَّيْتُمْ ۚ وَمَا ذُبِحَ عَلَى النُّصُبِ وَاَنْ تَسْتَقْسِمُوْا بِالْاَزْلَامِ" یعنی مذکورہ چار چیزوں کے علاوہ یہ جانور بھی حرام ہیں جو گلا گھٹنے سے مر گیا ہو، جو چوٹ لگنے سے ہلاک ہوگیا ہو۔ اور جو اونچی جگہ سے گر کر ہلاک ہوگیا ہو اور جس کو دوسرے جانور نے سینگ مار کر ہلاک کر دیا ہو اور جس کو درندوں نے پھاڑ کھایا ہو، (البتہ جسے ذبح کر لیا گیا ہو (وہ حلال ہے) اِن کے علاوہ وہ جانور بھی حرام ہے جو کسی استھان پر ذبح کیا جائے۔ اور جوئے کے تیروں کے ساتھ تقسیم کرنا بھی حرام ہے۔

اس اشکال کے جواب میں مفسرین کرام نے کئی توجیہات پیش کی ہیں شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ نے صرف ایک جملے میں اس اشکال کو حل کرنے کی کوشش کی ہے "یعنی جن جانوروں کا کھانا دستور ہے، اُن میں یہی حرام ہیں۔ مطلب یہ کہ عام طور پر انسانی خوراک بننے والی چیزوں میں صرف یہی حرام اشیاء ہیں۔ ان کے علاوہ جو درندے وغیرہ ہیں، وہ تو ایسے ہی لوگ نہیں کھاتے، اس لیے اُن کا یہاں پر ذکر نہیں کیا گیا۔ بعض جانور قطعی حرام نہیں بلکہ کراہیت کی فہرست میں آتے ہیں اور بعض کو فقہائے کرام نے جائز

بھی قرار دیا ہے اس لیے ہر مکروہ چیز کا ذکر نہیں کیا گیا کیونکہ وہ قطعی طور پر حرام نہیں ہیں۔ بعض جانوروں کے معاملہ میں فقہائے کرام میں قطعی اختلاف پایا جاتا ہے۔ جیسے امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ بجو کو جائز قرار دیتے ہیں جب کہ امام ابو حنیفہؒ اسے حرام کہتے ہیں۔ امام لیثؒ بلّی کو حلال قرار دیتے ہیں اور بعض گھریلو گدھوں کو مکروہ کہتے ہیں۔ یعنی یہ گدھے مذکورہ قطعی چار حرام اشیاء کے برابر حرام نہیں بلکہ حرمت میں ان کا درجہ کم تر ہے۔ مقصد یہ کہ عام طور پر کھائی جانے والی اشیاء میں سے قطعی حرام چار ہیں اور باقی مکروہات کے درجے میں آتی ہیں۔

امام جلال الدین سیوطیؒ نے اپنی تفسیر "اتقان" میں امام شافعی رح کا یہ قول نقل کیا ہے کہ یہاں پر جن چار چیزوں کی حرمت کو بیان کیا گیا ہے اُس سے مراد قانونِ حرمت کو انہی چار چیزوں تک محدود کرنا مقصود نہیں بلکہ ان چاروں چیزوں کا تذکرہ کر کے مشرکین کے عقائد باطلہ کا ردّ کیا گیا ہے، کیونکہ وہ اِن چیزوں کو حلال قرار دیتے تھے۔ مثلاً مردار کی حلت کے متعلق گذشتہ درس میں بیان ہو چکا ہے کہ مشرکین کا عقیدہ یہ تھا کہ بحیرہ، سائبہ وغیرہ کے بطن سے اگر مُردہ بچہ پیدا ہوتا تو مردوں اور عورتوں سب کے لیے حلال سمجھا جاتا تھا۔ اسی طرح نصاریٰ اور مشرکین خنزیر کو حلال سمجھتے تھے اور اس کا گوشت کھاتے تھے۔ پھر نذر لغیر اللہ کا عام رواج تھا۔ یہ نہ صرف جائز تھی بلکہ کارِ ثواب سمجھی جاتی تھی۔ غرضیکہ اِن چیزوں کی حرمت کا حکم دے کر اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے غلط عقائد کا ردّ فرمایا ہے۔ ایک بات یہ بھی ہے کہ سورۃ بقرہ میں جہاں اِن محرمات کا ذکر کیا ہے وہاں بھی "اِنَّمَا حَرَّمَ" سے شروع کیا ہے، اور اس میں بھی کسی حد تک حصر کا مفہوم پایا جاتا ہے، لہٰذا اس آیت کریمہ میں واضح حصر کوئی غیر معمولی بات نہیں ہے۔

مُردار

بہر حال فرمایا اے پیغمبر! آپ اعلان فرما دیں کہ کھانے کے معاملے میں تو اِن چیزوں کے علاوہ کوئی چیز حرام نہیں پاتا۔ اِن میں پہلی چیز

مَیْتَۃً یعنی مُردار ہے۔ مردار وہ جانور ہے جو حلال ہو مگر بغیر ذبح کیے خود بخود مر جائے، یا اگر ذبح بھی کیا جائے تو خلافِ شریعت طریقہ سے مثلاً گلا گھونٹ دیا جائے یا کہ لاٹھی پتھر وغیرہ مار کر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے یا دیدہ دانستہ ذبح کرتے وقت اس پر اللہ کا نام نہ لیا جائے اگر کسی زندہ جانور کا کوئی عضو کاٹ لیا جائے تو وہ بھی مردار ہی کی تعریف میں آئے گا۔ کسی جانور کو اگر کوئی دوسرا جانور سینگ مار کر ہلاک کر دے یا کوئی درندہ پھاڑ کھائے اور وہ مر جائے تو وہ بھی مردار کے حکم میں آئے گا۔ حضرت مولانا شیخ الہندؒ فرماتے ہیں کہ ایسے تمام جانور مردار تصور ہوں گے۔ البتہ دو جانور بمطابق حدیث اس حرمت سے مستثنیٰ ہیں اور بغیر ذبح کیے اُن کا کھانا درست ہے۔ فرمایا اُحِلَّتْ لَنَا مَیْتَتَانِ اَلسَّمَکُ وَالْجَرَادُ یعنی ہمارے لیے دو مردار حلال ہیں ایک مچھلی اور دوسرے ٹڈی۔ ان دو جانوروں کو بغیر ذبح کیے کھانا حلال ہے۔

خون — محرماتِ اربعہ میں سے دوسری چیز دَمًا مَّسْفُوْحًا یعنی بہتا ہوا خون ہے ذبح کرتے وقت جانور کی رگوں سے جو خون بہتا ہے وہ قطعی حرام ہے البتہ ذبح کے بعد جو تھوڑا بہت خون گوشت کے ساتھ رہ جاتا ہے، وہ ناپاک نہیں ہے۔ اس لیے اگر گوشت کو دھوئے بغیر بھی پکا کر کھا لیا جائے تو کوئی حرج نہیں، تاہم نظافت کا تقاضا ہے کہ گوشت کو دھو کر اور صاف کر کے پکایا جائے۔ ظاہر ہے کہ جانور کی رگ کاٹنے سے یہی مقصود ہے کہ اُس کا تمام خون بہ جائے جو کہ حرام ہے۔ البتہ ایک چیز کی گنجائش ہے۔ جس جانور کو شرعی طریقہ سے ذبح کرنا ممکن نہ ہو مثلاً کوئی پرندہ ہے یا تیز بھاگنے والا جانور ہے تو اُسے اللہ کا نام لے کر زخمی کر دینا ہی کافی ہے۔ ایسے جانور کو تیر چلاتے وقت یا نیزہ بھالا وغیرہ مارتے وقت اللہ کا نام لے لیا جائے تو جانور حلال ہو جائے گا۔ مقصد یہ کہ اگر اللہ کا نام لے کر تیز دھار آلے سے حملہ کیا جائے تو جانور حلال ہوگا ورنہ نہیں۔ اگر لکڑی، غلیل یا بندوق

کا نشانہ لگایا جائے تو بغیر ذبح کیے جانور حلال نہیں ہوگا۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے دمِ مسفوح کو بھی قطعی حرام قرار دیا ہے۔ البتہ خون کی دو قسمیں حدیث شریف کے مطابق حلال ہیں حضور نے فرمایا اُحِلَّتْ لَنَا دَمَانِ اَلْکَبِدُ وَالطِّحَالُ ہمارے لیے دو خون حلال ہیں ایک جگر اور دوسرا تلی۔ یہ دونوں اعضا منجمد خون ہیں اور حلال جانور کے حلال ہیں۔

مسئلہ انتقالِ خون

حرام خون کی مذکورہ توضیح کے پیشِ نظر فقہائے کرام میں مسئلہ انتقالِ خون (Blood Transfusion) میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بعض اُسے قطعی حرام اور بعض جائز قرار دیتے ہیں، تاہم صحیح صورتحال یہ ہے۔ کہ انتقالِ خون صرف اضطرار کی حالت میں جائز ہے۔ اور عام حالات میں درست نہیں۔ بعض اوقات ڈاکٹر معمولی معمولی امراض میں بھی خون لگا دیتے ہیں جو یقیناً درست نہیں۔ البتہ جہاں جان جانے کا خطرہ ہو اور خون دینے کے بغیر کوئی چارہ کار نہ ہو وہاں اگر حسبِ ضرورت ایک آدھ بوتل لگا دی جائے تو کوئی مضائقہ نہیں۔ اسی لیے پاکستان کے سب سے بڑے مفتی مولانا محمد شفیع صاحبؒ نے لکھا ہے کہ اس معاملے میں بڑے احتیاط کی ضرورت ہے۔ خون کا انتقال صرف متدین اور ماہر ڈاکٹر (Specialist Doctor) کے مشورہ سے ہی دینا چاہیئے اور وہ بھی کم از کم مطلوبہ مقدار میں، ورنہ آدمی گناہگار ہوگا۔

لحم الخنزیر

محرماتِ اربعہ میں سے تیسری حرام چیز لَحْمَ خِنْزِیْرٍ یعنی خنزیر کا گوشت ہے۔ خنزیر نجس العین جانور ہے۔ حضرت امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ اپنی کتاب حجۃ اللہ البالغہ میں فرماتے ہیں کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد اللہ تعالیٰ نے جتنے نبی مبعوث فرمائے ہیں سب کی شرائع میں خنزیر حرام رہا ہے۔ عیسائیوں کا تو دماغ خراب ہوگیا ہے جنہوں نے اسے بھیڑ بکری کی طرح کھانا شروع کر دیا ہے۔ چنانچہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا دوبارہ

نزول ہوگا تو آپ صلیب کو توڑیں گے اور خنزیر کو قتل کریں گے تاکہ عیسائیوں کی تذلیل ہو اور ان کی غلط کارروائی کا پردہ چاک ہو۔ انگریز عیسائی اور سکھ جو خنزیر کا گوشت کھاتے ہیں وہ نوری طور پر نجاست کا شکار ہوتے ہیں۔ خنزیر گندگی خور ہے لہذا اس کو کھانے والے بھی گندی ذہنیت کے حامل ہیں۔ خنزیر بڑا بے غیرت جانور ہے لہذا اس کو کھانے والے بھی انتہائی بے غیرتی کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ ایسا ناپاک جانور ہے اللہ نے فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا فرمایا ہے۔ جس طرح پاخانہ، پیشاب وغیرہ کسی صورت میں بھی پاک نہیں ہو سکتے اس طرح یہ جانور بھی نجس العین ہے اور اس کا کوئی حصہ یعنی گوشت، پوست، ہڈی، چمڑا وغیرہ سب ناپاک ہیں۔ حتیٰ کہ باقی حرام جانوروں کی کھال دباغت سے پاک ہو جاتی ہے مگر خنزیر کی کھال دباغت سے بھی پاک نہیں ہوتی۔

نذر لغیر اللہ

محرمات میں چوتھا نمبر اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ کا ہے۔ یعنی وہ چیز بھی حرام ہے جس پر اللہ کے علاوہ کسی دوسرے کا نام پکارا گیا ہو۔ اس کو اللہ تعالیٰ نے فِسْقًا سے تعبیر کیا ہے کہ یہ گناہ کی بات ہے اگر کوئی چیز کسی بت، جن، فرشتے، نبی یا بزرگ کے تقرب یا خوشنودی کے لیے بطور نیاز دی جائے جیسے شیخ سدھو کا بکرا، شیخ کبیر کی گائے، زین خاں کا مرغا، شیخ علی ہجویری کا دنبہ یا پیران پیر کی گیارھویں تو یہی نذر لغیر اللہ ہے۔ اس سے اگر یہ مقصود ہو کہ فلاں ہستی خوش ہو کر کسی مصیبت سے بچائے گی یا کوئی بگڑا ہوا کام بن جائے گا تو ایسی چیز بہر حال حرام ہو جاتی اگر جانور کو ذبح کرتے وقت بسم اللہ بھی پڑھ لی جائے، تب بھی جانور حرام ہی رہے گا۔ کیونکہ وہ غیر اللہ سے منسوب ہے۔ البتہ اگر کوئی شخص ایسے عقیدے سے تائب ہو کر ذبح کرتا ہے تو پھر جانور حلال ہوگا۔ نذر لغیر اللہ تمام انبیاء اور ملتِ حنیفیہ کے اماموں کے نزدیک حرام ہے۔ وہ جانتے

ہیں کہ ایسی چیز میں معنوی نجاست پیدا ہو جاتی ہے اور یہ کسی صورت میں بھی حلال نہیں ہوتی بلکہ اس کی خباثت مردار کی خباثت سے بھی بڑھ جاتی ہے وجہ یہ ہے کہ مردار میں تو صرف یہ خرابی ہے کہ اُسکی جان اللہ کے نام پر نہیں نکلی مگر جو جانور غیر اللہ کے نام پر نذر کیا گیا ہے اُس پر تو غیر کا نام آگیا ہے جو عین شرک ہے۔ جس طرح کوئی کتا یا خنزیر تکبیر کہہ کر ذبح کرنے سے حلال نہیں ہو جاتا، اسی طرح نذر لغیر اللہ کا جانور بھی بسم اللہ اللہ اکبر کہنے سے حلال نہیں ہوتا۔ علمائے کرام فرماتے ہیں کہ اگر کسی بادشاہ کی دعوت پر اسکی تعظیم کی نیت سے جانور ذبح کیا جائے یا اینٹوں کا بھٹہ پکانے کے لیے کوئی جانور اس کی بھینٹ کیا جائے تو وہ جانور مردار کی طرح حرام ہوگا۔ اور ایسا کرنے والا آدمی مشرک ٹھہریگا۔ حدیث شریف میں آتا ہے لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ جو غیر اللہ کی تعظیم خوشنودی یا تقرب کے لیے جانور ذبح کرتا ہے۔ اس پر اللہ کی لعنت ہے۔ ذبح کرتے وقت اللہ کا نام لے یا نہ لے، اس میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ یہ جانور غیر اللہ کی طرف نسبت کی بنا پر ہی حرام ہوگیا ہے اور اب تکبیر اسے حلال نہیں کر سکتی۔ ہاں اگر اللہ تعالیٰ کے نام پر، اُسکی رضا اور تقرب کے لیے ذبح کرے اور پھر اُس کا ثواب کسی فوت شدہ عزیز، پیر یا بزرگ کو ایصالِ ثواب کرے تو جائز ہے۔

شیخ الہند مولانا محمود حسنؒ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسنؒ دار العلوم دیوبند کے صدر مدرس تھے۔ آپ نے پچاس سال تک مدرسے میں تعلیم دی۔ آپ عظیم المرتبت علما میں سے تھے۔ انگریزوں کے سخت مخالف تھے۔ انگریز نے آپ کو بغاوت کے الزام میں سزائے موت دینے کا ارادہ کیا مگر اللہ نے بچا لیا اور آپ کو جزیرہ مالٹا میں ساڑھے چار سال تک قید و بند کی صعوبتیں برداشت کرنا پڑیں۔ قرآن پاک کا یہ ترجمہ اور سورۃ بقرہ اور سورۃ نساء کا

حاشیہ آپ نے اسی جیل میں قلمبند کیا تھا۔ مالٹا سے واپس آئے تو جلدی ہی فوت ہو گئے۔ آپ کے شاگردوں میں مولانا سید حسین احمد مدنی رحؒ مولانا احمد علی لاہوریؒ، مولانا انور شاہ صاحب کشمیریؒ، مفتی کفایت اللہؒ، مولانا عبدالعزیزؒ گوجرانوالوی، مولانا عبیداللہ سندھیؒ، مولوی محمد صادقؒ کھڈے والے مفتی عبدالرحیمؒ پوپلزئی جیسے اکابر علماء شامل ہیں۔ تاریخ بین حضرات جانتے ہیں کہ انگریزوں نے مسلمانوں کو کس قدر نقصان پہنچایا۔ اسلامی سلطنتوں کو درہم برہم کیا، مسلمانوں کے مذہب، اخلاق اور تہذیب کو بگاڑ کر رکھدیا۔ گذشتہ چار صدیوں سے دنیا میں انگریز ہی کا عروج رہا ہے۔ روس بھی اصل میں انگریز ہی تھے جو بعد میں اشتراکی بن گئے۔ امریکہ، فرانس، جرمنی وغیرہ کے لوگ انگریزی نسل سے ہی تعلق رکھتے ہیں۔ یہ سب کے سب اسلام کے بدترین دشمن ثابت ہوئے۔ حضرت شیخ الہندؒ نے اِن سے حتی المقدور ٹکر لی۔ بہرحال اِن آیات کی تشریح میں جو کچھ عرض کیا ہے یہ حضرت شیخ الہندؒ ہی کے الفاظ ہیں جو آپ کو پڑھ کر سنائے گئے ہیں۔

حالتِ اضطرار میں اباحت

آیت کے آخر میں ارشاد ہے فَمَنِ اضْطُرَّ پس جو کوئی مجبور ہو گیا۔ غَيْرَ بَاغٍ نہ وہ نافرمانی کرنے والا ہے وَلَا عَادٍ اور نہ تعدی کرنے والا ہے۔ فَإِنَّ رَبَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ تو بیشک تیرا پروردگار بخشش کرنے والا اور مہربان ہے۔ مجبوری سے مراد یہ ہے کہ کسی شخص کے پاس فی الوقت کھانے کی کوئی چیز موجود نہیں اور نہ ہی اُسے کسی حلال چیز تک دسترس حاصل ہے۔ تو ایسی حالت میں اگر وہ مذکورہ حرام اشیاء میں سے کوئی چیز کھا کر جان بچالے تو اللہ تعالیٰ معاف کر دے گا، اُس پر کوئی مواخذہ نہیں ہو گا۔ مگر یہ ضروری ہے کہ مجبوری کی حالت ہو نہ کہ جان بوجھ کر بلاعذر حرام خوری کر کے بغاوت کا مرتکب ہو۔ غَيْرَ بَاغٍ کا یہی مطلب ہے کہ نافرمانی کرنے والا نہ ہو بلکہ صحیح معنوں میں مجبور ہو۔ اور دوسری بات یہ کہ

وَلَا عَادٍ زیادتی بھی نہ کرے یعنی صرف اتنا کھائے جس سے جان بچ سکتی ہو اس سے زیادہ کا لالچ نہ کرے۔ اگر پاؤ بھر چیز کھانے سے جان بچ سکتی ہے تو پھر اس سے زیادہ ایک لقمہ بھی کھانے کی کوشش نہ کرے۔ اگر ان شرائط کے ساتھ سخت اضطراری حالت میں کوئی حرام چیز بھی استعمال کرے گا۔ تو اللہ تعالیٰ معاف فرما دیگا۔ بلکہ فقہائے کرام تو یہ بھی فرماتے ہیں کہ مجبوری کی حالت میں اگر حرام چیز میسر ہے مگر کوئی شخص نہ کھا کر اپنی جان ضائع کر لیتا ہے تو وہ اللہ کے ہاں ماخوذ ہو گا۔ جب ایسی حالت میں اللہ نے حرام چیز کو مباح قرار دیا ہے تو پھر اس نے کیوں نہ استعمال کی۔ البتہ کسی شخص پر اگر ایسی مجبوری کی حالت آجائے کہ اُسے جان سے مار دینے کی دھمکی دے کر کفر کا کلمہ کہنے پر آمادہ کیا جائے، تو اس کے لیے بہتر یہ ہے، کہ کلمہ کفر نہ کہے چاہے جان چلی جائے۔ البتہ جان بچانے کے لیے حرام کا کھا لینا بہتر ہے۔ بجائے اس کے کہ اُس کی جان ضائع ہو۔

وَعَلَى الَّذِيْنَ هَادُوْا حَرَّمْنَا كُلَّ ذِيْ ظُفُرٍ ۚ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُوْمَهُمَآ اِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُوْرُهُمَآ اَوِ الْحَوَايَآ اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ ۭ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ ۡ وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ ﴿۱۴٦﴾ فَاِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ ۚ وَلَا يُرَدُّ بَاْسُهٗ عَنِ الْقَوْمِ الْمُجْرِمِيْنَ ﴿۱۴۷﴾

ترجمہ :- اور ان لوگوں پر جو یہودی ہوئے حرام کر دیا ہم نے ہر ناخن والا جانور اور گائے اور بھیڑ بکریوں میں سے حرام قرار دیں ہم نے اُن پر اُن کی چربی مگر وہ جو لگی ہو اُن کی پشتوں کے ساتھ یا آنتوں کے ساتھ یا جو ہڈی کے ساتھ ملی ہوئی ہو ۔ یہ ہم نے سزا دی اُن کو انکی سرکشی کی وجہ سے ۔ اور بیشک ہم سچ کہتے ہیں ﴿۱۴٦﴾ پس اگر جھٹلائیں آپ کو اے پیغمبر ! تو آپ کہہ دیجئے تمہارا پروردگار بڑی وسیع رحمت والا ہے ۔ اور نہیں لوٹایا جاتا اس کا عذاب اُن لوگوں سے جو مجرم ہیں ﴿۱۴۷﴾

ربطِ آیات

غیر اللہ کی نیاز اور فعلی شرک کی تردید کے بعد اللہ تعالیٰ نے گذشتہ درس میں چار بنیادی حرام چیزوں کا تذکرہ کیا ۔ یہ چار چیزیں ہر دور میں انسانوں کے لیے

حرام رہی ہیں اور وہ ہیں مردار، بہتا ہوا خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ کے نام پہ نامزد کی جانے والی چیز جس سے اس کا تقرب اور خوشنودی مطلوب ہو۔ جو لوگ ایسی چیزوں کو استعمال کریں گے وہ جسمانی یا روحانی خرابیوں میں مبتلا ہوں گے۔ چنانچہ مردار کھانے سے انسان کی جسمانی نشو و نما خراب ہوتی ہے۔ بہتا ہوا خون زہریلے مادوں سے مرکب ہوتا ہے اور جسمانی صحت کے لیے مضر ہے۔ اسی طرح خنزیر ایک نجس العین جانور ہے، نجاست خور اور بے غیرت ہے لہذا اس کو کھانے والے بھی انہی صفات سے متصف ہوں گے۔ اس کے علاوہ خنزیر ایک ملعون جانور ہے۔ بعض قوموں کو سزا کے طور پہ ان کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا جس کا ذکر قرآن پاک میں موجود ہے۔ حدیث میں چوہوں کا ذکر بھی آتا ہے کہ بعض قوموں کو چوہوں کی شکل میں تبدیل کر دیا گیا، اگرچہ مسخ شدہ شکلوں والی قوم کو زندہ نہیں رکھا گیا، تاہم مغضوب علیہ قوم اور جن جانوروں کی شکلوں میں وہ تبدیل ہوئی، لعنت سے خالی نہیں۔ اس لحاظ سے خنزیر ایک ملعون جانور ہے اور اسے کھانے والا لعنت میں اس کا حصے دار بنے گا۔

غیر اللہ کے نام پہ دی گئی نیاز میں بھی معنوی طور پر نجاست پیدا ہو جاتی ہے اور جیسا کہ آپ کل سُن چکے ہیں، یہ نجاست خنزیر اور مردار سے بھی زیادہ ہوتی ہے، لہذا ایسی چیزوں کے استعمال سے اللہ کریم نے منع فرمایا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے اپنی خاص مہربانی سے مجبوری کی حالت میں جان بچانے کی خاطر ان چیزوں کے استعمال کو مباح قرار دیا ہے بشرطیکہ واقعی حالت مجبوری ہو اور ضرورت سے زیادہ استعمال نہ ہو۔

یہودیوں کے لیے وقتی حرمت

بعض چیزیں دائمی طور پر حرام نہیں ہوتیں بلکہ انہیں خاص وجہ سے بعض اقوام پہ وقتی طور پہ حرام کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ آج کے درس میں اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی حرمت کا ذکر کیا ہے۔ یہ تذکرہ بعض دوسری سورتوں میں بھی موجود ہے۔ ارشاد ہوتا ہے وَعَلَى الَّذِينَ هَادُوا اور ان لوگوں پہ جو

یہودی ہوئے۔ یعنی جو اپنے آپ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اُمتی اور اُن کے پیروکار ہونے کے دعویدار ہیں۔ یہ لوگ اگرچہ ابتدائی دور میں صحیح ایمان رکھنے والے تھے مگر بعد میں یہودی اور عیسائی دونوں گروہ اپنے اپنے مشن سے ہٹ گئے انہوں نے اللہ کی کتابوں میں جابجا تحریف کی اور موسیٰ علیہ السلام اور عیسیٰ علیہ السلام کی نبوت کے احکام کو تبدیل کیا اور انہوں نے دین کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ پھر یہودی مغضوب علیہ ہوئے اور عیسائی گمراہ ٹھہرے۔

بہرحال فرمایا کہ جو لوگ یہودی ہوئے اُن پر حَرَّمْنَا كُلَّ ذِي ظُفُرٍ ہم نے ہر ناخن والا جانور حرام قرار دے دیا۔ اس سے مراد وہ جانور ہیں جن کے پاؤں پنجے کی شکل میں ہوں اور درمیان سے پھٹے ہوئے نہ ہوں۔ ان میں اونٹ شترمرغ، بطخ اور مرغابی وغیرہ شامل ہیں۔ اگرچہ یہ جانور بنیادی طور پر حلال ہیں مگر جیسا کہ آگے آرہا ہے اللہ نے یہودیوں کی سرکشی کی وجہ سے اُن پر یہ جانور وقتی طور پر حرام قرار دے دیا۔ اور اس طرح سزا کے طور پر یہودیوں کو ایک نعمت سے محروم کر دیا۔

چربی کی ممانعت

فرمایا ناخن والے جانوروں کے علاوہ وَمِنَ الْبَقَرِ وَالْغَنَمِ گائے بیل اور بھیڑ بکریوں میں سے حَرَّمْنَا عَلَيْهِمْ شُحُومَهُمَا ہم نے اُن پر ان جانوروں کی چربی حرام کر دی۔ یعنی یہودی لوگ گائے اور بھیڑ بکریوں کا گوشت تو استعمال کر سکتے تھے مگر چربی استعمال نہیں کر سکتے تھے۔ إِلَّا مَا حَمَلَتْ ظُهُورُهُمَا سوائے اُس چربی کے جو ان جانوروں کی پشتوں کے ساتھ لگی ہوئی ہو اَوِ الْحَوَايَا یا جو آنتوں کے ساتھ ملی ہوئی ہو اَوْ مَا اخْتَلَطَ بِعَظْمٍ یا جو ہڈیوں کے ساتھ لگی ہوئی ہو۔ اللہ نے اس تین قسم کی چربی کے علاوہ باقی ساری چربی یہودیوں کے لیے ممنوع قرار دے دی۔ وہ نہ اسے کھا سکتے تھے اور نہ کسی دیگر کام میں استعمال کر سکتے تھے۔ یہودیوں کے لیے یہ بڑا سخت حکم تھا، ایک حلال جانور کا گوشت

تو کھا سکتے تھے مگر چربی نہیں کھا سکتے تھے جسے گوشت سے علیحدہ کرنے کے لیے انہیں بڑی مشقت اٹھانا پڑتی تھی۔ کیونکہ وہ حرام تھی۔

اس قسم کے سخت اور دشوار حکم کی مثال سورۃ بقرہ میں بھی ملتی ہے جب ایک شخص قتل ہو گیا تو اللہ نے حکم دیا کہ گائے ذبح کر کے اس کا ایک ٹکڑا اس مردہ پر مارو تو وہ زندہ ہو کر تمہیں قاتل کا پتہ دے دیگا۔ یہودیوں نے حکم کی تعمیل کی بجائے طرح طرح کے سوال کرنے شروع کر دیے کہ وہ گائے کیسی ہو۔ اس کا رنگ کیسا ہو۔ عمر کتنی ہو وغیرہ وغیرہ۔ اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ایسی سخت پابندیاں عائد کیں کہ انہیں بڑی مہنگی گائے حاصل کر کے ذبح کرنا پڑی اور تب جا کر اُن پر حقیقتِ حال منکشف ہوئی۔ یہ اُن کی حکم عدولی، نافرمانی اور شرارت کی وجہ سے تھا۔ یہاں پر بھی اللہ تعالیٰ نے بعض جانور اور بعض کی چربی اُن پر اُنکی اپنی کارستانیوں کی بناء پر حرام فرمائی۔

سزا بوجہ بغاوت

فرمایا ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِبَغْيِهِمْ یہودیوں کو یہ سزا ہم نے اُن کی بغاوت کی وجہ سے دی۔ اُن سے بعض حلال جانوروں کی حلت موقوف کر دی تاکہ انہیں تکلیف ہو اور اگر وہ اس سزا میں پورا نہ اتریں اور حرام کردہ اشیاء کو بھی استعمال کریں تو اُن پر مزید وبال لایا جا سکے۔ انسانوں پر ظلم و زیادتی، انسانی حقوق کی تلفی، شرارت اور خدا تعالیٰ کے سامنے عدمِ اخبات کی وجہ سے ہی اللہ تعالیٰ انہیں اس قسم کی آزمائش میں مبتلا کرتا ہے۔ حدیث شریف میں آتا ہے، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اِنَّ الْعَبْدَ لَيُحْرَمُ مِنَ الرِّزْقِ بِالذَّنْبِ انسان کو اپنے گناہوں کی وجہ سے رزق سے محروم کر دیا جاتا ہے۔ ایک حدیث میں یہ بھی آتا ہے کہ انسان کے گناہوں کی وجہ سے خود اس پر، جانوروں اور کیڑے مکوڑوں پر بُرے اثرات پڑتے ہیں۔ اسی لیے جب کوئی شریر آدمی مرجاتا ہے تو اس علاقے کے جانور اور درخت خدا تعالیٰ کا شکریہ ادا کرتے ہیں کہ اس موذی سے جان چھوٹی۔ وہ جانتے ہیں کہ

اس بدکار آدمی کی وجہ سے وہ بھی پریشانی میں مبتلا تھے۔ البتہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سزا اپنی حکمت کے مطابق دیتا ہے، کبھی فوری گرفت کر لیتا ہے اور کبھی مہلت دے دیتا ہے۔ اللہ نے فرمایا ہے "اُمْلِی لَھُمْ" میں ان کو ڈھیل دیتا ہوں "اِنَّ کَیْدِیْ مَتِیْنٌ" میری تدبیر بڑی مضبوط ہے۔ بعض آدمیوں کو اللہ تعالیٰ دنیا میں بالکل سزا نہیں دیتا۔ اس میں بھی اس کی خاص مصلحت ہوتی ہے جونہی انسان موت کی طرف بڑھتا ہے۔ اس کی سزا فوراً شروع ہو جاتی ہے۔ بعض کو اُنکی کوتاہیوں کی وجہ سے دنیا میں ہی سزا دے دیتا ہے، یہ سب اس کی حکمت پر موقوف ہے۔

حضور علیہ السلام کا یہ بھی فرمان ہے کہ انسان بڑا مجرم ہے، جس نے کرید کی اور سوال کیا تو اس کے سوال کی وجہ سے ایک حلال چیز مسلمانوں پر حرام ہو گئی۔ اگر وہ سوال نہ کرتا تو حرمت نہ آتی، اس نے خواہ مخواہ مخلوقِ خدا کو ایک نعمت سے محروم کر دیا۔ قرآن میں اکثر مقامات پہ آتا ہے کہ اللہ تعالےٰ مجرموں اور نافرمانوں کو چھوڑتا نہیں۔ دنیا پہ جو پریشانیاں، تکالیف، حوادث، بیماریاں اور نوازلات آتے ہیں، یہ اکثر انسانوں کے ہاتھ کی کمائی کا نتیجہ ہوتی ہیں۔ اللہ نے فرمایا "بِمَا کَسَبَتْ اَیْدِیْکُمْ" ان تکالیف میں تمہارے ہاتھوں کا دخل ہوتا ہے جسکی وجہ سے گرفت آتی ہے۔ "وَیَعْفُوْا عَنْ کَثِیْرٍ" اور بہت سی چیزوں کو نظر انداز بھی کر دیا جاتا ہے۔ فوری طور پہ پکڑ نہیں ہوتی مگر آگے میدان حشر میں ذرے ذرے کا حساب ہو گا اور اعمال کے مطابق جزا اور سزا کا فیصلہ ہو گا۔ بہر حال فرمایا کہ اُن کے گناہوں کی وجہ سے ہم نے اُن پہ بعض پابندیاں عائد کر دیں "وَاِنَّا لَصٰدِقُوْنَ" اور ہم اپنی بات میں بالکل سچے ہیں۔ ہمارا فیصلہ حق پہ مبنی ہوتا ہے اور اس میں کسی قسم کا شبہ نہیں ہونا چاہیئے۔

انفرادی غلطی مجموعی سزا

بنی اسرائیل کے چند لوگ بغاوت کے مرتکب ہوئے تو ساری قوم ایک حلال چیز سے محروم ہو گئی۔ بسا اوقات ایسا ہوتا ہے۔ کہ شرارت ایک آدمی یا

گروہ کرتا ہے مگر ساری قوم محکوم ہو جاتی ہے۔ ایک محدود طبقے کی شرارت کی وجہ سے ۱۹۷۱ء میں پاکستان کا ایک بازو کٹ گیا اور مسلمانوں کی اکثریت تباہ ہو کر رہ گئی۔ مصائب کے پہاڑ ٹوٹ پڑے۔ مشرقی اور مغربی پاکستان ایک دوسرے کے دکھ درد میں برابر کے شریک تھے، اب ایک حصے کو تکلیف پہنچے تو دوسرا اس کی مدد کو نہیں آسکتا۔ بڑی طاقتوں کی ہمیشہ سے یہی پالیسی رہی ہے مسلمان ممالک کو وہ خاص طور پر تقسیم در تقسیم کے اصول کے تحت کمزور کرنے کی کوشش کرتے ہیں تاکہ ان کی سیادت قائم رہے۔ اس وقت دنیا میں پچاس مسلمان ممالک ہیں مگر سب جُدا جُدا ہیں، کوئی کسی کا پرسانِ حال نہیں۔ اگر کہیں ملتے بھی ہیں تو منافقت کے ساتھ۔ سپر پاور ز ہرگز نہیں چاہتیں کہ مسلمان اکٹھے ہو کر ان کے لیے خطرہ بن جائیں۔ ان کے سامنے ایسی تجاویز پیش کرتے ہیں جس کی وجہ سے یہ قانون کی پابندی نہ کر سکیں اور ہمیشہ دستِ نگر رہیں۔ تعلیم کا میدان ہو یا ثقافت کا، کھیل تماشہ ہو یا تہذیب و تمدن کی بات، ان کی ہمیشہ یہی کوشش ہوتی ہے کہ مسلمان نہ تو اکٹھے ہو سکیں اور نہ اپنے دین پر عمل کر سکیں ان کا اسی میں فائدہ ہے۔ اور مسلمان اسی طرح ان کے سوالی اور غلام بن کر رہ سکتے ہیں۔ چند آدمیوں یا خاندانوں کی خوشحالی کوئی حیثیت نہیں رکھتی جب کہ پوری قوم ذلیل و رسوا ہو رہی ہو۔ آج مسلمان بحیثیت قوم اغیار کے نزدیک ایک گری ہوئی قوم ہیں۔ خدا کے باغیوں کی نگاہ میں ان کی کوئی وقعت نہیں یہ سب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے احکام کے ساتھ بغاوت کا نتیجہ ہے جس کا اثر پوری دنیا کے مسلمانوں پر پڑ رہا ہے۔

برصغیر پاک و ہند میں انگریزوں نے سو سال تک منظم حکومت کی۔ جب انگریزوں کا رُخ اس طرف ہوا تو امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ نے چار بڑے مسلمان حکمرانوں کو خطوط لکھ کر آنے والے خطرے سے آگاہ کیا تھا۔ آپ نے بڑے دکھ کے ساتھ لکھا تھا کہ خدا را آپس میں مت لڑو بلکہ

یہی تعلیم دی "اِنَّهٗ مَنْ يُّشْرِكْ بِاللّٰهِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ وَ مَاْوٰىهُ النَّارُ" (المائدہ) جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کیا، اللہ نے اُس پر جنت حرام کر دی اور اس کا ٹھکانا دوزخ میں ہوگا۔ ذات وصفات میں شرک تو شرک جلی کہلاتا ہے اور ریاکاری شرک خفی ہے۔ اگرچہ یہ شرک کفر کی حد تک تو نہیں پہنچتا مگر ریاکاری سے انسان کے اعمال ضرور ضائع ہو جاتے ہیں۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے ہر قسم کے شرک کو حرام قرار دیا ہے۔

والدین سے بدسلوکی

اللہ تعالیٰ نے دوسری چیز کے متعلق فرمایا "وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا" اور والدین کے ساتھ احسان کرو، اللہ نے بدسلوکی کو حرام فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کے حقوق کے بعد سب سے اہم چیز والدین کے حقوق ہیں جن کی قرآن پاک میں بار بار تاکید کی گئی ہے۔ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے "وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا" تیرے رب نے یہ حکم دیا ہے کہ اس کے سوا کسی کی عبادت نہ کرو اور والدین کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آؤ۔ والدین کسی انسان کے قریب ترین محسن ہوتے ہیں، وہ اپنے بچوں کی بے لوث پرورش کرتے ہیں، لہٰذا اُن پہ احسان کرنا لازم اور عقوق یعنی اُن کو اذیت پہنچانا حرام ہے۔ مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ماں باپ کو نہ زبان سے تکلیف پہنچانی چاہیئے اور نہ کسی عمل سے، یہ قطعی حرام ہے۔ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ وہ شخص بدبخت اور شقی ہے جس نے والدین میں سے ایک یا دونوں کو پایا مگر ان کی خدمت کر کے جنت کا ٹکٹ حاصل نہ کیا۔ فرمایا والدین جنت کے دروازوں میں سے درمیان والا اور افضل دروازہ ہیں۔ اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ ماں باپ کی خدمت کر کے یہ دروازہ اپنے لیے کھول لو یا اُن کے ساتھ بدسلوکی کر کے اسے اپنے لیے بند کر لو۔ بہرحال فرمایا کہ والدین کے ساتھ نیک سلوک اور احسان کرنا ضروری ہے اور اُن کو تکلیف دینا حرام ہے

والدین کے حقوق

محدثین اور فقہائے کرام فرماتے کہ ماں اور باپ دونوں حسنِ سلوک کے مستحق ہیں، البتہ ادب باپ کا زیادہ ہے اور خدمت ماں کی کیونکہ ماں، باپ کی نسبت کمزور ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ اگر والدین غیر مسلم بھی ہوں، تب بھی اُن کا احترام واجب ہے۔ البتہ اللہ کا حق اُن پر مقدم ہے۔ اگر والدین شرک پر آمادہ کریں یا خلافِ شرع کسی بات کا حکم دیں تو اُن کی اطاعت ساقط ہو جاتی ہے، بایں ہمہ انسان کے لیے حکم یہ ہے "وَصَاحِبْهُمَا فِي الدُّنْيَا مَعْرُوفًا" یعنی دنیا میں اُن کے ساتھ بہر حال حسن سلوک سے پیش آؤ۔ حضرت مولانا عبید اللہ سندھیؒ کا خاندان سکھ مذہب رکھتا تھا، آپ کو اللہ تعالےٰ نے ایمان کی دولت نصیب فرمائی، آپ کی والدہ آخر دم تک سکھ مذہب پر قائم رہی مگر آپ نے اُس کی خدمت میں کبھی کسر نہیں چھوڑی۔ وہ ناراضگی کا اظہار کرتی بھری مجلس میں جوتے تک مارتی مگر آپ نے کبھی اُف تک نہ کی۔ ہندو مت میں برہمن کو بیل کی خیرات (دان) کو بہت بڑی نیکی سمجھا جاتا ہے۔ ایک دفعہ آپ کی ماں نے فرمائش کی کہ دان دینے کے لیے اُسے بیل مہیا کیا جائے۔ چنانچہ آپ نے بیل خرید کر دیا اور ماں خوش ہو گئی۔

بہر حال اللہ تعالیٰ نے والدین کے حقوق کی بڑی تاکید فرمائی ہے جیسا کہ سورۃ بنی اسرائیل میں ہے "وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا" اگر والدین مومن ہیں تو اُن کے ادب و احترام کے علاوہ اُن کے لیے دُعا کو بھی اپنا وظیفہ بنا لو کہ اے مولا کریم! اِن پر رحم فرما جس طرح انہوں نے بچپن میں میری پرورش کی۔ چنانچہ حضور علیہ السلام کا ارشاد مبارک ہے کہ والدین کے حقوق میں یہ بات بھی شامل ہے کہ اُن کی وفات کے بعد اُن کے لیے دعائیں کریں اور ایصالِ ثواب کریں۔ بہر حال ماں باپ کے ساتھ بدسلوکی کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے۔

۲۔ قتلِ اولاد

تیسری بات اللہ نے یہ فرمائی ہے وَلَا تَقْتُلُوا أَوْلَادَكُم مِّنْ

اِملَاقِ اور ست قتل کرو اپنی اولادوں کو ناداری کی وجہ سے۔ دوسرے مقام پر آتا ہے "لَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ" یعنی مفلسی کے آئندہ خطرے کے پیش نظر اپنی اولاد کو قتل نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ کا مقصود یہ ہے۔ کہ اگر تم فی الوقت مفلس و نادار ہو، تو محض اس لیے اولاد کو قتل نہ کرو۔ کہ تمہارے پاس اُسے کھلانے پلانے کے لیے کچھ نہیں۔ یا اگر اس وقت تو تنگدستی نہیں مگر خدشہ ہے کہ اولاد زیادہ ہوگئی تو ان کی ضروریات زندگی مہیا کرنا دشوار ہو جائیگا، فرمایا اس پیشگی خطرے کی وجہ سے بھی اپنی اولاد کی جان کو ضائع نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے قتلِ اولاد کو حرام قرار دیا ہے۔

تاریخ عالم سے پتہ چلتا ہے کہ مختلف ادوار میں قتلِ اولاد کی تین مختلف صورتیں دنیا میں رائج رہی ہیں۔ پہلی وجہ تو یہی ہے کہ لوگ مفلسی کے ڈر سے اولاد کو قتل کر دیتے تھے کہ ان کے پاس اولاد کی پرورش کا سامان نہیں ہوتا تھا۔ قتل کی دوسری شکل دُختر کُشی کا رواج تھا۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ لڑکی کی پیدائش کو منحوس تصور کرتے تھے لہذا لڑکیوں کو پیدا ہونے کے بعد زندہ گاڑ دیا جاتا تھا۔ اور اس کی تیسری شکل یہ تھی کہ لوگ اپنے بچوں کو بتوں یا دیوی دیوتاؤں کی بھینٹ چڑھا دیتے تھے اور ان کے نام پر قتل کر دیتے تھے۔ برصغیر ہندوستان میں لوگ بچوں کو کالی دیوی کی بھینٹ چڑھاتے ہیں۔ اسے بلیدان کا نام بھی دیا گیا ہے۔ بہرحال قتل انسانی کے یہ تینوں طریقے اللہ نے حرام قرار دیے ہیں۔

فرمایا اپنی اولاد کو رزق کی کمی کی وجہ سے قتل نہ کرو کیونکہ حقیقت یہ ہے نَحْنُ نَرْزُقُكُمْ وَاِيَّاهُمْ کہ تمہیں بھی رزق ہم ہی دیتے ہیں اور جن کو تم قتل کرتے ہو ان کے رزق کے ذمہ دار بھی ہم ہیں۔ روزی کے تمام اسباب ہمارے قبضہ قدرت میں ہیں اور ہم ہی انہیں تقسیم کرتے ہیں۔ اللہ نے دوسرے مقام پر فرمایا "اِنَّ اللّٰهَ هُوَ الرَّزَّاقُ ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ" (الذاریات) رازق اور صاحب قوت تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بیان میں بھی آتا ہے

کہ روزی اللہ تعالیٰ کے پاس ہے، اسی سے طلب کرو کہ وہ تمہارے لیے روزی کے دروازے کھول دے۔ یہ تیسرا محرم ہے کہ اولاد کو مفلسی کے خوف سے قتل نہ کرو۔

۴۔ بے حیائی کی باتیں

چوتھی حرام چیز کے متعلق فرمایا وَلَا تَقْرَبُوا الْفَوَاحِشَ بے حیائی کی بات کے قریب بھی نہ جاؤ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ خواہ ظاہر ہو یا پوشیدہ۔ ہر دو قسم کی فحاشی کے قریب تک نہ جاؤ چہ جائیکہ اس کا ارتکاب کرو۔ بے حیائی کا دائرہ بڑا وسیع ہے۔ بعض چیزیں ذہنی اور عقلی طور پر انسان میں بُرے اخلاق پیدا کرتی ہیں۔ حدیث شریف میں چوری کو بے حیائی سے تعبیر کیا گیا ہے جب کہ قرآن پاک میں بخل کو بے حیائی کہا گیا ہے۔ زنا اور لواطت بلاشبہ بہت بڑی بے حیائی ہے بعض چیزیں لوگوں کو عریانی کی طرف مائل کرتی ہیں جس سے دین اور اخلاق خراب ہوتا ہے اسی لیے فرمایا کہ بیحیائی کے قریب بھی نہ جاؤ۔

سورۃ نور اور سورۃ احزاب میں موجود ہے کہ عورتوں کی زیب و زینت اور نیم برہنگی اور پھر مردوں سے خلط ملط سخت فحاشی کی بات ہے۔ اسی طرح تصویریں، مجسمے اور لغو گانے بے حیائی پر آمادہ کرتے ہیں اسی لیے علمائے کرام فرماتے ہیں کہ جدید تہذیب کی ساری رونق بے حیائی پر قائم ہے عورتوں کا ننگے سر اور ننگے بازو سر عام پھرنا۔ اخبارات میں نیم برہنہ عورتوں کی تشہیر ریڈیو اور ٹیلیویژن پر غیر اخلاقی گانے اور مناظر انسانیت کی تباہی کا باعث بن رہے ہیں۔ اخلاق بگڑ رہا ہے، اس کی اصلاح کرنے کی بجائے فلم انڈسٹری کو ترقی دینے کے منصوبے بنتے ہیں۔ کھیل تماشے کو بڑی اہمیت دی جا رہی ہے کھیل کی ٹیمیں اور ناچ گانے والے طائفے بیرونی ممالک میں بھیجے جاتے ہیں جس پر کروڑوں روپے کا زرِ مبادلہ خرچ ہوتا ہے اور اس کے بدلے میں عریانی، فحاشی اور بے حیائی پھیلائی جاتی ہے اسلام تو ایسی چیزیں کو

مٹانے کے لیے آیا تھا مگر ہماری حکومتیں انہی چیزوں کی سرپرستی کر رہی ہیں۔
دین تو کہتا ہے الحیاء من الایمان حیاداری ایمان کا جزو ہے
نیز لا ایمان لمن لا حیاء جس میں حیا نہیں اس میں ایمان نہیں،
مگر آج حیاداری کا جنازہ نکل رہا ہے اور بے حیائی بلا روک ٹوک معاشرے
میں ناسور کی طرح پھیل رہی ہے۔ اللہ نے فرمایا کہ بیحیائی کے قریب بھی نہ
جاؤ۔ یہ قطعی حرام ہے۔

۵۔ قتل ناحق

پانچویں حرام چیز قتل ناحق ہے۔ ارشاد ہے ولا تقتلوا النفس
التی حرم اللہ الا بالحق جس جان کو اللہ نے حرام قرار دیا ہے اس
کو ناحق قتل مت کرو (قتال و جہاد کے علاوہ) قتل حق کی تین صورتیں معلوم ہیں۔
ان کے علاوہ باقی تمام قتل ناحق کی فہرست میں آتے ہیں پہلا قتل حق ہے النفس
بالنفس یعنی جان کے بدلے جان۔ اگر کسی نے کسی دوسرے شخص کو ناحق قتل کیا
ہے تو قصاص کے طور پر قاتل کو قتل کرنا حق ہے اور اس کی اجازت ہے
دوسرا یہ ہے کہ اگر کوئی شادی شدہ آزاد مسلمان زنا کا ارتکاب کرتا ہے تو
اسے سنگسار کر کے قتل کرنا بھی برحق ہے۔ تیسری صورت یہ ہے کہ کوئی عاقل
مسلمان دین اسلام کو چھوڑ کر دہریہ بن جائے یا کوئی دوسرا دین اختیار کرے
تو ایسا مرتد شخص بھی واجب القتل ہے۔ فرمایا ان تین صورتوں کے علاوہ کسی
شخص کا قتل قتل ناحق ہے اور حرام ہے۔ جب باغیوں نے حضرت عثمانؓ
کا محاصرہ کر لیا تو انہوں نے چھت پر کھڑے ہو کر فرمایا تھا، لوگو! تم مجھے قتل
کیوں کرنا چاہتے ہو حالانکہ میں نے آج تک کسی کو ناحق قتل نہیں کیا، زنا کا ارتکاب
تو مجھ سے اسلامی دور سے پہلے جاہلیت کے زمانہ میں بھی نہیں ہوا اور جب
سے میں نے حضور علیہ السلام کے دستِ مبارک پر بیعت کی ہے، میں مرتد نہیں
ہوا۔ پھر تم کس جرم میں میرے قتل کے درپے ہو۔ مگر باغیوں نے آپ کی
کوئی بات نہ سنی اور فتنے کی ایسی بنیاد ڈال دی جو قیامت تک چلتی رہے گی۔

قتل کی وبا دنیا کے اکثر و بیشتر ممالک میں عام ہے قدیم تہذیب والے ہوں یا جدید
والے، قتل روزمرہ کا معمول بن چکا ہے۔ ابن ماجہ شریف کی روایت میں آتا ہے
کہ پوری دنیا کا تباہ ہو جانا اتنا اہم نہیں جتنا ایک مسلمان کا قتل ہو جانا، مگر یہاں تو
معمولی معمولی وجوہات کی بنا پر ہر روز قتل ہوتے ہیں۔ ذاتی رنجشوں کے علاوہ سیاسی
قتل بھی عام ہونے لگے ہیں جس کا نتیجہ یہ ہے کہ معاشرہ میں امن و امان ناپید ہو
چکا ہے۔ انسانی جانوں کی حفاظت کا واحد ذریعہ قانونِ قصاص اور دیت ہے
مگر اس کو پسند نہیں کیا جاتا تو پھر دنیا میں امن کیسے قائم ہو سکتا ہے۔

فرمایا یہ پانچ باتیں ایسی ہیں ذٰلِكُمْ وَصّٰىكُمْ بِهٖ جن کے
متعلق اللہ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے کہ ان سے بچو۔ یہ حقیقی محرمات ہیں۔
لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ تاکہ تم سمجھ جاؤ۔ اگر مان جاؤ گے تو دنیا اور آخرت
میں امن نصیب ہوگا، ورنہ یہاں بھی بے سکونی اور آخرت میں عذاب ہوگا۔

وَلَا تَقۡرَبُوۡا مَالَ الۡيَتِيۡمِ اِلَّا بِالَّتِىۡ هِىَ اَحۡسَنُ حَتّٰى يَبۡلُغَ اَشُدَّهٗ ‌ۚ وَاَوۡفُوا الۡكَيۡلَ وَالۡمِيۡزَانَ بِالۡقِسۡطِ‌ ۚ لَا نُـكَلِّفُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا‌ ۚ وَاِذَا قُلۡتُمۡ فَاعۡدِلُوۡا وَلَوۡ كَانَ ذَا قُرۡبٰى‌ ۚ وَبِعَهۡدِ اللّٰهِ اَوۡفُوۡا‌ ؕ ذٰ لِكُمۡ وَصّٰٮكُمۡ بِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَذَكَّرُوۡنَ ﴿۱۵۲﴾ وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِىۡ مُسۡتَقِيۡمًا فَاتَّبِعُوۡهُ‌ ۚ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمۡ عَنۡ سَبِيۡلِهٖ‌ ؕ ذٰ لِكُمۡ وَصّٰٮكُمۡ بِهٖ لَعَلَّكُمۡ تَتَّقُوۡنَ ﴿۱۵۳﴾

ترجمہ :- اور نہ قریب جاؤ یتیم کے مال کے مگر اس طریقے سے جو بہتر ہے یہاں تک کہ پہنچ جائے اپنی قوت تک ۔ اور پورا کرو ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ ۔ ہم نہیں تکلیف دیتے کسی نفس کو مگر اس کی طاقت کے مطابق اور جب تم بات کرو تو انصاف سے کرو اگرچہ قرابتدار ہی کیوں نہ ہوں ۔ اور اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو یہ وہ چیز ہے جس کا اللہ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم نصیحت حاصل کرو (۱۵۲) اور بیشک یہ (قرآن کریم کا بیان کردہ راستہ) میرا سیدھا راستہ ہے پس اس کا اتباع کرو اور نہ پیروی کرو مختلف راستوں کی ، پس وہ تم کو جدا کر دینگے اس کے راستے سے ۔ اس بات کا اللہ نے تمہیں تاکیدی حکم دیا ہے تاکہ تم بچ جاؤ (۱۵۳)

ربط آیات

پہلے اللہ نے مشرکین کے خود ساختہ محرمات کا ذکر کیا۔ پھر اللہ نے بعض حلال جانوروں کا ذکر کیا ہے اور ان چار بنیادی محرمات ــــ کا ذکر کیا جن کا تعلق کھانے پینے سے ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے بعض دیگر حرام چیزوں کا ذکر کیا جیسے اشراک باللہ، والدین سے بدسلوکی، بےحیائی اور قتل اولاد اور قتل ناحق اب زیرِ درس آیات میں بعض دیگر چیزوں کی حرمت کا بیان آرہا ہے۔ ان میں سے پانچ محرمات کا ذکر گذشتہ درس میں آچکا ہے اور باقی پانچ چیزوں کا ذکر آج کی دو آیات میں آرہا ہے۔ اِن ممنوعہ امور کا ارتکاب وبال اور گناہ کا باعث ہے۔

۶۔ یتیم کا مال کھانا

اللہ تعالیٰ نے محرمات کے سلسلہ میں چھٹی چیز یہ فرمائی ہے وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اور یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ اِلَّا بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ مگر اس طریقہ سے جو بہتر ہو۔ یتیم اور کمزور طبقات کے حقوق کے متعلق اللہ نے بڑے تاکیدی حکم صادر فرمائے ہیں۔ جب کوئی چھوٹا بچہ باپ کے سہارے سے محروم ہو جاتا ہے تو اُس کی جائداد کے انتظام و انصرام کے لیے عام طور پر اُس کے اقرباء میں سے اُس کا کوئی متولی بنتا ہے جو بچے کے سن بلوغت تک پہنچنے تک مال کی حفاظت کا ذمہ دار ہوتا ہے۔ مگر تجربہ یہی ہے۔ کہ زیرِ حفاظت مال کو خود متولیوں نے ہی کھانے کی کوشش کی۔ لہذا اللہ تعالیٰ نے اس معاملہ میں مختلف مقامات پر ضروری احکام نازل فرمائے ہیں چنانچہ سورۃ نساء کی ابتدا میں بھی یہی مسائل بیان ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ نے واضح طور پر فرمایا ہے "وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَهُمْ" کہ ان کے مالوں کو مت کھاؤ۔ آگے یہ بھی فرمایا "وَلَا تَاْكُلُوْهَآ اِسْرَافًا وَّبِدَارًا اَنْ يَّكْبَرُوْا" یتیموں کے مال کو فضول خرچی میں نہ اڑاؤ اس نیت سے کہ یہ بڑے ہو جائیں گے تو ہمارا تصرف ختم ہو جائے گا اور ان کا مال اِن کو واپس کرنا پڑے گا۔ سورۃ بقرہ میں بھی یتیموں کے مال کی حفاظت کرنے کا حکم

دیا گیا ہے۔ حضور علیہ السلام کے زمانہ میں یتیموں کے متولی کھانے میں یتیموں کو اپنے ساتھ ملا لیتے تھے کیونکہ ان کا علیحدہ کھانا تیار کرنے میں خرچہ زیادہ آتا ہے جب اللہ تعالیٰ نے یتیموں کے مال کے متعلق بڑے سخت احکام نازل فرمائے تو صحابہ کرامؓ نے ان کا کھانا پینا بھی علیحدہ کر دیا، اس خوف سے کہ کہیں ان کا کوئی لقمہ ہماری طرف نہ آجائے۔ مگر اس طرح یتیموں کا مال زیادہ خرچ ہوتا تھا تو اللہ تعالیٰ نے سورۃ بقرہ میں اس مسئلہ کی وضاحت فرمائی اور فرمایا "وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ" یعنی اگر تم انہیں کھانے وغیرہ میں ساتھ ملا لو تو وہ تمہارے بھائی ہیں، گویا اللہ تعالیٰ نے اس بات کی اجازت دیدی۔ اور فرمایا "وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ" اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ کون فسادی ہے اور کون مصلح ہے۔ تم نیک نیتی سے یتیموں کے مال کی حفاظت کرو اور اُسے ناجائز طریقے سے ہضم کرنے کی کوشش نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ تمہاری نیتوں سے بھی واقف ہے اور وہ تمہارے ساتھ تمہاری نیت کے مطابق ہی سلوک کرے گا۔

بہرحال یتیم کا سرپرست جج یا قاضی ہو یا اقربا میں سے دادا یا کوئی دوسرا رشتہ دار، سب کے لیے حکم یہی ہے کہ یتیم کے مال کا انتظام اس طریقے سے کریں جو بہتر ہو۔ اور جس میں مال کی حفاظت کے ساتھ ساتھ اس میں اضافے کی صورت بھی ہو۔ مثال کے طور پر اگر یتیم کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر تجارت وغیرہ کرنے میں بہتر نتائج کی توقع ہو تو پھر نیک نیتی کے ساتھ ایسا کر لینا جائز ہے اس آیت کریمہ میں اصل حکم یہ ہے کہ بُری نیت سے یتیم کے مال کے قریب بھی نہ جاؤ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا "اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِىْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا" (النساء) جو لوگ یتیموں کا مال ناجائز طریقے سے کھاتے ہیں وہ اپنے پیٹوں میں آگ کھاتے ہیں۔ لہٰذا یتیم کے مال کے قریب تک

نہ جانے کا حکم دیا گیا ہے۔

سن بلوغت

فرمایا کہ یتیم کے مال کے قریب نہ جاؤ مگر بہتر طریقے سے اور وہ بھی اسوقت تک حَتّٰی یَبْلُغَ اَشُدَّہٗ کہ وہ یتیم اپنی قوت یعنی جوانی تک پہنچ جائے۔ مفسرین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ لفظ اَشُدَّ مفرد ہے یا جمع۔ بعض فرماتے ہیں کہ اَشُدَّ شدت کی جمع ہے اور بعض دوسرے حضرات کہتے ہیں کہ اَشُدَّ شَدٌ کی جمع ہے اور مطلب دونوں صورتوں میں یہی ہے کہ اُس کی قوتیں مکمل ہونے تک یتیم کے مال کی حفاظت کرو اور اس کے بعد اُسے یتیم کو لوٹا دو۔ قوتوں کے اجتماع سے فقہائے کرام یہ بھی مراد لیتے ہیں کہ یتیم کا محض بالغ ہونا کافی نہیں بلکہ اُسے سوجھ بوجھ کا حامل ہونا بھی ضروری ہے۔ چنانچہ بعض فقہاء اس کے لیے اٹھارہ سے تیس سال تک کی عمر کا تعین کرتے ہیں کہ اس دوران یتیم اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ اپنے مال کو خود تصرف میں لا سکے، لہٰذا اُسے اس کا مال واپس کر دینا چاہیئے۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر یتیم احمق نہ ہو تو پچیس سال کی عمر کو پہنچنے پر اُس کا مال اُسے واپس کر دینا چاہیئے اگر اس کے بعد بھی وہ اپنے نفع نقصان کو نہیں پہچانتا تو اس کی ذمہ داری خود اُس پر ہوگی، نہ کہ اُس کے سرپرست پر۔ بعض فقہائے کرام اس سے صرف بلوغت مراد لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ جب یتیم اٹھارہ سال کی عمر کو پہنچ جائے تو پھر اُس کا مال نہیں روکنا چاہیئے بلکہ فوراً واپس کر دینا چاہیے اور بعض کے نزدیک ۳۲ سال کی عمر تک بھی مال کو روک رکھنے کا عندیہ ملتا ہے بہر حال چھٹا حکم یہ ہے کہ سن بلوغت کے پہنچنے تک یتیم کے مال کی احسن طریقے سے نگہداشت کرو۔ اور اُسے نقصان پہنچانے کی غرض سے اس کے قریب بھی نہ جاؤ

۷۔ ماپ تول میں کمی

اللہ نے ساتواں حکم یہ دیا ہے وَاَوْفُوا الْکَیْلَ وَالْمِیْزَانَ بِالْقِسْطِ ماپ اور تول کو انصاف کے ساتھ پورا کرو یعنی اللہ نے ماپ تول

میں کمی کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔ ماپ تول میں کمی کے جرم میں سابقہ بعض قومیں بھی ملوث رہی ہیں چنانچہ ایکہ اور مدین والوں کا ذکر قرآن پاک میں بھی موجود ہے ایسے لوگوں کا طریقہ واردات یہ ہے کہ جب اپنا حق لینا ہوتا ہے تو پورا لیتے ہیں یعنی جب خود کوئی جنس دوسرے سے خریدتے ہیں تو پوری پوری لیتے ہیں اور جب وہی چیز آگے فروخت کرنا ہوتی ہے تو ماپ تول میں کمی کرتے ہیں سورۃ مطففین میں موجود ہے کہ ماپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے ہلاکت و بربادی ہے کہ جب وہ لوگوں سے لیتے ہیں "یَسْتَوْفُوْنَ" تو پورا پورا لیتے ہیں اور جب ماپ کر یا تول کر دوسروں کو دیتے ہیں "یُخْسِرُوْنَ" تو کمی کر دیتے ہیں۔ ایسا کرنا سخت گناہ اور حرام ہے۔

ترمذی شریف کی روایت میں آتا ہے کہ ایک موقع پر حضور علیہ السلام نے تاجروں سے خطاب فرمایا یَامَعْشَرَ التُّجَّارِ اِنَّمَا وُلِّیْتُمْ اَمْرَیْنِ هَلَکَتْ فِیْهِ اُمَمٌ مِنْ قَبْلِکُمْ یعنی اے تاجروں کے گروہ! تم دو چیزوں (ماپ اور تول) کے والی بنائے گئے ہو، یہ تمہارا دور ہے مگر یاد رکھو! ماپ تول میں خرابی کی وجہ سے پہلی کئی امتیں تباہ ہو گئیں، لہٰذا تم اس معاملہ میں خرابی نہ کرنا کہ ماپ تول میں کمی کرنا قطعاً حرام ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد مبارک ہے کہ جب کوئی چیز تول کر دو زِنْ وَاَرْجِحْ تو تول میں بڑھا کر دو۔ اسی طرح پیمائش میں بھی کمی کی بجائے کچھ زیادہ ہی دے دیا کرو۔ تاکہ تمہاری طرف کسی کا حق نہ رہ جائے۔ اس کے ساتھ ساتھ آپ نے یہ بات بھی فرما دی کہ انسان کو اپنی طرف سے پوری کوشش کرنی چاہیے کہ کسی کا حق ضائع نہ ہو۔ اگر انسان کی نیک نیتی اور پوری کوشش کے باوجود کوئی کمی بیشی رہ جائے تو اللہ تعالیٰ مؤاخذہ نہیں کریں گے۔ بعض اوقات ایک چیز پوری پوری تول کر دی جاتی ہے۔ مگر وہی چیز جب دوبارہ تولی جاتی ہے تو اس میں کمی واقع ہو جاتی ہے۔ فرمایا ایسی باتیں غیر اختیاری ہوتی

ہیں اور اللہ تعالیٰ معاف فرما دیتا ہے کیونکہ اُس کا ارشاد ہے "لَا نُكَلِّفُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا۔ ہم کسی نفس کو اُس کی طاقت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتے لہٰذا انسان کو اس معاملے میں خلوصِ نیت کے ساتھ حتی المقدور کوشش کرنی چاہیئے اس کے باوجود اگر کوئی خامی رہ جائے تو عند اللہ ماخوذ نہیں ہوگا۔ تو ساتویں حکم میں اللہ تعالیٰ نے ماپ تول میں کمی کو حرام قرار دیا ہے۔

ادائیگی فرض میں کوتاہی

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ اپنی تفسیر معارف القرآن میں فرماتے ہیں کہ ماپ تول میں کمی پر وعید کا اطلاق ہر شخص کے اپنے فرائض منصبی پر بھی ہوتا ہے جس طرح ماپ تول میں کمی کرنا حرام ہے اسی طرح کسی شخص کی طرف سے ادائیگی فرض میں کوتاہی بھی حرام ہے۔ اگر کوئی مزدور مقررہ وقت تک کام نہیں کرتا، کوئی ملازم پورا دن اپنی سیٹ پر نہیں بیٹھتا، کوئی افسر، جج یا سپاہی اپنی ڈیوٹی کا پابند نہیں ہے تو وہ بھی اسی حکم کے تحت آتا ہے۔ اگر کسی شخص نے اپنی ڈیوٹی کی طرف ہمہ وقت توجہ نہیں دی اور اس میں کمی کا مرتکب ہوا ہے، تو وہ بھی یہاں پر موجود وعید کا نشانہ بنتا ہے۔ ہمارے ملک میں تو یہ بُرائی اتنی عام ہو چکی ہے کہ اسے برائی تصور ہی نہیں کیا جاتا۔ دفتروں اور کارخانوں کا حال دیکھ لیں۔ کہیں بھی آپ کو پوری حاضری نہیں ملے گی بلکہ اکثریت اس جرم میں ملوث ہوتی ہے۔ اللہ کا کوئی خال خال بندہ ہی ایسا ہوتا ہوگا جو اپنی ڈیوٹی پر پورا اترتا ہو۔ ورنہ معاملہ بہت ہی خراب ہے۔ مؤطا امام مالکؒ میں روایت موجود ہے لِكُلِّ شَيْءٍ وَفَاءٌ وَّ تَطْفِيْفٌ یعنی ہر چیز میں وفا (پورا ہونا) اور کمی ہوتی ہے۔ جو شخص نماز کو صحیح طور پر ادا نہیں کرتا، نماز کے ارکان میں تعدیل کا خیال نہیں رکھتا وہ نماز میں کمی کرنے کا مرتکب ہوتا ہے اور یہی حرام ہے۔ غرضیکہ جس طرح ماپ تول میں پورا پورا لینا دینا ضروری ہے اسی طرح اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی بھی لازمی ہے، ان میں کسی قسم کی تفریط

نہیں ہونی چاہیئے۔ ایسا کرنا عنداللہ جرم شمار ہوگا۔

۸۔ ناانصافی کی ممانعت

آگے فرمایا وَاِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوْا جب بات کرو تو انصاف کے ساتھ کرو وَلَوْ کَانَ ذَا قُرْبٰی اگرچہ تمہارا قرابتدار ہی کیوں نہ ہو یہاں پر قول سے مراد فیصلہ بھی ہو سکتا ہے اور شہادت بھی، اور مطلب یہ ہے کہ اگر تم کسی معاملے میں حکم مقرر کیے گئے ہو تو تمہارا فیصلہ حق و انصاف پر مبنی ہونا چاہیئے اور ناانصافی کی بات نہیں ہونی چاہیئے خواہ فریق مقدمہ تمہارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو۔ یہاں جس چیز کو حرام کیا گیا ہے وہ ناانصافی ہے کوئی عام بات ہو یا فیصلہ ہو، انصاف کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیئے اور اگر کسی معاملہ میں آپکی شہادت درکار ہو تو پھر بھی واقعات کے مطابق یا اپنے علم کی رُو سے صحیح صحیح گواہی دو۔ اسمیں بھی کوتاہی حرام ہے اگرچہ تمہارا رشتہ دار ہی کیوں نہ ہو غلط بیانی، کذب، واقعات کو توڑ موڑ کر پیش کرنا جس سے کسی کا نقصان مطلوب ہو یا کسی کو نفع پہنچانا مقصود ہو، اس حکم کے تحت حرام ہے اللہ کا حکم ہے "وَاَقِیْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ" ہمیشہ حق کی گواہی دو اور بات کرو تو انصاف سے کرو۔ اس کے خلاف کرنا حرام ہے۔

۹۔ عہد الہی کی خلاف ورزی

نواں حکم یہ ہے وَبِعَهْدِ اللّٰهِ اَوْفُوْا اللہ تعالیٰ کے عہد کو پورا کرو اس عہد سے مراد عہد الست بھی ہو سکتا ہے، وہی عہد جو اللہ تعالیٰ نے انسان کی پیدائش سے پہلے تمام انسانی روحوں کو جمع کر کے لیا تھا "اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْ" کیا میں تمہارا رب نہیں ہوں تو سب نے بیک زبان اقرار کیا تھا "قَالُوْا بَلٰی" مولا کریم! کیوں نہیں۔ بیشک تو ہی ہمارا پروردگار ہے اس عہد کی یاد دہانی اللہ کے نبی اور اس کی کتابیں کراتی رہی ہیں اس عہد کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے یعنی اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر قائم رہو۔ مفسر قرآن امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ اس حکم میں تمام اوامر و نواہی آتے ہیں اور تمام فرائض و واجبات کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ بندہ از خود بھی بعض چیزوں کو

سے اپنے اوپر لازم قرار دے لیتا ہے۔ مثلاً جب وہ کوئی جائز منت یا نذر مانتا ہے تو اس کو پورا کرنا بھی ضروری ہو جاتا ہے اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی ایک صفت یہ بھی بیان فرمائی ہے "یُوفُونَ بِالنَّذْرِ" (سورۃ دہر) وہ اپنی نذروں کو پورا کرتے ہیں۔ بہر حال عہد، عہد الست ہو یا اوامر و نواہی یا نذر کا، ان سب کو پورا کرنا ضروری ہے اور اس کے خلاف کرنا حرام ہے۔ یہاں تک نو حکم بیان کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا ذَٰلِكُمْ وَصَّاكُم بِهِ اللہ تعالیٰ اس کا تمہیں تاکیدی حکم دیتا ہے لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ ۝ تاکہ تم نصیحت پکڑو۔

۱۰۔ مختلف راستے

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ایک اصولی بات بیان فرمائی ہے۔ وَأَنَّ هَٰذَا صِرَاطِي مُسْتَقِيمًا اور یہی میرا سیدھا راستہ ہے جو قرآن پاک بیان کرتا ہے اور جس کے بعض اصول یہاں بیان کیے گئے ہیں اور یہی راستہ میری رضا اور خوشنودی کے مقام تک پہنچانے والا ہے۔ فَاتَّبِعُوهُ لہٰذا اسی کا اتباع کرو۔ اور دسواں اصول یہ ہے۔ وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ اور مختلف راستوں پر مت چلو۔ وجہ یہ ہے کہ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَن سَبِيلِهِ کہ یہ مختلف راستے تمہیں اللہ کے راستے سے جدا کر دیں گے۔ ان راستوں سے گمراہی کے وہ تمام راستے مراد ہیں جن سے عقیدے اور عمل میں خرابی پیدا ہوتی ہے۔ تمام گمراہ فرقے، رافضی، خارجی، معتزلہ، جبریہ، قدریہ اور منکرین حدیث عقیدے میں خرابی کی پیداوار ہیں۔ اور عمل میں خرابی سے مراد یہ ہے کہ انسان بدعات پر عمل کرنے لگے۔ جب صراط مستقیم کی وضاحت خدا تعالیٰ کے کلام اور نبی کے فرمان سے ہو چکی تو اب اس کے خلاف چلنے والے بدعات پر عمل پیرا ہیں جس سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ گمراہی عقیدے میں ہو یا عمل میں، یہ بہر حال ناقابل برداشت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے دسویں نمبر پر صراط مستقیم سے انحراف

کرنے کو حرام قرار دیا ہے۔

بنیادی اور فروعی اختلاف

بعض حضرات فقہائے کرام کے باہمی اختلاف کو سُبل میں داخل کرتے ہیں اور کہتے ہیں ائمہ کرام حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی کا اختلاف بھی اس آیت کی زد میں آتا ہے۔ یہ بات درست نہیں بلکہ تمام ائمہ کرام کُلُّهُمْ عَلَى الْهُدٰى ہدایت پر ہیں۔ اِن کے درمیان اختلاف نہ تو عقیدے کا اختلاف ہے اور نہ عمل کا۔ یہ ایسا اختلاف ہے جسے خود حضور علیہ السلام نے برداشت کیا ہے۔ اس کی مثال حدیث شریف میں موجود ہے۔ آپ نے بنو قریظہ کے ساتھ جہاد کے لیے جو لشکر روانہ فرمایا تو اُسے ہدایت کی لَا يُصَلِّيَنَّ اَحَدُكُمْ اِلَّا فِىْ بَنِىْ قُرَيْظَةَ تم میں سے کوئی شخص نماز نہ پڑھے مگر قریظہ میں جا کر۔ لشکر روانہ ہو گیا۔ چار میل کی مسافت تھی، راستے میں نماز کا وقت ہو گیا۔ اب نماز کی ادائیگی کے سلسلے میں صحابہؓ دو گروہوں میں تقسیم ہو گئے۔ بعض کا خیال تھا کہ وقت ہو گیا ہے راستے میں ہی نماز ادا کر لینی چاہیئے۔ اُن کا استدلال یہ تھا کہ حضور علیہ السلام کے ارشاد مبارک کا مقصد یہ تھا کہ کوئی شخص پیچھے نہ رہے، فوراً چلے جاؤ۔ اور قریظہ میں جا کر نماز ادا کرو۔ چنانچہ انہوں نے راستے میں ہی نماز پڑھ لی۔ بعض دوسرے صحابہؓ نے ظاہر الفاظ پر محمول کرتے ہوئے راستے میں نماز ادا نہ کی بلکہ قریظہ پہنچ کر اس فرض سے سبکدوش ہوئے۔ جب معاملہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے کسی گروہ کا بُرا نہیں منایا بلکہ فرمایا كِلَاهُمَا عَلَى الْحَقِّ یعنی دونوں گروہ حق پر ہیں جنہوں نے نماز راستے میں پڑھی وہ بھی حق پر ہیں اور جنہوں نے قریظہ پہنچ کر ادا کی اُن کا مؤقف بھی درست ہے۔ بہر حال ائمہ دین کا اختلاف بھی اسی نوعیت کا ہے اور کسی کو بھی غلط قرار نہیں دیا جا سکتا بلکہ حنفی، شافعی، مالکی، حنبلی، ظواہر وغیرہ سب حق پر ہیں بعض رائے بڑھا چڑھا کر فرقہ بندی پر محمول کرتے ہیں جو کہ ٹھیک بات نہیں ہے۔ سب کا بنیادی عقیدہ صحیح ہے، البتہ بعض اوقات سنت

کی تشریح میں اختلاف ہو جاتا ہے بعض ائمہ ایک چیز کو ضروری قرار دیتے ہیں اور بعض غیر ضروری سمجھتے ہیں بعض کسی عمل کو مستحب خیال کرتے ہیں اور بعض اسے مکروہ سمجھتے ہیں ، یہ فروعی اختلافات ہیں اور کسی کے متعلق بدگمانی نہیں ہونی چاہیئے ۔ البتہ جو شخص کفر ، شرک یا بدعات میں ملوث ہو گیا وہ بلا شبہ گمراہ ہو گیا ۔

بہر حال فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے صراط مستقیم پہ گامزن ہو جاؤ اور گمراہی کے راستوں سے بچ جاؤ ۔ اگر گمراہی کے راستے پر چلو گے تو منزلِ مقصود کو نہیں پا سکو گے ذٰلِكُمْ وَصّٰكُمْ بِهٖ اللہ تعالیٰ یہ حکم تمہیں تاکیدی طور پہ دیتا ہے ۔ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ تاکہ تم بچ جاؤ ۔ یعنی اس راستے پر چل کر ضلالت سے بچ جاؤ ، تمہاری خود ساختہ محرمات درست نہیں ہیں بلکہ اصل محرمات وہ ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے ان کی تشریح کر دی گئی ہے اور حلت و حرمت کا اصول بھی بیان کر دیا گیا ہے ۔ یہ وہی چیزیں جن کو اللہ کا قرآن بیان کرتا ہے اور اللہ کا نبی اسکی تشریح کرتا ہے ۔ اس پہ عمل کرو گے تو ناکامی سے بچ جاؤ گے ۔

ثُمَّ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِيْۤ اَحْسَنَ وَتَفْصِيْلًا لِّكُلِّ شَيْءٍ وَّهُدًى وَّرَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ ﴿۱۵۴﴾ وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾ اَنْ تَقُوْلُوْۤا اِنَّمَاۤ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا ۪ وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ ﴿۱۵۶﴾ اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّاۤ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ لَكُنَّاۤ اَهْدٰى مِنْهُمْ ۚ فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ ۚ فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَصَدَفَ عَنْهَا ؕ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

ع ۱۹

ترجمہ :- (آپ ہماری طرف سے کہہ دیجئے) پھر ہم نے دی موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب، پورا کرنے کے لیے نعمت کو اُس شخص پر جس نے اچھا کام کیا۔ اور تفصیل ہر چیز کے لیے اور ہدایت اور رحمت، تاکہ یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات

کے ساتھ ایمان لائیں (۱۵۴) اور یہ کتاب (قرآن کریم) اس کو ہم نے نازل کیا ہے، برکت والی ہے، اس کا اتباع کرو اور ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے (۱۵۵) اس لیے تاکہ تم یہ نہ کہو کہ بیشک اتاری گئی ہیں کتابیں دو گروہوں پر ہم سے پہلے اور بیشک تھے ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر (۱۵۶) یا تم یہ کہو کہ اگر اُتاری جاتی ہمارے اُوپر وہ کتاب تو ہم ہوتے زیادہ ہدایت والے اِن لوگوں سے پس تحقیق آگئی ہے تمہارے پاس کھُلی دلیل تمہارے پروردگار کی طرف سے اور ہدایت اور رحمت۔ پس اس سے بڑا ظالم کون ہے جو جھٹلاتا ہے اللہ کی آیتوں کو اور اعراض کرتا ہے اُن سے۔ ہم ضرور بدلہ دیں گے اُن لوگوں کو جو اعراض کرتے ہیں ہماری آیتوں سے سخت عذاب اس وجہ سے کہ وہ اعراض کرتے تھے (۱۵۷)

ربطِ آیات

پہلے اللہ تعالیٰ نے مشرکین کے شرکیہ افعال کا رد فرمایا اور پھر غیر اللہ کی نیازات کی تردید فرمائی۔ اِس کے بعد اِن باتوں کا ذکر ہوا جن کو اللہ نے ناجائز قرار دیا ہے۔ اللہ نے اِن کے متعلق سخت تاکیدی حکم دیا اور اس کو صراطِ مستقیم قرار دیا۔ نیز غلط راستوں پر چلنے سے منع فرمایا، کیونکہ غلط راستے اللہ کے راستے سے جدا کرنے کا سبب بنتے ہیں اب آج کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے تورات کا ذکر فرمایا ہے اور نزولِ قرآن کا تذکرہ کیا ہے اللہ نے ان دونوں کتابوں کو ہدایت اور رحمت سے تعبیر کیا ہے اور قرآن پاک کا اتباع کرنے کی تلقین کی ہے۔ پھر قرآن پاک کے نزول کی دو وجوہات بیان کر کے مشرکین کو ان کی طرف متوجہ کیا ہے، نیز اس کلام پاک سے روگردانی

کی مذمت بیان کی ہے اور ایسا کرنے والوں کو سخت سزا کی وعید سنائی ہے۔

بیان میں تقدیم و تاخیر

ارشاد ہوتا ہے ثُمَّ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا کی۔ آیت کی ابتداء میں لفظ ثُمَّ کچھ اشکال پیدا کرتا ہے عربی زبان میں یہ لفظ عطف اور تاخیر کے لیے آتا ہے یعنی اس سے پہلے کوئی دوسرا کام انجام دیا جا چکا ہے اور بعد والے کام کے لیے ثُمَّ سے ابتداء ہوتی ہے۔ تو کیا اس کا مطلب یہ ہے کہ قرآن پاک پہلے نازل ہوا اور پھر اس کے بعد اللہ نے موسیٰ علیہ السلام پر تورات نازل فرمائی؟ مگر ایسا نہیں ہے پہلے تورات عطا کی گئی اور اس کے بعد قرآن نازل ہوا۔ لہٰذا یہاں پر لفظ ثُمَّ سے ترتیب میں تاخیر مراد نہیں بلکہ صرف بیان میں تاخیر مراد ہے۔ کہ پہلے کچھ اور بیان کیا جا چکا ہے اور اس کے بعد تورات کی بات کی جا رہی ہے۔ چنانچہ بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس عبارت کا تعلق گذشتہ سے پیوستہ درس والی آیت "قُلْ تَعَالَوْا" سے ہے۔ وہاں بیان یہ تھا کہ آؤ میں تمہیں پڑھ کر سناؤں وہ چیزیں جو اللہ نے تم پر حرام کی ہیں اور اب اسی پر عطف کر کے بیان کیا جا رہا ہے کہ پھر ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی۔
امام ابن جریرؒ اور بعض دوسرے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ اس آیت کی ابتداء میں الفاظ قُلْ لَّهُمْ محذوف ہیں اور پورا مطلب یوں ہے کہ اے پیغمبر! آپ ہماری طرف سے خبر دیتے ہوئے لوگوں سے کہ دیں کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا کی۔ مفسرین کرام یہ بھی فرماتے ہیں کہ اس آیت سے پہلے توحید، ردِ شرک اور محرمات کا بیان تھا اور سورۃ کے آخر میں بھی توحید ہی کا بیان اور ملت ابراہیمی کا خلاصہ آرہا ہے، تو یہاں درمیان میں نبوت اور رسالت کی بات ہے۔ تو مطلب یہ ہے کہ جس طرح توحید اور شرک کا بیان سنا اسی طرح رسالت کی بات بھی سن لو، چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی بات کی جا رہی ہے۔

نبوت اور کتاب

مشرکین حضور علیہ السلام کی نبوت کا بھی انکار کرتے تھے اور آپ پر نازل ہونے والی کتاب، قرآن پاک کو بھی تسلیم نہیں کرتے تھے، تو یہاں پر اللہ تعالیٰ

نے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور اُن کی کتاب تورات کا ذکر دلیل کے طور پہ کیا ہے۔ مقصد یہ ہے کہ حضور خاتم النبیین علیہ السلام کا دعویٰ نبوت و رسالت کوئی انوکھی اور عجیب بات تو نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ پہلے بھی رسول بھیجتا رہا ہے اور اُن پہ کتابیں بھی نازل ہوئیں ہیں۔ لہٰذا حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نزولِ قرآن کا کیوں انکار کرتے ہو۔ بہر حال یہاں پہ —— اللہ تعالیٰ نے نبوت کے انکار کے جواب میں نبوتِ موسیٰ علیہ السلام کا ذکر کیا ہے اور کتاب کے انکار کے جواب میں تورات کی بات کی ہے۔ اسکے علاوہ دوسری بات یہی ہے گذشتہ آیات میں اللہ تعالیٰ نے ملتِ ابراہیمی کے جو دس اصول بیان فرمائے ہیں، اُن پر قرآنِ حکیم اور تورات دونوں کتابیں متفق ہیں، چنانچہ یہاں پہ اللہ تعالےٰ نے حضور علیہ السلام کی رسالت کی دلیل کے طور پہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا تذکرہ کیا ہے فرمایا، آپ ہماری طرف سے کہہ دیں کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو تورات عنایت کی۔ قرآن پاک اور تورات دونوں آسمانی کتابیں ہیں، قرآنِ کریم کی طرح تورات بھی اپنے زمانے کی عظیم کتاب تھی۔ ایک مقام پہ اللہ نے فرمایا "فَأْتُوا بِكِتَابٍ مِّنْ عِندِ اللَّهِ هُوَ أَهْدَىٰ مِنْهُمَا" (القصص) اگر تمہیں ہماری یہ کتاب منظور نہیں ہے تو پھر کوئی اور کتاب لے آؤ جو ان دونوں یعنی قرآن اور تورات سے زیادہ راہنمائی کر سکے۔ یاد رہے کہ موجودہ تورات اپنی اصل حالت پہ قائم نہیں رہی۔ اس میں بہت سا تغیر و تبدل ہو چکا ہے۔ اس وقت جو کتاب بائبل کے نام سے موسوم ہے اس کے پہلے پانچ باب تورات ہی کا حصہ ہیں اس کے علاوہ بائبل میں مزید ۳۹ صحیفے شامل کیے گئے ہیں اور آخر میں چاروں انجیلیں ہیں۔ غرضیکہ تورات اپنے زمانے میں جامعیت کے اعتبار سے ایک عظیم کتاب تھی۔ باقی صحائف اتنی جامعیت کے حامل نہیں ہیں بلکہ تورات ایک مکمل قانون کی کتاب تھی۔ جس طرح یہ کتاب اپنے زمانے میں منفرد حیثیت کی حامل تھی اسی طرح موجودہ زمانے میں قرآن حکیم سب سے زیادہ راہنمائی کرنے والی

کتاب ہے، تو فرمایا اگر تم اس کتاب کو نہیں مانتے تو اس سے بہتر کوئی کتاب لے آؤ۔ اِن دونوں کتابوں کا اکٹھا تذکرہ اس لحاظ سے بھی ہے کہ دونوں کے اوصاف مشترک ہیں۔

اتمام نعمت بذریعہ تورات

فرمایا کہ ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو کتاب عطا فرمائی تَمَامًا پورا کرنے کے لیے اپنی نعمت کو عَلَى الَّذِیٓ اَحۡسَنَ اُس شخص پر جس نے بہت اچھا کام کیا۔ اُس شخص سے مراد حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں جنہوں نے تورات کے احکام لوگوں تک پہنچانے کے لیے بڑی محنت اور کوشش کی اس کے علاوہ اَلَّذِیٓ سے مراد ہر وہ شخص بھی ہو سکتا ہے جس نے تورات پر عمل کیا۔ ظاہر ہے کہ جس شخص تک تورات پہنچی پھر اُس نے اُسے تسلیم کیا اور اس کے احکام پر عمل کیا، اُس پر اتمام نعمت ہو گئی۔ اللہ تعالیٰ نے اُس پر اپنی نعمت پوری کر دی کہ اُس نے ہدایت کو پا لیا اتمام نعمت کے سلسلے میں آگے قرآنِ پاک کا ذکر بھی آ رہا ہے۔

فرمایا تورات کا نزول ایک تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اتمامِ نعمت ہے اور دوسرا وَتَفۡصِيۡلًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ اس میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ ہر چیز سے مراد لکل ما یحتاج الیہ فی امور الدین ہے یعنی دین کے معاملہ میں جن چیزوں کی احتیاج ہوتی ہے وہ سب اس میں آ گئی ہیں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ کُلِّ شَیۡءٍ سے ہر جزوی چیز مراد نہیں بلکہ دین کے قواعد، کلیات، اصول، ضوابط وغیرہ مراد ہیں جو سب کے سب شامل ہیں۔ دین کے معاملے میں جن چیزوں کو انسان کی عقل و حواس ادراک کرنے سے قاصر ہے جیسے ثواب، عذاب، جنت، دوزخ، جائز ناجائز خدا کی مرضیات اور نامرضیات وغیرہ، ایسی چیزوں کو وحی الٰہی کے ذریعے ہی سمجھا جا سکتا ہے اور یہ تمام تفصیلات کتاب الٰہی میں پائی جاتی ہیں۔ اسی لیے فرمایا کہ تورات میں ہر چیز کی تفصیل موجود ہے اس معاملہ میں حضور نبی کریم علیہ السلام نے بھی فرمایا ہے کہ دنیا کے معاملات میں تو ہو سکتا ہے کہ بعض معاملات کو بعض لوگ زیادہ

بہتر جانتے ہوں مگر جب میں کوئی بات وحی الٰہی کے حوالہ سے کہتا ہوں تو وہ غلطی اور شک وشبہ سے پاک ہوتی ہے مقصد یہ ہے کہ کتاب الٰہی میں جن تفصیلات کا دعویٰ کیا گیا ہے وہ ایسی چیزیں ہیں جن کا ادراک وحی الٰہی کے بغیر نہیں ہوسکتا۔

تورات منبع ہدایت و رحمت

فرمایا وَهُدًى وَّرَحْمَةً تورات میں ہدایت اور رحمت بھی موجود ہے ہدایت سے مراد راہنمائی ہے جس کا انسان سب سے زیادہ محتاج ہے۔ اسی لیے ہمیشہ رب العزت سے دعا کی جاتی ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ اے اللہ! ہماری سیدھے راستے کی طرف راہنمائی فرما۔ دنیا کی زندگی میں انسان کو قدم قدم پر راہنمائی کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توحید پر پختگی، نیک امور کی انجام دہی، برائی سے پرہیز، آخرت کی فکر اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کے سلسلے میں انسان ہمیشہ ہدایت کا محتاج ہے اور یہ راہنمائی اُسے کتاب الٰہی سے ہی حاصل ہو سکتی ہے، اسی لیے تورات کو ہدایت کے نام سے تعبیر کیا گیا ہے۔

تورات کو رحمت کا لقب بھی دیا گیا ہے۔ اور یہ کسی عمل کے نتیجہ میں آتی ہے۔ جب انسان اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ ہدایت کو اختیار کرتا ہے اور اس کے بھیجنے والے پر صدقِ دل سے اعتقاد رکھتا ہے اور پھر اس میں دیے گئے احکام پر عمل پیرا ہوتا ہے تو اس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت شامل حال ہوتی ہے۔

فرمایا نزول ہدایت و رحمت کا مقصد یہ ہے لَعَلَّهُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ يُؤْمِنُوْنَ تاکہ یہ لوگ اپنے رب کی ملاقات پر یقین رکھیں۔ جب کتاب الٰہی کو پڑھیں گے اُن کے لیے ہدایت کا راستہ واضح ہوگا تو انہیں یقین آجائے گا کہ ایک دن انہیں اپنے رب کی بارگاہ میں پیش ہو کر اس دنیا کی زندگی کا حساب بھی پیش کرنا ہے۔ جب کسی انسان کا عقیدہ آخرت پر مضبوط ہو جاتا ہے تو پھر وہ برائیوں سے رُک کر نیکی کی طرف مائل ہو جاتا ہے اور جب یہی عقیدہ کمزور پڑ جاتا ہے تو پھر اُسے کسی قسم کی برائی کرنے میں کوئی ہچکچاہٹ محسوس نہیں ہوتی۔

وہ شتر بے مہار ہو کر جہاں چاہے چلا جاتا ہے۔ اور آخرت کی دائمی زندگی کو عذاب میں مبتلا کر لیتا ہے۔ مقصد یہ کہ بُرائی سے بچنے کے لیے آخرت پر ایمان لانا ضروری ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے متقین کی صفات بیان کرتے ہوئے یہ بھی فرمایا ہے وَبِالْاٰخِرَةِ هُمْ یُوْقِنُوْنَ (البقرہ) وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔

مبارک کتاب قرآن پاک

تورات کا تعارف کرانے کے بعد اب اللہ تعالیٰ نے اپنی آخری کتاب قرآن حکیم کا تذکرہ فرمایا ہے وَھٰذَا کِتٰبٌ اور یہ کتاب بھی، جبکہ یہ بھی ایک سورۃ ہے۔ اس کی کل ۱۱۴ سورتیں ہیں اور ہر سورۃ ایک صحیفہ ہے۔ اَنْزَلْنٰهُ اس کو بھی ہم نے نازل کیا ہے۔ یہ بھی ایک عظیم کتاب ہے۔ اپنے حجم کے اعتبار سے تو یہ چھوٹی ہے مگر جامعیت کے اعتبار سے اس سے عظیم کوئی کتاب دنیا میں موجود نہیں۔ تمام تر اختصار کے باوجود اس کتاب میں علم و عرفان کا وہ خزانہ موجود ہے جس پر انسانیت ابد الآباد پر حاوی نہیں ہو سکتی۔ اور یہ ایسی کتاب ہے جسے بتدریج نازل کیا گیا اور پوری کتاب تئیس ۲۳ برس میں مکمل ہوئی۔ برخلاف اس کے تورات کو یکبارگی عطا کیا گیا۔ اس لیے اس کے متعلق فرمایا "ثُمَّ اٰتَیْنَا" پھر ہم نے عطا کی لکھی لکھائی پوری کتاب، مگر قرآن حکیم کے متعلق فرمایا اَنْزَلْنٰهُ ہم نے اُسے نازل فرمایا یعنی تھوڑا تھوڑا کر کے بتدریج اپنے آخری نبی پر نازل فرمایا سورۃ بنی اسرائیل میں ہے "وَبِالْحَقِّ اَنْزَلْنٰهُ" ہم نے اسے حق کے ساتھ نازل فرمایا۔ یہ بھی خدا کا کلام اور وحی الٰہی ہے۔ تورات کی طرح یہ بھی چشمہ ہدایت ہے اور جس رسول پر اس کا نزول ہوا ہے، وہ تمام رسولوں میں خدا کا آخری اور برگزیدہ رسول ہے۔

فرمایا اللہ کی اس آخری کتاب کی ایک صفت مُبٰرَکٌ ہے۔ یہ ہر لحاظ سے بابرکت اور مقدس کتاب ہے۔ برکت کا معنی ہوتا ہے مقدس زیادتی۔ ہر زیادتی کو برکت سے تعبیر نہیں کر سکتے بلکہ برکت اس زیادتی کو کہتے ہیں جس میں خدا تعالےٰ کی طرف سے خیر و خوبی شامل ہو۔ امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ برکت ذات باری تعالیٰ

کے ساتھ مختص ہے۔ اور برکت کو نازل کرنے والا صرف خدا تعالیٰ ہے جس کا کوئی شریک نہیں۔ بہرحال فرمایا کہ یہ قرآن پاک ایک بابرکت کتاب ہے۔

اتباعِ قرآن

جب یہ بات واضح ہوگئی کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کردہ بابرکت ہے تو حکم ہوا فَاتَّبِعُوْهُ اب اس کا اتباع کرو۔ اِس میں موجود تمام احکام کو بسر وچشم تسلیم کرو اور اُن پر عمل پیرا ہو جاؤ۔ اس میں مندرج فرائض سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہے۔ بعض نوافل اور مباحات ہیں، بعض اس سے کم درجے کی مکروہات بھی ہیں۔ یہ تمام کی تمام واجب التعمیل ہیں، البتہ فرائض کو اولیت دو، فرض، واجب اور ارکان پر عمل لازم ہے۔ فقہاء و محدثین نے مثال کے طور پر وضاحت کی ہے کہ نماز میں فرض، واجب، سنن، مستحب، مباح، نوافل وغیرہ سب آتے ہیں۔ ہر ایک کے درجے کو پہچاننا اور اُس پر عمل کرنا ضروری ہے اگر فرض ترک ہو جائے تو نماز نہیں ہوتی۔ واجب رہ جائے تو سجدہ سہو سے تلافی ہو جاتی ہے۔ سنت ترک ہو جائے تو نماز ناقص رہتی ہے اور کوئی مباح یا مستحب چھوٹ جائے تو نماز میں کوئی حرج واقع نہیں ہوتا۔ بہرحال فرمایا کہ قرآن پاک کے ہر حکم پر عمل کرو وَاتَّقُوْا اور ڈرتے رہو اور بُرائی سے بچتے رہو۔ کفر، شرک اور بدعت کے قریب نہ جاؤ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ تاکہ تم پر رحم کیا جائے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کا یہی ذریعہ ہے کہ اس بابرکت کتاب کا اتباع کیا جائے، اُس کے احکام کی خلاف ورزی سے ہمیشہ ڈرتے رہنا چاہیئے۔ یہ دونوں کتابوں یعنی تورات اور قرآن پاک کی پوزیشن واضح ہوگئی اور اِن کتابوں میں موجود متفق علیہ چیزوں کا ذکر بھی ہو گیا۔

نزولِ قرآن کی وجوہات

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کے نزول کی دو وجوہات بیان فرمائی ہیں پہلی وجہ یہ ہے اَنْ تَقُوْلُوْا اے مشرکین عرب! تم یہ نہ کہہ سکو اِنَّمَآ اُنْزِلَ الْكِتٰبُ عَلٰى طَآئِفَتَيْنِ مِنْ قَبْلِنَا کہ ہم سے پہلے دو گروہوں پر کتاب اتاری گئی اور یہ گروہ یہود اور نصاریٰ ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے بالترتیب تورات اور انجیل نازل فرمائی۔ یہ دونوں گروہ اہل کتاب کہلاتے ہیں اور مشرکین اِن

سے بخوبی واقف تھے امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ مجوسیوں کو اہل کتاب میں شامل نہیں کیا گیا، کیونکہ وہ خالصتاً مشرک تھے۔ اسی لیے حضور علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ مجوسیوں سے فدیہ لے لو مگر نہ ان کا ذبیحہ کھاؤ اور نہ ان کی عورتوں سے نکاح کرو۔ برخلاف اس کے یہود و نصاریٰ کا ذبیحہ بھی حلال ہے اور ان کی عورتوں سے نکاح بھی جائز ہے۔

فرمایا تم پر یہ کتاب اس وجہ سے اتاری ہے کہ تم یہ نہ کہہ سکو کہ ہم سے پہلے دو گروہوں پر تو کتابیں نازل ہوئیں وَاِنْ كُنَّا عَنْ دِرَاسَتِهِمْ لَغٰفِلِيْنَ اور ہم ان کے پڑھنے پڑھانے سے بے خبر ہے یعنی ہم تو ان کتابوں کو پڑھ ہی نہیں سکے کیونکہ تورات عبرانی زبان میں تھی جب کہ انجیل سریانی زبان میں اور ہماری زبان عربی ہے لہٰذا ہم ان سے کوئی استفادہ حاصل نہیں کر سکے۔ سابقہ کتب عربوں تک نہ پہنچنے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ان کتب کے حاملین نے انہیں آگے پہنچانے کا فریضہ بھی ادا نہیں کیا، لہٰذا ہم تک ان کتابوں کے مضامین نہیں پہنچ پائے۔ اور ہم ان کو پہچاننے اور ان پر عمل کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ چنانچہ اب اللہ تعالیٰ نے یہ قرآنِ کریم خود عربی زبان میں نازل فرما کر تمہارے مذکورہ عذر کو رفع کر دیا ہے اب تم یہ عذرِ لنگ پیش نہیں کر سکتے کہ اللہ کے احکام تم تک نہیں پہنچ سکے۔

نزولِ قرآن کی دوسری وجہ اللہ نے یہ بیان فرمائی اَوْ تَقُوْلُوْا لَوْ اَنَّآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْكِتٰبُ یا کل کو تم یہ نہ کہ سکو کہ اگر ہم پر کتاب اتاری جاتی لَكُنَّآ اَهْدٰى مِنْهُمْ تو ہم یہود و نصاریٰ سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے۔ عرب کے لوگ اہل کتاب سے زیادہ ذہین تھے اور انہیں یقین تھا کہ اگر ان کی طرف کوئی آسمانی کتاب آتی تو وہ اہل کتاب کی نسبت زیادہ ہدایت یافتہ ثابت ہوتے۔ نفسیات اور قوموں کے محققین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ عرب کے لکھنے پڑھنے سے عاجز لوگ بلا کی ذہانت کے حامل تھے۔ عموماً

ان پڑھ ہونے کے باوجود اُن کی قوت حافظہ بہت تیز تھی۔ ان میں بڑے بڑے ادیب اور شعراء تھے جنہیں اپنے کلام پر عبور حاصل تھا۔ لہٰذا ان کا یہ دعویٰ معقول تھا کہ اگر اُن کے پاس کتاب آتی تو وہ اس سے بہتر طور پر مستفید ہوتے۔ اُس زمانے میں یہود و نصاریٰ ہی پڑھے لکھے لوگ تھے اور اُن کے مقابلے میں عرب لوگ اُمّی کہلاتے تھے۔ باقی دنیا بھی جہالت کے اندھیروں میں غرق تھی، تہذیب نام کی چیز نہ ترکوں میں تھی اور نہ ہندوستان والوں کے پاس۔ یورپی قوموں کی پسماندگی کا حال یہ تھا کہ انہیں لباس پہننا بھی نہیں آتا تھا بلکہ اپنی پشتوں پر چمڑا باندھا کرتے تھے۔ تو اس زمانے میں بھی عربوں کی ذہانت قابل داد تھی اور ان کا یہ دعویٰ معقول تھا کہ اگر اُن کے پاس کتاب آتی تو وہ اس کے بہتر عامل ثابت ہوتے۔ بہرحال اللہ نے فرمایا کہ قرآن کریم نازل کرنے کی دوسری وجہ یہ ہے کہ عرب کے لوگوں کا مذکورہ اعتراض رفع ہو جائے۔

قرآن منبع ہدایت و رحمت

فرمایا اے مشرکین عرب! تمہارے اِن اعتراضات کی پیش بندی کے طور پر فَقَدْ جَآءَكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس اب کھلی دلیل آچکی ہے۔ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ تورات کی طرح یہ کتاب بھی ہدایت اور رحمت کا چشمہ ہے، اس کتاب کو اللہ نے "هُدًى لِّلْعٰلَمِيْنَ" فرمایا ہے اور اس کی تشریح کرنے والے کو رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِيْنَ کا لقب دیا ہے یہ اپنے مخاطبین کے لیے منبع ہدایت ہے اور پھر اس پر عمل کرنے والوں کے لیے چشمۂ رحمت بھی ہے۔ جو اس پر عمل کرے گا وہ اللہ کی رحمت کے مقام جنت میں داخل ہو گا۔ اس پر ایمان رکھنے والوں پر اللہ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے حتیٰ کہ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے کہ جو لوگ بیٹھ کر اللہ کا ذکر کرتے ہیں یا کتاب الٰہی کی تلاوت کرتے ہیں اُن کو فرشتے ہر طرف سے گھیر لیتے ہیں، آسمان تک فرشتوں کا ہجوم ہوتا ہے اور خدا تعالیٰ کی رحمتوں کا نزول ہوتا ہے۔

کلام مکمل ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ اس شخص سے بڑا ظالم کون ہے جو اللہ تعالیٰ کی آیات کی تکذیب کرتا ہے۔ وَصَدَفَ عَنْهَا اور قرآن کریم سے اعراض کرتا ہے جو شخص ان خوبیوں کی حامل کتاب سے روگردانی کرتا ہے وہ بدبخت ہی ہو سکتا ہے۔ فرمایا حقیقت واضح ہو جانے کے بعد جو لوگ اس سے اعراض کریں گے۔ سَنَجْزِى الَّذِيْنَ يَصْدِفُوْنَ عَنْ اٰيٰتِنَا سُوْٓءَ الْعَذَابِ ہم انہیں سخت عذاب میں مبتلا کریں گے۔ وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ کتاب نازل فرما کر منکرین کے ہر ممکنہ اعتراض کو رفع کر دیا ہے اور اب عذر کرنے کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہی، لہذا اب جو لوگ اعراض کریں گے وہ سخت سزا کے مستحق ہوں گے بِمَا كَانُوْا يَصْدِفُوْنَ اس وجہ سے کہ وہ ہماری کتاب اور آیات سے روگردانی کرتے تھے۔ انہوں نے واضح ہدایت آجانے کے باوجود اس کو تسلیم کرنے سے انکار کر دیا، اب ان کا بدلہ یہی ہے کہ وہ ہمارے سخت ترین عذاب کا مزہ چکھیں۔

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ تَاْتِيَهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ يَاْتِيَ رَبُّكَ اَوْ يَاْتِيَ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ ۭ يَوْمَ يَاْتِيْ بَعْضُ اٰيٰتِ رَبِّكَ لَا يَنْفَعُ نَفْسًا اِيْمَانُهَا لَمْ تَكُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ اَوْ كَسَبَتْ فِيْٓ اِيْمَانِهَا خَيْرًا ۭ قُلِ انْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ ﴿۱۵۸﴾

ترجمہ :- نہیں انتظار کرتے یہ لوگ مگر اس بات کا کہ آجائیں اُن کے پاس فرشتے یا آجائے (اُن کے پاس) تیرا رب یا آجائیں تیرے پروردگار کی بعض نشانیاں جس دِن آئیں گی تیرے رب کی بعض نشانیاں تو نہیں فائدہ دے گا کسی نفس کو اُس کا ایمان جو کہ پہلے ایمان نہیں لایا تھا ۔ یا اُس نے اپنے ایمان میں کوئی نیکی نہیں کمائی تھی ۔ اے پیغمبر ! آپ کہہ دیجئے ، انتظار کرو ، بیشک ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں ﴿۱۵۸﴾

ربط آیات

شرک ، مشرکین اور شرکیہ رسوم کا ذِکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ نے کھانے پینے سے متعلق حرام اشیاء کی وضاحت فرمائی ، پھر مشرکین کی خود ساختہ محرمات از قسم نذر لغیر اللہ کی تردید فرمائی ۔ پھر ملّتِ حنیفی کی ناجائز باتوں کا تفصیل کے ساتھ ذِکر کیا ۔ پھر تورات کا بیان آیا اور آخر میں قرآن حکیم کا تذکرہ بطور بابرکت کتاب کے کیا ۔ نیز اس کا اتباع کرنے کا حکم دیا اور خدا تعالیٰ سے ڈرتے

رہنے کی نصیحت کی تاکہ اللہ تعالیٰ کی مہربانی تمہارے شامل حال ہو جائے خداوند تعالیٰ نے اس آخری کتاب کو نازل کرنے کی وجہ بھی بیان فرما دی تاکہ مشرک لوگ یہ نہ کہہ سکیں کہ ہم سے پہلے یہود و نصاریٰ کو کتابیں ملیں مگر ہمارے پاس کوئی کتاب نہیں آئی اور یہ کہ اگر ہمارے پاس بھی کوئی کتاب آتی تو ہم یہود و نصاریٰ سے زیادہ ہدایت یافتہ ہوتے کیونکہ اُن کی نسبت ہمارے اذہان بہتر ہیں۔ اللہ نے اپنی آخری کتاب قرآنِ کریم نازل فرما کر مشرکین کے تمام عذر رفع کر دیے اور فرمایا کہ اب جو بھی اس کتاب کو تسلیم کرنے سے اعراض کریگا، وہ خدا تعالیٰ کے شدید عذاب کا شکار ہو کر رہیگا۔ جب اللہ تعالیٰ نے انسان کی ہدایت کے لیے تمام ظاہری اور باطنی اسباب مہیا کر دیے۔ حواس ظاہرہ عطا کرنے کے علاوہ وقتاً فوقتاً اپنے رسول اور کتابیں بھیجیں اور پھر آخری رسول اور آخری کتاب نازل فرما کر اپنی نعمت کو تمام کر دیا، تو فرمایا اب ہدایت کی قبولیت کے لیے مزید کس چیز کا انتظار کر رہے ہو۔ سورۃ مرسلات میں اسی چیز کو یوں بیان فرمایا ہے۔ "فَبِاَیِّ حَدِیْثٍۭ بَعْدَهٗ یُؤْمِنُوْنَ" اِن تمام ذرائع کے بعد اور اللہ کے رسول اور آخری کتاب کی آمد کے بعد تم کس کتاب، رسول اور شریعت پہ ایمان لاؤ گے۔ اب تو نوع انسانی کی ہدایت کا سلسلہ مکمل ہو چکا ہے۔ اگر اب بھی ایمان نہیں لاتے تو پھر باقی کون سی چیز آنے والی ہے جس کا انتظار کر رہے ہو کہ وہ آئیگی تو ایمان لائیں گے

فرشتوں کا انتظار

ارشاد ہوتا ہے هَلْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّاۤ اَنْ تَاْتِیَهُمُ الْمَلٰٓىِٕكَةُ یہ لوگ نہیں انتظار کرتے مگر اس بات کا کہ اُن کے پاس فرشتے آئیں۔ اِن لوگوں کو علم ہونا چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ کے فرشتے دو مقاصد کے لیے آتے ہیں۔ پہلا مقصد یہ ہے کہ جب کوئی انسان اس دنیا کی زندگی پوری کر لیتا ہے تو فرشتے اُس کی جان قبض کرنے کے لیے آتے ہیں تو کیا یہ لوگ اپنی موت کا انتظار کر رہے ہیں کہ وہ وقت قریب آئے تو فرشتے ان کے پاس جان کنی کے لیے آئیں۔ پہلے اسی سورۃ میں گزر چکا ہے اور آگے بھی

آئے گا کہ انسان کی روح قبض کرنے کے لیے اللہ کے فرشتے آتے ہیں۔ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ مشرکین موت کے منتظر ہیں۔

فرشتوں کے نزول کا دوسرا مقصد بعد از مرگ انسان کا محاسبہ ہوتا ہے۔ چنانچہ یہ محاسبہ اولاً عالمِ برزخ میں ہوتا ہے جب فرشتے حاضر ہو کر مرنے والے کے ساتھ قبر میں سوال وجواب کرتے ہیں اور بعض کو سزا اور بعض کو راحت پہنچاتے ہیں۔ پھر ایک آخری محاسبہ حشر کے دن بھی ہوتا ہے۔ وہاں بھی فرشتے حاضر ہو کر اللہ کے حکم کے مطابق اپنا اپنا فرض ادا کریں گے۔ قرآن میں اس کی وضاحت موجود ہے کہ فرشتے آئیں گے اور محاسبے کی منزل شروع ہوگی۔ اس حقیقت کی روشنی میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر مشرک لوگ آج ایمان نہیں لاتے، ہدایت کے جملہ وسائل سے استفادہ حاصل نہیں کرتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اب وہ قیامت کے منتظر ہیں کہ قیامت آئے تو فرشتے بھی آئیں۔ کیا فرشتوں کے آنے کا یہ مطلب ہے؟

خدا تعالےٰ کا انتظار

فرمایا کیا ان کا یہ مقصد ہے اَوْ يَأْتِيَ رَبُّكَ یا تیرا پروردگار خود آجائے، تب یہ ایمان لائیں گے۔ اللہ تعالیٰ کو تو انسانی جسم پر محمول (یا قیاس) نہیں کیا جاسکتا۔ انسان ایک خاص شکل وصورت اور اعضاء رکھتا ہے اور ایک مقام سے حرکت کر کے دوسری جگہ آتا جاتا ہے۔ کیا یہ بیوقوف خدا تعالیٰ میں ایسی ہی صفات تلاش کرتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ خود چل کر ان کے پاس آجائے۔ اللہ تعالیٰ تو اس طرح حرکت نہیں کرتا۔ اس کا ظہور تو بذریعہ تجلی ہوگا۔ وہ اپنی جگہ پر قائم ہے، اس پر تغیر وتبدل طاری نہیں ہوتا۔ البتہ ایک وقت آئے گا۔ جب وہ تجلی فرمائیگا، اس کے بعد احکام نازل ہوں گے اور تمام حالات تبدیل ہوجائیں گے۔ ایسی باتوں کا ذکر تو کیا جاسکتا ہے مگر خدا تعالیٰ کے چل کر آنے کا تصور نہیں کیا جاسکتا۔ فرشتوں کے نزول کا تذکرہ سورۃ فرقان میں بھی ہے "وَيَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزِّلَ الْمَلٰٓئِكَةُ تَنْزِيلًا" جس دن آسمان بادل کے ساتھ پھٹ جائیگا اور پھر فرشتے نازل ہوں گے۔

مگر اللہ تعالیٰ کا ظہور خاص قسم کی تجلی کی صورت میں ہوگا، اللہ تعالیٰ نزولِ اجلال فرمائے گا اور کائنات کے درمیان فیصلے فرمائے گا۔ مگر یہ سب کچھ قیامت والے دن ہوگا۔ تو کیا یہ لوگ اس دن کا انتظار کر رہے ہیں؟

نشاناتِ قیامت کا انتظار

فرمایا اِن لوگوں کو ایک اور چیز کا انتظار بھی ہو سکتا ہے اَوۡ یَاۡتِیَ بَعۡضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ یا یہ تمہارے رب کی نشانیوں کے انتظار میں ہیں۔ کہ جب وہ آئیں گی تو پھر ایمان لائیں گے۔ اگر نشانیوں سے مراد مطلق معجزات ہیں تو وہ بہت سے ظاہر ہو چکے ہیں جنہیں دیکھ کر اِن کو ایمان نصیب نہیں ہوا۔ اور اگر آیات سے مراد اللہ تعالیٰ کی وحدانیت اور قدرت کے دلائل ہیں تو وہ اللہ نے جگہ جگہ پھیلا رکھے ہیں جیسے سورۃ بقرہ میں موجود ہے کہ "اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ" ..... الخ یعنی آسمان و زمین کی تخلیق، رات دن کے اختلاف، سمندر میں چلنے والی کشتی، آسمان سے نازل ہونیوالا پانی، ہواؤں کی اڑان اور زمین و آسمان کے درمیان بادلوں کی تسخیر صاحبِ عقل لوگوں کے لیے نشانیاں ہیں۔ مگر یہ لوگ انہیں دیکھ کر بھی ایمان نہیں لائے۔ اب باقی تو قیامت کی بڑی بڑی نشانیاں رہ گئی ہیں جو وقوعِ قیامت سے قبل ظاہر ہوں گی۔ مگر جب یہ نشانیاں ظاہر ہونگی تو اُس وقت کا ایمان لانا کچھ فائدہ نہیں دے گا۔

حدیث کی اکثر کُتب مشمولہ صحاح ستہ میں قیامت کی دس بڑی بڑی نشانیوں کا ذکر موجود ہے۔ جن میں سے ایک عظیم نشانی یہ ہے کہ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔ ایک موقع پر جب سورج غروب ہو رہا تھا تو حضور علیہ السلام نے حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ سے فرمایا، کیا تم جانتے ہو کہ یہ سورج کہاں جاتا ہے عرض کیا حضور! اللہ اور اس کا رسُول ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ نے فرمایا کہ سورج ہر روز یہاں سے جا کر عرشِ الٰہی کے نیچے سجدہ کرتا ہے اور پھر اُسے اپنی رفتار جاری رکھنے کی اجازت ملتی ہے اور وہ حسبِ معمول اپنا سفر جاری کر دیتا ہے۔ فرمایا ایک دن ایسا آئے گا کہ جب سورج سجدہ کے لیے

حاضر ہوگا تو اللہ تعالیٰ کا حکم ہوگا کہ اپنی حرکت الٹ دو چنانچہ سورج مشرق کی بجائے مغرب سے طلوع ہوگا۔ لوگ یہ عظیم نشانی دیکھ کر گھبرا اٹھیں گے اور سب لوگ ایمان لانے کی کوشش کریں گے۔ حدیث کے الفاظ امن الناس کلھم اجمعون سارے کے سارے لوگ ایمان لے آئیں گے مگر اُس دن کسی کا ایمان قبول نہیں ہوگا۔

بخاری شریف میں ہے کہ سورج کا مغرب سے طلوع اور دابۃ الارض کا ظہور قیامت کی دس نشانیوں میں سے ہے۔ اس کے علاوہ مسیح علیہ السلام کا نزول اور دجال کا خروج بھی انہی نشانیوں میں سے ہے۔ پھر تین قسم کے بڑے بڑے خسف واقع ہوں گے، یعنی لوگ زمین میں دھنسا دیے جائیں گے۔ ان میں سے ایک واقعہ مشرق میں، ایک مغرب میں اور ایک جزیرۃ العرب میں ہوگا۔ ایک نشانی یہ بھی ہے کہ عدن کے کنارے سے بڑی لمبی چوڑی آگ نکلے گی، جو لوگوں کو ہانک کر شام کی طرف لے جائیگی۔ یہ آگ دوپہر کے وقت رک جائیگی اور لوگ آرام کر لیں گے۔ اس کے بعد آگ پھر چل پڑے گی اور لوگ اس کے آگے آگے بھاگ رہے ہوں گے بعض روایات میں یہ بھی آتا ہے کہ سورج کا مغرب سے طلوع اور دجال کا خروج ایک دن یکے بعد دیگرے واقع ہوں گے

ایک روایت میں یوں ہے کہ مغرب کی جانب توبہ کا ایک دروازہ ہے التوبۃ معروضۃ یہ دروازہ انسان کے لیے ہر وقت کھلا ہے تاکہ وہ توبہ کر کے اپنے گناہوں کی معافی مانگ لے۔ لیکن ایک دن ایسا آئے گا، جب یہ دروازہ بند ہو جائے گا اور اس کے بعد کسی کی توبہ قبول نہیں ہوگی۔ اُس وقت پوری کائنات پر بحیثیت مجموعی جان کنی کی حالت طاری ہو گی۔ حضور علیہ السلام کا فرمان ہے توبۃ العبد مالم یغرغر انسان کی توبہ اس وقت تک قبول ہوتی ہے جب تک کہ غرغرہ نہ طاری ہو جائے جب جان سینے سے نکلنے لگتی ہے اور فرشتے نظر آجاتے ہیں غیب

کا پردہ اٹھ جاتا ہے، تو کسی فرد کی توبہ ایسے وقت میں قبول نہیں ہوتی۔ اسی طرح جب پوری کائنات پر بوجہ قیامت ایسی حالت طاری ہو جائیگی تو اسوقت بھی کسی کی توبہ قابل قبول نہ ہوگی یَوْمَ یَاْتِیْ بَعْضُ اٰیٰتِ رَبِّکَ جس دن آئیں گی تیرے رب کی بعض نشانیاں۔

ایمان قبول نہیں ہوگا

فرمایا جب قیامت کی نشانیاں ظاہر ہو جائیں گی لَا یَنْفَعُ نَفْسًا اِیْمَانُھَا اُس وقت کسی نفس کا ایمان لانا مفید نہیں ہوگا کیونکہ یہ اضطراری حالت کا ایمان ہوگا، جب کہ قابلِ قبول ایمان وہ ہے جو اپنے ارادے اور مشیت سے از خود اختیار کیا جائے فرمایا ایسا ایمان قابلِ قبول نہیں ہوگا لَمْ تَکُنْ اٰمَنَتْ مِنْ قَبْلُ جو نشانیاں ظاہر ہونے سے پہلے پہلے اختیار نہ کیا گیا ہو۔ جب نشانیاں ظاہر ہو جائینگی تو پھر ایمان لانے کا وقت گزر چکا ہوگا۔ سورۃ یونس میں موجود ہے کہ غرقابی کے وقت تو فرعون نے بھی کہا تھا کہ میں اُس وحدہٗ لاشریک پر ایمان لایا جس پر بنو اسرائیل ایمان لائے ہیں اور اقرار کیا، مگر اللہ نے فرمایا "آٰلْئٰنَ وَقَدْ عَصَیْتَ قَبْلُ وَکُنْتَ مِنَ الْمُفْسِدِیْنَ" اب تیرا ایمان قبول نہیں کیونکہ تو اس سے پہلے نافرمان اور مفسد تھا۔ غرضیکہ قیامت کی نشانیوں کے ظہور کے بعد نہ تو ایمان قبول ہوگا اَوْ کَسَبَتْ فِیْٓ اِیْمَانِھَا خَیْرًا اور نہ ہی کوئی نیکی قبول ہوگی اگر اس نے اُس دِن سے پہلے کوئی نیکی نہیں کمائی یعنی جو شخص دنیا میں ایمان لانے کے باوجود کوئی نیکی کا کام نہیں کر سکا، نشانات قیامت ظاہر ہونے پر اُس سے کوئی نیکی قبول نہیں کی جائیگی۔

بعض جدید روشنی کے لوگ اعتراض کرتے ہیں کہ سورج کا مغرب سے طلوع ہونا طبعی امر کے خلاف معلوم ہوتا ہے۔ اس قسم کے شبہات انگریزی تہذیب کا نتیجہ ہیں۔ وہ لوگ قیامت کی کسی نشانی کو تسلیم نہیں کرتے، نہ دجال نہ مسیح نہ یاجوج ماجوج تو ایسے لوگ سورج کی معکوس حالت پر کیسے یقین کر سکتے ہیں۔ مگر اِن واقعات کی خبر وحی الٰہی کے ذریعے حاصل ہوئی ہے اور قرآن پاک میں تفصیل موجود ہے بعض تفصیلات حضور علیہ السلام کے ارشادات مبارکہ میں ملتی ہیں اور صحیح سند سے ثابت ہیں جن پر اہل ایمان

کا تو بہر صورت ایمان ہے، کوئی دوسرا مانے یا نہ مانے۔ ایمان بالغیب اسی بات کا نام ہے کہ صحیح سند سے پہنچنے والی چیزوں کو تسلیم کر لیا جائے خواہ وہ کسی کی سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں۔ پھر یہ بات بھی ہے۔ کہ موجودہ نظام شمسی اللہ تعالے ہی کا قائم کردہ ہے۔ قرآن پاک میں موجود ہے کہ بالآخر اس نظام کو درہم برہم کر دیا جائے گا۔ سورج اور ستاروں کی روشنی لپیٹ دی جائیگی۔ پورے نظام کو درہم برہم کر کے اس کی جگہ نیا نظام لایا جائے گا۔ اور پھر عالم بالا کے احکام ظاہر ہوں گے۔ تو اللہ تعالی نے فرمایا کہ جس دن تیرے رب کی نشانیاں ظاہر ہوں گی اس دن کسی ایسے نفس کا ایمان لانا کچھ مفید نہیں ہو گا جو پہلے ایمان نہیں لایا تھا۔ یا اس دن کوئی نیکی فائدہ نہیں دیگی جس نے اس سے پہلے ایمان کی حالت میں نیکی نہیں کمائی۔ یہ کفر و شرک کرنے والوں کا شکوہ ہو گیا۔

نتیجے کا انتظار

فرمایا قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیں اِنْتَظِرُوْٓا اِنَّا مُنْتَظِرُوْنَ انتظار کرو اور دیکھو کیا نتیجہ ظاہر ہوتا ہے اور ہم بھی انتظار کرنے والے ہیں۔ جلد ہی پتہ چل جائے گا کہ کس کا مؤقف درست تھا۔ یہود و نصاریٰ بھی انتظار کرتے رہے کہ مسیح علیہ السلام آنے والے ہیں مگر جب وہ آ گئے تو انہوں نے انکار کر دیا۔ اور تسلیم کرنے کی بجائے آپ کو دجال کا لقب دیا۔ پھر دین میں خرابیاں پیدا کرنے لگے۔ آسمانی کتابوں میں تحریف کی اور پورے دین کو بگاڑ کر رکھ دیا۔ پھر جب نبی آخر الزمان کا زمانہ آیا، تو اہل کتاب آپ کے انتظار میں تھے۔ اُن کی کتابوں میں بشارت موجود تھی کہ اللہ کا آخری نبی آنے والا ہے عیسیٰ علیہ السلام نے نام لے کر بتایا تھا "وَمُبَشِّرًا ۢ بِرَسُوْلٍ یَّاْتِیْ مِنْ ۢ بَعْدِی اسْمُهٗٓ اَحْمَدُ" یعنی میرے بعد ایک عظیم الشان رسول آنے والا ہے جس کا نام نامی اور اسم گرامی احمد ہو گا مگر یہ لوگ اپنی ضد اور عناد کی وجہ سے نبی آخر الزمان پر بھی ایمان نہ لائے اور کفر و شرک پر ہی قائم رہے۔ ان کے علاوہ عرب کے لوگ تو ویسے ہی اپنی جہالت کی وجہ سے شرک پر

اڑے رہے اور حقیقت کو تسلیم نہ کیا۔

فرمایا اِن منکرین سے کہ دیں کہ جب تم کسی دلیل کو تسلیم کرنے کے لیے تیار نہیں اور محض ہٹ دھرمی پر قائم ہو تو پھر نتیجے کا انتظار کرو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ظاہر ہونے والا ہے اور یہ نتیجہ دو طرح سے ظاہر ہوگا۔ پہلی دفعہ تو انسان کو اُس وقت پتہ چلتا ہے جب اس کی موت کا وقت آجاتا ہے مَنْ مَّاتَ فَقَدْ قَامَتْ قِيَامَتُهٗ جو مرگیا اس کے لیے تو قیامت برپا ہوگئی اس کے ساتھ عالمِ برزخ کا معاملہ شروع ہو جائے گا۔ اور پھر مجموعی طور پر قیامت کا دِن ایسا ہوگا جب نتیجہ سامنے آئے گا، اور ہر شخص کو اپنے ایمان اور اعمال کا حساب دینا ہوگا۔ فرمایا اُس وقت کا انتظار کرو، ہم بھی منتظر ہیں، پھر پتہ چل جائے گا کہ نتیجہ کس کے حق میں بہتر نکلتا ہے۔

إِنَّ الَّذِينَ فَرَّقُوا دِينَهُمْ وَكَانُوا شِيَعًا لَّسْتَ مِنْهُمْ فِي شَيْءٍ ۚ إِنَّمَا أَمْرُهُمْ إِلَى اللَّهِ ثُمَّ يُنَبِّئُهُم بِمَا كَانُوا يَفْعَلُونَ ﴿١٥٩﴾ مَن جَاءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهُ عَشْرُ أَمْثَالِهَا ۖ وَمَن جَاءَ بِالسَّيِّئَةِ فَلَا يُجْزَىٰ إِلَّا مِثْلَهَا وَهُمْ لَا يُظْلَمُونَ ﴿١٦٠﴾

ترجمہ:- تحقیق وہ لوگ جنہوں نے جدا جدا کیا ہے اپنے دین کو اور وہ مختلف گروہوں میں بٹ گئے ہیں، آپ کو اِن میں سے کسی سے کچھ واسطہ نہیں ہے۔ بیشک اِن کا معاملہ اللہ کے سپرد ہے، پھر وہ اللہ ان کو بتلا دے گا جو کچھ وہ کیا کرتے تھے (۱۵۹) جو شخص لایا ایک نیکی پس اُس کے لیے دس گنا اجر ہے اور جو شخص لاتا ہے برائی، پس نہیں بدلا دیا جاتا مگر اُس کے مثل اور اُن پر ظلم نہیں کیا جائیگا (۱۶۰)

ربط آیات

پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے مشرکین اور اُن کی شرکیہ رسوم کا پورے طریقے پر رد کیا اور پھر صراطِ مستقیم پر چلنے کی ہدایت فرمائی اور اُس کا اتباع کرنے کی ہدایت فرمائی۔ موسیٰ علیہ السلام اور تورات کا تذکرہ کرنے کے بعد حضور علیہ السلام اور قرآنِ پاک کا ذکر کیا اور صراطِ مستقیم پر ایمان نہ لانے والوں کا شکوہ کیا کہ یہ لوگ اب کس چیز کا انتظار کر رہے ہیں۔ کیا یہ موت کا انتظار کر رہے ہیں یا قیامت کی نشانیوں کے ظہور کے منتظر ہیں۔ فرمایا کہ ایسی نشانیاں ظاہر ہونے پر تو ایمان بھی قبول نہیں ہوگا۔ کیونکہ اُس وقت توبہ کا دروازہ بند ہو چکا ہو گا۔ گذشتہ آیات میں زیادہ تر شرک کی تردید تھی اب آج کی آیات میں فرقہ پرستی کی مذمت کی گئی ہے اور اس ضمن میں اہل بدعت کا خاص

طور پر رد ہے۔ اس کے علاوہ نیکی کے کئی گنا اجر و ثواب کا ذکر ہے جب کہ برائی کے بدلے کو برائی کے برابر ہی قرار دیا گیا ہے۔

دین میں فرقہ بندی

ارشاد ہوتا ہے اِنَّ الَّذِيْنَ فَرَّقُوْا دِيْنَهُمْ وَكَانُوْا شِيَعًا وہ لوگ جنہوں نے تفریق ڈالی ہے اپنے دین میں یعنی دین کو ٹکڑے ٹکڑے کر کے مختلف گروہوں میں بٹ گئے ہیں۔ لَسْتَ مِنْهُمْ فِيْ شَيْءٍ نہیں ہیں آپ اُن کے ساتھ کسی معاملہ میں۔ یعنی آپ کا ایسے لوگوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں ہے۔ لہٰذا آپ ان سے بیزاری کا اعلان فرمائیں۔ اس آیت میں جس تفریق سے منع فرمایا گیا ہے اس کی مثال حضور علیہ السلام نے اس حدیث میں بیان فرمائی ہے۔ اَلَا اَنَّ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ اِفْتَرَقَتْ عَلٰى مُوْسٰى بِاِحْدٰى سَبْعِيْنَ فِرْقَةً كُلُّهَا ضَالَّةٌ اِلَّا فِرْقَةً وَّاحِدَةً اَلْاِسْلَامُ وَجَمَاعَتُهُمْ ثُمَّ اِنَّهَا اِفْتَرَقَتْ عَلٰى عِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ بِاثْنَتَيْنِ وَسَبْعِيْنَ فِرْقَةً كُلُّهَا ضَالَّةٌ اِلَّا وَاحِدَةً اَلْاِسْلَامُ وَجَمَاعَتُهُمْ ثُمَّ اِنَّكُمْ تَكُوْنُوْنَ عَلٰى ثَلَاثَةٍ وَّسَبْعِيْنَ فِرْقَةً كُلُّهَا ضَالَّةٌ اِلَّا فِرْقَةً وَّاحِدَةً اَلْاِسْلَامُ وَجَمَاعَتُهُمْ یعنی بنی اسرائیل اکہتر فرقوں میں بٹ گئے، یہ سب کے سب گمراہ ٹھہرے سوائے ایک فرقہ کے جو اسلام پر تھا اور وہ ایک جماعت تھی، پھر عیسیٰ علیہ السلام سے بہتر ۷۲ گروہ علیحدہ ہوئے، وہ بھی سب کے سب گمراہ تھے سوائے ایک گروہ کے جو اسلام پر تھا اور وہ ایک جماعت تھی۔ پھر تم تہتر ۷۳ فرقے بن جاؤ گے تمام گمراہ ہونگے سوائے ایک فرقہ کے جو اسلام پر ہوگا اور اس کی ایک جماعت ہوگی۔ دوسری حدیث میں یہ الفاظ آتے ہیں كُلُّهَا فِي النَّارِ اِلَّا وَاحِدَةً یعنی سب فرقے دوزخی ہوں گے سوائے ایک فرقہ کے۔ صحابہؓ نے عرض کیا وہ ایک ناجی فرقہ کون سا ہوگا، فرمایا مَا اَنَا عَلَيْهِ وَاَصْحَابِيْ

له ترمذی ص ۳۷۹ (فیاض)

جس پر میں اور میرے صحابہ ہیں۔ مفسر قرآن قاضی ثناء اللہ پانی پتیؒ فرماتے ہیں کہ تفریق دین کے سلسلے میں اللہ نے سب کو بیان کر دیا ہے۔ بنی اسرائیل نے تو بلاشبہ دین میں تفریق کی اور الگ الگ فرقوں میں بٹ گئے، مگر اس آخری امت کی فرقہ بندی کا ذکر بھی یہاں اجمالاً کر دیا گیا ہے۔

اختلاف کی دو قسمیں

اس حدیث میں یہود و نصاریٰ کا تذکرہ ہے تاہم آخری امت کے اہل بدعت اور اہل ھویٰ بھی اسی صف میں شامل ہیں۔ جنہوں نے الگ الگ گروہ بنا لیے ہیں وہ یقیناً حق پر نہیں ہیں۔ اس امر کی تفصیل میں حضرت مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں۔ کہ اختلافات دو قسم کے ہیں، ایک عقائد میں اور دوسرا مسائل میں۔ دوسرے لفظوں میں ہم ان کی تقسیم اصول اور فروع میں بھی کر سکتے ہیں۔ اہل بدعت عقائد میں اختلاف کرتے ہیں تاہم انہیں ایمان سے بالکل خارج نہیں کیا جا سکتا۔ ایمان کے باوجود ان میں عقائد کی خرابی پائی جاتی ہے اس کے علاوہ ان کے اعمال میں بھی خرابی ـــــ ہے۔ یہ لوگ عقائد اور اعمال دونوں چیزوں میں خرابی کی بنا پر دوزخ میں جائیں گے۔ البتہ ان میں سے جو لوگ کفر اور شرک میں مبتلا ہو جائیں گے وہ ابدی جہنمی ہیں اور جو اعمال میں کوتاہی کی وجہ سے دوزخ میں جائیں گے۔ انہیں سزا بھگتنے کے بعد نکال لیا جائے گا۔

امام ترمذیؒ نے اپنی کتاب ترمذی شریف[1] میں لکھا ہے کہ تمام اہل حق اس بات پر متفق ہیں کہ اہل توحید کو ہمیشہ جہنم میں نہیں رکھا جائے گا۔ ایمان کے باوجود جن لوگوں کا عقیدہ خراب ہوگا یا جن کے اعمال خراب ہوں گے وہ جہنم میں جائیں گے مگر تزکیہ کے لیے۔ جب وہ اپنے اعمال کی سزا بھگت کر پاک ہو جائیں گے، تو وہاں سے نکال لیے جائیں گے مگر کفر اور شرک کرنے والے کبھی پاک نہیں ہوں گے لہٰذا وہ ابدی طور پر جہنم میں ہی رہیں گے۔ ان سب کو ان کی خطاؤں نے احاطہ کیا ہوا ہے۔

شاہ عبدالقادر محدث دہلویؒ بھی فرماتے ہیں کہ اختلاف دو قسم سے ہے

[1] ترمذی ص ۳۷۸ (فیاض)

ان میں ایک اصول اور دوسری فرع ہے۔ اصول میں وہ باتیں آتی ہیں جن پر ایمان لانا ضروری ہے اور ایمان اسی طرح لانا چاہیئے جس طرح اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے حکم دیا ہے۔ صحابہ کرامؓ اور سلف اس ایمان کا نمونہ ہیں۔ جو شخص اصولی باتوں میں اختلاف کریگا، وہ گمراہ ہو جائے گا۔ پھر اگر اس کا عقیدہ کافرانہ یا مشرکانہ ہو جائے تو ابدی جہنمی ہوگا۔ اور اگر اہل بدعت اور اہل ہویٰ کی طرح عقیدے میں کچھ خرابی آگئی ہے تو پھر بھی جہنم میں ایک دفعہ ضرور جانا پڑے گا۔ تاہم بعد میں نکال لیا جائے گا۔ چنانچہ اصولی اختلاف کی مثال فرقہ معتزلہ کی ہے جو رؤیت الٰہی کا انکار کرتے ہیں۔ اسی طرح قدریہ فرقہ تقدیر کا انکار کر کے گمراہ ہو گیا۔ روافض نے بھی بعض بنیادی اصولوں کا انکار کیا ہے لہٰذا یہ لوگ اہل بدعت اور اہل ہویٰ میں شمار ہوتے ہیں۔ اسی اختلاف سے فرقے معرض وجود میں آتے ہیں جن کی مذمت اس آیت کریمہ میں کی گئی ہے۔ جب فروعات کا اختلاف شدت اختیار کر جاتا ہے تو تباہی و بربادی لاتا ہے، جیسا کہ تاتاریوں کے زمانہ میں حنفیوں اور شافعیوں کا شدید اختلاف تھا جو کہ مومن اور کافر کی حد تک پہنچ چکا تھا۔ اس باہمی اختلاف کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کو حملہ آور ہونے کا موقع مل گیا اور مسلمان تباہ و برباد ہو گئے۔

البتہ فروع کا اختلاف قابلِ برداشت ہے اور اس میں کسی ایک کو دوسرے پر ملامت نہیں کرنی چاہیئے۔ اعمال میں ایک گروہ ایک طریقے پر عمل کرتا ہے اور دوسرا دوسرے طریقے پر تو اس میں کوئی حرج نہیں۔ اس قسم کا اختلاف صحابہ کرامؓ، تابعین اور ائمہ دین میں بھی پایا جاتا ہے مگر یہ فروع کا اختلاف ہے۔ ایمان اور یقین لانے والی باتوں میں حنفی، مالکی، شافعی اور حنبلی سب متفق ہیں اور ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ فروعات کے ضمن میں بعض ائمہ ایک چیز کو سنت قرار دیتے ہیں مگر دوسرے ایسا نہیں سمجھتے۔ بعض کسی چیز کو مباح تسلیم کرتے ہیں جب کہ دوسرے ایسا نہیں سمجھتے ہیں۔ یہ معمولی باتیں ہیں البتہ ان

کو زیادہ طول دینے سے گمراہی پیدا ہونے کا خطرہ ہوتا ہے۔ اس زمانے میں بھی فروعات کے اختلاف پر بہت زور دیا جاتا ہے جس کی وجہ سے طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوتی ہیں۔ فروعات میں اختلاف رائے کو برداشت کرنا چاہیئے۔ البتہ اصول میں اختلاف گمراہی کا باعث ہوگا۔

اختلاف فرع کی مثال

فروعی اختلافات کی مثالیں خود حضور علیہ السلام کے زمانہ مبارک میں بھی ملتی ہیں۔ جب غزوہ خندق اختتام پذیر ہوا۔ تو حضور علیہ السلام واپس لوٹے۔ آپ ہتھیار اتارنا چاہتے تھے کہ جبرائیل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہنے لگے کہ ہم فرشتوں نے تو ابھی ہتھیار نہیں اتارے آپ کیسے ہتھیار اتارتے ہیں، پہلے بنی قریظہ کا فیصلہ ہو جانا چاہیئے۔ وہاں پر یہودیوں نے مسلمانوں کے خلاف سازش کی تھی چنانچہ حضور علیہ السلام نے بنی قریظہ کے خلاف اعلانِ جہاد فرمایا اور حکم دیا لَا یُصَلِّیَنَّ اَحَدُکُمُ الْعَصْرَ اِلَّا فِیْ بَنِیْ قُرَیْظَۃَ تم میں سے کوئی شخص عصر کی نماز نہ پڑھے مگر بنی قریظہ میں۔ اس حکم کی تعمیل میں تمام مجاہد بنی قریظہ کی طرف نکل کھڑے ہوئے راستے میں عصر کی نماز کا وقت ہو گیا۔ ایک گروہ نے کہا کہ نماز کا وقت تنگ ہو رہا ہے لہٰذا نماز پڑھ لینی چاہیئے۔ اُن کا استدلال یہ تھا کہ حضور علیہ السلام کا بنی قریظہ میں جا کر نماز پڑھنے کا حکم اس لیے تھا کہ یہاں مدینہ میں کوئی نہ رہے بلکہ فوراً چلے جاؤ اب چونکہ نماز کا وقت ہو گیا ہے لہٰذا نماز ادا کر لینی چاہیئے۔ برخلاف اس کے دوسرا گروہ کہتا تھا کہ آپ کے الفاظ یہ تھے کہ نماز بنی قریظہ میں ہی جا کر پڑھنی ہے۔ لہٰذا راستے میں نہیں پڑھنی چاہیئے۔ چنانچہ دونوں گروہوں نے اپنے اپنے اجتہاد کے مطابق عمل کیا۔ پھر جب معاملہ حضور علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا۔ تو حضور علیہ السلام کے الفاظ بخاری شریف میں اس طرح آتے ہیں۔ فَلَمْ یُعَنِّفْ وَاحِدًا مِّنْھُمْ آپ نے ان میں سے کسی کو نہیں ڈانٹا۔ گویا دونوں گروہ ٹھیک ہیں۔ بہر حال ایسے معاملہ میں اجتہاد کی گنجائش موجود تھی ایک گروہ نے الفاظ پر عمل کیا۔ اور دوسرے نے مطلب

سمجھنے کی کوشش کی، لہٰذا دونوں حق پر تھے۔ حضور نے دونوں کی تصویب فرمائی ہے۔ کسی کو ڈانٹ ڈپٹ نہیں کی۔ غرضیکہ فروعات میں اس قسم کے اختلاف کی گنجائش موجود ہے جسے طول دیکر گمراہی کی طرف نہیں جانا چاہیئے۔

مجتہد کے لیے اجر

جو شخص اجتہاد کرنے کا اہل ہو اُس کے متعلق حضور علیہ السلام نے فرمایا اِذَا اجْتَهَدَ جب وہ اجتہاد کرتا ہے، پھر وہ ٹھیک بات کو پالیتا ہے تو اس کے لیے دوہرا اجر ہوتا ہے اور اگر وہ غلطی کرتا ہے تو پھر بھی ایک اجر کا مستحق ہوتا ہے، کیونکہ اس نے اپنی

اہلیت کے مطابق مسئلہ کے حل میں پوری پوری کوشش کی۔ حدیث شریف میں اس قسم کے اجتہاد کی مثال ملتی ہے۔ حضور علیہ السلام کے دو صحابی کسی سفر پر گئے۔ راستے میں پانی ختم ہو گیا۔ نماز کا وقت آیا تو انہوں نے تیمم کر کے نماز ادا کر لی۔ مگر نماز کا وقت ابھی باقی تھا کہ پانی میسّر آگیا۔ اُن میں سے ایک شخص نے وضو کر کے دوبارہ نماز پڑھی جب کہ دوسرے شخص نے پہلی ادا شدہ نماز پر ہی اکتفا کیا۔ جب حضور نبی کریم علیہ السلام کی خدمت میں یہ واقعہ بیان کیا تو آپ نے تیمم سے نماز پڑھنے والے آدمی سے فرمایا اَصَبْتَ السُّنَّةَ تو نے سنّت کو پالیا یعنی پانی کی عدم موجودگی میں تیمم کر کے نماز پڑھ لینی کافی ہے، تمہارا فریضہ ادا ہو گیا۔ اور جس شخص نے دوبارہ نماز پڑھی تھی، اس کو حضور علیہ السلام نے فرمایا لَكَ الْاَجْرُ مَرَّتَيْنِ تیرے لیے دوہرا اجر ہے۔ تیری پہلی نماز کے ذریعے فرض کی ادائیگی ہوئی اور دوسری نماز نفل بن گئی، لہٰذا تیرے لیے دوہرا اجر ہے۔

فقہائے کرام فرماتے ہیں کہ اس قسم کے حالات میں انسان کو نماز میں تاخیر کر لینی چاہیئے۔ پھر اگر پانی مل جائے تو وضو کرے ورنہ تیمم کر کے نماز ادا کرے۔ بہرحال امام ابوحنیفہؒ اور دیگر ائمہ کا اختلاف اس قسم کا ہے۔ اس میں کوئی اصولی اختلاف نہیں ہوتا، لہٰذا تمام ائمہ مجتہدین کے متعلق یہی اعتقاد ہونا چاہیے، کہ كُلُّهُمْ عَلَى الْهُدٰى وہ سب ہدایت پر ہیں تاہم یہ ضروری ہے

کہ مجتہد باصلاحیت ہو۔ اس زمانے کے پرویز اور علامہ مشرقی جیسے لوگ باصلاحیت مجتہد کی تعریف میں نہیں آتے جو معروف ائمہ مجتہدین کے اجتہاد کی تکذیب کرنے لگیں۔ ایسا اجتہاد مقبول نہیں ہے۔

اختلاف میں غلو

اختلاف میں زیادتی دین میں فرقہ بندی کا باعث بنتی ہے اور دشمنوں کے لیے تقویت کا باعث بھی۔ جیسا کہ پہلے عرض کیا، تاتاریوں نے اسی اختلاف سے فائدہ اٹھا کر مسلمانوں کو تباہ کیا۔ البتہ اصول میں اختلاف سراسر گمراہی ہے۔ جس کا انجام دوزخ ہے۔ چنانچہ رافضی، خارجی، معتزلہ، نیچری وغیرہ ایسے اصولی اختلاف رکھتے ہیں کہ دین سے ہی خارج ہو جاتے ہیں۔ سورۃ فاطر میں ارشاد ہے فَمِنْهُمْ ظَالِمٌ لِّنَفْسِهِ ۚ وَمِنْهُم مُّقْتَصِدٌ وَمِنْهُمْ سَابِقٌ بِالْخَيْرَاتِ "بعض لوگ اپنے نفس پر ظلم کرنے والے ہیں، بعض میانہ رو ہیں اور بعض نیکیوں میں سبقت کرنے والے ہیں۔ صحابہ کرامؓ اور مفسرین کرام فرماتے ہیں کہ یہ اسی آخری امت کے لوگ ہیں۔ ظالم وہ لوگ ہیں جن کے عقائد میں خرابی پیدا ہو گئی ہے اور کفر اور شرک کی حد تک پہنچ گئے ہیں۔ یا پھر اعمال میں خرابی پیدا ہو کر معاصی کا راستہ پکڑ لیا ہے۔ اس کے بعد مقتصد یعنی میانہ رو وہ لوگ ہیں جن کی مثال سورۃ توبہ میں ملتی ہے۔ "وَآخَرُونَ اعْتَرَفُوا بِذُنُوبِهِمْ خَلَطُوا عَمَلًا صَالِحًا وَآخَرَ سَيِّئًا" بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں، اور اچھے اور برے اعمال ایک ساتھ انجام دیتے ہیں۔ اور بعض ایسے لوگ بھی ہیں جو نیکی کے کام میں سبقت کرنے والے ہیں نیکی کے کاموں میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتے ہیں۔ فرمایا یہ تینوں قسم کے لوگ اس امت میں موجود ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو لوگ اختلاف میں غیر ضروری غلو کرتے ہیں اور معمولی بات کو بلاوجہ ہوا دیتے ہیں وہ بالآخر گمراہی کا شکار ہو کر قعر مذلت میں جا گرتے ہیں۔

فرقہ بندی سے بیزاری

فرمایا بیشک وہ لوگ جنہوں نے تفریق ڈالی اپنے دین میں اور گروہ در گروہ

ہو گئے، آپ کو اُن سے کچھ سروکار نہیں۔ آپ اُن سے بیزاری کا اعلان کریں
اور فرقہ بندی سے نفرت کا اظہار کریں اِنَّمَآ اَمْرُهُمْ اِلَى اللّٰهِ
بیشک اُن کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے سپرد ہے، وہ خود کوئی فیصلہ فرمائے گا۔
ثُمَّ يُنَبِّئُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَفْعَلُوْنَ پھر اُن کو تبلا دیگا جو
کچھ وہ کیا کرتے تھے، اُن کے تمام بُرے اعمال اُن کے سامنے رکھ دیئے جائیں
گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ہی اُن کو سزا دیگا۔ آپ کو اِن سے کوئی تعلق نہیں۔ آپ
اُن سے بیزاری کا اظہار ہی کریں کیونکہ تفریق فی الدین ہرگز روا نہیں۔ گذشتہ رکوع
میں بھی یہ مضمون گزر چکا ہے "وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ
وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ فَتَفَرَّقَ بِكُمْ عَنْ سَبِيْلِهٖ" یعنی
سیدھا راستہ صرف ایک ہی ہے اُسی کا اتباع کرو اور مختلف راستوں پہ نہ چلو
ورنہ اصل راستے سے الگ ہو جاؤ گے۔ حضور علیہ السلام کو خطاب کرتے ہوئے
اللہ نے فرمایا "اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ o عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ
(سورۃ یٰس) آپ صراطِ مستقیم پر ہیں لوگوں کو اسی راستے کی طرف دعوت دیں اللہ نے یہ بھی فرمایا
"لَعَلٰى هُدًى مُّسْتَقِيْمٍ" آپ سیدھی اور واضح ہدایت پر ہیں خود بھی اسی پہ کاربند رہیں اور
دوسروں کو بھی اسی کی تلقین کریں، فرقہ بندی بُری چیز ہے اس سے بیزاری کا اظہار کریں

نیکی اور اُس کا اجر

فرمایا قیامت کو نیکی اور بدی سب سامنے آنے والی ہے۔ اس دن اللہ تعالیٰ
ہر شخص کے متعلق جزا اور سزا کا فیصلہ فرمائے گا مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ جو شخص
اللہ کی عدالت میں نیکی لائے گا تو اُس کا قانونِ رحمت یہ ہے کہ ایک نیکی کے
بدلے فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا اُس کو دس گنا اجر ملے گا۔ گویا اُس نے ایک
نیکی ایک دفعہ نہیں بلکہ دس دفعہ انجام دی، یہ کم از کم اجر ہے بشرطیکہ نیکی شریعت
کی مقرر کردہ شرائط کے مطابق انجام دی گئی ہو پیغمبر علیہ السلام کا فرمان اس کی تائید کرتا
ہو، نیت بھی درست ہو۔ اور ادائیگی میں کوئی کوتاہی واقع نہ ہوئی ہو۔ جو نیکی صحیح
طریقے سے نہیں کی گئی وہ قابلِ قبول نہیں ہوتی۔ بعض لوگوں کی نیکیاں محض اس

لیے ضائع ہو جاتی ہیں کہ اُن کی انجام دہی کا طریقہ اللہ کے رسول اور شریعت مطہرہ کے مطابق نہیں ہوتا۔ تمام بدعات نیکی کی چیزیں ہوتی ہیں مگر پیغمبر کے بتائے ہوئے طریقہ کی بجائے اپنی مرضی اور خواہش پر کی جاتی ہیں۔ جب روکا جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس میں کیا حرج ہے۔ بھائی نیکی وہی ہے جو اللہ کے رسول کے حکم کے مطابق ہو خود ساختہ نیکی کوئی نیکی نہیں کسی کی مغفرت کے لیے دُعا کرنا بلاشبہ نیکی بلکہ عبادت ہے۔ مگر یہی دُعا جب جنازہ پڑھنے کے متصلاً بعد کی جائے تو فقہاء نے اسے بدعت اور منکرات میں شمار کیا ہے۔ کیونکہ دُعا کرنے کا یہ موقع حضور علیہ السلام اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ثابت نہیں ہے بلکہ ان کے طریقہ کے خلاف ہے۔ لہٰذا بدعت ہے۔

حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان ہے[1]۔ فَاِنَّهٗ مَنْ يَّعِشْ مِنْكُمْ بَعْدِيْ فَسَيَرٰى اِخْتِلَافًا كَثِيْرًا جو لوگ میرے بعد زندہ رہیں گے۔ وہ بہت سا اختلاف دیکھیں گے اُس وقت کے لیے میں تمہیں تلقین کرتا ہوں فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَآءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ کہ میری سنت اور خلفائے راشدین کے طریقے پر قائم رہنا۔ تَمَسَّكُوْا بِهَا وَعَضُّوْا عَلَيْهَا بِالنَّوَاجِذِ اور اسے دانتوں سے مضبوط پکڑ لو۔ مطلب یہ ہے کہ جب کسی معاملہ میں اختلاف پیدا ہو جائے تو پھر حضور علیہ السلام اور خلفائے راشدین کے طریقے کو معیار بنا لو اور اس کے مطابق چلو۔ امام شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ مبارک سے لے کر حضرت ابو بکرؓ حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کا چھ سال تک کا زمانہ متفق علیہ ہے۔ اس زمانے میں امت کا اختلاف نہیں ہوا لہٰذا پوری امت کے لیے یہی عرصہ دستور العمل رہا ہے جب بعد میں اختلافات شروع ہو گئے تو پھر یقین سے کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ ہر ایک کی اپنی اپنی دلیل ہے۔ تو فرمایا یہی وہ ہو گی جو شرائط پر پوری اُترتی ہو

---

[1] ترمذی ص ۳۸۳ (فیاض)

مثال کے طور پر اگر کسی کی طہارت درست نہیں یا نیت ٹھیک نہیں تو اس کی نماز کیسے معتبر ہو سکتی ہے۔ بعض اوقات انسان نماز کو اللہ کی عبادت کے طور پر ادا کرتا ہے مگر اس میں ایسی خرابی کرتا ہے کہ وہ منہ پر مار دی جاتی ہے لہذا نیکی بھی نہایت احتیاط کے ساتھ سنت کے مطابق ہونی ضروری ہے اور ایسی نیکی کا کم از کم ثواب دس گنا ہو گا۔ جو شخص ایک دفعہ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ خلوص نیت کے ساتھ کہتا ہے وہ بڑا اونچا عمل کرتا ہے۔ جب اس نے اللہ کی محبت میں یہ کلمہ ایک دفعہ کہا تو اللہ تعالیٰ اس سے دس گنا محبت کرتا ہے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے ہر حمد اور تسبیح کا کلمہ اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نیکی کے کام ہیں اور انسان کے لیے بمنزلہ صدقہ کے ہیں۔ اور ہر نیکی کا اجر کم از کم دس گنا ہے۔

برائی کی سزا

فرمایا وَمَنْ جَآءَ بِالسَّيِّئَةِ جو کوئی برائی لے کر آیا فَلَا يُجْزٰى اِلَّا مِثْلَهَا اس کو نہیں بدلہ دیا جائے گا مگر اس کے برابر۔ یعنی برائی کا بدلہ نیکی کی طرح بڑھا کر نہیں دیا جاتا ہے بلکہ اس کی اتنی ہی سزا دی جاتی ہے جتنی برائی کوئی انجام دیتا ہے۔ یہ بھی اللہ تعالیٰ کی خاص مہربانی ہے۔ کہ ایک شخص برائی کا ارادہ کرتا ہے مگر اس کا ارتکاب نہیں کرتا تو اس کو بھی ایک نیکی کا اجر مل جاتا ہے۔ تاہم جو نیکی خلوص نیت اور تمام شرائط کے ساتھ کی جائے اس کا کم از کم اجر دس گنا ہے اور زیادہ سے زیادہ کی کوئی حد نہیں۔ اللہ تعالیٰ اپنی رحمت سے ایک نیکی کا اجر سات سو، سات ہزار، سات لاکھ، سات کروڑ یا اس سے بھی زیادہ عطا فرما دیتا ہے اس کے خزانے بڑے وسیع ہیں۔ کوئی شخص جس قسم کا تعلق باللہ قائم کرے گا۔ اسی قسم کا اجر و ثواب پائیگا۔ البتہ برائی کا بدلہ ایک ہی ملیگا وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ اور کسی پر زیادتی نہیں کی جائے گی۔ نہ کسی کی نیکی کو کم کیا جائے گا اور نہ کسی کی برائی میں اضافہ کیا جائے گا کیونکہ یہ اللہ تعالیٰ کے قانون عدل کے خلاف ہے۔

قُلْ اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْۤ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ ۚ دِیْنًا قِیَمًا مِّلَّةَ اِبْرٰهِیْمَ حَنِیْفًا ۚ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ ﴿۱۶۱﴾ قُلْ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۱۶۲﴾ لَا شَرِیْكَ لَهٗ ۚ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ ﴿۱۶۳﴾

ترجمہ:- اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے، بیشک مجھے ہدایت دی ہے میرے پروردگار نے سیدھے راستے کی۔ وہ دین ہے مستحکم اور ملت ہے ابراہیم (علیہ السلام) کی جو یکسو تھے اور نہیں تھے شرک کرنے والوں میں سے ﴿۱۶۱﴾ آپ کہہ دیجئے بیشک میری نماز اور میری قربانی اور میری زندگی اور میری موت اللہ کے لیے ہے جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے ﴿۱۶۲﴾ کوئی اُس کا شریک نہیں ہے۔ اور مجھے اِسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔ اور میں سب سے پہلے فرمانبرداری کرنے والا ہوں ﴿۱۶۳﴾

ربطِ آیات

پہلے شرک اور مشرکین کا ردّ ہوا، پھر فرقہ بندی کی تردید ہوئی اور نیکی اور بدی کے حوالے سے جزا اور سزا کا ذکر ہوا۔ اب ملّتِ ابراہیمیہ کا خلاصہ بیان کر کے اُس کی پیروی کرنے کی ترغیب دی جا رہی ہے۔ اِس کے علاوہ باقی تمام طریقوں کو ترک کرنے کا حکم دیا جا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ملّت ابراہیمیہ کے

طریقے کو صراطِ مستقیم کا لقب دیکر اس کے اتباع کا حکم دیا ہے۔ گویا ملّت ابراہیمی، اسلام اور دینِ حق ایک ہی چیز کے مختلف نام ہیں۔

دین اور شریعت

اصل بات یہ ہے کہ تمام انبیاء علیہم السلام کا دین کے بنیادی اصولوں میں اتفاق ہے، البتہ مختلف انبیاء کے ادوار میں ہر دور کے تقاضے کے مطابق شریعتیں مختلف رہی ہیں۔ سورۃ مائدہ میں گذر چکا ہے "لِكُلٍّ جَعَلْنَا مِنْكُمْ شِرْعَةً وَّ مِنْهَاجًا" ہم نے ہر ایک کے لیے الگ شریعت اور الگ راستہ مقرر فرمایا ہے۔ شریعت کا دین کے اصولوں کے ساتھ اختلاف نہیں ہوتا بلکہ یہ محض فروعات میں زمانے کے مطابق تغیر پذیر ہوتی ہے۔ کوئی چیز ایک نبی کی شریعت میں حرام ہوتی ہے تو دوسرے نبی کی شریعت میں حلال قرار دیدی جاتی ہے۔ بعض اوقات عبادت کے طریقے بھی مختلف ہوتے ہیں ــــــــــ کسی شریعت میں روزے کی کثرت رہی ہے تو کسی شریعت میں نماز میں اضافہ ہوا ہے۔ پہلی امتوں میں غنیمت کا مال استعمال کرنا جائز نہیں تھا جب کہ آخری امت کے لیے اسے حلال قرار دیا گیا ہے کسی امت میں دو بہنوں سے بیک وقت نکاح مباح تھا مگر آخری شریعت میں "اَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ" (سورۃ نساء) کے حکم کے تحت حرام قرار دیدیا گیا ہے۔ بہر حال اصولِ دین یعنی توحید، ایمانیات اخلاقیات وغیرہ تمام امتوں میں یکساں رہے ہیں۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے "شَرَعَ لَكُمْ مِّنَ الدِّيْنِ مَا وَصّٰى بِهٖ نُوْحًا" (الشوریٰ) تمہارے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے وہی دین مقرر کیا ہے جو نوح علیہ السلام اور ان کے بعد آنے والے انبیاء کے لیے مقرر کیا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد[1] ہے نَحْنُ مَعْشَرَ الْاَنْبِيَاءِ اَبْنَاءُ عَلَّاتٍ دِيْنُنَا وَاحِدٌ ہم انبیاء کا گروہ علاتی بھائیوں کی طرح ہیں جس طرح علاتی بھائیوں کا باپ ایک اور مائیں مختلف ہوتی ہیں۔ اسی طرح ہم سب کا دین ایک ہی ہے مگر شریعتیں مختلف ہیں۔

[1] ابن کثیر ص ۱۸۶ ج ۱ (فیاض)

ملت ابراہیمی

ملّت بھی اصول و کلیات ہی کا نام ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور اُن کی ملّت کا ذکر قرآنِ پاک میں بکثرت ملتا ہے۔ جس طرح اسلام کا معنےٰ اطاعت اور فرمانبرداری ہے اسی طرح ملّت سے بھی کمال درجے کی فرمانبرداری مراد ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اطاعتِ الٰہی کے متعلق سورۃ بقرہ میں موجود ہے۔ "اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ" جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا فرمانبردار بن جاؤ "قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" تو انہوں نے عرض کیا میں اللہ تعالیٰ کے ہر حکم کی تعمیل کے لیے بسر و چشم حاضر ہوں یعنی میں کمال درجے کا فرمانبردار ہوں۔ ملّتِ ابراہیمی اسی چیز کا نام ہے۔ اور اسی کو اسلام اور صراطِ مستقیم سے بھی تعبیر کر سکتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے ملّتِ ابراہیمی کا خاص طور پر اس لیے ذکر کیا ہے کہ اہلِ ایمان کے علاوہ دنیا کی اکثر قومیں آپ کا احترام کرتی ہیں خواہ ان میں بگاڑ ہی کیوں نہ پیدا ہو چکا ہو۔ مثلاً یہودیت تورات کی بگڑی ہوئی شکل ہے اور عیسائیت انجیل کی مسخ شدہ صورت کا نام ہے۔ اِن لوگوں نے اپنی اپنی کتابوں میں تحریف کر کے دین کو بگاڑ دیا اور اصل دین کی بجائے نیا دین کھڑا کر لیا۔ عرب کے لوگوں نے بھی ایسا ہی کیا۔ انہوں نے بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دین کو مسخ کر کے مشرکانہ اور جاہلانہ رسوم ایجاد کیں اور پھر اُن کو دینِ ابراہیمی کا نام دے دیا۔ مقصد یہ کہ اگرچہ یہ لوگ دینِ ابراہیمی کو بگاڑنے کے مرتکب ہوئے تاہم یہ آپ کا احترام کرتے تھے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ایسی ملّت کا ذکر کیا ہے جس پر کم از کم زبانی حد تک تو سب کا ایمان تھا اور پھر اللہ تعالےٰ نے حضور علیہ السلام کے متعلق خاص طور پر فرمایا کہ آپ ملّتِ ابراہیمی کے ہیں۔

اور یہود و نصاریٰ کا دعویٰ غلط ہے اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ ملّتِ ابراہیمی اللہ کی خالص اطاعت اور توحید کا نام ہے۔ قرآنِ پاک نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو حنیف کے لقب سے بھی پکارا ہے سورۃ آلِ عمران میں موجود ہے "مَا كَانَ

اِبْرٰهِیْمُ یَهُوْدِیًّا وَّلَا نَصْرَانِیًّا وَّلٰکِنْ کَانَ حَنِیْفًا مُّسْلِمًا" ابراہیم علیہ السلام نہ یہودی تھے اور نہ نصرانی بلکہ حنیف مسلمان تھے حنیف کا معنی ہے ہر طرف سے ہٹ کر ایک خدا کی طرف لگنے والا۔ اہل کتاب اور مشرکین کے متعلق سورۃ بیّنہ میں ہے "وَمَآ اُمِرُوْٓا اِلَّا لِیَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِیْنَ لَهُ الدِّیْنَ ۵ حُنَفَآءَ" اُن کو تو یہی حکم ہوا تھا کہ اخلاصِ عمل کے ساتھ خدا کی عبادت کریں اور ایک طرف لگنے والے بن جائیں۔

مستحکم دین

اس سورۃ مبارکہ میں ہر قسم کے شرک کا رد آگیا ہے۔ اعتقادی بھی اور عملی بھی۔ گذشتہ آیات میں گذر چکا ہے کہ نذر و نیاز میں شرک خدا تعالیٰ کی صفات میں شرک ہے۔ یہودیوں، نصرانیوں، مجوسیوں اور صابیوں کا رد بھی ہو گیا ہے۔ مخلوق میں کسی طرح بھی الوہیت کی صفت ماننے والے مشرک ہوتے ہیں، اللہ نے سب کا رد فرمایا ہے۔

اب آخر میں سورۃ کا لب لباب اس طرح بیان فرمایا ہے قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے اِنَّنِیْ هَدٰىنِیْ رَبِّیْٓ بیشک مجھے ہدایت دی ہے۔ میری راہنمائی فرمائی ہے میرے پروردگار نے اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ سیدھے راستے کی طرف۔ اور وہ راستہ کون سا ہے دِیْنًا قِیَمًا ایک مستحکم دین جس کے اصول بڑے مضبوط ہیں اور جن میں تغیر و تبدل نہیں ہو سکتا۔ اسی سورۃ کے چودھویں رکوع میں بھی گذر چکا ہے "وَتَمَّتْ کَلِمَتُ رَبِّکَ صِدْقًا وَّعَدْلًا" تیرے پروردگار کی باتیں سچائی اور انصاف میں پوری ہیں اس کے تمام اصول صحیح ہیں جنہیں کوئی غلط ثابت نہیں کر سکتا۔ البتہ اگر کوئی تعصب اور عناد کی بنا پر ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرے تو علیحدہ بات ہے۔ یہ وہی دین ہے جو ملتِ ابراہیمی ہے اور ہر زمانے کے لیے کافی ہے۔

دین حنیف

شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ فرماتے ہیں کہ جو شخص خدا تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل ہے۔ کعبے کی طرف رُخ کر کے نماز پڑھتا ہے، جنابت کا غسل کرتا ہے، اور ختنہ کرتا ہے، وہ حنیف کہلائیگا۔ یہ سب چیزیں ملّتِ ابراہیمیہ میں پائی جاتی ہیں دراصل احنف اُس اونٹ کو کہتے ہیں جس کا پاؤں چلتے وقت اندر یا باہر ایک طرف کو مائل ہوتا ہے۔ اور یہاں پر حنیف سے مراد ایسا شخص ہے جو کفر، شرک اور بدعات کو ترک کر کے ایک اصول اور ایک دین کو ماننے والا ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام حنیف تھے اور "شَاكِرًا لِّاَنْعُمِهٖ" (النحل) خدا تعالیٰ کی نعمتوں کے شکر گذار تھے۔ شرک سے بیزار اور یکسو ہونے والے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے دوسروں کو بھی حکم دیا۔ "حُنَفَآءَ لِلّٰهِ غَيْرَ مُشْرِكِيْنَ بِهٖ" (الحج) تم سب کے سب حنیف بن جاؤ اور شرک کرنے والے نہ بنو۔ گذشتہ رکوع میں بھی گذر چکا ہے "وَاَنَّ هٰذَا صِرَاطِيْ مُسْتَقِيْمًا فَاتَّبِعُوْهُ" یہی میرا صراط مستقیم ہے جس کی تشریح قرآن میں جگہ جگہ موجود ہے، اسی راستے کا اتباع کرو "وَلَا تَتَّبِعُوا السُّبُلَ" اور یہودیت، نصرانیت، مجوسیت اور صابیت کے گمراہی والے راستوں پر مت چلو۔ بدعات اور خواہشاتِ نفسانیہ کے غلط راستوں کو بھی اختیار نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ نے جس راستے کی طرف میری راہنمائی فرمائی ہے وہ یہی صراط مستقیم اور مستحکم دین ہے مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا اور ہر طرف سے ہٹ کر ایک طرف کو لگنے والے ابراہیم علیہ السلام کی ملّت بھی یہی ہے وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ اور آپ شرک کرنے والوں میں سے نہ تھے بلکہ اللہ کی توحید کے خالص داعی تھے۔

نماز اور قربانی

آگے دینِ ابراہیمی کی بعض اصولی باتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے۔ قُلْ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ بیشک میری نماز اور میری قربانی نُسُك کا اطلاق عبادت پر بھی ہوتا ہے اور قربانی پر بھی۔ ناسک عابد کو بھی کہتے ہیں اور نُسُك احکام کو بھی کہتے ہیں چنانچہ حجۃ الوداع کے موقع پر حضور علیہ السلام

نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا تھا خُذُوا عَنِّیْ مَنَاسِکَکُمْ اے لوگو! مجھ سے حج کے احکام خوب سمجھ لو۔ شاید اس سال کے بعد میری اور تمہاری ملاقات نہ ہو اسی طرح قربانی کے متعلق "وَلِکُلِّ اُمَّۃٍ جَعَلْنَا مَنْسَکًا" (الحج) ہم نے ہر ایک امت کے لیے قربانی کا ایک طریقہ مقرر کیا ہے۔ ذی الحجہ کی قربانی کے علاوہ دم قران کو نسیکہ کہا گیا ہے۔ سورۃ بقرہ میں جہاں احصار کی صورت میں قربانی کرنے کا حکم ہے۔ وہاں فرمایا کہ اس وقت تک اپنے سر نہ منڈواؤ جب تک کہ قربانی اپنے ٹھکانے پر نہ پہنچ جائے۔ فرمایا اگر تم میں سے کوئی بیمار ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو اور اُسے اپنے آپ پر عائد کسی پابندی کو توڑنا پڑے فَفِدْیَۃٌ مِّنْ صِیَامٍ اَوْ صَدَقَۃٍ اَوْ نُسُکٍ" تو اس کے بدلے میں فدیہ دے روزے کی صورت میں یا صدقے کی صورت میں یا قربانی کی صورت میں۔ امام ابوبکر جصاص فرماتے ہیں کہ نسک اُس جانور کو کہتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے تقرب کے لیے ذبح کیا جائے عام قربانی اور دم قران بھی تقرب الٰہی کے لیے ہوتا ہے۔ مولانا شاہ اشرف علی تھانوی نسک کو عام معنوں میں لیتے ہیں اور آیت کے ٹکڑے کا ترجمہ یوں کرتے ہیں، میری نماز اور تمام عبادتیں اللہ کے لیے ہیں تاہم دیگر مفسرین کرام نسک سے قربانی مراد لیتے ہیں۔ یعنی میری نماز اور میری قربانی اللہ کی رضا کے لیے ہیں

قربانی کا وجوب

قربانی بظاہر چھوٹا سا عمل معلوم ہوتا ہے مگر اس کی اہمیت بہت زیادہ ہے بعض چیزیں اپنے اثر کے اعتبار سے بارعب ہوتی ہیں۔ مثلاً نماز کے مقابلے میں اذان ایک چھوٹا سا عمل ہے کیونکہ یہ تو محض ایک اعلان ہے اور نماز تمام عبادتوں سے افضل عبادت ہے مگر اذان کا رعب اور دہشت اس قدر ہے کہ حضور علیہ السلام نے فرمایا کہ جب شیطان اذان کی آواز سنتا ہے تو چھتیس میل تک دور بھاگ جاتا ہے۔ اسی طرح قربانی اس لحاظ سے اہم ہے کہ اس کے پیچھے تقرب الی اللہ کے حصول کی نیت اور جذبہ ہوتا ہے لہذا قربانی کرنے والے

میں بڑے کمال کی صفت پیدا ہوتی ہے۔

اکثر ائمہ کرام کے نزدیک قربانی سنت کا درجہ رکھتی ہے جب کہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک قربانی واجب ہے۔ امام ابوبکر حصاصؒ امام ابوحنیفہؒ کے مسلک کی تائید میں اگلی آیت سے استدلال پیش کرتے ہیں۔ اور فرماتے ہیں وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ (مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا) میں امر ہے جو کہ وجوب کے لیے ہوتا ہے۔ چونکہ یہاں پر قربانی کا ذکر بھی ہے لہذا یہ واجب ہے۔ بعض احادیث سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ قربانی کا حکم عام صدقہ کا نہیں بلکہ یہ زیادہ مؤکد ہے اور اس میں وجوب کا درجہ پایا جاتا ہے۔ سورۃ کوثر میں بھی آیا ہے "فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ" یعنی اپنے رب کے لیے نماز پڑھیں اور قربانی دیں۔

زندگی اور موت

فرمایا بے شک میری نماز اور میری قربانی وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِيْ اور میری زندگی اور میری موت لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ سب اللہ کے لیے ہیں جو کہ تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ غرضیکہ اس آیت کریمہ میں چار چیزوں کی نسبت اللہ تعالیٰ کی طرف کی گئی ہے یعنی نماز، قربانی، زندگی اور موت، زندگی اللہ کے لیے ہونے کا مطلب یہ ہے۔ کہ انسان جب تک زندہ ہے۔ اُس سے ہر چھوٹا سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا کام محض اللہ تعالیٰ کی رضا اور اُس کی خوشنودی کے لیے انجام پانا چاہیئے۔ اور کوئی کام اُس کی رضا کے خلاف نہیں ہونا چاہیئے۔ اللہ تعالیٰ جس کام کے کرنے کا حکم دے، وہ ہو جائے اور جس کام سے اللہ تعالیٰ منع فرمائے، وہ نہیں ہونا چاہیئے حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کے لیے یہ آیت کریمہ بڑی اہم ہے اُسے ہمیشہ یاد رکھنا چاہیئے۔ اور اس کا مراقبہ کرنا چاہیئے۔ اس زمانہ میں تو حالات بالکل اُلٹ ہیں۔ لوگوں نے اپنی زندگیاں شیطانی کاموں کے لیے وقف کر رکھی ہیں اللہ کی خوشنودی کو کون دیکھتا ہے۔ حالانکہ ایک مسلمان کے لیے لازم تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ

کی مرضی کے خلاف کوئی کام نہ کرے۔ موت کا بھی یہی حال ہے۔ اہل ایمان کے لیے تو یہ حکم ہے "فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ" (البقرۃ) تمہاری موت اس حالت میں آنی چاہیئے کہ تم اسلام پہ قائم ہو۔ مگر آج موت اتنی سستی ہو چکی ہے کہ باطل مقاصد کے لیے بے شمار قتل ہو رہے ہیں، گویا موت بھی اللہ کی بجائے شیطان کے راستے میں آ رہی ہے۔ امریکہ، روس، جاپان یا ویٹ نام کا جھگڑا ہو، مسئلہ لسانی ہو یا نسلی، معاملہ اقتدار کا ہو یا مال کا، ان میں خدا کی خوشنودی کہاں ہے؟ اور اس طرح ضائع ہونے والی ہزاروں جانیں کس کھاتے میں جا رہی ہیں؟ خود اہل اسلام میں فرقہ بندی کی وبا عام ہے اور یہ آپس کی کشیدگی بعض اوقات جان لیوا ثابت ہوتی ہے۔ یہ تو نفسانی خواہشات کی خاطر جان دینے والی بات ہے۔ حالانکہ اس آیت کریمہ میں یہ سبق دیا جا رہا ہے کہ اہل ایمان کی زندگی بھی اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے صرف ہونی چاہیئے اور جب موت آئے تو وہ بھی اُس کی رضا جوئی کے لیے ہو۔

شرعی اور تکوینی امور

مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ فرماتے ہیں کہ اس آیت کریمہ میں مذکورہ چار چیزوں میں سے دو شرعی اور دو تکوینی ہیں۔ نماز اور قربانی کا تعلق شریعت سے ہے اور یہ دونوں امور انسان اپنے اختیار سے انجام دیتا ہے۔ باقی دو چیزیں زندگی اور موت تکوینی ہیں۔ موت و حیات اللہ تعالیٰ کے اختیار میں ہے اور ان میں انسان کا اپنا کوئی دخل نہیں۔ در اصل عقیدہ توحید دو چیزوں سے مکمل ہوتا ہے یعنی توحید فی العبادت اور توحید فی التصرف۔ مذکورہ بالا دو شرعی امور کا تعلق توحید فی العبادت سے ہے۔ نماز اور قربانی اللہ تعالیٰ کے تقرب اور اسکی خوشنودی کے لیے ادا کی جاتی ہے۔ جو شخص غیر اللہ کی نماز ادا کرے گا یا غیر اللہ کے تقرب کے لیے قربانی دے گا، وہ مشرک ہو جائے گا اور توحید فی العبادت میں پورا نہیں اترے گا۔ کیونکہ عبادت بدنی ہو یا مالی، اسمیں غیر اللہ کی شرکت کسی طور پہ قابل قبول نہیں۔ باقی دو اشیاء زندگی اور موت تکوینی امور ہیں اور

اِن کا تعلق توحید فی التصرف کے ساتھ ہے موت اور زندگی پر تصرف اور کنٹرول صرف اللہ تعالیٰ کو حاصل ہے۔ ان میں کسی انسان جن، فرشتے یا کسی بھی غیر اللہ کو تصرف حاصل نہیں۔ غرضیکہ ایمان اور عقیدہ توحید کی تکمیل اس وقت ہوتی ہے جب انسان کا یقین کامل ہو جائے کہ ہر قسم کی عبادت بھی اللہ ہی کے لیے سزاوار ہے اور کائنات میں تصرف بھی صرف اُسی کو حاصل ہے، اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔

اِن چار مذکورہ امور کو دو مختلف صورتوں میں بھی منسلک کیا جا سکتا ہے مثلاً یہ کہ نماز کا تعلق زندگی کے ساتھ۔ انسان جب تک بقید حیات موجود رہے اُسے نماز کی پابندی کرنی چاہیئے۔ زندگی اور نماز کو اس قدر مربوط ہونا چاہیئے کہ زندگی کے آخری لمحات تک انسان کسی وقت بھی نماز سے غافل نہ ہو اور جب وہ آخری سانس لے تو اُس کے ذمے کوئی نماز واجب الادا نہ ہو۔ دوسری طرف قربانی اور موت کو اکٹھا کر لیں۔ جانور کی قربانی تقرب الی اللہ کے لیے کی جاتی ہے گویا ایک جانور کی جان کے بدلے اللہ تعالیٰ کی خوشنودی حاصل کرنا مقصود ہوتا ہے۔ لہٰذا یہ بات ہمیشہ انسان کے ذہن نشین رہنی چاہیئے کہ اُس کی اپنی موت بھی ایسی حالت میں آنی چاہیئے۔ کہ اُسے اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل ہو اور قربانی کا یہی مقصد ہے۔ یہ قربانی اور موت کا الحاق بھی ہو گیا۔

انفرادی اور اجتماعی اصلاح

دنیا میں امن و امان کے قیام کے لیے اللہ تعالیٰ نے اصلاح کا پروگرام دیا ہے جس کی ابتداء انفرادیت سے ہوتی ہے اور اجتماعیت پر جا کر ختم ہوتی ہے۔ افراد صحیح ہوں گے تو معاشرہ خود بخود صحیح ہو گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے نماز کا حکم دے کر انسان کی انفرادی اصلاح کا بندوبست کر دیا ہے۔ سب سے پہلے انسان نماز اور دیگر عبادات کے ذریعے اور قربانی کر کے اپنی ذاتی اصلاح کا بندوبست کرتا ہے۔ جب اس پر اُس کا یقین محکم ہو جاتا ہے۔ تو پھر اصلاح معاشرہ کی طرف توجہ دیتا ہے۔ اجتماعی اصلاح بھی نماز ہی سے شروع ہو جاتی ہے۔ جب مسجد میں نماز با جماعت ادا ہوتی ہے تو محدود

معاشرہ میں میل ملاپ کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ جب ہر شخص نماز کے ذریعے اصلاحِ نفس کر لیتا ہے تو پھر وہ آپس میں وسیع تر اصلاح احوال کی بنیاد بنتے ہیں اور اس طرح اجتماعی اصلاح کا عمل شروع ہو جاتا ہے جو بڑھتے بڑھتے ایک گاؤں، ایک شہر اور پورے ملک پر بلکہ پورے عالمِ اسلام کا احاطہ کر لیتا ہے۔ اگر انسان اللہ کی عطا کردہ زندگی کو احسن طریقے سے بسر کرے۔ اُسے فکر ہو کہ زندگی کے کسی موڑ پر بھی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی والا عمل سرزد نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر یہ فکر پیدا ہو جائے تو یہی انسان کی اصل زندگی ہے۔ اور اگر یہ فکر پیدا نہیں ہوئی تو ایسی زندگی کا کوئی فائدہ نہیں اسی طرح موت کے لیے بھی انسان کو ہر وقت فکر مند رہنا چاہیئے تاکہ جب بھی اُس کی موت آئے تو ایمان کی حالت میں آئے اگر یہ فکر پیدا ہو جائے تو انسان ہر لمحہ نیکی کے کام انجام دیگا، فرمانبرداری اور اطاعت گزاری کی حالت میں رہے گا اُسے علم نہیں کہ موت کس لمحے واقع ہو جائے گی لہٰذا وہ نیکی سے کبھی غافل نہیں ہوگا اور برائی سے ہمیشہ دُور رہے گا تو اب لب لباب یہ ہوا کہ میری نماز اور میری قربانی، میری زندگی اور موت سب اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ اگر انسان میں اِن چاروں چیزوں کی حقیقی روح پیدا ہو گئی تو وہ انشاء اللہ کامیاب و کامران ہوگا۔

اولین اطاعت گزار

آگے پھر شرک کی تردید فرمائی اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی زبان مبارک سے کہلایا لَا شَرِيكَ لَهُ آپ یہ بھی کہہ دیں کہ اُس وحدہ لاشریک کا کوئی شریک نہیں، نہ ذات میں اور نہ صفات میں، نہ علم میں اور نہ تصرف میں وَبِذٰلِكَ أُمِرْتُ اور مجھے بھی اسی بات کا حکم دیا گیا ہے کہ ملّتِ ابراہیمی کے اصولوں پر کاربند رہوں۔ سورۃ آل عمران میں بھی حضور علیہ السلام کی زبان سے امت کو یہی پیغام دیا ہے "فَاتَّبِعُوا مِلَّةَ إِبْرَاهِيمَ حَنِيفًا" ملّتِ ابراہیمی کا اتباع اختیار کرو کہ یہی دین ہے اور یہی اسلام ہے۔

فرمایا آپ یہ بھی کہدیں وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَ کہ میں صرف تمہیں ہی اطاعت گزاری کی تعلیم نہیں دے رہا۔ بلکہ سب سے پہلے خود اس بات کا اعلان کرتا ہوں کہ میں اولین اطاعت گزار اور فرمانبردار ہوں۔ امام ابوبکر جصاصؒ فرماتے ہیں کہ امت میں سب سے پہلے نبی اللہ کی اطاعت کا اعلان کرتا ہے بعض مفسرین فرماتے ہیں کہ اس کا تعلق عالم ارواح سے بھی ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے جب تمام روحوں کو پیدا فرمایا اور ان سے عہد الست لیا تو اس وقت بھی اللہ کی ربوبیت کا اقرار سب سے پہلے حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح پاک نے کیا تھا۔ حدیث اَوَّلُ مَا خَلَقَ اللّٰہُ نُوْرِیْ اگرچہ پایۂ ثبوت کو نہیں پہنچتی تاہم مولانا شاہ اشرف علی تھانویؒ نے اس نور سے مراد روح محمدی لیا ہے کہ تمام ارواح میں سب سے پہلے اللہ نے آپکی روح کو پیدا فرمایا۔ اور پھر سب سے پہلے آپ ہی نے اول المسلمین ہونے کا اقرار کیا۔ اس طرح گویا اس دنیا میں بھی اور عالم ارواح میں بھی حضور کا اولین اطاعت گزار ہونا ملتا ہے۔ اسی طرح ہر نبی پہلے خود اطاعت اختیار کرتا ہے اور پھر دوسروں کو دعوت دیتا ہے۔

قُلْ اَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْغِيْ رَبًّا وَّهُوَ رَبُّ كُلِّ شَيْءٍ ؕ وَلَا تَكْسِبُ كُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَيْهَا ۚ وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى ۚ ثُمَّ اِلٰى رَبِّكُمْ مَّرْجِعُكُمْ فَيُنَبِّئُكُمْ بِمَا كُنْتُمْ فِيْهِ تَخْتَلِفُوْنَ ﴿۱۶۴﴾ وَهُوَ الَّذِيْ جَعَلَكُمْ خَلٰٓئِفَ الْاَرْضِ وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ لِّيَبْلُوَكُمْ فِيْ مَآ اٰتٰىكُمْ ؕ اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ ۖ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۶۵﴾ ع

النصف ۲۰ ع ۸

ترجمہ :۔ اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے کہ کیا اللہ کے سوا میں کسی اور کو رب تلاش کروں حالانکہ وہی رب ہے ہر چیز کا ۔ اور نہیں کماتا کوئی شخص مگر اسی پر پڑتی ہے اس کی ذمہ داری ۔ اور نہیں اٹھائیگا کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے شخص کا بوجھ ۔ پھر تمہارے رب کی طرف تمہارا لوٹ کر جانا ہے پس وہ تم کو بتا دے گا جن باتوں میں تم اختلاف کرتے تھے ﴿۱۶۴﴾ اور وہی ذات ہے جس نے بنایا تمہیں زمین میں نائب اور بلند کیا ہے تم میں سے بعض کو بعض پر درجے کے لحاظ سے تاکہ آزمائے تمہیں اس چیز میں جو اس نے تمہیں دی ہے ۔ بیشک تیرا

پروردگار جلد سزا دینے والا ہے اور بیشک وہ البتہ بخشش کرنے والا اور مہربان ہے (۱۶۵)

ربط آیات

اس سورۃ کے آخری حصہ میں مشرکین کا رد آرہا ہے چنانچہ گذشتہ آیت میں توحید الوہیت کا ذکر تھا "لَا شَرِيكَ لَهُ" اس کا کوئی شریک نہیں اس کے سوا کوئی معبود نہیں جس کی عبادت کی جائے توحید ربوبیت بھی اللہ تعالیٰ ہی کے ساتھ مختص ہے اس کے سوا کوئی ایسی ذات نہیں جس سے مدد طلب کی جائے "رَبُّنَا الرَّحْمٰنُ الْمُسْتَعَانُ عَلٰى مَا تَصِفُوْنَ" ہمارا رب وہی ہے جس سے مصیبتوں، پریشانیوں اور مشکلات میں استعانت طلب کی جائے۔ سورۃ فاتحہ میں ان دونوں چیزوں کا اکٹھا تذکرہ ہے "اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ" یہ بات ہر وقت پیش نظر رہنی چاہیئے کہ عبادت صرف خدا تعالیٰ کی ہی ہو سکتی ہے اور مدد بھی اُسی سے طلب کی جا سکتی ہے۔ کائنات میں اللہ کے سوا کوئی ہستی نہیں جس سے مافوق الاسباب استعانت طلب کی جائے آج کے درس میں اللہ تعالیٰ کی توحید ربوبیت ہی کو موضوع سخن بنایا گیا ہے۔

ربوبیت کا تصور

مشرکین کی ہمیشہ یہ خواہش ہوتی تھی کہ دینِ اسلام پھیلنے نہ پائے چنانچہ وہ نہ خود دین کی بات سُنتے تھے اور نہ دوسروں کو مسلمانوں کے قریب آنے دیتے تھے اور اس ضمن میں طرح طرح کے تحفظات فراہم کرنے کا وعدہ بھی کرتے تھے۔ چنانچہ سورۃ عنکبوت میں اس کی ایک مثال یہ ہے "وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبِعُوْا سَبِيْلَنَا" کافر لوگ اہل ایمان سے کہتے تھے کہ ہمارے راستے کو اختیار کر لو "وَلْنَحْمِلْ خَطٰيٰكُمْ" ہم تمہارا بوجھ اٹھالیں گے۔ یعنی ہمارا دین قبول کرنے کی وجہ سے تمہیں کوئی تکلیف پہنچے گی یا تمہارا کوئی نقصان ہوگا تو اس کا ذمہ ہم لیں گے اللہ تعالیٰ نے آج کی آیت میں مشرکین کی اس قسم کی لغو باتوں کا رد فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے قُلْ

اے پیغمبر! آپ کہہ دیجئے اَغَیْرَ اللّٰہِ اَبْغِیْ رَبًّا کیا میں اللہ کے سوا کسی دوسرے کو رب تلاش کروں، العیاذ باللہ۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر میں دیکھتا پھروں کہ ربوبیت کی صفت کس میں پائی جاتی ہے تاکہ اپنی حاجات اُس کے سامنے پیش کر سکوں۔ یہ تو بالکل غلط بات ہے۔ اِس کے برخلاف حقیقت یہ ہے وَّھُوَ رَبُّ کُلِّ شَیْءٍ ہر چیز کا رب تو اللہ تعالیٰ ہے وہی خالق ہے جس نے ہر چیز کو پیدا کیا ہے اور وہی رَبُّ الْعٰلَمِیْنَ ہے ربوبیت کا معنی کسی چیز کو بتدریج حدِ کمال تک پہنچانا ہے۔ کسی چیز کی تخلیق کے بعد اس کی تربیت کے لیے اللہ تعالیٰ کی صفتِ ربوبیت ہی کام کرتی ہے اور اُس کے سوا یہ صفت کسی دوسری ذات میں نہیں پائی جاتی۔ ظاہر ہے کہ جب یہ صفت کسی اور میں نہیں پائی جاتی تو پھر اُس کے سوا مدد بھی کسی سے نہیں طلب کی جاسکتی۔ مستعان بھی وہی ہے۔ گویا توحید میں صفتِ ربوبیت کا ماننا بھی ضروری ہے۔ جس طرح اُس کے علاوہ مستحق عبادت کوئی نہیں اسی طرح ربوبیت کا مالک بھی اُس کے سوا کوئی نہیں۔ کائنات میں اللہ کی ربوبیت سے باہر کوئی چیز نہیں۔ ہر چیز اللہ تعالیٰ کی ربوبیتِ تامہ کے ساتھ ہی اپنے کمال تک پہنچ رہی ہے۔ یہ تو مشرکین کا رد ہو گیا۔

بوجھ اپنا اپنا

کفار کی دوسری دعوت اہل ایمان کے لیے یہ تھی کہ ہمارے راستے پر آجاؤ، اگر کوئی بوجھ ہوگا تو ہم برداشت کر لیں گے۔ اس حماقت کی بات کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا وَلَا تَکْسِبُ کُلُّ نَفْسٍ اِلَّا عَلَیْھَا کوئی انسان جو کچھ کماتا ہے اُس کی ذمہ داری اُسی پر پڑتی ہے۔ یعنی ہر شخص اپنے فعل کا ذمہ دار ہے اور وہی اُس کا بوجھ اٹھائے گا۔ ملتِ ابراہیمی کا یہ ایک عام قانون ہے وَلَا تَزِرُ وَازِرَۃٌ وِّزْرَ اُخْرٰی یعنی کوئی بوجھ اٹھانے والا کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائیگا بلکہ ہر ایک کو اپنا اپنا بوجھ خود اٹھانا ہوگا وزر کا معنی بوجھ اور وزر کا معنی گناہ ہوتا ہے۔ یہ پناہ کے معنوں میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ وزیر بھی اسی لفظ سے مشتق ہے اور اسکی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ امور سلطنت میں وزیر بادشاہ

کی جائے پناہ ہوتا ہے ضرورت کے وقت بادشاہ اُسی کی پناہ لیتا ہے اور اُسی کی طرف رجوع کرتا ہے۔ غرضیکہ ہر شخص اپنا بوجھ خود اٹھائے گا۔ دوسرے مقام پر موجود ہے کہ ہر نفس اپنا بوجھ خود اٹھائے گا اور اگر اُس نے کسی کے ساتھ زیادتی کی ہے تو اس کا بوجھ بھی اپنی گردن پر اٹھا کر لائے گا اور حساب کتاب کے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوگا۔ حضور علیہ السلام نے اس سلسلہ میں انسانوں، جانوروں حتیٰ کہ کیڑوں مکوڑوں تک کا ذکر کیا ہے۔ اگر کسی نے کسی دوسرے بھائی کی زمین غصب کی ہے تو وہ ٹکڑا اراضی بھی اُس کے گلے کا طوق بن جائے گا جسے وہ گھسیٹتا ہوا میدان محشر میں لائے گا۔ اسی طرح اگر کسی کا جانور چوری کیا ہے تو اُسے بھی اپنی گردن پر اٹھائے ہوئے آئے گا۔ اُس کے ہر عمل کا محاسبہ خود اُسی کی ذات سے ہوگا، اس معاملہ کی کسی دوسرے سے باز پرس نہیں ہوگی فرمایا "یَوْمَ تَاْتِیْ کُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا" (النحل) اُس دِن ہر شخص کو خود ہی جواب دینا پڑے گا، کوئی دوسرا اسکی طرف سے جواب دہ نہیں ہوگا۔ ایسا ہرگز نہیں ہوگا کہ گناہ کوئی کرے اور اُس کا بوجھ کسی دوسرے پر پڑ جائے یہ اللہ تعالیٰ کے قانون کے خلاف ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے بھی یہی اعلان کیا تھا۔ "وَاِبْرٰهِیْمَ الَّذِیْ وَفّٰۤی ۙ اَلَّا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰی ۙ وَاَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی" (النجم) کیا انہیں ابراہیم علیہ السلام کی یہ بات نہیں پہنچی کہ کوئی اٹھانے والے کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ نیز یہ کہ انسان کو وہی کچھ ملتا ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔ بہرحال اللہ تعالیٰ نے مشرکین کی اُس بات کا رد فرمایا جو وہ اہل ایمان سے کہتے تھے کہ ہمارا دین قبول کر لو تو ہم تمہارا بوجھ اٹھالیں گے

کفارے کا غلط عقیدہ

عیسائیوں نے کفارے کا غلط عقیدہ وضع کر رکھا ہے کہ جو غلطی آدم علیہ السلام سے سرزد ہوئی تھی اُس کا خمیازہ اُس کی ساری اولاد کو بھگتنا تھا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے سولی پر لٹک کر تمام بنی نوع انسان کی طرف سے اس

کا کفارہ ادا کر دیا۔ اب جو شخص اس عقیدے کو تسلیم کرے گا اُسے نجات مل جائیگی ظاہر ہے کہ یہ عقیدہ آیت زیرِ درس کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ تو فرماتا ہے کہ جو کچھ کوئی شخص کماتا ہے اُس کی ذمہ داری اُسی پہ ہوتی ہے اور کوئی شخص کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا مگر عیسائیوں نے حضرت آدم علیہ السلام کی غلطی کی ذمہ داری ساری اولاد پہ ڈال دی اور پھر سب کی طرف سے ایک آدمی نے کفارہ ادا کر کے سب کو چھڑا لیا۔ یہ بالکل باطل عقیدہ ہے جس کی کوئی حقیقت نہیں یہ عقل اور نقل دونوں کے خلاف ہے۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں "کرے کوئی اور بھرے کوئی" والا معاملہ نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے عقیدوں کا رد کیا ہے اور فرمایا ہے کہ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائیگا ثُمَّ اِلٰی رَبِّکُمۡ مَّرۡجِعُکُمۡ پھر تم سب کا تمہارے رب کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے ہر ایک کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پیش ہونا ہے فَیُنَبِّئُکُمۡ بِمَا کُنۡتُمۡ فِیۡہِ تَخۡتَلِفُوۡنَ پھر جن باتوں میں تم جھگڑا کرتے تھے وہ سب تمہارے سامنے کر دے گا۔ وہاں پہ ہر چیز کھل کر سامنے آجائیگی اور صحیح اور غلط میں امتیاز ہو جائے گا۔ اس دنیا میں حق و باطل اگرچہ آج بھی واضح ہے اور اللہ تعالیٰ نے اعلان کر دیا ہے "قَدۡ تَّبَیَّنَ الرُّشۡدُ مِنَ الۡغَیِّ" (البقرۃ) اس کے باوجود لوگوں نے بعض چیزوں کو خلط ملط کر دیا ہے۔ مگر قیامت والے دن کسی چیز میں کوئی شبہ باقی نہیں رہے گا۔ اور ہر چیز کھل کر سامنے آجائے گی۔ جن باتوں میں لوگ جھگڑا کرتے تھے وہ سب کی سب اصلی شکل و صورت میں سامنے آجائیں گے۔ بہرحال یہاں پہ شرک کا رد ہو گیا۔ توحید اور ہدایت کی بات آگئی۔ ہر انسان کے اعمال کی ذمہ داری کا تعین ہو گیا۔ کوئی دوسرا کسی کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا اور تمام متنازعہ امور کا قطعی اور اٹل فیصلہ ہو جائے گا اور پھر ہر شخص کو اپنے اعمال کی سزا یا جزا ملیگی۔

خلافتِ ارضی

اس کے ساتھ ساتھ اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے اپنی اس نعمت

کا بھی ذکر فرمایا ہے وَهُوَ الَّذِي جَعَلَكُمْ خَلَٰٓئِفَ الْأَرْضِ خدا کی ذات وہ ہے جس نے تمہیں زمین میں خلیفہ بنایا ہے۔ یہ خلافت خلافت عامہ بھی ہے اور خلافت خاصہ بھی۔ آج کل لوگ اللہ کی یہ نعمت پا کر بھی دندناتے پھرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی نیابت کا حق ادا کرنے کی بجائے اُس کی بغاوت پر آمادہ ہیں، اُس کے سامنے سر نیاز خم کرنے کی بجائے کفر اور شرک کا ارتکاب کرتے ہیں۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے انہیں پہلے لوگوں کی جگہ پر کھڑا کیا ہے۔ پھر ان کو بھی لے جائے گا اور ان کی جگہ دوسروں کو لے آئے گا۔ بعض لوگ بعض لوگوں کے نائب بنتے ہیں ایک نسل چلی جاتی ہے تو اس کی جگہ پر دوسری نسل آجاتی ہے۔ کسی شخص یا قوم کو دوام حاصل نہیں۔ یہ سب معاملات عارضی ہیں۔ لہٰذا انسان کو اپنی حیثیت کو سمجھنا چاہیئے اور اس دنیا میں خلافت پر متمکن ہو کر غرور و تکبر اختیار نہیں کرنا چاہیئے۔

خلافت ارضی کا دوسرا پہلو یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے پوری نوع انسانی کو اپنا نائب مقرر کیا ہے۔ سورۃ بقرہ کی ابتدا میں آتا ہے "وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَٰٓئِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً" چنانچہ سب سے آدم علیہ السلام کو خلافت حاصل ہوئی اور پھر آپ کی وساطت سے یہ ذمہ داری تمام اولادِ آدم کے کندھوں پر ڈالی گئی۔ ظاہر ہے کہ خلیفہ اصل حاکم کا نائب اور قائم مقام ہوتا ہے اور اُس کی طرف سے تفویض شدہ اختیارات کو بروئے کار لاتا ہے اور اُن کے مطابق عمل کرتا ہے اگر کوئی نائب اپنے حاکم اعلیٰ کے احکام کی خلاف ورزی کرتا ہے تو وہ باغی اور سرکش سمجھا جائے گا۔ اللہ نے انسان کو اپنا خلیفہ مقرر کیا ہے تو اس کا فرض ہے کہ نیابت کا حق ٹھیک طور پر ادا کرے۔ ہر شخص اپنی صلاحیت کے مطابق خدا تعالیٰ کا خلیفہ ہے اللہ تعالیٰ نے اُسے بعض اختیارات دے کر زمین میں بھیجا ہے اور حکم دیا ہے کہ میرے قانون پر خود بھی عمل کرو اور دوسروں سے بھی کراؤ، لہٰذا اب یہ انسان کا فرض ہے کہ وہ خلافت ارضی کی ذمہ داری

پوری کرے۔

فوقیت اور آزمائش

انسان کے حق میں اپنی خلافت کے تذکرے کے ساتھ اللہ تعالےٰ نے ایک اور بات بیان فرمائی ہے وَرَفَعَ بَعْضَكُمْ فَوْقَ بَعْضٍ دَرَجٰتٍ تم میں سے بعض کو درجے کے اعتبار سے بعض پر فوقیت بخشی ہے بعض کمزور ہیں اور بعض طاقتور۔ بعض لوگوں کو علم کے لحاظ سے دوسروں پر فوقیت حاصل ہے اور بعض مال و دولت میں فوقیت رکھتے ہیں۔ بعض خاندانی تفوق کے حامل ہوتے ہیں اور بعض مرتبے کے لحاظ سے اعلیٰ ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ایک کی صلاحیت علیحدہ علیحدہ رکھی ہے اور اس سے مقصود یہ ہے لِّيَبْلُوَكُمْ فِي مَا آتٰكُمْ تاکہ اُن چیزوں کے ذریعے تمہیں آزمائے جو اللہ نے تمہیں عطا کی ہیں۔ مثال کے طور پر امیر اور غریب میں تفریق پیدا کی اور امیر کو مال دے کر ساتھ حکم بھی دیا کہ غربا کا خیال بھی رکھنا مگر اکثر امراء یہاں آکر آزمائش میں پورے نہیں اُترتے۔ مال و دولت کے گھمنڈ میں آکر غریب کی مدد کرنے کی بجائے اس پر ظلم و ستم ڈھاتے ہیں اور اس طرح امتحان میں ناکام ہو جاتے ہیں۔ اِس طرح کسی شخص کو جسمانی قوت عطا کر کے کمزور آدمی کے ساتھ آزمائش میں مبتلا کیا ہے۔ اگر وہ کمزور کی خدمت کرے گا تو کامیاب ہوگا اور اگر کمزور کو مزید دبانے کی کوشش کریگا تو آزمائش میں ناکام ہو جائے گا۔ افسرانِ بالا کے لیے اُن کے ماتحت ملازمین آزمائش کا ذریعہ ہیں۔ اگر کوئی اپنے زیردستوں کے ساتھ حسن سلوک سے پیش نہیں آتا اُن کا حق پورا پورا ادا نہیں کرتا تو ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا کردہ نیابت کا حق ادا نہیں کر سکا۔

عالمِ ارواح والی حدیث میں آتا ہے۔ کہ جب حضرت آدم علیہ السلام نے اپنی اولاد کے تمام ارواح کو دیکھا تو ان میں تفاوت پا کر عرض کیا رَبِّ لَوْلَا سَوَّيْتَ بَيْنَ عِبَادِكَ اے پروردگار! تو نے اپنے بندوں میں

مساوات کو کیوں نہیں قائم کیا، تو اللہ جل جلالہٗ نے فرمایا کہ اگر میں سب مخلوق کو برابر کر دیتا تو کوئی بھی میرا احسان مند نہ ہوتا اور نہ میرا شکر ادا کرتا۔ بہر حال فرمایا کہ اللہ تعالیٰ بعض کو بعض کے ساتھ آزمائش میں ڈالتا ہے اور بعض کی دوسروں کو ماتحت بنانے میں ابتلا ہوتی ہے تاکہ عدل و انصاف کے قیام کا پتہ چل جائے۔ اصل مساوات کا حکم عدل و انصاف میں ہی دیا گیا ہے "اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ" (النحل) اللہ تعالیٰ تمہیں عدل اور احسان کا حکم دیتا ہے۔ جو لوگ ہر معاملے میں مساوات کی بات کہتے ہیں ان کا نظریہ درست نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے آزمائش کے لیے خود فرق رکھا ہے کہیں مال و دولت کے لحاظ سے فرق ہے تو کہیں جسمانی قویٰ کے لحاظ سے کہیں علم و فضل اور عقل و دانش کے لحاظ سے فرق ہے۔ لہٰذا مساوات کا مطالبہ غیر فطری ہے بعض لوگ عورت اور مرد کی مساوات کے قائل ہیں حالانکہ اللہ نے اُن کی تخلیق اور اُن کے اعضاء میں بہت فرق رکھا ہے مرد و زن کیسے برابر ہو سکتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے جسے قائم رہنا چاہیئے۔ ہاں عدل و انصاف کے معاملہ میں ہر ایک کے ساتھ مساوی سلوک ہونا چاہیئے، کسی کا حق غصب نہیں ہونا چاہیئے۔ اگر ایسا ہوا ہے تو اس کا ازالہ ہونا چاہیئے۔

شکل و صورت اور اعضاء و قویٰ کے علاوہ اللہ نے فرمایا "اِنَّ سَعْیَکُمْ لَشَتّٰی" (الیل) تمہاری کوششیں بھی مختلف ہیں۔ کوئی اچھائی کے لیے کوشش کرتا ہے اور کوئی برائی کے لیے۔ ابتلا تو اسی چیز کا نام ہے کہ دیکھیں خدا کی نیابت کا حق کون ادا کرتا ہے۔ اللہ نے فرمایا "وَنَبْلُوْکُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَیْرِ فِتْنَۃً" (الانبیاء) ہم خیر و شر دونوں کے ذریعے آزمائش میں ڈالتے ہیں کہ کون صحیح راستہ پکڑتا ہے۔ اور کون ہے جو غلط راستے پر چلتا ہے۔ توحید خالص کون اختیار کرتا ہے اور کفر و شرک

میں کون مبتلا ہوتا ہے۔ بدعات کو کون رواج دیتا ہے اور منافقت کی طرف کون جاتا ہے۔ خدا تعالیٰ کی حکمت کا یہ تقاضا ہے کہ وہ انسان کو آزمائش میں ڈالے۔ فرمایا، یاد رکھو! اِنَّ رَبَّكَ سَرِيْعُ الْعِقَابِ بیشک تیرا رب بہت جلد عذاب دینے والا ہے۔ جب وہ سزا دینے پر آتا ہے تو سب کچھ آناً فاناً ہو جاتا ہے۔ اس میں کوئی دیر نہیں لگتی۔ وَاِنَّهٗ لَغَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اور وہ اللہ تعالیٰ بے حد بخشش کرنے والا اور مہربان بھی ہے۔ وہ انسان کو مہلت بھی دیتا ہے۔ جب انسان سرکشی کے بعد پھر اس کی طرف رجوع کر لیتا ہے۔ تو وہ معاف کرنے میں بھی دیر نہیں کرتا ہے۔ وہ نہ صرف اس کی سابقہ خطائیں معاف فرما دیتا ہے بلکہ اُسے اپنی رحمت کے خزانوں سے بھی نوازتا ہے۔

مختلف سورتوں میں ربط

اس سورۃ مبارکہ کی ابتداء "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" سے ہوئی تھی اور غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ پر ختم ہوئی ہے۔ اس عظیم سورۃ کے متعلق حضرت عمرؓ کا قول ہے کہ یہ مِنْ نَجَائِبِ الْقُرْاٰنِ یعنی قرآن پاک کی عمدہ سورتوں میں سے ہے۔ اس سورۃ میں اللہ تعالیٰ نے توحید اور ملت ابراہیمی کے صحیح طریقہ کو بیان فرمایا ہے اور شرک کی تمام اقسام کا ردّ فرمایا ہے۔ ابتدا سورۃ بقرہ میں یہود کو خطاب کر کے ان کی چالیس غلطیوں کی نشاندہی کی گئی اور اُن کی اصلاح کا پروگرام بیان کیا گیا۔ پھر اگلی سورۃ آل عمران میں اللہ نے نصاریٰ کو خطاب کیا اور اس ضمن میں ۸۳ آیات نازل فرمائیں۔ اس سورۃ مبارکہ میں عیسائیوں کے باطل عقاید کا ردّ کیا گیا ہے اور خاص طور پر اُن کے عقیدہ ابنیت کا تعاقب کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اگلی دو سورتوں یعنی سورۃ نساء اور مائدہ میں مشرکین عرب کے شرک اور رسومات باطلہ کو موضوع سخن بنا کر اُن کا ردّ کیا گیا ہے۔ اور دین کی حقیقت کو سمجھایا گیا ہے۔

موجودہ سورۃ انعام "جَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ" سے ابتدا کر کے مجوسی طبقے کا ردّ کیا گیا ہے۔ مجوسی اور صابی قوموں کے غلط عقائد کی نشاندھی کی گئی ہے اور ہر طرح کے شرک کی تردید کی گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے عقائد اور افعال

میں شرک پر تفصیل سے بحث کی ہے ۔ خاص طور پر ندا لغیر اللہ اور نذر لغیر اللہ سے منع فرمایا ہے ۔ غرضیکہ اِن سورتوں میں مختلف اقوام اور مذاہب کے نظریات کو سامنے رکھ کر اُن لوگوں سے خطاب کیا گیا ہے اس سورۃ کے نزول کے متعلق طبرانی شریف کی روایت میں ہے کہ بعض آیات کو چھوڑ کر ساری کی ساری سورۃ بیک وقت نازل ہوئی ۔ مستدرک حاکم میں ہے کہ اِس سورۃ کے نزول کے وقت جبرائیل علیہ السلام کے ہمراہ ستر ہزار فرشتے نازل ہوئے ، جن سے زمین و آسمان کی درمیانی فضا بھر گئی ۔ فرشتے تسبیح و تحمید کرتے ہوئے آ رہے تھے ۔ حضور علیہ السلام نے یہ سورۃ ایک ہی وقت میں صحابہؓ کو پڑھ کر سنائی جسے انہوں نے اپنے سینوں میں ضبط کر لیا ۔

اگلی سورۃ اعراف میں تمام اقوام عالم کو مشترکہ طور پر خطاب ہے اور تمام انبیاءؑ کے مشترکہ دین کی جھلک پیش کی گئی ہے ۔ اس کے بعد اگلی سورتوں میں مزید پیش رفت ہو گی ۔

والحمد للہ اولاً و اٰخراً و صلی
اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد
والہ واصحابہ وازواجہ امہات
المومنین واتباع اجمعین
برحمتك یا ارحم الراحمین

معالم العرفان فی دروس القرآن

افادات

مفسر قرآن حضرت مولانا صوفی عبدالحمید سواتی صاحب

ریکارڈنگ

بلال احمد ناگی صاحب

مرتب

الحاج لعل دین صاحب (ایم۔اے علوم اسلامیہ)

زیر انتظام

انجمن محبان اشاعت قرآن

صدر انجمن

شیخ محمد یعقوب عاجز

جنرل سیکرٹری

بابو غلام حیدر صاحب

خزانچی

محمود انور بٹ ایڈووکیٹ

ناظم مکتبہ (مکتبہ دروس القرآن)

محمد منیر صاحب Ph: 4221943

مکتبہ دروس القرآن گوجرانوالہ